آداب نماز

مؤلف

حضرت امام خمینی رضوان اللہ علیہ

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

قرآن سینٹر 24 الفضل مارکیٹ اُردو بازار لاہور۔ 0321-4481214,042-37314311

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آداب نماز

مؤلف

حضرت امام خمینی رضوان اللہ علیہ

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ

۲۴۔ الفضل مارکیٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب _____ آداب نماز

تالیف _____ حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ

عربی حوالہ جات و تصحیح _____ مجاہد حسین حرؔ

پروف ریڈنگ _____ خانم آر چوہدری

کمپوزنگ _____ قائم گرافکس۔ جامعہ علمیہ۔ ڈیفنس کراچی 0345-2401125

ناشر _____ مصباح القرآن ٹرسٹ۔ لاہور۔ پاکستان

تعداد _____ ایک ہزار (۱۰۰۰)

طبع _____ اوّل

قیمت _____ 500

ملنے کا پتہ

مصباح القرآن ٹرسٹ

۲۴۔ الفضل مارکیٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرض ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ محسن ملت سید صفدر حسین نجفی اعلی اللہ مقامہ کی ان صدقاتِ جاریہ میں سے ہے جس سے لوگ تا قیامت استفادہ کرتے رہیں گے اور موصوف کے درجات عالیہ میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ مصباح القرآن ٹرسٹ نے تراجم وتفاسیر قرآن سے کام شروع کیا اور پھر ہر وہ کتاب جس کی ملت کو ضرورت تھی شائع کی انشاء اللہ العزیز شائع کرتی رہے گی۔

موجودہ کتاب ''آداب نماز'' امام خمینیؒ کی تالیف شدہ کتاب ہے اس کتاب میں نماز کے آداب کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد انسان نماز کی لذت کو اپنے جسم و رح میں محسوس کرسکتا ہے۔ اس کتاب میں احادیث کے عربی متن اعراب کے ساتھ رکھا گیا تا کہ طلاب ومقررین کرام اور خطبائے عظام کے لئے ایک سہولت ہو۔ ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب انشاء اللہ آپ کو پسند آئے گی۔

یادرہے کہ مصباح القرآن ایک خودمختار ادارہ ہے اس کے بانی محسن ملت مرحوم حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید صفدر حسین نجفیؒ تھے انہوں نے اس ادارہ کا ایک الگ ٹرسٹ تشکیل دیا تھا جو پہلے دن سے اپنے تمام اخراجات کا خود انتظام کرتا ہے۔

مصباح القرآن نے اپنی تمام کتابیں آپ کے استفادہ کے لئے انٹرنیٹ پر دے دی ہیں۔ ایڈریس ہے:

www.misbahulqurantrust.com

EMail: misbahulqurantrust@yahoo.com

قارئین کرام سے التماس ہے کہ اگر وہ اس کتاب میں کہیں خامی دیکھیں یا کمی محسوس کریں تو ہمیں مطلع ضرور فرمائیں ہم آپ کے شکر گزار ہوں گے۔ ادارہ کی ترقی اور اس کے بانی محسن ملت سید صفدر حسین نجفی اعلی اللہ مقامہ کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کے طالب ہیں۔

ادارہ

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

تقریظ

از حجۃ الاسلام والمسلمین شیخ شبیر میثمی

قرآن مجید اعلان کر رہا ہے کہ ''نماز فحشات ومنکرات سے روکتی ہے''۔

ہم معاشرے میں دیکھتے ہیں کہ لوگ نماز تو پڑھتے ہیں لیکن معاشرے میں برائیاں موجود ہیں اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خداوند عالم کا اعلان نعوذ باللہ غلط ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے نماز کو چند اعمال کی ادائیگی اور اس اذکار کو صرف زبان پر جاری کرنے تک محدود سمجھ لیا ہے اور حقیقت نماز سے کوسوں دور ہیں خداند قدوس کی بارگاہ میں التماس ہے کہ وہ ہمیں حقیقی نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

نماز کے آداب اور حقیقت کے موضوع پر امام خمینیؒ نے ایک کتاب بنام ''آداب نماز'' تالیف فرمائی تھی جو بعد اردو زبان میں ترجمہ ہونشر وآثار امام خمینی سے کئی بار شائع ہو چکی ہے اس کتاب کی افادیت کی بنا پر مصباح القرآن ٹرسٹ نے اسے شائع کرنے کا اہتمام کیا تو معلوم ہوا کہ اس کتاب میں عربی عبارت کے اعراب اور حوالہ جات میں نواقص پائے جاتے ہیں زہرا اکیڈمی پاکستان کے محقق جناب مولانا مجاہد حسین حرؔ صاحب نے اس کام انتہائی احسن طریقہ سے انجام دے کر کتاب کو ایک نئی شکل دے دی ہے۔

خداوند عالم موصوف کی توفیقات میں اضافہ اور مصباح القرآن ٹرسٹ کے بانی حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سید صفدر حسین نجفی نور اللہ مرقدہ کی روح کو جوار معصومین علیہم السلام میں جگہ عنایت فرمائے اور اس ادارے کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ (آمین)

طالب دعا
شبیر میثمی

فہرست کتاب

حضرت امام خمینیؒ کا خط حجۃ الاسلام والمسلمین حاج سید احمد خمینیؒ کے نام 13
حضرت امام خمینیؒ کا خط حجۃ الاسلام سید احمد خمینی کی اہلیہ کے نام 15
مقدمۂ مؤلف 19
مقدمۂ کتاب 21

مقالۂ اولیٰ

وہ آداب جو نماز، بلکہ تمام عبادات ومناسک کے تمام حالات میں لازم ہیں 27
عزت ربوبیّت اور ذلت عبودیّت 28
مقامات اہل سلوک کے مراتب 32
خشوع 35
طمانینت 40
شیطان کے تصرف سے عبادت کی محافظت 44
نشاط وبہجت 48
تفہیم 54
حضور قلب 58
حضور قلب کے بارے میں حدیثیں 65
حضور قلب حاصل کیجئے 69
خیال کی ہرزہ گردی کا علاج 72
حب دنیا سے انتشار ذہنی پیدا ہوتا ہے 76
نفس کا رخ دنیا کی طرف سے موڑے رہے 82

مقالۂ ثانیہ

نماز کے مقدمات اور بعض آداب قلبیہ 85
مقصد اول: طہارت 87
''طہور'' کا اجمالی بیان 88
مراتب طہور کی طرف کچھ اشارہ 92
طہارت کی غرض سے پانی کی طرف متوجہ ہوتے وقت سالک کے لئے قلبی آداب 95
طہور 100
وضو کے کچھ باطنی وقلبی آداب 102
وصل 104
غسل اور اس کے قلبی آداب 108
ازالہ نجاست اور تطہیر خبائث کے کچھ قلبی آداب 112
وصل: 118
مقصد دوم: لباس کے کچھ آداب 121
مقام اول: مطلق لباس کے آداب 123
بدن کا ظاہر 124
مقام دوم: لباس مصلّی کے کچھ آداب 129
باب اول: طہارت لباس کا رمز 131
محضر مقدس میں باریابی کے موانع 132
باب دوم: ستر عورتین کے قلبی اعتبارات 137
اور اللہ کے ساتھ خلوت 138
وصل: 142
مقصد سوم 145
مکان مصلّی کے قلبی آداب 145
مکان کی معرفت 146

وصل 149
اباحت مکان کے بعض آداب 152
مقصد چہارم: وقت کے قلبی آداب 155
اصحاب معرفت اور اوقات عبادت 156
وقت کی پابندی 160
مقصد پنجم: استقبال کے بعض آداب 163
استقبال کے مجموعی آداب 164
استقبال کے بعض قلبی آداب 166
وصل 168

مقالۂ ثالثہ

مقارنات نماز 171
باب اول: اذان و اقامت کے چند آداب 173
مجموعی رمز اور اجمالی آداب اذان و اقامت 174
اذان و اقامت کی تکبیرات کے بعض اسرار و آداب 178
الوہیت کی شہادت کے آداب اور اذان و نماز سے اس کا ربط 184
تنبیہ عرفانی 186
وصل 187
رسالت کی شہادت کے بعض آداب اور شہادت ولایت کی طرف ایک اشارہ 190
نکتہ عرفانیہ 194
فرع فقہی اور اصل عرفانی: 195
حیعلات کے بعض آداب 197
وصل و تتمیم: 199
باب دوم: قیام 201
قیام کا مجموعی رمز 202

آداب قیام 204
ایک موعظہ حسنہ 210
باب سوم: نیت کا رمز اور اس کے آداب 213
عبادت میں نیت کی حقیقت 214
نیت کے اہم آداب 218
اخلاص کے بعض مراتب 222
منکر مقامات 225
اخلاص کے کچھ اور درجات کا بیان 233
باب چہارم: آداب قرائت و اسرار قرائت کا بیان 241
مصباح اول: قرآن شریف کی قرائت آداب 243
کتاب الٰہی کی قرائت کے آداب 244
کتاب الٰہی کے مشتملات اور مقاصد و مطالب 248
کتاب شریف سے استفادہ کرنے کی راہ 256
موانع استفادہ کو دور کرنا 260
تفکر 269
تطبیق 273
خاتمہ 278
مصباح دوم: نماز کے ساتھ مخصوص قرائت و آداب 283
قرائت نماز کے آداب 284
تکمیل 292
استعاذہ کے بعض آداب 295
تتمیم و نتیجہ 303
ارکان استعاذہ چار ہیں 304
رکن اول (مستعیذ) 304

دوسرا رکن؛ مستعاذ منہ 306
استعاذہ کا تیسرا رکن مستعاذ بہ 308
استعاذہ کا چوتھا رکن مستعاذہ لہ 309
تسمیہ کے کچھ آداب 311
سورہ ''حمد'' کی اجمالی تفسیر اور تمجید وقرائت کے چند آداب 318
تحقیق عرفانی 324
تفصیلی بحث 326
نقل وتحقیق 331
تتمیم 333
تنبیہ 337
ایک اور تنبیہ 339
ایمانی بیداری 342
حکیمانہ تحقیق 347
الہام عرشی 351
تنبیہ عرفانی 352
تنبیہ ادبی 353
تنبیہ اشراقی 355
تحقیق عرفانی 356
ایک تنبیہ، ایک نکتہ 358
ایک عرفانی فائدہ 359
ایمانی بیداری 360
فرع فقہی 361
ایک فائدہ 362
تنبیہ اشراقی اور اشراق عرفانی 365
تنبیہ ایمانی 367

دوسرا مقام 367
تنبیہ عرفانی 369
ایک اقتباس مزید توضیح کے لئے: 371
خاتمہ 373
سورہ حمد کی فضیلت روایات کی نظر میں 376
سورہ مبارکہ توحید کی مختصر تفسیر 380
ایک حکیمانہ تنبیہ 385
تنبیہ عرفانی 386
حکیمانہ تفسیر 389
حکمت مشرقیہ 391
تتمیم 392
خاتمہ 395
سورہ مبارکہ قدر کی مختصر تفسیر 397
مطلب اول 397
مطلب دوم 399
مطلب سوم 400
مطلب چہارم 402
مطلب پنجم 402
تنبیہ عرفانی 411
تتمہ 412
تنبیہ عرفانی 416
امر اول: اصناف ملائکۃ اللہ کا ذکر اور ان کی حقیقت کی طرف اجمالی اشارہ 416
قسم دوم 418
امر دوم: ولی امر پر ملائکۃ اللہ کے نزول کی کیفیت 420
تنبیہ عرفانی 422

خاتمہ 423
سورہ قدر کی فضیلت 424
اعتذاد 424
باب پنجم : رکوع کے کچھ آداب واسرار 427
رکوع سے پہلے تکبیر 428
رکوع میں خم ہونے کے آداب 430
صلاۃ المعراج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 432
حقیقی رکوع 434
رکوع سے سر اٹھانے کا ذکر 437
باب ششم : اسرار وآداب سجود کی طرف اجمالی اشارہ 441
سجود کا مجموعی راز 442
سجدہ کے اسرار وآداب 443
سجدے کا قوام 446
باب ہفتم : آداب تشہد کی طرف اجمالی اشارہ 449
وحدانیت ورسالت کی گواہی اذان واقامت 450
قلبی آداب اوران کے حقائق واسرار کی طرف اشارے 452
باب ہشتم : سلام کے آداب 455
سلام کے معنی نمازوں کے آخر میں امان ہے 457
خاتمہ کتاب 461
نماز کے بعض داخلی وخارجی امور کے آداب 461
قنوت کے قلبی آداب 467
تعقیبات 470
ختم ودعا 473

حضرت امام خمینیؒ کا خط
حجۃ الاسلام والمسلمین حاج سید احمد خمینیؒ کے نام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کتاب آداب الصلوٰۃ کو، جس سے میں نے خود کوئی فائدہ نہیں اٹھایا سوائے ان گزرے ہوئے دنوں میں اپنے قسور وتقصیر پر افسوس کے جب مجھ میں خود سازی کی قوت موجود تھی اور زمانہ پیری میں علاوہ حسرت وندامت کے، جب ہاتھ خالی ہے، بار سنگین ہے، راہ بہت دراز ہے، قدموں میں چلنے کی طاقت نہیں اور آواز ''الرحیل'' کانوں سے ٹکرا رہی ہے، اپنے فرزند عزیز ''احمد'' کو ہدیہ کرتا ہوں جو قدرت جوانی سے کامیاب ہے، اس امکان اور امید کے ساتھ کہ انشاءاللہ وہ اس کتاب کے مضامین سے جو کتاب کریم اور سنت شریف اور بزرگوں کے افادات سے مرتب کی گئی ہے استفادہ کرے اور اہل معرفت کی راہنمائی میں معراج حقیقی کی راہ پالے اور اس ظلمت کدہ (مادیت) سے دل ہٹالے اور انسانیت کے اس اصلی مقصد کے حصول کی توفیق پائے، جس کا راستہ انبیائے کرام اور اولیائے عظام صلوات اللہ و سلامہ علیہم نے پایا اور دوسروں کو اس پر چلنے کی دعوت دیتے رہے۔

میرے بیٹے! تمہارا خمیر وجود اللہ کی بنائی ہوئی فطرت پر خلق ہوا ہے۔ خود کو پہچانو! اور خود بینی وخود خواہی کی خوفناک موجوں کی گرداب ضلالت سے نجات حاصل کرو! اور سفینہ نوح پر، جو ولایت الٰہی کا پرتو ہے، سوار ہو جاؤ! کیونکہ ''مَنۡ رَکِبَھَا نَجَا وَ مَنۡ تَخَلَّفَ عَنۡھَا ھَلَکَ''[1] میرے بیٹے! کوشش کرو کہ صراط مستقیم پر، جو اللہ کا راستہ ہے، چاہے گرتے پڑتے چلو مگر چلو اور قلبی وقالبی حرکات وسکنات کو معنویت والوہیت کا رنگ دو اور خدمت اس لئے کرو کہ اسے اللہ نے پیدا کیا ہے، انبیائے عظام اور خدا کے خاص اولیاء، حالانکہ دوسروں کی طرح کاموں میں مشغول رہتے تھے، مگر کبھی دنیا (کے فریب) میں نہیں آئے، کیونکہ ان کی مشغولیت حق کے سبب سے اور حق کے لئے تھی۔

---

[1] شرح الاخبار فی فضائل الائمۃ الاطہار علیہم السلام/ ج ۲ / ۲۶۹ / [السیر علی خطی أمیر المؤمنین] ..... ص: ۲۶۸

اسی سلسلہ میں حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے، آپؐ نے فرمایا:

"لَيُغانُ عَلى قَلبي وَ انّي لَاَستَغفِرُ اللّٰه في كُلِّ يَومٍ سَبعينَ مَرَّةً". [1]

جس شخص کے دل پر گرد وغبار چھا جائے اسے چاہئے کہ ہر روز ستر مرتبہ استغفار کیا کرے۔

شاید کثرت میں رؤیت حق کو کدورت شمار فرماتے تھے۔

بیٹا! خود کو تیار رکھو کہ میرے بعد تم پر جفائیں ہوں گی اور جو رقابتیں لوگ مجھ سے رکھتے ہیں وہ تمہارے حساب میں شامل کردیں گے۔ اگر تم نے اپنے خدا کے ساتھ اپنا حساب صاف رکھا اور ذکر خدا سے پناہ چاہی تو مخلوق کا خوف دل میں لانے کی ضرورت نہیں، کیونکہ مخلوق کا حساب جلدی ختم ہوجانے والا ہے، جو حساب ازلی ہے وہ بارگاہ خدا میں حساب کے لئے پیشی ہے۔

میرے بیٹے! میرے بعد ممکن ہے کسی خدمت کی پیشکش تمہیں کی جائے۔ اگر تمہارا مقصد اسلام اور جمہوری اسلامی کی خدمت ہو تو رد نہ کرنا اور اگر خدانخواستہ نفسانی خواہشات اور ہوا و ہوس دنیا کے لئے ہو تو اس سے بچے رہنا، کیونکہ دنیاوی عزتیں اتنی قیمتیں نہیں رکھتیں کہ ان تک پہنچنے کے لئے خود کو تباہ کرو۔

بارالہا! احمد اور اس کے گھرانے اور متعلقین کو، جو تیرے بندے اور تیرے رسول اکرمؐ کا گھرانہ ہیں، دنیا و آخرت کی سعادتیں نصیب فرما اور شیطان ملعون کے ہاتھ کو انہیں نقصان پہنچانے سے روک دے۔

مالک! ہم کمزور اور نادار ہیں اور قافلہ سالکان سے پیچھے رہ گئے ہیں، تو خود ہماری دستگیری فرما۔

"رَبَّنا عامِلْنا بِفَضْلِكَ وَلا تُعامِلْنا بِعَدْلِك". [2]

والسلام علیٰ عباد اللہ الصالحین۔

روح اللہ الموسوی الخمینی

۲۳ ربیع الاول ۱۴۰۵ـ ۲۵ آذر ۱۳۶۳

---

[1] کتاب الصلاۃ، ابواب الذکر، باب ۲۲، حدیث ۱

[2] "پروردگارا! ہم سے اپنے فضل کے ساتھ معاملہ کرنا، اپنے عدل کے ساتھ معاملہ نہ کرنا"

حضرت امام خمینیؒ کا خط
حجۃ الاسلام سید احمد خمینی کی اہلیہ کے نام

افسوس کہ ہنگام عبادت تو گیا
باقی ہیں گناہ، وقت طاعت تو گیا
کل یوم جزا توبہ جب آئے گی یاد
کہہ دیں گے ملک وقت ندامت تو گیا

کتاب ''آداب الصلواۃ'' جو میں اپنی پیاری بیٹی فاطی [1] کو بطور تحفہ دے رہا ہوں [خدا اسے نماز گزاروں میں شمار کرے] اور اس کی تکمیل کو چالیس سال سے زیادہ ہو رہے ہیں۔ اس سے چند سال پہلے میں نے کتاب ''سر الصلوٰۃ'' مکمل کی تھی۔ اسے بھی اب چالیس سال سے زیادہ ہو چکے ہیں۔ لیکن میں خود نماز کے اسرار کو پا سکا اور نہ آداب نماز کا حق ادا کر سکا۔ یافت اور ہے بافت کچھ اور، اور ساخت اور ہے پرداخت کچھ اور! یہ کتاب مالک کی طرف سے اس بندۂ بے مایہ پر ایک حجت ہے اور میں خدائے تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں اس آیۂ شریفہ میں شامل ہوں جو کمر ہمت کو توڑنے والی ہے:

''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ. كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ''. [2]

اللہ کے نزدیک یہ بڑی ناراضی کی بات ہے کہ تم کہو ایسی بات جو کرو نہیں۔ بے شک خدا ان

---

[1] فاطمہ طباطبائی، اہلیہ حضرت حجۃ الاسلام والمسلمین الحاج سید احمد خمینیؒ۔

[2] سورۂ یوسف، آیہ ۱، ۲

(مجاہدوں) کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں یوں صف بستہ ہو کر (پَرا جما کر) جنگ کرتے ہیں کہ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

(ایسی صورت میں) اللہ کی رحمت واسعہ کے سوا کہیں پناہ نہیں ہے۔

اور تم اے میری بیٹی!

امید ہے کہ اس معراج عظیم کے آداب بجالانے کے لئے موفق رہو گی اور اس براق الٰہی کی راہنمائی میں نفس کے اندھیرے گھر سے ہجرت کر کے اللہ سے لو لگاؤ گی۔

میں تمہیں اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں تا کہ ان اوراق کا مطالعہ تمہارے خواہشات نفسانی میں اضافہ کا سبب نہ بنے اور تمہیں اس کتاب کے لکھنے والے کہ طرح باز بچہ ابلیس ملعون نہ بننے دے۔

میری بیٹی!

ہر چند کہ خدا کا شکر ہے میں نے تم میں لطافت روحی پائی، جس کی وجہ سے امید یہی ہے کہ اللہ کی ہدایت تمہارے شامل حال رہے گی اور خدائے جل وعلا کی عنایت سے تم مادیات کے چاہ عمیق سے نجات پاؤ گی اور انسانیت کے صراط مستقیم کو پالو گی،

لیکن! شیطان اور اس سے بھی زیادہ خطرناک، نفس کے جال سے غافل نہ رہنا اور خدائے بزرگ کی پناہ مانگتی رہنا "أَنَّهُ رَحِيمٌ بِعِبَادِهِ"[1] بے شک وہی اپنے بندوں پر رحم کرنے والا ہے۔

بیٹی! ان اوراق کے مطالعہ سے اگر خدانخواستہ کوئی نتیجہ حاصل نہ ہو، پھر بھی خودنمائی، مجلس آرائی اور سر جوڑ کر بیٹھنا، بہتر کہ ان چیزوں کے مطالعہ سے احتراز کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری طرح ایک دن تمہیں بھی پچھتانا پڑے اور اگر انشا اللہ تم نے خود کو ان مطالب سے، جو کتاب وسنت، احادیث اہل بیت عصمتؑ اور افادات اہل معرفت سے اخذ کئے گئے ہیں، جی جان سے استفادہ کرنے پر آمادہ کرلیا اور اپنی طبیعت کی اس لطافت و استعداد سے کام لیا جو خدا نے تمہیں عطا فرمائی ہے۔ تو بسم اللہ! یہ ہے گنبد اور یہ ہے میدان!!

امید ہے کہ اس معراج انسانی اور معجون رحمانی میں مشغول ہو کر دل کو غیر اللہ سے خالی رکھو گی اور آب حیات سے دل کو دھولو گی اور چار تکبیریں کہہ کر خود کو خودی سے آزاد کرلو گی تا کہ دوست تک رسائی ہو سکے۔

---

[1] بحار الأنوار (ط-بيروت) / ج89 / 250 / باب 29 فضل سورة الفاتحة و تفسيرها و فضل البسملة و تفسيرها و كونها جزءا من الفاتحة و من كل سورة و فيه فضل المعوذتين أيضا ..... ص: 223

"وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا"[1]

اور جو شخص اپنے گھر سے خدا اور رسول (ص) کی طرف ہجرت کے ارادہ سے نکلے پھر اسے موت آجائے، تو اس کا اجر وثواب اللہ کے ذمہ ہوگیا۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

بارالہا! ہمیں مہاجر الی اللہ ورسولہ قرار دے اور فنا تک پہنچادے اور فاطمی واحمد کو توفیق خدمت عطا کر اور انہیں سعادت وخوش بختی تک پہنچادے۔

والسلام
روح اللہ الموسوی الخمینی
۲ صفر المظفر ۱۴۰۵ھ

[1] سورۂ نساء/۱۰۰

قال امیر المومنین علیہ السلام:

أُوصِيكُمْ بِالصَّلَاةِ هِيَ الَّتِي عَمُودُ الدِّينِ وَ قِوَامُ الْإِسْلَامِ فَلَا تَغْفُلُوا عَنْهَا.[1]

میں تمہیں نماز کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ دین کا ستون اسلام کا مضبوط قلعہ ہے اس سے غفلت نہ برتنا۔

[1] بحار الأنوار (ط - بیروت) / ج 79 / 232 / باب 1 فضل الصلاۃ وعقاب تارکہا..... ص: 188

مقدمۂ مؤلف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ. وَ صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہِ الطَّاہِرِیۡنَ وَ لَعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلٰی اَعۡدَآئِہِمۡ اَجۡمَعِیۡنَ مِنَ الۡاٰنِ اِلٰی قِیَامِ یَوۡمِ الدِّیۡنَ.

خدا وندا! ہمارا قدم سیر تیری بارگاہ قدس تک پہنچنے سے عاجز ہے اور ہمارا دست طلب تیرے دامن انس تک جانے سے قاصر، شہوت وغفلت کے حجابوں نے ہماری بصیرت کو تیرے جمال جمیل سے محجوب کر دیا ہے اور حب دنیا اور شیطنت کے سیاہ پردوں نے ہمارے دلوں کو تیرے عز جلال کی طرف توجہ سے مہجور بنا رکھا ہے، راہ آخرت باریک ہے اور طریق انسانیت (تلوار کی دھار کی طرح) تیز اور ہم بے چارے (کمزور ہونے کے باوجود) گوشت خوری اور لذات دنیا کی فکر میں غلطاں ہیں۔ ہم ایسے حیرت زدہ ہیں کہ ریشم کے کیڑے کی طرح خواہشوں اور امیدوں کے تار اپنے اوپر تنے ہوئے اور عالم غیب اور محفل انس سے یکسر نظریں پھرائے ہوئے ہیں۔ (ایسی حالت میں نجات کا راستہ کوئی نہیں) سوائے اس کے کہ تو ہی بارگاہ الٰہیہ سے ہمارے دل کی آنکھوں کو روشنی بخشے اور کسی غیبی چنگاری سے ہمیں خود سے بے خود بنا دے۔

"إلهی هَبْ لی کَمالَ الْانْقِطاعِ إلَیْكَ وَ أَنِرْ أَبْصارَ قُلُوبِنا بِضیاءِ نَظَرِها إِلَیْكَ حَتّٰی تَخْرِقَ أَبْصارُ الْقُلُوبِ حُجُبَ النُّورِ فَتَصِلَ إلی مَعْدِنِ الْعَظَمَةِ وَ تَصیرَ أَرْواحُنا مُعَلَّقَةً بِعِزِّ قُدْسِكَ"[1]

بار الہا! دنیاوی متعلقات سے خود تیری اپنی ذات کی طرف توجہ کے لئے مجھے کمال قطع تعلق عنایت فرمایا اور ہمارے دلوں کی آنکھوں تیری اپنی ذات کی طرف دیکھنے کے نور سے روشن کر دے تاکہ دل کی آنکھیں نور کے

---

[1] مناجات شعبانیہ، بحار الانوار، جلد ۹۱، ص ۹۹

پردوں کو چاک کر کے تیری عظمت و جلال کے خزانے تک پہنچ جائیں اور ہماری روحیں تیری عزت قدس سے معلق ہو جائیں۔

اما بعد، اب سے چند روز پہلے میں نے ایک رسالہ [1] مرتب کیا تھا جس میں مقدور بھر اسرار صلاۃ درج کئے تھے، لیکن چونکہ اس رسالہ کو عوام کے احوال سے کوئی مناسبت نہیں ہے اس لئے میں نے سوچا کہ اس معراج روحانی کے کچھ قلبی آداب ضبط تحریر میں لاؤں، شاید برادران ایمانی کے لئے موجب تذکر اور میرے بے رحم دل کے لئے باعث تاثر ہو۔ خدائے تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں تا کہ وہ مجھے تصرف شیطان اور حصول خذلان سے بچائے۔ "انہ ولی قدیر" (وہی صاحب قدرت سرپرست ہے)۔

اس کتاب کو میں نے ایک مقدمہ، چند مقالات اور ایک خاتمہ پر ترتیب دیا ہے۔

---

[1] کتاب سر الصلوٰۃ (معراج السالکین وصلوٰۃ العارفین) کی طرف اشارہ ہے۔ جناب مؤلف قدس سرہ الشریف نے حمد وصلوٰۃ ودعا کے بعد یوں تحریر فرمایا ہے: ''وبعد، اس سرگشتہ حیرت و جہالت، وابستہ تعلقات انیّت و انانیت، سرگرم بادہ خودی وخود پرستی، مقامات معنویہ وملک ہستی سے بے خبر نے خلوص کے ساتھ ارادہ کیا کہ اس روحانی سلوک اور ایمانی معراج میں اولیائے عظام کے چند روحانی مقامات کو رشتہ تحریر میں لاؤں۔۔۔۔'' اس کتاب شریف کی تالیف کا اختتام ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۵۸ ھجری قمری کو ہوا جو ۱۹ خرداد ۱۳۱۸ ہجری شمسی کے مطابق تھی۔

مقدمۂ کتاب

یادرکھنا چاہئے کہ نماز کی عام ظاہری صورت کے علاوہ ایک معنوی صورت ہے اوراس ظاہر کے علاوہ ایک باطن ہے اورجس طرح ظاہر کے آداب ہیں، جن کا لحاظ نہ رکھنے سے یا نماز باطل ہو جاتی ہے یا ناقص رہ جاتی ہے۔ (اور شکیات وسہویات کے احکام پرعمل کر کے اس کی تکمیل کرنا پڑتی ہے) اسی طرح باطن کے بھی قلبی و باطنی آداب ہیں جن کا لحاظ نہ رکھنے سے نماز معنوی باطل یا ناقص رہتی ہے اوران کا لحاظ رکھنے سے نماز میں روح ملکوتی پیدا ہوتی ہے اورممکن ہے کہ باطنی قلبی آداب کا لحاظ رکھنے کی صورت میں نماز گزار کو اہل معرفت اور اصحاب قلوب کی نماز کا الٰہی رمز حاصل ہو جائے جو اہل سلوک کی آنکھوں کی ٹھنڈک [1] اورمعراج قرب محبوب کی حقیقت ہے [2]۔

یہ جو کچھ بیان کیا گیا کہ نماز کا ایک باطن اورصورت غیبیہ ''ملکوتیہ'' ہے،علاوہ اس کے کہ برہان کی ایک ضرب کے موافق اور اصحاب سلوک و ریاضت کے مطابق ہے، قرآنی آیات اوربے شمار عام اور خاص احادیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ہم بطورتبرک کچھ آیات واحادیث سے ان اوراق کوآراستہ کرتے ہیں۔

ارشادالٰہی ہے:

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۖ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا بَعِيْدًا. [3]

''وہ دن جب ہرشخص اپنے عمل خیر کوحاضر دیکھے گا اور چاہے گا کہ اس برے عمل کے درمیان

۱۔بعض روایات کی طرف اشارہ ہے کہ جن میں ایک یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''جعل قرة عینی فی الصلوة'' فروع کافی، جلد ۵،ص ۳۲۱، کتاب النکاح، باب حب النساء، حدیث ۷۔

[2] حضرت رسالتمآبؐ کی ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے۔آپؐ نے فرمایا: ''الصلوة معراج المؤمن'' اعتقادات مرحوم علامہ مجلسی،ص ۲۹۔

[3] سورۂ آل عمران/ ۳۰

جو اس نے کیا دور دراز فاصلہ ہوتا''۔

اس دن کو یاد کرو جب ہر شخص اس بھلائی کو اپنے سامنے پائے گا جو اس نے کی ہوگی۔ اور برائی کو بھی (جنہیں دیکھ کر) خواہش کرے گا کہ کاش اس کے اور اس کے برے اعمال کے درمیان بڑا فاصلہ ہوتا۔

آیۂ مبارکہ بتاتی ہے کہ ہر شخص اپنے اچھے اور برے اعمال کو حاضر دیکھے گا اور اس کی صورت باطنیہ ''غیبیہ'' کا مشاہدہ کرے گا۔

چنانچہ دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

"وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا"۔[1]

جو کچھ انہوں نے کیا اسے حاضر دیکھیں گے۔

ایک اور آیت میں ارشاد ہے:

"فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ. وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ."[2]

جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس (کی جزا) دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ بھی اس (کی سزا) کو دیکھ لے گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس اعمال کا مشاہدہ کرے گا۔

احادیث شریفہ اس مقام پر اس قدر ہیں کہ یہ صفحات ان کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ ہم کچھ کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں

وسائل میں اسناد کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

مَنْ صَلَّى الصَّلَوَاتِ الْمَفْرُوضَاتِ فِي أَوَّلِ وَقْتِهَا فَأَقَامَ حُدُودَهَا رَفَعَهَا الْمَلَكُ إِلَى السَّمَاءِ بَيْضَاءَ نَقِيَّةً وَ هِيَ تَهْتِفُ بِهِ حَفِظَكَ اللهُ كَمَا حَفِظْتَنِي وَ اسْتَوْدَعَكَ اللَّهُ كَمَا اسْتَوْدَعْتَنِي مَلَكاً كَرِيماً وَ مَنْ صَلَّاهَا بَعْدَ وَقْتِهَا مِنْ غَيْرِ عِلَّةٍ فَلَمْ يُقِمْ حُدُودَهَا رَفَعَهَا الْمَلَكُ سَوْدَاءَ مُظْلِمَةً وَ هِيَ تَهْتِفُ بِهِ ضَيَّعْتَنِي

---

[1] سورۂ کہف/ ۴۹

[2] سورۂ زلزال/ ۷

ضَيَّعَكَ اللّٰهُ كَمَا ضَيَّعْتَنِي وَلَا رَعَاكَ اللّٰهُ كَمَا لَمْ تَرْعَنِي.[1]

جو شخص واجب نمازوں کو اول وقت ادا کرتا ہے اوران کے حدود کی حفاظت کرتا ہے، فرشتہ ایسی نماز کو سفید اور پاکیزہ شکل میں آسمان پر لے جاتا ہے۔ نماز (نماز گزار سے) کہتی ہے ''خدا تیری محافظت کرے جس طرح تو نے میری محافظت کی۔ تو نے مجھے ایک بزرگ فرشتے کے حوالے کیا۔'' اور جو شخص بے سبب نماز میں تاخیر کرتا ہے اوراس کے حدود کی محافظت نہیں کرتا، فرشتہ اس کی نماز کو سیاہ اور تاریک شکل میں آسمان پر لے جاتا ہے اور نماز بلند آواز میں (نماز گزار سے) کہتی ہے ''تو نے مجھے ضائع کیا، خدا تجھے اسی طرح ضائع کرے جیسے تو مجھے ضائع کیا ہے اور خدا تیرے ساتھ اسی طرح رعایت نہ کرے جس طرح تو نے میرے ساتھ رعایت نہیں کی''

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز کو فرشتے اوپر آسمان پر لے جاتے ہیں یا پاکیزہ اور سفید شکل میں اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب اول وقت ادا ہوئی ہو اور آداب نماز کا لحاظ رکھا ہو، اس صورت میں نماز مصلّی کے لئے دعائے خیر کرتی ہے، اور یا تاریک اور سیاہ شکل میں، اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب نماز کی ادائیگی میں بغیر کسی عذر کے تاخیر کرے اوراس کے حدود کا لحاظ نہ رکھے، اس صورت میں نماز اس پر نفرین کرتی ہے۔

یہ حدیث علاوہ اس کے کہ نماز کی غیبی ملکوتی صورتوں کو بتاتی ہے، نماز کی حیات پر بھی دلالت کرتی ہے، جب کہ اس پر برہان بھی قائم ہے اور آیات واخبار بھی یہی بتاتی ہیں۔ چنانچہ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

"وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ"[2]

''یقیناً سرائے آخرت (حقیقی) زندگی (کی سرائے) ہے''۔

مذکورہ حدیث کے مضمون کے مطابق اور بھی احادیث ہیں، مگر اختصار کے خیال سے ہم اس پر اکتفا کرتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ

جب بندۂ مومن قبر میں داخل ہوتا ہے تو نماز اس کے داہنی جانب اور زکات بائیں جانب ہوتی ہے اوراس کی نیکی اس پر سایہ کئے ہوتی ہے اور صبر ایک گوشہ میں ہوتا ہے، جب وہ دو فرشتے

---

[1] الامالی (للصدوق)/ النص/ 256 / المجلس الرابع والاربعون

[2] سورۂ عنکبوت / ۶۴

آتے ہیں جو سوال پر موکل ہیں اس وقت صبر، نماز، زکات اور نیکی سے کہتا ہے ''اپنے رفیق کی مدد تمہاری ذمے داری ہے اور اگر تم مدد کرنے سے عاجز ہو تو میں اس کے ساتھ موجود ہوں۔[1]

اس حدیث شریف کو کافی میں دو طریقوں سے نقل کیا گیا ہے اور شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے ثواب الاعمال میں اسے روایت کیا ہے۔ واضح ہے کہ یہ حدیث اعمال کی غیبی اور برزخی صورتوں اور ان کی حیات اور ان کے شعور پر دلالت کرتی ہے۔

اور قرآن کے ملکوتی صورت اختیار کرنے، اسی طرح نماز کے ملکوتی صورت اختیار کرنے کے بارے میں کثرت سے حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ نماز اور تمام عبادات کے لئے ان آداب صوریہ کے علاوہ کچھ آداب قلبیہ ہیں جن کے بغیر یا تو نماز ناقص رہ جاتی ہے یا اصلا مقبول بارگاہ نہیں ہوتی۔ اس کتاب کے صفحات میں آداب قلبیہ کے شمار کے وقت ذکر کیا جائے گا انشاء اللہ۔

اس مقام پر جو بات جاننے کی ہے وہ یہ ہے کہ صورت وقشر نماز پر اکتفا کرنا اور اس کے باطنی کمالات و برکات سے محروم رہنا، جو ابدی سعادتوں کا موجب بلکہ جوار رب العزت کا باعث اور محبوب مطلق کے وصال کے مقام تک بلندی حاصل کرنے کا وہ زینہ ہے، جو اولیاء کی امیدوں کی انتہا اور اصحاب معرفت و ارباب قلوب کی آخری آرزو ہے، بلکہ سید مرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خنکی چشم ہے[2]

نقصان و زیاں کاری کا وہ آخری درجہ ہے جو اس عالم سے نکلنے اور محاسبہ الٰہیہ میں وارد ہونے کے بعد ایسی حسرتوں کا موجب ہوگا جن کے ادراک سے ہماری عقل عاجز ہے۔ ہم جب تک عالم ملک کے حجاب اور مادیات کے پردہ میں ہیں اس عالم کا ادراک نہیں کر سکتے اور (اس عالم میں رہ کر اس عالم کے بارے میں سوچنا ایسا ہی ہے جیسے) بہت دوور سے آگ پر ہاتھ رکھ رہے ہوں (جس آگ کی حرارت کا واقعی ادراک نہیں کیا جا سکتا ہے)۔ اس سے زیادہ کون سی حسرت و ندامت ہوسکتی ہے اور اس نقصان سے بڑا کونسا نقصان ہوسکتا ہے کہ جو چیز انسان کے کمال وسعادت کا وسیلہ اور قلبی نقائص کے درد کی دوا ہے اور حقیقت میں انسان کی صورت کا کمالیہ ہے، ہم چالیس پچاس سال اس کے لئے

---

[1] اصول کافی، ج ۳، ص ۱۴۳، کتاب الایمان والکفر، باب الصبر، حدیث ۸، ثواب الاعمال، ص ۲۰۳، ثواب الصلوۃ والزکرۃ ولابر والصبر، حدیث ۱۔''

[2] روضۃ الواعظین وبصیرۃ المتعظین (ط۔القدیمۃ)/ ج ۲/ ص: ۳۷۳

زحمتیں اٹھانے کے بعد اس سے کسی قسم کا روحانی فائدہ نہ حاصل کرسکیں اورآسانی سے وہ وسیلہ سعادت، قلبی کدورت اورحجاب ظلمت بن جائے اور جو سید المرسلینؐ کی خنکی چشم ہے وہی ہماری بصیرت کی کمزوری کا سبب ہوجائے۔

يٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ۔ [1]

ہائے افسوس! میری اس کوتاہی پر جو میں نے خدا کی جناب میں کی۔

لہٰذا اے عزیز! دامن ہمت سے کمر کو باندھ لو، دست طلب، بڑھاؤ اور کتنی ہی زحمت و پریشانی اٹھانا پڑے اپنے حالات کی اصلاح کرو، اہل معرفت کی نماز کے روحانی شرائط کی تحصیل کرو اور اس معجون الٰہی سے جو حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کشف تام سے حاصل ہوا ہے، استفادہ کرو اور خود کو جب تک موقع ہے، اس ظلمت وحسرت وندامت کی منزل اور ربوبیت کے مقدس صحن سے دوری کے گہرے کنویں سے نکالو اور اپنے آپ کو معراج کمال اور قرب وصال تک پہنچاؤ، کیونکہ اگر یہ وسیلہ ہاتھ سے نکل گیا تو دوسرے وسائل بھی خود بخود منقطع ہوجائیں گے۔

"إِنْ قُبِلَتْ قُبِلَ مَا سِوَاهَا وَإِنْ رُدَّتْ رُدَّ مَا سِوَاهَا"۔ [2]

اگر نماز قبول کرلی گئی تو کل اعمال قبول کرلئے جائیں گے اور اگر نماز رد کردی گئی تو دوسرے اعمال بھی رد کردیئے جائیں گے۔

ہم اس سلوک روحانی کے آداب باطنیہ کو جتنا آسان اور جیسا موقع ومحل ہوگا بیان کریں گے، شاید کسی صاحب ایمان کو ان آداب میں سے کچھ نصیب ہوجائے اور یہی نصیب، شاید اس پسماندۂ طریق سعادت و انسانیت اور اسیر زندان مادیت وانانیت کے لئے رحمت الٰہی اور توجہ غیبی کا سبب بن جائے۔

انه ولیّ الفضل والعنایة

---

[1] سورۂ زمر/۵۶

[2] فلاح السائل، ص ۱۲۷، بہ نقل از من لایحضر الفقیہ، منبع اخیر، میں روایت یوں ہے "أَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ عَلَى الصَّلَاةِ فَإِذَا قُبِلَتْ قُبِلَ مِنْهُ سَائِرُ عَمَلِهِ وَإِذَا رُدَّتْ عَلَيْهِ رُدَّ عَلَيْهِ سَائِرُ عَمَلِهِ." ج۱، فضل الصلوۃ، باب ۳۰، حدیث ۵۔

قال امیر المومنین علیہ السلام:

أُوصِيكُمْ بِالصَّلَاةِ وَ حِفْظِهَا فَإِنَّهَا خَيْرُ الْعَمَلِ وَ هِيَ عَمُودُ دِينِكُم.[1]

میں تمہیں نماز کی وصیت کرتا ہوں اس کی حفاظت کرنا کیونکہ یہ بہترین عمل ہے اور یہی دین کا ستون ہے۔

[1] الأمالی (للطوسی)/ النص/ 522 / [18] المجلس الثامن عشر

مقالۂ اولیٰ

وہ آداب جو نماز، بلکہ تمام عبادات و مناسک کے تمام حالات میں لازم ہیں

اس میں چند فصلیں ہیں

فصل اول

عزت ربوبیّت اور ذلت عبودیّت

سالک طریق آخرت کے باطنی وظائف اور عبادات کے قلبی آداب میں سے ایک وظیفہ اور ایک ادب اس بات کی طرف توجہ کہ عزت ربوبیت کے لئے ہے اور ذلت عبودیت کے لئے۔ یہ توجہ سالک کی اہم منزلوں میں سے ایک منزل ہے، کیونکہ سلوک کی قوت اسی توجہ کی قوت کے برابر ہوتی ہے، بلکہ انسانیت کا کمال اور نقص اسی کے کمال اور نقص کا تابع ہے اور جیسے جیسے انیت و انانیت اور خود بینی وخود خواہی انسان میں غلبہ کرتی جاتی ہے ویسے ویسے انسان کمال انسانیت سے دور اور قرب ربوبیت سے مہجور ہوتا جاتا ہے اور خود بینی وخود پرستی کا حجاب ہر قسم کے حجابوں سے دبیز تر اور تاریک تر ہے اور اس حجاب کو چاک کرنا تمام حجابوں کے چاک کرنے سے زیادہ مشکل اور تمام ہی حجابوں کے چاک کر سکنے کا مقدمہ ہے، بلکہ غیب وشہادت کی کنجیوں کہ کنجی اور کمال روحانیت کی طرف عروج کا باب الابواب (خود بینی و خود پرستی کے پردہ کا چاک ہونا) ہے۔ جب تک انسان صرف اپنی خودی اور اپنے کمال و جمال کے وہم میں کھویا رہے گا، جمال مطلق وکمال صرف کے مشاہدہ سے محجوب ومہجور رہے گا۔

سلوک الی اللہ کی پہلی شرط اس منزل سے نکل جانا ہے، بلکہ ریاضت حق اور ریاضت باطل کو پرکھنے کا یہی معیار ہے۔ لہٰذا جو سالک انانیت وخود بینی کے قدموں سے اور انیت وخود بینی وخود خواہی کے حجابوں میں رہ کر سلوک کی منزل طے کرتا ہے اس کی ریاضت باطل ہے اور اس کا سلوک اللہ کی طرف نہیں، بلکہ نفس کی طرف ہے ''مادر بت یا بت

نفس شماست"[1]

ارشاد پروردگار عالم ہے:

"وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ"[2]

جو شخص اپنے گھر سے اس حال میں نکلے کہ وہ خدا و رسولؐ کی طرف ہجرت کر رہا ہو اور اس حالت میں اسے موت آجائے تو اس کا اجر و ثواب اللہ پر ہے۔

ہجرت صوری اور صورت ہجرت سے مراد جسم کے ساتھ منزل صوری سے کعبہ یا اولیاء کے مشاہد و مقابر کی طرف جانا ہے اور ہجرت معنوی بیت نفس اور منزل دنیا سے اللہ اور رسولؐ کی طرف نکلنا ہے۔ رسولؐ اور ولی کی طرف ہجرت بھی اللہ ہی کی طرف ہجرت ہے اور جب تک نفس کو اپنی خودی سے ذرا بھی تعلق اور انیت کی طرف کچھ بھی توجہ سے وہ مسافر نہیں کہا جاسکتا اور جب تک سالک کی نظر میں بچی کچی انانیت باقی ہے اور خودی کے شہر کی دیواریں اور خودخواہی کے اظہار کی آواز اذان کانوں میں آنا بند نہیں ہو جاتی تب تک اسے مسافر و مہاجر نہیں کہا جاسکتا، بلکہ وہ حالت حضر میں ہے۔

مصباح الشریعہ میں ہے، امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"العبودية جوهرة كنهها الربوبية فما فقد من العبودية وجد في الربوبية، و ما خفي في الربوبية أصيب في العبودية، قال الله"[3]

بندگی ایسا جوہر ہے جس کا باطن ربوبیت ہے۔ لہٰذا جس قدر بندگی حاصل نہیں ہوسکی ہے وہ ربوبیت میں موجود ہے اور جس قدر ربوبیت مخفی رہ جائے وہ بندگی میں حاصل ہو جاتی ہے۔

---

[1] ما در بت ہا بت نفس شماست
زانکہ آن بت مار و این بت اژدھا ست
مولانا رومی
سب بتوں کی ماں تمہارا نفس ہے
کیونکہ وہ سانپ ہے اور یہ اژدھا ہے

[2] سورۂ نساء/۱۰۰)

[3] مصباح الشریعہ، فی حقیقۃ العبودیۃ، باب ۱۰۰۔

جو شخص عبودیت کے قدموں سے سیر کرتا ہے اور ذلت بندگی کا داغ اپنی پیشانی پر لگا تا ہے وہ عزت ربوبیت تک پہنچنے کی راہ پیدا کر لیتا ہے۔ حقائق ربوبیت پہنچنے کا طریقہ مدارج عبودیت میں سیر کرنا ہے اور عبودیت میں جس قدر انیت و انانیت مفقود ہوتی جاتی ہے اسی قدر ربوبیت کی حمایت کے سائے میں ان (حقائق ربوبیت) کو پاتا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس مقام تک پہنچ جاتا ہے کہ حق تعالیٰ اس کی سماعت و بصارت اور اس کا ہاتھ اور پیر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ فریقین کے درمیان مشہور حدیث میں وارد ہوا ہے [1]

بندہ جب اپنے ذاتی تصرفات سے گزر جائے گا اور اپنے وجود کی سلطنت کو یکسر سپرد حق کر دے گا اور گھر کو گھر کے مالک کے حوالہ کر دے گا اور خود عزت ربوبیت میں فنا ہو جائے گا، صاحب خانہ خود امور میں تصرف کر دے گا، تو اس کے تصرفات، تصرفات الٰہی ہو جائیں گے، اس کی آنکھ خدا کی آنکھ ہو جائے گی اور چشم حق سے دیکھنے لگے گی، اس کے کان اللہ کے کان ہو جائیں گے اور گوش حق سے سننے لگیں گے اور جس قدر نفس کی ربوبیت کامل ہوتی جائے گی اور اس کی عزت منظور نظر ہو گی عزت ربوبیت کے مقابلے میں اسی قدر شکستہ اور ناقص ہوتی جائے گی، کیوں یہ دونوں (ربوبیت نفس اور ربوبیت الٰہی) ایک دوسرے سے متقابل و متضاد ہیں۔

"الدُّنیا وَ الْآخِرَۃُ ضَرَّتان." [2]

دنیا و آخرت ایک دوسرے کی سوکنیں ہیں۔

لہٰذا سالک الی اللہ کے لئے ضروری ہے کہ خود کو حقیر و ناچیز سمجھے اور ذلت عبودیت اور عزت ربوبیت کو اپنا نصب العین بنائے۔ یہ نصب العین جتنا قوی ہوتا جائے گا عبادت اسی قدر زیادہ روحانی ہوتی جائے گی اور روح عبادت زیادہ سے زیادہ قوی، یہاں تک کہ دستگیری حق اور اولیائے کاملین علیہم السلام کی مدد سے اگر عبودیت کی حقیقت تک پہنچ سکا تو ایک لمحہ کی عبادت کا راز پالے گا اور تمام عبادات میں، خصوصاً نماز میں جو جامعیت کا رخ رکھتی ہے اور عبادات میں اس کی منزل انسان کامل جیسی ہے اور اسم اعظم کا مقام رکھتی ہے بلکہ خود اسم اعظم ہے۔ یہ دو مقام، مقام عزت ربوبیت کہ حقیقت ہے اور مقام ذلت عبودیت جو اس کا رقیقہ ہے، ہی مرموز ہیں۔

اعمال مستحبہ میں ''قنوت'' اور اعمال واجبہ میں ''سجدہ'' کو ایک خصوصیت حاصل ہے جس کی طرف بعد میں

---

[1] روایت ''قرب نوافل'' کی طرف اشارہ ہے "وَإِنَّهُ لَيَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّافِلَةِ حَتَّى أُحِبَّهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَلِسَانَهُ الَّذِي يَنْطِقُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا إِنْ دَعَانِي أَجَبْتُهُ وَإِنْ سَأَلَنِي أَعْطَيْتُهُ" اصول کافی، ج ۴، ص ۵۳، کتاب الایمان الکفر، باب من اذی المسلمین امتقرھم، روایت ۷، ۸۔

[2] ''عوالی اللئالی، ج ۱، ص ۲۷۷، و ج ۴، ص ۱۱۵، اور نہج البلاغہ فیض الاسلام، حکمت ۱۰۰''

انشااللہ ہم اشارہ کریں گے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ عبودیت مطلقہ انسانیت کے بلند ترین مراتب کمال اور رفیع ترین مقامات میں سے ہے اور اصلی طور پر کامل ترین خلق خدا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوران کے اتباع میں دوسرے اولیاء کاملین کے علاوہ کسی اور کا اس مرتبہ ومقام میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ دوسروں کا پائے عبودیت عاجز اوران کی عبادت و بندگی بیمار ہے اورقدم عبودیت کے بغیر معراج حقیقی مطلق تک پہنچنا ناممکن ہے۔ اسی لئے آیۂ مبارکہ میں ارشاد ہے "سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ"[1] (پاک ہے وہ جس نے اپنے بندہ کو سیر کرائی) بندگی کے قوم اور بوبیت کی کشش نے اس ذات مقدس کو معراج قربو وصول تک سیر کرائی۔

نماز کے تشہد میں جو اس فنائے مطلق سے واپسی ہے جو سجدہ میں حاصل ہوئی تھی، پھر رسالت کی طرف توجہ سے پہلے عبودیت کی طرف توجہ کرنا ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ یہ توجہ اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ مقام رسالت بھی حقیقی عبودیت کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے۔ اس مفہم کی ایک طوفلانی ہے جس کا بیان اس کتاب کے مقصد تحریر سے ہے۔

---

[1] سورۂ اسراء/۱

فصل دوم

مقامات اہل سلوک کے مراتب

اہل سلوک کے اس مقام عبودیت اور دسرے تمام مقامات کے بے شمار مدارج و مراتب ہیں۔ ہم بعض مراتب کا بطور کلی ذکر کرتے ہیں، کیونکہ تمام پہلوؤں کا احاطہ اور تمام مراتب کا احصاء ہماری ذمہ داری سے (اس کتاب کے اختصار کے مقصد کے پیش نظر) باہر ہے۔

اَلطُّرُقُ اِلَی اللّٰہِ بِعَدَدِ اَنْفَاسِ الْخَلَائِق.[1]

مخلوقات کی سانسوں کی برابر اللہ کی طرف جانے کی راہیں ہیں۔

علوم عالیہ اور حکمت متعالیہ میں یہ واضح ہو چکی ہے کہ خانہ ہستی اور دائرہ وجود کل کا کل صرف باہمی ربط و تعلق اور فقر و فاقہ ہے۔ عزت اور ملک و سلطنت صرف ذات پاک کبریا کے لئے ہے۔ اس کے سوا کسی اور کو عزت و کبریائی سے کچھ نصیب نہیں۔ اس کے علاوہ عبودیت کی ذلت اور فقر و احتیاج ہر ایک کی پیشانی پر ثبت اور ہر ایک کی اصل حقیقت میں ثابت و موجود ہے۔ یہی عرفان و شہود کی حقیقت ہے اور یہی ریاضت و سلوک کا نتیجہ کہ حقیقت کے چہرے سے حجاب ہٹیں اور عبودیت اور اصل فقر کی ذلت خود میں اور تمام موجودات میں نظر آئے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب

---

[1] پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب حدیث ہے۔ جامع الاسرار ومنبع الانوار، سید حیدر آملی، ص ۸، ۹۵، ۱۲۱، گلشن راز، پر شرح لاہیجی، ص ۱۵۳، نقد النصوص، ص ۱۸۵، منہاج الطالبین، ص ۲۲۱، الاصول العشرہ، ص ۲۱۔

دعا "اَللّٰھُمَّ أَرِنِی الْاَشیاءَ کَما ھِی"[1] (خدایا! اشیاء (اورامور) جیسے وہ ہیں، مجھے دکھا۔) شاید اس مقام کی طرف اشارہ ہے یعنی ذلت عبودیت کے مشاہدہ کی آرزو جس سے لازمی طور پر عزت ربوبیت کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

لہٰذا اگر راہ حقیقت کا سالک اور طریق عبودیت کا مسافر سلوک علمی کے قدم سے اور سیر فکری کی سواری پر اس منزل کو طے کرلے ''حجاب علم'' میں پہنچ جاتا ہے اور انسانیت کے پہلے مقام کو پالیتا ہے۔

لیکن یہ حجاب بہت گہرا ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے؛

"اَلْعِلْمُ ھُوَ الْحِجابُ الْأَکْبَر"[2]

علم سب سے بڑا حجاب ہے

سالک کو اس حجاب میں ٹھہرا نہ رہنا چاہئے اور اسے چاک کردینا چاہئے۔ ہوسکتا ہے کہ اسی مقام پر قناعت کرنے اور دل کو اسی زندان میں مقید رہنے دینے سے استدراج میں پڑ جائے۔ استدراج کا مطلب اس مقام پر یہ ہے کہ علم کے کثیر فروعی مسائل میں مشغول ہوجائے اور اس مقصد کے لئے جولان فکری کے ذریعہ کثرت سے براہین تو قائم کرلے، لیکن دوسرے منازل سے محروم ہوجائے، اس کا دل اسی مقام پر پڑا رہ جائے اور اس مطلوب نتیجہ سے غافل ہو جائے جو وصول ''الی فناء اللہ'' (اللہ کے لئے فنا ہونے کے مقام تک پہنچنا) ہے اور اپنی عمر برہان اور اس کے شعبوں کے حجاب ہی میں صرف کرتا رہے۔ فروع جتنے کثیر ہوتے جائیں گے حجاب اسی قدر زیادہ ہوتے جائیں گے اور حقیقت سے محجوبی اتنی ہی بڑھتی جائے گی۔ لہٰذا سالک کو چاہئے کہ اس مقام پر شیطان کے دھوکہ میں نہ آئے اور برہان کی کثرت و فراوانی اور قوت کی وجہ سے حق وحقیقت سے محجوب نہ ہو اور طلب میں سیر کرنے سے رک نہ جائے۔ دامن ہمت سے کمر کو باندھے اور کوشش و کاوش کے ساتھ مطلوب حقیقی کی تلاش سے غفلت نہ برتے اور خود کو اگلے مقام تک پہنچائے جو (علم سے آگے) دوسرا مقام ہے۔

دوسرا مقام یوں ہے کہ جو کچھ عقل نے قوت برہان اور سلوک علمی سے دریافت کیا ہے اسے عقل کے قلم سے دل کے صفحہ پر تحریر کرے اور ذلت عبودیت اور عزت ربوبیت کی حقیقت کو دل تک پہنچائے اور علم کے قیود وحجابات سے فارغ ہوجائے۔ ہم اس مقام کی طرف عنقریب اشارہ کریں گے، انشا اللہ۔ لہٰذا مقام دوم تک پہنچنے کا نتیجہ ''حقائق پر ایمان'' کا حصول ہے۔

---

[1] عوالی اللئالی میں روایت ہے: "اَللّٰھُمَّ أَرِنَا الْحَقَائِقَ کَمَا ھِی" (پالنے والے! حقیقتوں کو مجھے ویسے ہی دکھا جیسے وہ ہیں) اور اسی کتاب کی تعلیق میں شرح کبیر فخر رازی، ج۶، ص۲۶ سے اور مرصاد العباد، ص۳۰۹ سے "ارنا الاشیاء کماھی" نقل کیا گیا ہے۔

[2] تفسیر سورہ حمد (مولفہ؛ امام خمینیؒ) جلسہ سوم..... ص:129

مقام سوم، مقام ''اطمینان وطمانینت نفس'' ہے جو دراصل ایمان کا کامل مرتبہ ہے۔ خداوند عالم نے اپنے خلیلؑ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اَوَلَمۡ تُؤۡمِنۡ ؕ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنۡ لِّیَطۡمَئِنَّ قَلۡبِیۡ ؕ [1]

خدائے تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیمؑ سے خطاب کیا: ''کیا ایمان نہیں لائے ؟ کہا: کیوں نہیں! لیکن (یہ تقاضا) اس لئے کہ میرا دل اطمینان وراحت پائے۔

شاید اس مرتبہ کی طرف اشارہ بھی اس کے بعد میں آئے۔

مقام چہارم، مقام ''مشاہدہ'' ہے جو ایک نور الٰہی اور تجلی رحمانی ہے جو تجلیات اسمائیہ وصفاتیہ کے تحت سالک کے باطن میں ظہور کرتی ہے اور اس کے سارے دل کو نور شہود سے روشن کر دیتی ہے۔ اس مقام میں بہت درجات ہیں۔ اس مختصر کتاب میں ان کے بیان کی گنجائش نہیں ہے۔ اس مقام پر ایک نمونہ قرب نوافل (کنت سمعہ و بصرہ ویدہ [2] کا ظاہر ہوتا ہے اور سالک خود کو ایک دریائے ناپیدا کنار میں مستغرق پاتا ہے۔ اس کے بعد ایک اور انتہائی عمیق دریا ہے جس میں مستغرق ہونے سے اسرار ''قدر'' میں سے شمہ بھر کا کشف ہوجاتا ہے۔ ان مقامات میں سے ہر مقام کا اسی مقام سے مختص الگ الگ استدراج ہے۔ جس میں سالک کو ایک بڑی ہلاکت سے سابقہ ہوتا ہے۔ سالک کو چاہئے کہ ہر مقام میں خودانیت وانانیت سے خالی رکھے اور خود بین وخودخواہ نہ ہونے پائے کہ اکثر مفاسد کا سرچشمہ یہی ہے۔ خصوصاً سالک کے لئے۔ اس مطلب کی طرف ہم بعد میں اشارہ کریں گے۔

---

[1] سورۂ بقرہ/۳۶۰

[2] حاشیہ نمبر ۱، ص ۲۹۔

فصل سوم

خشوع

تمام عبادات خصوصاً نماز میں، جو تمام عبادات میں برتر اور مقام جامعیت رکھتی ہے، جن امور کا لحاظ سالک کے لئے لازم ہے ان میں ایک ''خشوع'' ہے۔ اس کی حقیقی تعریف ہے ''ایسا خضوع یعنی تواضع جس میں محبت یا خوف شامل ہو'' خشوع تب حاصل ہوتا ہے جن عظمت وسطوت اور جلال و جمال کی ہیبت کا ادراک ہوجائے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اہل سلوک کے قلوب جبلّت وفطرت کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں: چنانچہ بعض قلوب ''قلوب عشقی اور مظاہر جمال'' ہوتے ہیں۔ لہٰذا فطری طور پر جمال محبوب کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور سلوک میں جب ظلّ جمیل (صاحب جمال کا سایہ) یا اصل جمال کا مشاہدہ کرتے ہیں تو سر جمال میں پوشیدہ عظمت انہیں محو کر دیتی ہے اور خود سے بے خود بنا دیتی ہے، چونکہ ہر جمال میں ایک جلال اور ہر جلال میں ایک جمال پوشیدہ ہے۔ ممکن ہے حضرت مولائے عارفین، امیر المومنین و سالکینؑ نے شاید اسی کی طرف یہ کہہ کر اشارہ فرمایا ہو:

سبحان من اتّسعت رحمته لأوليائه فى شدّة نقمته، واشتدّت نقمته لأعدائه فى سعة رحمته[1]

پاک ہے وہ جس کا عذاب اور انتقام شدید ہے اور اس حال میں اس کی رحمت اس کے دوستوں پر چھائی ہے اور حالانکہ اس کی رحمت کا دائرہ وسیع ہے اس کا عذاب و انتقام اس کے

---

[1] منہاج البراعۃ فی شرح نہج البلاغۃ (خوئی)/ ج 19 / 334 / خاتمۃ ..... ص: 279

دشمنوں پر سخت ہے۔

لہٰذا جمال کی ہیبت وعظمت وسطوت ان پر چھا جاتی ہے اور جمال محبوب کے سامنے ان کے اندر حالت خشوع پیدا ہو جاتی ہے۔ ابتدا میں یہ حالت دل میں تزلزل و اضطراب پیدا کرتی ہے اور سنبھلنے کی قوت حاصل ہونے کے بعد حالت انس میں بدل جاتی ہے۔ وحشت واضطراب، جو عظمت وسطوت سے پیدا ہوا تھا انس وسکینہ کا رخ اختیار کر لیتا ہے اور حالت طمانینت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کی یہی حالت تھی

بعض قلوب ''خوفی اور مظاہر جلال'' ہوتے ہیں۔ یہ ہمیشہ عظمت و کبریائی اور جلال کا ادراک واحساس کرتے ہیں اور ان کا خشوع ''خوفی'' ہوتا ہے اور اسمائے قہریہ و جلالیہ ان کے قلوب پر جلوہ ریزی کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت یحیٰ علیٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السلام ایسے ہی تھے۔

لہٰذا خشوع کبھی محبت سے مخلوط ہوتا ہے اور کبھی خوف و دہشت میں ممزوج۔ اگرچہ ہر محبت میں ایک وحشت اور ہر خوف میں ایک محبت ہوتی ہے۔

خشوع کے مرتب عظمت وجلال اور حسن و جمال کے ادراک کے مطابق قائم ہوتے ہیں اور چونکہ ہم جیسے لوگ نور مشاہدات سے

محروم ہیں، مجبوراً لازم ہے کہ ہم علم یا ایمان کے راستہ سے خشوع حاصل کرنے کی فکر میں رہیں۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝۲ [1]

ضرور وہ مومنین کامیاب ہوئے جو اپنی نمازوں میں خاشع ہیں۔

نماز میں خشوع کو ایمان کے حدود اور علامات میں قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا جو شخص خشوع کے بغیر نماز ادا کرے، وہ ارشاد خداوندی کی بنا پر اہل ایمان کے دائرہ سے خارج ہے اور ہم لوگوں کی نمازیں جو خشوع کے بغیر ہوتی ہیں اس کا سبب یا نقصان ایمان ہے یا فقدان ایمان۔ (یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اعتقاد وعلم اور ہے اور ایمان اور۔ اس طرح اور اسماء وصفات کا جو علم ہم میں پیدا ہو جاتا ہے وہ ایمان کے علاوہ کچھ اور ہے۔ شیطان ذات مقدس حق کی شہادت کے ساتھ ہی مبدا و معاد کا علم رکھتا ہے اس کے باوجود کافر ہے:

---

[1] سورۂ مومنون/۲۰۱

خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ. [1]

تو نے مجھے آگ سے اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔

کہتا ہے لہٰذا حق تعالیٰ کی خالقیّت کا اقرار ہے:

اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ. [2]

مجھے اس دن تک مہلت دے جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے۔

کہتا ہے لہٰذا معاد کا اعتقاد رکھتا ہے۔ کتب و رسل اور ملائکہ کا علم اس کو ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود خدا نے اس کو کافر کہہ کر خطاب کیا ہے اور اہل ایمان کی فہرست سے خارج کر دیا ہے۔

لہٰذا اہل علم اور اہل ایمان ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ ہر صاحب علم صاحب ایمان نہیں ہے۔ لہٰذا سلوک علمی سے آگے بڑھ کر خود کو مومنین کے زمرہ میں شامل کرنا ضروری ہے اور حق جل جلالہ کی عظمت اور اس کے جلال و جمال کو دل میں جگہ دینا لازم ہے تا کہ قلب ''خاشع'' ہو جائے۔ ورنہ محض علم سے خشوع نہیں پیدا ہوتا۔ جیسا کہ تم خود کو دیکھتے ہو کہ مبدا و معاد اور عظمت و جلال حق کے اعتقاد کے باوجود تمہارا دل خاشع نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ [3]

کیا ایمان داروں کے لئے ابھی تک اس کا وقت نہیں آیا کہ خدا کی یاد اور قرآن کے لئے جو (خدا کی طرف سے) نازل ہوا ہے ان کے دل نرم ہو۔

اس آیت میں شاید ایمان سے ایمان صوری مراد ہو یعنی ان چیزوں کا اعتقاد جو نبیؐ لے کر آئے۔ ورنہ ایمان حقیقی کے لئے کم سے کم خشوع کے ایک مرتبہ پر پہنچنا لازم ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آیۂ کریمہ میں خشوع سے مراد خشوع اپنے پورے مراتب کے ساتھ مراد ہو۔ جیسے عالم کا اطلاق کبھی اس صاحب علم پر ہوتا ہے جو حدّ علم سے بڑھ کر حدّ ایمان تک پہنچ چکا ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ آیۂ ''انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء'' [4]

---

[1] سورۂ اعراف/ ۱۲

[2] سورۂ اعراف/ ۱۴

[3] سورۂ حدید/ ۱۶

[4] سورۂ فاطر/ ۲۸

میں علما سے ایسے علماء کی طرف اشارہ ہو۔

کتاب وسنت کی زبان میں علم وایمان واسلام کا اطلاق مختلف مراتب پر ہوا ہے،مگران کا بیان اس کتاب کے موضوع سے خارج ہے۔

مختصر یہ کہ سالک طریق آخرت کے لئے لازم ہے کہ اپنے دل کوعلم وایمان کی روشنی سے خاشع بنائے،خصوصاً نماز کے ذریعہ اوراس الٰہی گداز اوررحمانی نور کو، جتنا ممکن ہو، دل میں متمکن و جاگزین کرے، بلکہ وہ اس حالت کو پوری نماز میں باقی رکھ سکتا ہے۔

یہ حالت تمکن ہو، و استقرار ہم جیسوں کے لئے اگر چہ ابتدا میں کچھ مشکل اوردشوار معلوم ہوگی لیکن تھوڑی پابندی اورریاضت قلب کے بعد آسان ہوجائے گی۔

میرے عزیز! کمال اورتوشہ آخرت کا حصول شوق اورکوشش وکاوش چاہتا ہے اورمقصد جتنا بڑا ہوتا ہے اس کی راہ میں اتنی ہی بڑی کوشش مناسب ہوتی ہے اور یقیناً قرب الٰہی کی منزل معراج اور جوار رب العزت کا مقام تقرب سستی وکاہلی،آرام طلبی وسہولت پسندی سے ہاتھ نہیں آتا۔مردانہ وار مقصد تک پہنچنے کے لئے اٹھ کھڑے ہونا چاہئے۔

آپ تو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اورجانتے ہیں کہ اس عالم کو اس عالم پر کسی طرح سے بھی قیاس نہیں کیا جاسکتا۔وہ سعادت وکمال کا رخ ہو یا شقاوت و وبال کا رخ، کیونکہ وہ عالم ابدی اوردائمی ہے جس میں موت اورفنا کچھ نہیں۔ جو وہاں سعادت مند ہوگا وہ ہمیشہ کے لئے راحت اورعزت ونعمت پائے گا۔راحت ایسی جس کی مثال اس دنیا میں نہیں ہے۔عزت وسلطنت الٰہی کہ یہاں اس کی نظیر نہیں نعمتیں ایسی جوقوت متخلیہ میں آنہیں سکتیں۔اسی طرح وہاں کی شقاوت کا رخ ہے۔وہاں کے عذاب وعقاب اور وبال کی بھی اس دنیا کے آفات ومصائب سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔

سعادت تک پہنچنے کی راہ اطاعت رب العزت ہے اورتمام طاعتوں اورعبادتوں میں کوئی طاعت اورکوئی عبادت اس نماز کے برابر مرتبہ نہیں رکھتی جوسعادتوں کا ایسا جامع الٰہی معجون ہے جوسعادت انسانی کا کفیل ہے اورجس کی قبولیت پرتمام اعمال کی قبولیت کا انحصار ہے۔

لہٰذا اس کو حاصل کرنے کے لئے پوری کوشش کرنا چاہئے اوراس کوشش میں کوئی کمی نہ کرنا چاہئے۔اس راہ میں تکلیفوں اورمتقیوں کو برداشت کرنا چاہئے۔ حالانکہ یہ کوئی مشقت کا کام بھی نہیں ہے، بلکہ اگر ذرا پابندی کرلی جائے اوردل کو مانوس بنالیا جائے تو اسی دنیا میں اللہ سے مناجات اورراز و نیاز کی وہ لذت حاصل کی جاسکتی ہے جس کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی لذت نہیں آسکتی۔جیسا کہ اہل مناجات کے احوال کے مطالعہ سے یہ بات واضح وروشن ہوجاتی ہے۔

الغرض اس فصل میں ہمارے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ جب انسان نے برہان اوردلیل سے یا انبیاء علیہم السلام کے

بیانات سے جمال وجلال حق کی عظمت کو سمجھ لیا تو قلب کو اس کی یاد دہانی کرانا چاہئے اور دھیرے دھیرے تذکر وتوجہ قلبی عظمت وجلال حق کی عظمت کے ذکر کی مداومت سے دل میں خشوع پیدا کرنا چاہئے تاکہ وہ نتیجہ حاصل ہو جو مطلوب ہے۔ سالک کو چاہئے کہ کسی حال میں بھی سالک کو اس مقام پر قناعت نہ کرلینا چاہئے جس کو اس نے پالیا ہے، کیونکہ جو مقام بھی ہم جیسے لوگوں کو حاصل ہوجائے، اہل معرفت کے بازار میں اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی اور اصحاب قلوب کی نظر میں رائی کے برابر بھی نہیں ہوتا۔ سالک کو چاہئے کہ تمام حالات میں اپنے نقائص ومعائب کو دیکھتا رہے تاکہ سعادت تک پہنچنے کی کسی راہ کے کھلنے کا امکان پیدا ہو سکے۔

والحمدللہ

فصل چہارم

طمانینت

قلبی عبادات کے اہم آداب میں، خصوصاً وہ عبادات جن میں (زبان سے) ذکر خدا کیا جاتا ہے۔ ایک ادب ''طمانینت'' ہے۔ یہ طمانینت کے علاوہ ہے جس کو فقہا رضوان اللہ علیہم نے نماز میں خصوصیت کے ساتھ معتبر جانا ہے۔ قلبی عبادات کی طمانینت یہ ہے کہ سالک عبادت کو سکون قلب اور اطمینان خاطر کے ساتھ بجالائے، کیونکہ اگر عبادت اضطراب اور گھبراہٹ کی حالت میں ادا کی گئی تو دل ایسی عبادت سے متاثر نہیں ہوگا اور دل کی آسمانی مملکت میں عبادت کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوگا اور حقیقت عبادت قلب کی باطنی صورت میں نہیں آسکے گی۔

عبادات کی تکرار اور کثرت اوراد واذکار ان سے متاثر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ ذکر وعبادت کی حقیقت ذات سالک کے باطن میں متشکل ہو جاتی ہے اور اس کا قلب روح عبادت سے متحد ہو جاتا ہے (یعنی قلب و روح عبادت دونوں ایک ہوجاتے ہیں)۔

جب تک قلب کو سکون واطمینان اور طمانینت و وقار حاصل نہ ہوگا اس وقت تک اذکار ونسک بے اثر رہیں گے اور ظاہر اور ملک بدن کی حد سے آگے بڑھ کر ملکوت اور باطن نفس میں سرایت نہ کر پائیں گے اور حقیقت عبادت کے قلبی سعادت کے حقوق ادا نہ ہوسکیں گے۔ یہ بات اتنی واضح ہے کہ ذرا غور کرنے سے معلوم ہو جاتی ہے۔ زیادہ بیان کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر عبادت اس انداز سے کی جائے کہ قلب کو اس کی کچھ خبر ہی نہ ہو اور باطن پر اس کے اثرات مترتب نہ ہوں تو دوسرے عالم میں محفوظ نہیں رہے گی اور عالم ملک سے عالم ملکوت کی بلندیوں تک نہیں پہنچ سکے گی اور ممکن ہے مرض

الموت کی سختیوں، احتضار کے ہولناک لمحوں اورموت کے بعد کے آفات ومصائب میں خدا خدانخواستہ اس کی صورت بالکل ہی صفحہ قلب سے مٹ جائے اورانسان خالی ہاتھ بارگاہ قدس الٰہی میں پہنچے۔

مثال کے طور پر اگر کوئی شخص ذکر شریف ''لا الٰہ الاّ اللہ، محمّد الرّسول اللہ'' کوسکون قلب اور اطمینان نفس کے ساتھ ادا کرے اور قلب کو اسی ذکر کی تعلیم دے تو آہستہ آہستہ دل کی زبان گویا ہونے لگے گی اورزبان ظاہر زبان قلب کی تابع ہوجائے گی۔نتیجہ میں پہلے قلب ذکر کیا کرے گا پھر زبان۔

اسی مفہوم کی طرف حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے۔''مصباح الشرعی''میں روایت ہے،آپؑ نے فرمایا:

فَاجْعَلْ قَلْبَكَ قِبْلَةً لِلِسَانِكَ لَا تُحَرِّكْهُ إِلَّا بِإِشَارَةِ الْقَلْبِ وَ مُوَافَقَةِ الْعَقْلِ وَ رِضَى الْإِيمَانِ.[1]

اپنے قلب کواپنی زبان کا قبلہ قرار دو، اشارۂ قلب،موافقت عقل اورضائے ایمان کے بغیر زبان نہ ہلاؤ۔

اول جب زبان قلب گویا نہ ہوئی ہو، سالک راہ آخرت کو چاہئے کہ قلب کوسکھائے اورطمانینت وسکون کے ساتھ ذکر کر کے بتائے۔

زبان قلب کے کھلنے کے ساتھ ہی قلب زبان اورتمام اعضاء کا قبلہ ہوجائے گا اوراس کے ذکر کے ساتھ انسان کے وجود کی تمام مملکت ذاکر بن جائے گی۔

لیکن اگر یہ ذکر شریف سکون قلب وطمانینت کے بغیر اور جلد بازی و اضطراب اور بے حواسی و بدحواسی میں ادا کیا تو دل پر کوئی اثر پیدا نہ ہوگا اور ظاہری حیوانی زبان اورکان سے بڑھ کر انسانی سماعت اورقلب تک نہ پہنچ سکے گا۔اس کی حقیقت قلب میں جگہ نہ بنا سکے گی اور قلب کی ایسی صورت کمالیہ نہ بن سکے گا جس کا رائل ہونا ممکن نہیں ہوتا۔ایسے میں اگر خوف وشدت کا سامنا ہوخصوصاً احتضار کا خوف اورشدائد اورجانکنی جیسی تکلیفیں،توبالکل ہی وہ ذکر یاد سے نکل جائے گا اورصفحہ دل سے محو ہوجائے گا۔

ذکر تو ذکر خدا و رسولؐ دین اسلام، کتاب الٰہی، ائمہ ہدیٰؑ اورسارے ہی معارف جو زبان تک رہ گئے تھے اوردل تک نہیں پہنچے تھے فراموش ہوجائیں گے اور جب سوالات قبر کا وقت آئے گا توکسی سوال کا جواب نہ بن پڑے

---

[1] مصباح الشریعہ، باب ۵ (فی الذکر)، مستدرک الوسائل، کتاب الصلوۃ، ابواب الذکر، باب النوادر، حدیث ۲۔

گا۔ تلقین بھی کوئی فائدہ نہ دے گی۔ اس لئے کہ اپنے میں حقیقت ربوبیت و رسالت اور دوسرے معارف کا کوئی اثر نظر نہیں آ گے گا اور جو کچھ یوں ہی زبان سے کہا تھا اور دل میں اس نے کوئی جگہ نہیں بنائی تھی وہ سب اس کے خیال سے نکل چکا ہوگا اور ربوبیت اور رسالت اور دیگر معارف کی گواہی سے کچھ بھی نصیب نہ ہوگا۔

حدیث میں ہے کہ امت رسولؐ کے کچھ لوگ جن کو داخل جہنم کیا جائے گا، مالک جہنم کی ہیبت سے رسولؐ کا نام بھول جائیں گے۔ حالانکہ اسی حدیث میں ہے کہ یہ لوگ اہل ایمان ہوں گے اور ان کے دل اور صورتیں نور ایمان سے تابان و درخشان ہوں گی [1]۔

محدث عظیم الشان جناب مجلسی علیہ الرحمہ، کتاب ''مرآۃ العقول'' میں حدیث ''کنت سمعہ وبصرہ'' کی شرح تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> جو شخص اپنی آنکھ، کان اور دوسرے اعضائ کو اطاعت حق تعالیٰ میں مصروف نہیں رکھتا وہ روحانی آنکھ نہیں رکھتا اور چونکہ یہ ملکی و جسمانی آنکھ، کان اس عالم میں نہیں جائیں گے، لہٰذا وہ عالم قبر اور عالم قیامت میں آنکھ، کان کے بغیر ہوگا۔ میزان سوال و جواب قبر وہی اعضائے روحانی ہیں'' (یہ جسمانی اعضاء نہیں) [2]

الغرض اس طرح طمانینت اور اس کے اثرات کے بارے میں احادیث شریفہ بہت ہیں۔

قرآن مجید میں ترتیل قرآن کا حکم دیا گیا ہے (یعنی ٹھہر ٹھہر کے تلاوت کرنے کا تاکہ دل میں اترتا چلا جائے) احادیث شریفہ میں ہے

> ''جو شخص قرآن کے کسی سورہ کو بھول جائے، تو وہ بہشت میں ایسی صورت میں ہوگا جو اچھی نہ ہوگی، تو جب یہ شخص اس کو دیکھے گا، تو اس سے کہے گا: تو کیا ہے، تو کتنا اچھا ہے، کاش تو میرا ہوتا! تو وہ سورہ جواب دے گا: مجھے نہیں پہچانتا؟ میں فلاں سورہ ہوں۔ اگر تو نے مجھے بھلایا نہ ہوتا تو تجھے اس بلند درجے تک پہنچا دیتا'' [3]

حدیث میں ہے کہ

---

[1] علم الیقین۔ ج ۲ ص ۱۰۳۹

[2] ۔ مرآۃ العقول، ج ۱۰، ص ۳۹۲

[3] اصول کافی، ج ۴، ص ۴۱۰، کتاب فضل القرآن، باب من حفظ القرآن ثم نسیہ، حدیث ۲۔

''جو شخص جوانی میں قرآن پڑھتا ہے، تو قرآن اس کے گوشت اور خون میں مخلوط ہو جاتا ہے''

[1]

اس میں نکتہ یہ ہے کہ جوانی میں دل کی مشغولیت اور کدورت کم ہوتی ہے اس لئے دل اس سے بہت زیادہ اور بہت جلد متاثر ہوتا ہے اور اس کا اثر بھی زیادہ وہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں بہت حدیثیں ہیں جن کا ذکر ہم باب ''قرائت'' میں کریں گے انشا اللہ۔ حدیث شریف میں ہے کہ ''خدا کے نزدیک اس عمل سے زیادہ کوئی شے محبوب نہیں جو برابر کیا جاتا رہے، چاہے تھوڑا ہو'' [2]

شاید اس میں بڑا نکتہ یہ ہو کہ برابر انجام دیا جانے والا عمل قلب کی باطنی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جیسا کہ ذکر ہو چکا۔

---

[1] اصول کافی، ج ۴، ص ۴۰۵، کتاب فضل القرآن، باب فضل حامل القرآن، حدیث ۴۔

[2] اصول کافی، ج ۳، ص ۱۳۷، کتاب الایمان ولاکفر، باب الاقتصاد وفی العبادۃ، حدیث ۲۔

فصل پنجم

شیطان کے تصرف سے عبادت کی محافظت

نماز اور تمام ہی عبادت کے اہم قلبی آداب میں سے ایک، جو قلبی آداب کی ایک اصل و بنیاد ہے اور اس کے لئے قیام کرنا ایک عظیم امر اور دقیق مشکل ہے، وہ تصرفات شیطانی سے محافظت ہے۔ شاید مومنین کی مدح میں آیۂ شریفہ کا ارشاد[1] حفاظت کے تمام مراتب کی طرف اشارہ ہو جن میں سے ایک مرتبہ، بلکہ اہم ترین مرتبہ تصرف شیطان سے حفاظت ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اصحاب معرفت اور ارباب قلوب کے نزدیک یہ بات واضح ہے کہ جس طرح جسموں کے لئے جسمانی غذا ہوتی ہے جس سے جسم پرورش پاتا ہے اور یہ غذا جسم کی حالت کے مناسب اور اس کی نشوونما کے موافق ہونی چاہئے تاکہ اس سے جسم کی تربیت ہو اور روئیدگی و بالیدگی میں کام آئے، اسی طرح دلوں اور روحوں کی بھی ایک غذا ہوتی ہے اور اس ان کی غذا بھی ان کے مناسب حال اور ان کی نشوونما کے لائق ہونی چاہئے تاکہ دل اور روح کی تربیت ہو اور ان کی روئیدگی و بالیدگی میں کام آئے اور معنوی نمو اور باطنی ترقی میں کام آئے۔ روحوں کی پرورش کے مناسب غذا مبادی وجود کے مبدا سے لے کر نظام ہستی کی آخری انتہا تک کے الٰہی معارف ہیں۔ جیسا کہ فلسفہ کی تعریف میں بزرگ ارباب فن کہتے ہیں:

هی صیرورة الانسان عالما عقلیّا مضاهیا للعالم العینیّ فی صورته و

---

[1] جو لوگ اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں/سورۂ معارج/ ۳۴، مومنون/ ۹

کمالہ[1]

''فلسفہ،انسان کا عالم عقلی کے قالب میں آجاتا ہے (اس طرح کہ صورت وکمال میں) جہاں خارج کے مانند ہوجائے۔

اور یہ ایسی معنوی پرورش کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ دلوں کی بالیدگی فضائل نفسانیہ اورمناسک الٰہیہ سے ہوتی ہے۔

یہ بھی معلوم رہنا چاہئے کہ اس طرح کی ہر غذا شیطانی تصرف سے پاک اورخالص ہونی چاہئے اوررسالت مآب حضرت رسول ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ولایت مآب حضرت علی اللہ الاعظمؑ کے دست حق پرست کی مہیا کی ہوئی ہونی چاہئے۔ ایسی ہی غذا سے روح و دل پرورش پاسکتے ہیں اور انسانیت کے کمال اورتقرب خدا کی معراج تک پہنچ سکتے ہیں۔

شیطانی تصرف سے چھٹکارہ اخلاص کا مقدمہ ہے اور یہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک سالک اپنے سلوک میں خدا خواہ نہ ہو اور خود وخواہی وخود پرستی کو جو تمام مفاسد کا سرچشمہ اورتمام باطنی بیماریوں کی ماں ہے، پائے حقارت سے کچل نہ دے۔ یہ اخلاص اپنے تمام معنی میں انسان کامل اوران کے اتباع میں اولیائے خالصین علیہم السلام کے علاوہ کسی شخص کومیسر نہیں ہے لیکن سالک کو بہر حال حق تعالیٰ کے باطنی لطف وکرم سے مایوس نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اللہ کی رحمت اوراس کی مہربانی سے مایوسی، ہرقسم کی افسردگی اورکاہلی وسستی کی اصل و بنیاد ہے اورسب سے بڑے گناہان کبیرہ میں سے ہے۔ جیسا کہ اورجتنا کچھ عام لوگوں کے امکان میں بھی ہے وہی ارباب معرفت کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

لہٰذا سالک راہ آخرت کے لئے حتماً لازم ہے کہ جتنی کوشش وکاوش ممکن ہو، اپنے معارف ومناسک کو شیطان اورنفس امارہ سے بچانے میں صرف کردے اور پوری دقت نظر اورجذبہ تجسس کے ساتھ اپنے حرکات وسکنات اورطلب و مطلوب کے بارے میں غور کرے اورانتہائی سیر وتحصیل اور باطنی حرکات اورروحانی غذا کے مبادیات کو حاصل کرے اور نفس اورشیطان کی فریب کاریوں سے غافل نہ ہو اوراپنے تمام حرکات وافعال کے بارے میں اپنے آپ سے کامل سوء ظن رکھے اورخود کو ہرگز خودسر وآزاد نہ ہونے دے، کیونکہ اکثر ذراسی غفلت اور ڈھیل انسان کومغلوب کردیتی ہے زمین پر پٹخ دیتی ہے اور ہلاکت وفنا کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔ کیونکہ روحانی غذائیں اگر شیطانی تصرفات سے محفوظ نہ ہوں

---

[1] ملا صدراؒ اوران کے پیروؤں نے فلسفہ کی یہی تعریف کی ہے اوران میں سے چندلوگوں نے (فی صورتہ و کمالہ) کی قید کا بھی اضافہ کیا ہے۔

اورشیطانی ہاتھ ان کے فراہم کرنے میں دخیل ہوتو علاوہ اس کے کہ روح وقلب کو ان سے بالیدگی حاصل نہیں ہوتی اوراپنے کمال تک نہیں پہنچتے، ایک نہایت ہی برا اور بڑا نقصان ان میں پیدا ہوجاتی ہے اورممکن ہے کہ ایسی غذائیں استعمال کرنے سے خودبھی شیطان بن جائے یا چوپایوں اوردرندوں کے زمرہ میں خودکوشامل کرلے اوراس روحانی غذا کا جوسرمایہ سعادت ہے اورکمال انسانیت کا راس المال اور مدارج عالیہ تک پہنچنے کا زینہ ہے، برعکس نتیجہ سامنے آئے اورانسان کو بدبختی وشقاوت کے اندھیرجہنم کی طرف کھینچ لے جائے۔ چنانچہ بعض ''اصطلاحی اہل عرفان'' میں ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں،جن کوعرفانی اصطلاحات اوران کے بارے میں غور وفکر ہی نے بے راہ وگمراہ کردیا۔ان کے دلوں کو پست اوران کے باطن کوتاریک کردیا اورمعارف کی پابندی ہی نے ان کی انیت وانانیت کی قوت کو بڑھاوادیا اوروہ ناشائستہ دعوے اورشرع کے مقابلہ میں گستاخیاں کرنے لگے۔ ارباب ریاضت اوراصحاب سلوک میں بھی ایسے افراد ہیں جن کی تصفیہ قلب میں مشغولیت وریاضت نے ان کے دلوں میں اورزیادہ خس وخاشاک بھردیئے اوران کے باطن کواوربھی تاریک بنادیا۔

ایسا اس لئے ہوا کہ انہوں نے سلوک معنوی اورمہاجرت الی اللہ کا خیال نہیں رکھا۔ان کا علمی سلوک اوران کی ریاضتیں شیطان اورنفس کے تصرفات کی وجہ سے اللہ کے لئے نہیں رہ گئی تھیں بلکہ شیطان اورنفس کے لئے تھیں۔

علوم عقلیہ کے طلبہ کی طرح علوم نقلیہ شرعیہ کے طلبہ میں بھی ہم نے ایسے لوگ دیکھے جن پرعلم نے برا اثر ڈالا ان میں اخلاقی مفاسد کا اضافہ کیا اورعلم جوان کی فلاح ونجاح کا باعث ہونا چاہئے تھا، ہلاکت کا سبب بن گیا اورانہیں جہالت،مرارات،سرکشی وغرور اورخود پسندی کی طرف کھینچ لے گیا۔

اہل عبادت اوراہل مناسک اورآداب وسنن کی پابندی کرنے والوں میں بھی ایسے اشخاص ہیں جن کے دلوں کو عبادات ومناسک آلودہ اوررتاریک کردیتی ہیں اوران لوگوں کوخود پسندی اورخود بینی،تکبر،خودنمائی،فیش پرست، بد اخلاق اور بندگان خدا سے بدگمانی میں مبتلا کردیتی ہیں۔ حالانکہ ان عبادات ومناسک سے احوال ونفوس کی بہترین اصلاح ہونا چاہئے۔

یہ برائیاں بھی ان الٰہی معجونوں کو پابندی سے استعمال نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ یقیناً جومعجون شیطان خبیث کے ہاتھ لگ جائے اورنفس سرکش کے تصرف میں آجائے اس سے سوائے شیطانی بداخلاقیوں کے اورکچھ بھی پیدانہیں ہوگا اور جب دل ہرحال میں انہیں سے غذا حاصل کرتارہے گا اوروہی نفس کی باطنی صورت بن جائیں گے اوراسی کی مداومت کے بعد انسان (آدمؑ کی اولاد ہونے کے بجائے) فرزند شیطان ہوجائے گا کیونکہ اسی کے ہاتھ کے نیچے تربیت پائے اوراسی کے تصرفات کے تحت اس کی نشوونما ہوگی اورجب چشم ملکی بند ہوگی اورچشم ملکوتی کھے گی تو اپنے

آپ کو من جملہ اور شیطانوں کے ایک شیطان پائے گا اور اس وقت نقصان کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوگا اور اپنے حال پر حسرت و افسوس کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

لہٰذا طریق آخرت پر چلنے والا ہر دینی رشتہ میں منسلک اور ہر الٰہی طریق کا راہی ہے ایک تو اس کو چاہئے کہ ایک ہمدرد طبیب اور مہربان تمادار کی طرح پوری توجہ اور پابندی کے ساتھ اپنے حال کی نگہداری کرے اور اپنی سیر و سلوک کے عیوب اور کوتاہیوں کی گہرائی اور باریکی سے تفتیش کرے۔ دوسرے اس طرح سیر وسلوک کے درمیان تنہائیوں میں حق تعالیٰ کی ذات پاک سے خلوات میں پناہ مانگنے، استغفار اور درگاہ ذوالجلال میں تضرع وزاری سے غافل نہ رہے۔

مالک! تو ہمارے ہماری کمزوریوں اور مجبوریوں سے واقف ہے، تو جانتا ہے کہ ہم تیری ذات پاک کی دستگیری کے بغیر اس دشمن کے ہاتھ سے بچ نکلنے کا راستہ نہیں رکھتے جو اتنا قوی و پرزور ہے کہ انبیاء کرام اور اولیائے والا مقام کو بھی راہ سے بے راہ کرنے پر کمر بستہ رہا ہے اور اگر تیرے لطف وکرم کی روشنی نہ ہو تو ہم کو یہ طاقتور دشمن ہلاک کر کے خاک میں ملا دے اور تاریکی وشقاوت کے لق و دق بیابان میں گرفتار کر دے۔ تجھ کو اپنے خاصان درگاہ اور محرمان بارگاہ کی قسم ہے کہ ہم وادی ضلالت میں حیران و پریشان پھرنے والوں اور سرگردانی کے صحرا میں بھٹکنے والوں کی دستگیری فرما اور ہمارے دلوں کو کینہ ونفاق اور شرک وشک سے پاک رکھ۔

انك ولیّ الهلیة

فصل ششم

نشاط و بہجت

نماز اوردوسرے عبادات کے قلبی آداب میں ایک ادب، جو عمدہ نتائج کا سبب، بلکہ بعض ابوب کے کھلنے اورعبادت کے بعد اسرار کے کشف ہونے کا سبب ہے، یہ ہے سالک کوشش کرے کہ عبادات کوقلبی بہجت ونشاط اوردلی فرحت وانبساط کے ساتھ انجام دے اورعبادت کے وقت کاہلی و بے دلی سے سخت احتراز کرے۔لہٰذا عبادات کے لئے ایسا وقت معین کرے کہ نفس عبادت کی طرف خوشی اورذوق وشوق سے مائل ہواوراس مصروفیت سے نشاط وتازگی محسوس کررہا ہواورکوئی خستگی اورکسی قسم کا فتور نہ پیدا ہورہا ہو، کیونکہ اگرنفس کوکسالت اورخستگی کے وعقت عبادات کی ذمہ داری سونپے گا توممکن ہے کہ اس کے برے اثرات پیدا ہوں۔جن میں ایک برا اثر یہ ہوسکتا ہے کہ انسان عبادت سے بددل ہوجائے اورتکلف وتصنّع زیادہ ہوجائے اوردھیرے دھیرے نفس کی طبیعت میں تنفر پیدا ہوجائے۔اس کے علاوہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انسان یکسر ذکر خدا ہی سے سروگرداں ہو جائے اور روح کو مقام عبودیت سے، جوتمام سعادتوں کا مصدر ہے، رنجش وآویزش پیدا ہوجائے۔ایسی عبادت سے نہ قلب نورانی ہوتا ہے اورنہ نفس متاثر ہوتا ہے اورصورت عبادت قلب کی باطنی صورت نہیں بن پاتی اوراس سے قبل ہم بتا چکے ہیں عبادت کا مقصد یہ ہے کہ باطن نفس عبادت کی صورت بن جائے۔

اب ہم یوں کہتے ہیں کہ عبادتوں وریاضتوں کے اسرار ونتائج میں سے ایک یہ ہے کہ نفس کا ارادہ ملک بدن میں نافذ ہواورمملکت بدن پورے طور سے نفس کی بزرگی کے سامنے سرنگوں ہوجائے اورملک بدن میں بکھری ہوئی قوتیں اورپھیلے ہوئے لشکر نافرمانی وسرکشی اورانانیت وخودسری سے باز رہیں اور باطن قلب کی طاقت وملکوت کے سامنے سرتسلیم خم

کردیں، بلکہ رفتہ رفتہ ملکوت میں تمام قوتیں فنا ہو جائیں اور حکم ملکوت ملک بدن میں جاری و نافذ ہو جائے۔ نفس کے ارادہ کو قوت حاصل ہو اور عنان حکومت شیطان اور نفس امارہ کے ہاتھوں سے نکل کے نفس کے ہاتھ میں آجائے اور نفس کے لشکر ایمان سے تسلیم، تسلیم سے رضا اور رضا سے فنا کی طرف کھینچ آئیں۔ اس حال میں عبادت کے اسرار میں سے کچھ کا ادراک ہوگا اور تجلیات فعلی سے تھوڑا بہت حصہ مل جائے گا۔

یہ جو کچھ بیان ہوا، اس وقت تک وجود میں نہیں آتا جب تک عبادت بہجت و نشاط کے ساتھ نہ بجالائی جائے اور تکلف و بددلی اور سستی و کاہلی پوری طرح کنارہ کشی نہ کرلی جائے۔ تاکہ ذکر حق اور مقام عبودیت میں محبت و عشق کی کیفیت پیدا ہو جائے اور انس و تمکن ظاہر ہونے لگے۔ حق سے انس اور حق کا ذکر اہم امور پر سب سے عظیم ہے۔ جس کی اہل معرفت شدید حفاظت کرتے ہیں اور اصحاب سیر و سلوک اس کے لئے تنافس کرتے ہیں اور جس طرح اطبا کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر غذا خوشی اور میل طبعی کے ساتھ استعمال کی جائے تو بہت جلد ہضم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح طب روحانی کا تقاجا ہے کہ اگر انسان روحانی غذائیں بہجت و اشتیاق کے ساتھ استعمال کرے اور سستی و تکلف سے پرہیز کرے تو ان کا اثر دل پر جلدی ہوتا ہے اور باطن قلب کا جلد تصفیہ ہو جاتا ہے۔

عبادت کے اس ادب کی طرف اللہ کی کتاب کریم اور صحیفہ قویم میں اس جگہ اشارہ کیا گیا ہے جہاں کفار و منافقین کی تکذیب کی گئی ہے:

لَا يَأْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ [1]

وہ نماز نہیں ادا کرتے مگر ملال اور سستی کی حالت میں، اور (راہ خدا میں) خرچ نہیں کرتے لیکن کراہت اور ناخوشی کے ساتھ۔

اسی طرح یہ آیۂ شریفہ:

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى [2]

مستی کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔

ایک حدیث میں کسالت کی تفسیر کی گئی ہے اور روایات میں اس ادب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ہم ان اوراق میں بعض کا ذکر کرتے ہیں:

---

[1] سورۂ توبہ/ ۵۴،

[2] سورۂ نساء/ ۴۳،

محمد بن یعقوب نے اپنے اسناد کے ساتھ حضرت ابوعبداللہؑ سے روایت کی ہے، آپؑ نے فرمایا:

لَا تُكَرِّهُوا إِلى أَنْفُسِكُمُ الْعِبَادَةَ [1]

خود کو اکراہ کے ساتھ عبادت میں مصروف نہ کرو۔

اور حضرت ابوعبداللہؑ سے روایت کی ہے، آپؑ نے فرمایا:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ: يَا عَلِيُّ، إِنَّ هَذَا الدِّينَ مَتِينٌ فَأَوْغِلُوا فِيهِ بِرِفْقٍ، وَلَا تُبَغِّضْ إِلَى نَفْسِكَ عِبَادَةَ رَبِّكَ. [2]

اے علیؑ ! یہ دین متین و استوار ہے، نرمی اور مدارات کے ساتھ اس میں قدم رکھو اور اپنے پروردگار کی عبادت سے خود کو متنفر نہ کرو۔

اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے حدیث ہے:

إِذَا نَشِطَتِ الْقُلُوبُ فَأَوْدِعُوهَا، وَإِذَا نَفَرَتْ فَوَدِّعُوهَا. [3]

جب دلوں میں بہجت و نشاط نظر آئے اس وقت امانت ان کے حوالہ کرو اور جب گریزاں دیکھو تو ان کو چھوڑ دو۔

اور یہ ایک عام اور جامع دستور ہے کہ دلوں کی بہجت اور نشاط کے وقت ہی امانت ان کے سپرد کرتے ہیں اور نفر و فرار کے وقت ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔ لہٰذا کسب علوم و معارف میں بھی اس ادب کو پیش نظر رکھنا چاہئے اور دلوں کو ان کی کراہت و تنفر کے باوجود زبردستی ذمہ داری نہ سونپنا چاہئے۔

ان احادیث اور دوسری حدیثوں سے ایک اور ادب کا پتہ چلتا ہے اور وہ ادب بھی باب ریاضت کے اہم امور میں سے ایک ہے۔ اس کو ''مراعات'' کہتے ہیں۔ وہ یوں ہے کہ سالک علمی، نفسانی یا عملی جس ریاضات و مجاہدات کے جس مرتبہ میں بھی ہو، اپنے حال کی مراعات کرے اور اپنے نفس کے ساتھ رفق و مدارات اور نرمی کے ساتھ پیش آئے اور اپنی حالت اور طاقت سے زیادہ زمہ داری نہ تھوپے، خصوصاً جوانوں اور نئے عمل کرنے والوں کے لئے یہ انتہائی اہم ہے کہ اگر جوان اپنے نفس کے ساتھ رفق و مدارات نہ کریں اور طبعی حقوق کو بقدر ضرورت حلال طریقوں سے ادا نہ کریں

---

[1] ،اصول کافی، ج ۳،ص ۱۲۹، کتاب الایمان والکفر، باب استواء العمل والمداومۃ علیہ، حدیث ۳

[2] اصول کافی، ج ۳،ص ۱۳۸، کتاب الایمان والکفر، باب الاقتصاد فی العبادۃ، حدیث ۶

[3] بحار الانوار، ج ۷۵،ص ۳۷۷، کتاب الروضۃ، باب ۲۹، حدیث ۳)۔

تو بڑے خطرہ میں گرفتار ہوجائیں گے جن کا علاج نہ کیا جا سکے گا۔ وہ بڑا خطرہ یہ ہے کہ کبھی کبھی نفس عادت سے زیادہ سخت گیری اور حد سے بڑھی ہوئی پابندی کی وجہ سے رسی تڑانے لگتا ہے اور زمام اختیار اپنے اختیار میں لے لیتا ہے اور طبیعت کے تقاضے جب موجزن ہوتے ہیں اور خواہش نفس کی تیز آگ جب بے اندازہ ریاضت کے دباؤ میں رہتی ہے تو قہری طور پر بھڑک اٹھتی ہے اور مملکت بدن کو جلا دیتی ہے اور اگر خدانکردہ کوئی سالک بے مہار ہوجائے یا کوئی زاہد بے اختیار ہو جائے تو وہ سعادت کی بلندی سے تباہی کی گہرائی میں اس طرح گر پڑتا ہے کہ پھر کبھی نجات کی صورت نہیں دیکھ پاتا اور طریق سعادت وخلاص کی طرف کبھی لوٹ کے نہیں آتا۔

لہٰذا سالک کو چاہئے ایک ماہر طبیب کی طرح ایام سلوک میں اپنے نفس کی نبض پر ہاتھ رکھے رہے اور احوال وایام سلوک کے تقاضے کے مطابق نفس کے ساتھ پیش آئے اور اشتعال شہوت کے زمانے میں جو جوانی کا فریب ہے، طبیعت کو اس کے حقوق ولذات سے بالکل ہی روک نہ دے اور شرعی طریقوں کے مطابق آتش شہوت کو بجھا دے، کیونکہ طریق الٰہی کے مطابق شہوت کے بجھانا سلوک راہ حق میں مکمل طور سے تعاون کرتا ہے۔ لہٰذا نکاح وازدواج کرے جو اللہ کی معین کردہ عظیم سنتوں میں ہے اور نوع انسانی کی بقا کا ذریعہ ہونے کے علاوہ سلوک راہ آخرت میں بھی مناسب دخل رکھتا ہے۔ اسی لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص شادی کرتا ہے وہ اپنے آدھے دین کو محفوظ کر لیتا ہے'' [1]

دوسری حدیث میں ہے:

''جو شخص خدا سے پاک و پاکیزہ حالت میں ملاقات کرنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ شادی شدہ ہو کر اس سے ملاقات کرے۔'' [2]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے منقول ہے کہ:

''اہل جہنم میں سے اکثر کنوارے ہوں گے۔'' [3]

۔حدیث میں ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا: (اصحاب کی ایک جماعت نے اپنے لئے عورتوں کو، دن کے وقت افطار کو اور رات کے وقت سونے کو حرام قرار دے رکھا ہے۔ ام سلمہؓ نے یہ بات حضرت رسول اکرمؐ کو بتائی۔ حضورؐ نے ان لوگوں کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: کیا تم عورتوں سے منہ موڑے ہوئے ہو؟ میں خود عورتوں کے پاس

---

[1] بحار الانوار، ج ۱۰۰، ص ۲۲۰، کتاب العقود والایقاعات، ابوب النکاح، باب ۱، حدیث ۱۴، بحوالہ امالی شیخ طوسیؒ، ج ۲، ص ۱۳۲

[2] منبع سابق، حدیث ۱۸، ۳۵، بحوالہ روضۃ الواعظین، ص ۳۷۳ ونوادر راوندی، ص ۱۲

[3] وسائل الشیعہ، ص ۱۵، کتاب النکاح، باب ۲، حدیث ۶

جاتا ہوں، دن میں غذا کھاتا ہوں اور رات میں سوتا ہوں اور جو شخص میری سنتوں سے منہ موڑے وہ میرا نہیں ہے، خدا ئے تعالیٰ یہ حکم نازل فرمایا ہے:

لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ. [1]

(اپنے اوپر) حرام نہ کرو ان پاکیزہ چیزوں کو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں اور (حد سے) تجاوز نہ کرو بے شک اللہ (حد سے) تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ اور اللہ نے تمہیں جو حلال اور پاکیزہ چیزیں عطا کی ہیں ان میں سے کھاؤ۔ اور اسی اللہ سے ڈرو (اس کی نافرمانی سے بچو) جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

الغرض سالک راہ آخرت کو یہ مراعات لازم ہے کہ کہاں نفس کو پیچھے ڈھکیلا جائے اور کہاں سامنے لایا جائے اور جس طرح نفس کی لگام کو بالکل ہی کھینچے نہ رہنا چاہئے کہ اس سے بڑے مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح سلوک میں بھی عبادات اور عملی ریاضتوں کے لئے سخت گیر نہ ہونا چاہئے اور اس پر حد سے زیادہ دباؤ نہیں ڈالنا چاہئے، خصوصاً عہد شباب میں اور ابتدائے سلوک میں کہ اس سے بھی نفس میں تنفر اور تنگدل پیدا ہوتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ انسان کو ذکر حق سے روگرداں کردے۔

احادیث شریفہ میں اس مطلب کی طرف کثرت سے اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ کافی شریف میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

میں نے ایام جوانی میں عبادات میں بہت کوشش اور محنت کی۔ میرے والد بزرگوار نے مجھ سے فرمایا: بیٹا! کچھ کم عمل بجالاؤ، کیونکہ جب خدا کی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو اس کے تھوڑے ہی عمل سے راضی ہوجاتا ہے۔ [2]

اور تقریباً یہی مضمون دوسری حدیث میں بھی بیان ہوا ہے۔ [3]

کافی میں یہ بھی روایت ہے کہ حضرت امام محمد باقرؑ نے حضرت رسول خداؐ سے روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا:

---

[1] سورۂ مائدہ: ۸۷، ۸۸

[2] اصول کافی، ج ۳، ص ۱۳۸، کتاب الایمان والکفر، باب الاقتصاد فی العبادۃ، حدیث ۵

[3] اصول کافی، ج ۳، ص ۱۳۸، کتاب الایمان والکفر، باب الاقتصاد فی العبادۃ، حدیث ۴)

یہی دین محکم ہے،اس میں نرمی اور مدارات کے ساتھ داخل ہو اور عبادت خدا سے بندگان خدا کو متنفر نہ کرو اور اس سوار کی طرح نہ ہو جاؤ جو نہ سفر کو قطع کرتا ہے اور نہ اپنی سواری سے اترتا ہے۔[1]

دوسری حدیث میں ہے کہ:

اپنے نفس میں عبادت پروردگار کی دشمنی نہ پیدا کرو۔[2]

الغرض ''مراعات'' کے سلسلے میں میزان یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کے احوال کی طرف ملتفت رہے اور نفس کی قوت اور اس کے ضعف کے مطابق سلوک کرے۔ اگر نفس عبادات و ریاضات کی قوت اور تاب مقاومت رکھتا ہے تو عبادت میں ضرور کوشش و محنت کرے۔

وہ لوگ جو فریب جوانی کے دور کو طے کر کے آگے بڑھ چکے ہیں اور ان کی آتش شہوات ایک حد تک سرد ہو چکی ہے ان کے لئے مناسب ہے کہ ریاضات نفسانیہ کچھ زیادہ بجالائیں اور کوشش و کاوش کے ساتھ مرادنہ وار سلوک و ریاضت میں لگ جائیں اور جیسے جیسے نفس کو ریاضتوں کا عادی بناتے جائیں ویسے ویسے ریاضات کے مزید دروازے نفس کے لئے کھولتے جائیں، یہاں تک کہ دھیرے دھیرے نفس مادی قوتوں پر غالب آجائے اور مادی قوتیں نفس کی برتری کے سامنے مقہور و مسخر ہو جائیں اور احادیث شریفہ میں جو وارد ہوا ہے کہ عبادت میں کوشش اور محنت کرو اور ان لوگوں کی ستائش کی گئی ہے جو عبادت و ریاضت میں کوشش کرتے ہیں اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کے عبادات و ریاضات کے تذکرے کئے گئے ہیں وہ ان احادیث شریفہ سے متضاد و متناقض نہیں ہے جن میں عبادات میں میانہ روی کی مدح کی گئی ہے، کیونکہ یہ سب اہل سلوک اور احوال و درجات نفوس کے مختلف ہونے کی بنا پر ہے اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ نفس کے نشاط وقوت اور تنفر و ضعف کے مطابق کوشش و محنت یا میانہ روی سے کام لینا چاہئے۔

---

[1] اصول کافی، ج ۳،ص ۱۳۸، کتاب الایمان والکفر، باب الاقتصاد فی العبادۃ، حدیث ۱)

[2] اصول کافی، ج ۳،ص ۱۳۸، کتاب الایمان والکفر، باب الاقتصاد فی العبادۃ، حدیث ۲

فصل ہفتم

تفہیم

عبادات، خصوصاً ذکری عبادات کے قلبی آداب میں سے ایک ''تفہیم'' ہے۔ وہ یوں ہے کہ انسان اپنے قلب کو ابتدا میں ایک بچہ کی طرح فرض کر لے۔ جس نے ابھی بولنا نہیں سیکھا ہے اور سالک اسے تعلیم دینا چاہتا ہے۔ اس لئے ہر ذکر، ہر ورد اور عبادات کی ہر حقیقت اور راز پوری باریکی اور محنت سے اس کو سکھائے اور کمال کے جس مرتبہ میں بھی ہے اس حقیقت کو خود دریافت کرے اور پھر دل کو سمجھائے۔ اب اگر قرآن اور اذکار کے معانی کو نہیں سمجھتا ہے اور عبادات کے اسرار سے خود ہی بے بہرہ ہے تو قرآن کے اجمالی معنی ہی قلب کو بتائے کہ قرآن کلام خدا ہے، اذکار سے اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہے اور عبادات اللہ کی اطاعت وفرماں برداری کا نام ہے، قلب کو بس یہی اجمالی معنی سمجھا دے اور اگر قرآن و اذکار کے صوری معانی کو سمجھتا ہے تو قلب کو صوری معانی سمجھائے۔ جیسے وعدہ وعید، امر و نہی، مبدا و معاد کا علم جس وقدر خود حاصل کیا ہے قلب کو تعلیم دے اور اگر معارف کی کوئی حقیقت یا عبادات کا کوئی رمز اس پر کشف ہوا ہے تو اسے پوری سعی وکشش کے ساتھ قلب کو بتائے اور اس کو یاد کرادے۔

اس تفہیم کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک مدت کی مواظبت اور پابندی کے بعد قلب کی زبان کھل جائے گی اور اسے بولنا آجائے گا اور وہ ذاکر و متذکر ہوجائے گا۔ پہلی منزل میں قلب متعلم (شاگرد) ہوگا اور زبان معلم (استاد) ہوگی اور زبان کے ذکر کو سمجھ کر قلب ذاکر بنے گا۔ یعنی قلب زبان کا تابع ہوگا، لیکن جب دل کی زبان کھل جائے گی تو صورت حال برعکس ہو جائے گی۔ قلب ذاکر ہوگا اور زبان اس کے ذکر کو سن کر ذکر کرے گی اور اس کے اتباع میں حرکت کرے گی، بلکہ پھر تو ایسا بھی ہوگا کہ حالت خواب میں بھی انسان ذکر قلب کے زیر اثر ذکر لسانی کرے گا۔ کیونکہ ذکر قلب بیدا

ری کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور اگر قلب متذکر ہوجائے تو زبان اس کی تابع ہو کر ذکر کرے گی اور ذکر ملکوت قلب سے ظاہر میں سرایت کیا کرے گا۔

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ [1]

کہہ دو کہ ہر شخص اپنی سرشت کے مطابق عمل کرتا ہے۔

الغرض ابتدائے سلوک میں انسان کو ادب (تفہیم) کا لحاظ رکھنا چاہئے تا کہ زبان قلب، جو مطلوب حقیقی ہے، کھل جائے۔

زبان قلب کے گویا ہونے کی علامت یہ ہے کہ ذکر میں تھکن اور زحمت محسوس ہونا بند ہو جاتی ہے اور نشاط و فرحت کا احساس ہونے لگتا ہے۔ خستگی اور بے زاری زائل ہو جاتی ہے۔ جس طرح کسی ایسے بچے کو تعلیم دینا چاہتا ہے جس نے ابھی زبان نہیں کھولی تو جب تک بچہ زبان نہیں کھولتا ہے اس وقت تک معلم خستہ اور ملول رہتا ہے اور جیسے ہی بچہ نے زبان کھولی اور وہ لفظ جو معلم سکھانا چاہتا ہے بچہ نے اپنی زبان سے ادا کیا ویسے ہی معلم کی خستگی رفع ہوجاتی ہے اور اب معلم بے رنج و تعب بچہ کا اتباع کرتے ہوئے (اس کی ذہانت اور قوت گویائی کے مطابق) لفظ کو ادا کرتا ہے۔ دل بھی ابتدا میں اس بچے ہی کی طرح ہوتا ہے جس نے ابھی زبان نہیں کھولی۔ مگر اسے تعلیم دی جانی چاہئے اور اذکار و اوراد اس کی زبان سے ادا کرائے جانے چاہئیں۔ اس کی زبان کھلنے کے بعد انسان خود اس کے تابع ہو جاتا ہے اور اس کو سکھانے کے دوران جو خستگی پیدا ہوتی ہے اور ذکر کے وقت جو رنج و تعب ہوتا ہے وہ ختم ہوجاتا ہے۔ یہ ادب ان لوگوں کے لئے بہت ہی ضروری ہے جو مبتدی ہیں۔

یہ بھی معلوم رہنا چاہئے کہ اذکار اور دعاؤں کی تکرار اور ذکر و عبادت کرتے رہنے، میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ زبان قلب کھلے اور قلب خود ذاکر، دعا کنندہ اور عبادت گزار بن جائے اور جب تک ادب ''تفہیم'' کا لحاظ نہ رکھا جائے گا اس وقت تک قلب کی زبان نہیں کھل سکے گی۔

احادیث شریفہ میں اس مطلب کی اشارہ کیا گیا ہے: چنانچہ کافی شریف میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ نے قرائت کے بعض آداب بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَلَكِنِ (اقْرَءُوا بِهِ) قُلُوبَكُمُ الْقَاسِيَةَ وَلَا يَكُنْ هَمُّ أَحَدِكُمْ آخِرَ السُّورَةِ. [2]

---

[1] سورۂ اسراء، ۸۴

[2] اصول کافی، ج ۴، ص ۴۱۸، کتاب فضل القرآن، باب ترتیل القرآن بالصوت الحسن، حدیث ۱

بلکہ قرآن سے اپنے سخت دلوں (کے بند دروازوں) کو کھٹکھٹاتے جاؤ اور اس پر نہ رہو کہ کسی طرح سورہ ختم ہوجائے۔

اور کافی کی حدیث میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابو اسامہ سے فرمایا:

يَا أَبَا أُسَامَةَ ارْعَوْا قُلُوبَكُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَاحْذَرُوا النَّكْتَ.[1]

اے ابو اسامہ! خدا کو اپنے دلوں سے یاد کرو اور جن باتوں، نکت، کا سوچنا اسے ناپسند ہے ان سے پرہیز کرو۔

یہاں تک کہ اولیائے کاملین علیہم السلام بھی اس ادب کو ملحوظ رکھتے تھے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام پر نماز میں ایسی حالت طاری ہوگئی کہ آپ کو غش آ گیا۔ جب افاقہ ہوا تو اس حالت کا سبب آپ سے پوچھا گیا۔ فرمایا:

ما زلت أردد الآية على قلبي و على سمعي حتى سمعتها من المتكلم بها فلم يثبت جسمي لمعاينة قدرته.[2]

میں نے اس آیت کو دل میں اس قدر دہرایا کہ اس آیت کے کلام کرنے والے سے اسے سنا اور میرے جسم میں اس کی قدر کو دیکھنے کی تاب نہ رہی۔

جناب ابوذر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ:

قام رسول الله صلّى الله عليه و آله ليلة يردّد قوله تعالى: إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ[3].[4]

ایک رات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھے اور بار بار اس آیت کی تلاوت فرما رہے تھے: اگر تو نے ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے تو یقینا تو ہی صاحب عزت اور صاحب حکمت ہے۔

---

[1] کافی، روضہ، ج۸، ص ۱۴۷، بحار الانوار، ج ۷۴، ص ۵۹، کتاب الایمان والکفر، باب ۴۴، حدیث ۳۸، حوالہ سابق

[2] المحجۃ البیضاء، ج۱، ص ۳۵۲، کتاب اسرار الصلاۃ، باب فضیلۃ الخشوع ومعناہ۔

[3] سورۂ مائدہ: ۱۱۸

[4] روح المعانی فی تفسیر القرآن، علامہ آلوسی، ج ۷، ص ۷۰، منقول از سنن نسائی وبیہقی

بالجملہ، حقیقت ذکر و تذکر ذکر قلبی ہے اور ذکر لسانی اس کے بغیر بے روح اور کلی پر درجہ اعتبار سے ساقط ہے۔ چنانچہ احادیث شریفہ میں اس کی طرف بکثرت اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوذرؓ سے فرمایا:

أَبَا ذَرٍّ رَكْعَتَانِ مُقْتَصَدَتَانِ فِي تَفَكُّرٍ خَيْرٌ مِنْ قِيَامِ لَيْلَةٍ وَ الْقَلْبُ ساهى [سَاهٍ]. [1]

اے ابوذرؓ! میانہ روی کے ساتھ دو رکعتیں جو تفکر کے ساتھ پڑھی جائیں، اس شب بیداری (رات بھر کی عبادت) سے بہتر ہیں جن میں قلب لہو ولعب میں پڑا ہوا اور غافل ہو۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے منقول ہے کہ:

خداوند عالم تمہاری صورتوں پر نظر نہیں کرے گا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھے گا۔ [2]

حضور قلب سے متعلق احادیث میں ہم بیان کریں گے کہ قلب کے بقدر نماز کو مقبولیت حاصل ہوتی ہے اور جس قدر قلب غافل ہوتا ہے اسی قدر نماز کی قبولیت میں کمی ہو جاتی ہے۔ جب تک یہ ادب، جس کا ذکر کیا گیا، ملحوظ نہ رہے گا اس وقت تک ذکر قلبی حاصل نہ ہوگا اور قلب سہو وغفلت سے باہر نہیں آئے گا۔

حدیث میں ہے کہ حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

فَاجْعَلْ قَلْبَكَ قِبْلَةً لِلِسَانِكَ لَا تُحَرِّكْهُ إِلَّا بِإِشَارَةِ الْقَلْبِ. [3]

قلب کا قبلہ ہونا اور زبان اور تمام اعضاء کا قلب کے تابع ہونا تب تک ممکن نہیں جب تک ادب، تفہیم، کو ملحوظ نہ رکھا جائے۔

اور اگر اس ادب کے بغیر یہ امور حاصل ہو جائیں تو یہ اتفاقی اور شاذ و نادر بات ہوگی اور انسان کو اس پر مفرور نہ ہونا چاہئے۔

العیاذ باللہ

---

[1] بحار الانوار، ج ۷۴، ص ۸۲، کتاب الروضہ، باب مواعظ النبیؐ، حدیث ۲، بحوالہ مکارم الاخلاق، ص ۴۶۵

[2] سابقہ حوالہ، بحار الانوار، ج ۶۷، ص ۲۴۸، بحوالہ جامع الاخبار، ص ۱۱۷، کچھ اضافے کے ساتھ

[3] مصباح الشریعۃ/ 55 / الباب الرابع والعشرون فی الذکر

فصل ہشتم

حضور قلب

قلبی اہم آداب میں سے ایک ادب ''حضور قلب'' ہے کہ شاید کثیر آداب اسی کا مقدمہ ہیں اور عبادت اس کے بغیر بے روح ہے اور یہ خود کمالات کی کنجی اور سعادت وخوش بختی کا صدر دروازہ ہے۔احادث شریفہ میں کم امور ہیں جن کا ذکر اتنا زیادہ ہوا ہو جتنا حضور قلب کا ذکر ہوا ہے اور کسی اور ادب کو کم ہی اتنی اہمت دی گئی ہے جتنی اہمیت حضور قلب کو دی گئی ہے۔ہم نے اگر چہ کتاب سر الصلاۃ اور کتاب شرح چہل حدیث جناب مؤلف قدس سرہ الشریف کے آثار میں سے ہے جو محرم ۱۳۵۸ھ ق میں لکھی گئی۔اس کتاب کے مقدمہ میں حمد وصلاۃ و دعا کے بعد آیا ہے۔''وبعد: ایک عرصہ ہوا کہ اس بندہ بے مایہ ضعیف نے سوچا تھا کہ اہل بیت عصمت وطہارت علیہم السلام کی حدیثوں میں سے چالیس حدیثیں، جو اصحاب وعلما رضوان اللہ علیہم کی معتبر کتابوں میں موجود ہیں، جمع کرے اور ہر ایک کی عوام کے مناسب حال شرح کرے اس لئے اس کو فارسی زبان میں لکھا تا کہ فارسی بولنے والے اس سے فائدہ حاصل کریں۔شاید انشااللہ پیغمبر ختمی مرتبتؐ کی اس حدیث میں شامل ہو جاؤں جس میں آپؐ نے فرمایا:

مَنْ حَفِظَ عَلَى أُمَّتِي أَرْبَعِينَ حَدِيثاً- يَنْتَفِعُونَ بِهَا بَعَثَهُ اللَّهُ تَعَالَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقِيهاً عَالِماً.[1]

یہاں تک کہ خدا کا شکر ہے کہ اس کی بہترین توفیق سے اس کو شروع کرنے میں کامیاب ہوا اور خدا سے اتمام

---

[1] صحیفۃ ال إمام الرضا علیہ السلام/ 65 /متن الصحیفۃ

کی توفیق چاہتا ہوں۔ (انہ ولی التوفیق)

میں اس کا کافی ذکر ہے اوراس کے درجات و مراتب بیان کئے ہیں۔لیکن یہاں بھی افادۂ قارئین کے تکملہ کے لئے اورحوالہ سے بچنے کے لئے ان کا کچھ ذکر کرتے ہیں۔

جیسا کہ سابق میں بیان کیا گیا،عبادات و مناسک اوراذکار و اوراد مکمل طور سے تب نتیجہ خیز ہوتے ہیں جب قلب کی صورت باطنہ بن جائیں اور انسان کے باطن ذات کا خمیر ہو جائیں۔ انسان کا ان سے عبودیت کی صورت حاصل کرے اورخودسری وسرکشی سے نکل آئے۔ یہ بھی بیان کیا جاچکا ہے کہ عبادات کے اسرار وفوائد میں سے ایک یہ ہے کہ نفس کا ارادہ قوی ہوجائے اورنفس مادیت پرغلبہ حاصل کرے اور مادی قوتیں نفس کی قدرت وسلطنت کے سامنے مقہور ومسخر ہوجائیں۔نفس ملکوتی کا ارادہ ملک بند میں اس طرح نافذ ہو کہ قوتیں ویسی ہی مطیع وفرمانبردار ہوجائیں جیسے اللہ کے فرشتے اللہ کے مطیع وفرمانبردار ہوتے ہیں کہ ''ایک لمحہ بھی اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جوحکم ان کے لئے صادر ہوتا ہے اس کے مطابق عمل کرتے ہیں۔'' [1]

اب ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ عبادات کے اسرار اوراہم فوائد میں ایک، کہ اورتمام اسرار وفوائد اسی کا مقدمہ ہیں، یہ ہے کہ تمام مملکت باطن و ظاہر اللہ کے ارادہ کے تحت مسخر ومقہور ہوجائے اوراللہ کے حرکت میں لانے سے حرکت میں آجائے۔نفس کی ملکوتی اورملکی قوتیں اللہ کا لشکر ہوجائیں اورسب کی سب اللہ کے معاملہ میں ملائکہ اللہ کا انداز پیدا کرلیں۔ یہ خود اراہ حق میں انسانی قوتوں اورارادوں کو فنا کے ادانیٰ درجات میں سے ایک درجہ ہے اوررفتہ رفتہ اسی پر بڑے بڑے نتائج مترتب ہوتے ہیں۔ انسان طبیعی، انسان الٰہی ہوجاتا ہے اورنفس عبادت میں ریاضت کرنے لگتا ہے۔ جنود ابلیس یکسر شکست خوردہ ہوجاتے ہیں اورٹوٹ جاتے ہیں اور قلب اوراس کی قوتیں حق کے سامنے خم ہوجاتی ہیں۔ اسلام بعض باطنی مراتب کے ساتھ نفس میں نمودار ہوتا ہے اوراس کا نتیجہ دارآخرت میں اپنے اردہ کوحق کے ارادہ واختیار میں دے دینے کی صورت میں نکلتا ہے کہ حق تعالیٰ اس کے ارادہ کو عالم غیب میں نافذ کرتا ہے اور اس کو اپنی مثل اعلیٰ بنالیتا ہے اورجس طرح خود ذات مقدس جو کچھ ایجاد کرنا چاہتی ہے وہ محض ارادہ کے ساتھ ہی وجود میں آجاتا ہے۔ اس بندہ کے ارادہ کوبھی ایسا ہی بنادیتی ہے۔

چنانچہ بعض اہل معرفت نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اہل بہشت کے بارے میں روایت کی ہے کہ ان کے پاس ایک ملک آتا ہے۔ اذن ورود طلب کرتا ہے اوراذن پاکے قریب آتا ہے اور پروردگار کی طرف سے ان کوسلام پہنچا

---

[1] آیۂ شریفہ کا مفہوم ہے جس میں ملائکہ کے بارے میں فرمایا ہے: (لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون) سورۂ تحریم/٦

کر ایک خط دیتا ہے، جو شخص بھی اس خط کا مخاطب ہوتا ہے اس کے لئے یہ پیغام اس میں لکھا ہوتا ہے:

من الحیّ القیّوم الّذی لا یموت إلی الحیّ القیّوم الّذی لا یموت. امّا بعد، فانّی اقول للشّیء کن فیکون، و قد جعلتك تقول للشّیء کن فیکون. فقال صلی اللّه علیه و آله: فلا یقول احد من اهل الجنّة للشّیء کن الّا و یکون [1]

حیّ قیوم کی طرف سے جسے موت نہیں آئے گی حیّ قیوم کی طرف سے جسے موت نہیں آئے گی۔ امام بعد، میں جب کسی شے سے کہتا ہوں، ہو جا، تو وہ ہو جاتی ہے۔ میں نے تجھے بھی ایسا ہی کر دیا کہ جس شے کو تو کہے گا کہ ہو جا، وہ ہو جائے گی۔ اس وقت رسول خداؐ نے فرمایا: اہل بہشت میں سے کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو کسی شے کے لئے کہے ہو جا، اور وہ ہو نہ جائے)۔

یہ وہ سلطنت الٰہیہ ہے جو بندہ کو اپنا ارادہ ترک کرنے، خواہشات نفسانی کو چھوڑنے اور ابلیس اور اس کے لشکر کی اطاعت سے دور رہنے کے سبب سے ملے گی اور مذکورہ نتائج میں سے ایک بھی کامل حضور قلب کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور اگر قلب عبادت کے وقت غافل اور سہو میں مبتلا ہو تو ایسی عبادت کھیل تماشا کی طرح ہے۔ اس سے حقیقت ظہور میں نہیں آتی اور یقیناً ایسی عبادت سے نفس پر کسی طرح کا اثر پیدا نہیں ہوتا اور جب تک عبادت صورت وظاہر سے آگے بڑھ کر باطن وملکوت تک نہیں پہنچتی، جیسا کہ احادیث میں اسی معنی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ایسی عبادت سے نفس کی قوتیں نفس کے آگے سرنگوں نہیں ہوتی ہیں اور نفس کی سلطنت ان پر غالب نہیں آتی۔ اسی طرح ظاہری و باطنی قوتیں اللہ کے ارادہ کے سامنے بھی خم نہیں ہوتیں اور مملکت حق کی کبریائی کے تحت مقہور نہیں ہوتیں، جیسا کہ واضح ہے۔ اسی سبب سے چالیس بچاس برس عبادت میں گزارنے کے باوجود ہم میں کوئی اثر پیدا نہیں ہوا، بلکہ روز بروز قلب کی تاریکی اور قوتوں کی نافرمانی میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے اور یہ اضافہ ہمارے مادی شوق اور ہوائے نفسانیہ و وساوس شیطانیہ کی اطاعت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یہ سب صرف اس لئے ہے کہ ہماری عبادتیں بے روح، باطنی شرائط سے عاری اور آداب قلبیہ سے خالی ہیں۔ ورنہ کتاب الٰہی کی آیۂ مبارکہ کی نص کے مطابق ''نماز تو فحشاء ومنکر سے روکتی ہے'' [2]

یقیناً یہ نہی ظاہری صوری نہی نہیں ہے۔ لازمی طور سے دل میں ایک چراغ روشن ہونا چاہئے اور باطن میں ایک نور فروزاں ہونا چاہئے۔ جس سے انسان عالم غیب کی طرف راہنمائی حاصل کرے اور ایک الٰہی تنبیہ کرنے والا ہو جو

---

[1] علم الیقین، ج ۲، ص ۱۰۶، تھوڑے اختلاف کے ساتھ

[2] (اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ط) سورۂ عنکبوت/ ۴۵۔

انسان کو سرکشی و نافرمانی سے باز رکھے۔

ہم خود کو نمازیوں میں شمار کرتے ہیں اور سالہا سال سے یہ عظیم عبادت ہمارا مشغلہ ہے۔ پھر بھی خود میں وہ نور نہیں دیکھتے اور ہمارا باطن میں ایسا تنبیہ کرنے والا اور ٹوکنے والا نہیں پیدا ہوا: پھر اس روز ہمارا کیا برا حال ہوگا جس روز ہمارے اعمال کی صورتیں اور ہماری کارگزاریوں کا صحیفہ اس عالم میں ہمارے ہاتھ میں دیا جائے گا اور کہا جائے گا (اپنا محاسبہ کرو)[1]

دیکھو! کیا ایسے درگاہ الٰہی میں قبول ہونے کے لائق ہیں؟ اور ایسی نماز اس گنجلک اور تاریک صورت میں بارگاہ کبرائی میں تقرب کا درجہ حاصل کرنے کے قابل ہے؟ اور کیا اس عظیم امانت الٰہی کے ساتھ یہی سلوک ہونا چاہئے؟ اور کیا دشمن خدا شیطان خیانت کار کو اس میں دست درازی کے لئے اس طرح راستہ دے دینا چاہئے؟ آخر وہ نماز جو معراج مومنین اور قربانی متقین ہے۔[2]

تمہیں درگاہ مقدس سے کیوں دور رکھتے ہے اور تقرب الٰہی کی بارگاہ تک کیوں نہیں پہنچنے دیتی؟ کیا اس روز حسرت وندامت، بیچارگی و بدبختی اور خجالت وشرمساری کے علاوہ کچھ اور ہاتھ آسکتا ہے؟ حسر وندامت، جس کی اس دنیا میں مثال نہیں خجالت وشرمساری جس کی نظیر سوچی بھی نہیں جسکتی اس عالم کی حسرتیں پس بھی ہوں ان میں بہر حال ہزار طرح کی امیدوں کا شائبہ پایا جاتا ہے اور یہاں کی شرمساری جلد ہی زائل ہو جاتی ہے۔ برخلاف اس کے وہاں روز بروز حسرت وندامت بڑھتی جاتی ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ [3]

روز حسرت سے ان کو ڈراؤ! جس دن کام تمام ہوجائے۔

گزری باتوں کی تلافی نہیں ہوسکتی اور تلف شدہ زندگی کو پلٹا یا نہیں جاسکتا:

يٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ [4]

افسوس! میری اس کوتاہی پر جو میں نے خدا کی جناب میں کی۔

---

[1] یہ اشارہ ہے سورۂ اسرا کی آیت ۱۴ کی طرف جس میں فرماتے ہیں (اقرا کتابك كفىٰ بنفسك اليوم عليك حسيباً)

[2] (الصلاة معراج المؤمن) اعتقادات مرحوم مجلسی، ص ۲۹، الصلوۃ قربان کل تقی) نماز ہر پرہیزگار کے لئے تقرب خدا کا وسیلہ ہے، فروع کافی، ج ۳، ص ۲۶۵، کتاب الصلاۃ، حدیث ۶۔

[3] سورۂ مریم/ ۳۹

[4] سورۂ زمر: ۵۶

اے عزیز! آج مہلت اور عمل کا دن ہے۔ انبیاء آئے، کتابیں لائے اور دعوتیں دیتے رہے۔ ان تمام عزت افزائیوں اور ان تمام اذیتوں اور تکلیفوں کے تحمل کے باوجود ہم ان سے متاثر نہیں ہوتے۔ حالانکہ انہوں نے ہم کو خواب غفلت سے بیدار کرنا چاہا اور مادیت کے خمار سے ہشیار کرنے کی کوشش کی ہم کو عالم نور اور نشاۃ بہجت وسرور تک پہنچانا چاہا اور حیات ابدی، نعمات سرمدی اور لذات جاودانی عطا کرنا چاہیں۔ ہلاکت و شقاوت، نار وظلمت اور حسرت و ندامت سے رہائی دلانا چاہی۔ یہ سب کچھ ہمارے لئے کیا۔ حالانکہ اس میں خود اپنا کوئی فائدہ ان کے پیش نظر نہ تھا اور ان مقدس شخصیتوں کو ہمارے ایمان و اعمال کی کوئی احتیاج نہ تھی۔ شیطان نے ہمارے دل کے کانوں کو اس طرح اپنی گرفت میں لے لیا ہے اور ہمارے باطن وظاہر کو اس طرح قابو میں کر لیا ہے کہ ان کے مواعظ ونصائح سے ہم پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا بلکہ کوئی آیت اور کوئی حدیث ہمارے دل کے کانوں تک نہیں پہنچ پاتی اور ظاہری حیوانی کانوں سے آگے نہیں بڑھتی۔

الغرض، اے قاری محترم! آپ ان اوراق کا مطالعہ کر رہے ہیں تو ان کے لکھنے والے کی طرح تمام انوار سے خالی، تمام نیک اعمال سے تہی دست اور خواہشات نفسانی میں گرفتار نہ رہیں۔ اپنے حال پر رحم کھائیں اور اپنے زندگی سے کوئی نتیجہ اخذ کریں۔ انبیاء اور اولیائے کاملین کے احوال پر غور کریں اور جھوٹی خواہشوں اور شیطان کے وعدوں کو ٹھوکر ماریں، شیطان کے فریب میں نہ آئیں، اور نفس امارہ سے دھوکہ نہ کھائیں، کیونکہ ان کی سازش بہت گہری ہے۔ یہ ہر باطل کو حق کا رنگ دے رک انسان کو الجھا دیتے ہیں اور اسے دھوکہ میں ڈال دیتے ہیں اور کبھی آخر عمر میں توبہ سے امید دلا کر انسان کو شقاوت کی طرف گھسیٹتے ہیں۔ حالانکہ توبہ عمر کے آخری حصہ میں، جب گناہوں کا بحر ظلمات کے تھپیڑے لے رہا ہوتا ہے اور بندوں اور خدا کے حقوق کا بھاری بوجھ کمر توڑ نا ہوتا ہے، سخت و دشوار اور مشکل ہے۔ آج (عہد شباب میں) جب انسان کی قوعت ارادی قوی اور جوانی کی قوتیں برقرار ہیں، گناہوں کا شجر بار آور نہیں ہوا ہے، شیطان کا تسلط نفس پر پوری طرح نہیں قائم ہوا اور نفس اپنی نئی نئی روحانیت کے ساتھ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت سے قریب ہے، آسان شرطوں پر توبہ کا حصول بھی ممکن ہے اور قبول بھی۔ اس عمر میں گناہوں کا شجر کمزور ہوتا ہے اور اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا آسان ہے۔ نفس اور شیطان کی سلطنت پائیدار نہیں ہوتی اور اس کا تختہ پلٹ دینا کچھ مشکل نہیں۔ مگر شیطان اور نفس انسان کو توبہ نہیں کرنے دیتے اور ایام پیری کے وعدہ پر ٹالے رکھتے ہیں۔ جب جوانی کے برعکس ارادہ کمزور، قوتیں ضعف سے دوچار اور طرح طرح کے گناہوں کا درخت پرانا اور بار آور ہو جاتا ہے اور شیطان کی سلطنت کو ظاہر و باطن میں استقلال و استقرار حاصل ہو چکا ہوتا ہے، مادیات کی محبت شدید اور ملکوت سے فاصلہ طویل ہو چکا ہوتا ہے، فطرت کا نور خاموش اور سرد ہو چکا ہوتا ہے اور توبہ کی شرطیں سخت اور تلخ ہو چکی ہوتی ہیں، فریب خوردگی کے علاوہ یہ سب اور کیا ہے؟

ایسا بھی ہوتا ہے کہ شیطان اور نفس شفاعت کا وعدہ یاد دلا کے انسان کو شافعین علیہم السلام کی بارگاہ قدس سے دور اوران کی شفاعت سے محروم کردیتے ہیں، کیونکہ گناہوں میں ڈوبے رہنے سے دل آہستہ آہستہ سیاہ ہوجاتا ہے اور انسان کو برے انجام تک کھینچ لے جاتا ہے۔ شیطان کا انسان سے ایک ہی لالچ ہے، ایمان کی چوری!! گناہوں میں ڈالنا اس کے نزدیک ایمان کی چوری کا مقدمہ ہے تاکہ آخر میں ایمان کو چرالے جائے اور انسان کو بے ایمان بنادے۔ انسان کو اگر شفاعت کی تمنا ہے تو چاہئے کہ پوری کوشش کرے کہ اس کے شافعین علیہم السلام کے درمیان رابطہ باقی رہے اور شافعان محشر کے احوال پر غور کرے کہ خود ان کا حال، عبادت و ریاضت کے معاملہ میں کس منزل تک پہنچا ہوا تھا۔ فرض کیجیئے کہ آپ دنیا سے باایمان جائیں گے، لیکن اگر گناہوں اور حقوق کا بار گراں سر پر ہوا تو ممکن ہے کہ برزخ اور قبر میں طرح طرح کے عذاب سے بچانے کے لئے شفاعت حاصل نہ ہوسکے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

''تمہارا برزخ تمہارے ساتھ ہے''[1]

اور برزخ کی سختیوں کا اس دنیا کی سختیوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اور زمانہ برزخ کتنا طویل ہوگا خدا علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ ممکن ہے لاکھوں کروڑوں ملین سال طویل ہو۔ پھر ممکن ہے قیامت ہی میں طولانی مدتوں اور طرح طرح کے عذاب کے بعد ہی شفاعت نصیب ہوسکے۔ جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا ہے۔[2]

پس ایسا نہ ہو کہ غرور شیطانی انسان کو عمل صالح سے روکے اور انسان کو بے ایمان بنا کر یا گناہوں کے بار سنگین کے ساتھ دنیا سے جانے پر مجبور کردے اور شقاوت و بدبختی میں گرفتار کردے۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ اورحم الراحمین کی رحمت واسعہ کے وعدہ کو یاد دلا کے انسان کا ہاتھ دامن رحمت تک پہنچنے سے روک دیتا ہے اور اس بات سے غافل کر دیتا ہے کہ یہ سب بعثت مرسلین، نزول کتب فرشتوں کو بھیجنا، وحی والہام اور طریق حق کی طرف راہنمائی ارحم الراحمین کی رحمت ہی تو ہے۔ خدا کی رحمت سارے عالم کو سایہ میں لئے ہے اور ہم چشمہ آب حیات پر کھڑے تشنگی سے ہلاک ہورہے ہیں۔

اللہ کی سب سے بڑی رحمت قرآن ہے۔ اگر ارحم الراحمین کی وسیع رحمت کی آرزو ہے تو قرآن جیسی رحمت سے استفادہ کرنا چاہئے۔ جس میں سعادت تک پہنچنے کا راستہ کھول دیا گیا ہے اور چاہ اور راہ کی پہچان بتادی گئی ہے۔ اب تو آپ خود اپنے پیروں سے چل کر چاہ میں گرتے ہیں اور راہ سے کتراتے ہیں اس میں رحمت کا کیا نقصان ہے؟ اگر قرآن

---

[1] فروع کافی، ج۳،ص ۲۴۲، اورعلم الیقین، ج۲،ص ۱۰۵۱، پرعمروبن یزید کی روایت سے یہی معنی مستفاد ہوتا ہے

[2] من جملہ اور کتابوں کے بحارالانوار، ج۸،ص ۳۶۲، کتاب العدل والمعاد، باب ۱۲، حدیث ۳۵، ۳۶

کے علاوہ کسی اور طریقہ سے ممکن ہوتا تو لوگوں کو اسی طریقہ سے خیر وسعادت کی نشان دہی کی جاتی کیونکہ رحمت تو بہر حال وسیع ہے، ممکن ہوتا تو جبراً لوگوں کو منزل سعادت تک پہنچایا جاتا، لیکن افسوس کہ آخرت کا راستہ ایسا راستہ ہے کہ اس کو اپنے اختیار ہی سے طے کیا جاسکتا ہے۔ سعادت زبردستی حاصل نہیں کی جاسکتی۔ نہ فضیلت بغیر اختیار کے فضیلت ہے۔ نہ عمل صالح بغیر اختیار کے عمل صالح۔ ممکن ہے آیۂ (لا اکراہ فی الدین) کے یہی معنی ہوں۔

ہاں! اس میں جو کچھ اکراہ و اجبار کا دخل ممکن تھا وہ دین الٰہی کی صورت ہے اس کی حقیقت (وجود میں آنا) نہیں، انبیاء علیہم السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ صورت دین جس طرح ممکن ہو لوگوں کے حوالہ کریں تا کہ صورت عالم عدل الٰہی کو صورت اختیار کرے اور لوگوں کی باطن کی طرف راہنمائی کریں تا کہ لوگ خود اپنے قدموں سے اس راہ کو طے کر کے سعادت تک پہنچ سکیں۔

الغرض، یہ بھی ایک شیطانی فریب ہے کہ رحمت ہی کی لالچ دلائے اور انسان کو رحمت ہی تک نہ پہنچنے دے۔

فصل نہم

حضور قلب کے بارے میں حدیثیں

اہل بیت عصمت و طہارتؑ کی کچھ حدیثیں جن میں حضور قلب کی ترغیب دلائی گئی ہے، ہم اس مقام پر بعض روایات کا ترجمہ بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ: ''عبادت خدا اس طرح کرو جیسے اسے دیکھ رہے ہو۔ اگر تم اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔'' [1]

اس حدیث شریف میں حضور قلب کے مراتب میں سے دو مرتبے معلوم ہوتے ہیں۔

ایک یہ کہ سالک کو جمال جمیل کے مشاہدہ میں اس طرح محو اور تجلیات حضرت محبوب میں یوں مستغرق رہنا چاہئے کہ قلب کے تمام آلات سماعت دیگر موجودات سے ہٹ جائیں اور چشم بصیرت جمال پاک ذوالجلال کی طرف اٹھی ہوئی ہو اور اس کے سوا کچھ نہ دیکھ رہی ہو۔ غرض ایسا مشغول اور حاضر ہو کہ خدا کے سوا حضور و محضر تک سے غافل ہو جائے۔

دوسرا مرتبہ، جو اپہلے مقام سے ادانیٰ ہے، یہ ہے کہ خود کو محضر الٰہی میں حاضر دیکھے اور حضور و محضر کے آداب کو ملحوظ رکھے۔ جناب رسول اکرمؐ فرماتے ہیں: ''اگر چاہتے ہو کہ مقام اول پانے والوں میں شامل ہو تو اس کے آداب بجالاؤ، ورنہ اس بات سے غافل نہ رہو کہ اپنے رب کے حضور کھڑے ہو'' یقیناً محضر حق کا ایک ادب ہے جہاں مقام

---

[1] بحار الانوار، ج ۷۴، ۷۴، کتاب الروضۃ، باب ۴ حدیث ۳، مکارم الاخلاق، ص ۳۵۹

عبودیت سے غفلت نہیں کی جاسکتی۔ اسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے جو جناب ابوحمزہ ثمالیؒ نے نقل کیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں:

''میں نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو دیکھا کہ آپؑ نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپؑ کی عبادوش سے گر گئی مگر آپؑ نے اس کو درست اور برابر نہ کیا، یہاں تک نماز سے فارغ ہوئے۔ میں نے اس کا سبب پوچھا، فرمایا: ''تم پر افسوس ہے۔ تم جانتے ہو میں کس کی بارگاہ میں تھا؟''[1]

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ:

(میری امت کے دو افراد نماز کے لئے قیام کرتے ہیں۔ اس طرح کہ دونوں کا رکوع اور سجود تو ایک ہوتا ہے مگر ان دونوں کی نماز میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔[2]

حضورؐ نے فرمایا:

''کیا اس شخص کو خوف نہیں معلوم ہوتا جو نماز اپنے صورت کو پھرا لیتا ہے تو اس کی صورت گدھے کی طرح ہوجاتی ہے۔''[3]

حضورؐ ہی نے یہ بھی فرمایا:

''جو شخص دو رکعت نماز ادا کرے اور اس کے درمیان دنیا کی کسی شے کی طرف توجہ نہ کرے خدا اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔''[4]

یہ بھی فرمایا:

'' بعض نمازیں ایسی ہوتی ہیں جو آدھی یا تہائی یا چوتھائی قبول ہوتی ہیں (باقی رد ہوجاتی ہیں) یا ان کا پانچواں حصہ قبول ہو جاتا ہے (اور چار حصے رد ہو جاتے ہیں) یہاں تک کہ دسواں حصہ (قبول ہوتا ہے باقی نو حصے رد وہ جاتے ہیں) بعض نمازیں پرانے کپڑے ک طرلپیٹ کر، جس کی نمازیں ہیں، اس کے منہ پر ماردی جاتی ہیں اور نماز میں تیرا وہی حصہ ہے جو دل سے پیش

---

[1] وسائل الشیعہ، ج ۴، ص ۶۸۸، کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ، باب ۳، حدیث ۶۔

[2] بحار الانوار، ج ۸۱، ص ۲۴۹، کتاب الصلاۃ، باب ۱۶، حدیث ۴۱

[3] مستدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ، باب ۲، حدیث ۲۰۔

[4] مستدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ، باب ۲، حدیث ۱۳۔

کرے۔''[1]

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

(رسول خداؐ کا ارشاد ہے: جب بندۂ مومن نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو خدائے تعالیٰ اس کی طرف نظر کرتا ہے۔ یا یوں فرمایا کہ خدائے تعالیٰ اس کے سامنے ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ نماز پڑھ کے واپس ہوجاتا ہے اور اللہ کی رحمت اسکے سر پر سایہ کئے رہتی ہے اور ملائکہ اسکے چاروں طرف ہوتے ہیں افق آسمان تک اور خدائے تعالیٰ ایک فرشتے کو موکل کرتا ہے کہ اس کے سرہانے کھڑا رہے اور کہے: ''اے نمازگزار! اگر تجھے معلوم ہوجائے کہ تیری طرف کو دیکھ رہا ہے اور تو کس سے مناجات کر رہا ہے تو تیری توجہ کسی اور جگہ کی طرف نہ ہو اور اپنی جگہ سے کبھی الگ نہ ہو۔''[2]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ:

''کسی دل میں (خدا کی ملاقات کا) شوق اور (جلال خدا کا) خوف جمع نہیں ہوتا مگر یہ کہ بہشت اس پر واجب ہوجاتی ہے۔ لہٰذا جب تم نماز پڑھ رہے ہو تو اپنے دل کے ساتھ اللہ کے سامنے حاضر ہوجاؤ، کیونکہ کوئی بندۂ مومن ایسا نہیں ہے جو نماز و دعا میں دل سے اللہ کے سامنے حاضر ہو مگر یہ کہ اللہ مومنین کے دلوں کو اس کے سامنے حاضر کردیتا ہے۔ (یعنی مومنین کے دلوں میں اس کی محبت پیدا کر دیتا ہے)۔ اور ان کی دوستی سے اس ک مدد کرتا ہے اور اس کو جنت میں داخل کرتا ہے۔''[3]

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''تمہاری نماز میں تمہارا وہی حصہ ہے جو تم نے دل سے ادا کیا ہو لہٰذا اگر غلط ادا کی تمام نماز، یا اس کے آداب سے غفلت برتی تو وہ نماز لپیٹ دی جاتی ہے اور صاحب نماز کے منہ پر ماردی جاتی ہے۔''[4]

---

[1] بحار الانوار، ج ۸۱، ۲۶۰، کتاب الصلاۃ، باب ۱۶، حدیث ۵۹

[2] مستدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ، باب ۲، حدیث ۲۲

[3] وسائل الشیعہ، ج ۴، ص ۶۸۷، کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ، باب ۳، حدیث ۳

[4] وسائل الشیعہ، ج ۴، ص ۶۸۷، کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ، باب ۳، حدیث ۱

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ:

''یقیناً بندہ کی نماز کا آدھا حصہ یا تہائی حصہ یا چوتھائی حصہ یا پانچواں حصہ عالم بالا کی طرف جاتا ہے تو عالم بالا کی طرف اس کے لئے وہی حصہ جاتا ہے جو دل کو حاضر رکھ کر ادا کیا ہے۔ ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ نوافل کے ذریعہ فرائض کا نقص پورا کریں۔'' [۱]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ فرمایا:

''جب نماز کا احرام باندھ لو تو نماز کی طرف توجہ رکھو، کیونکہ جب تم توجہ رکھو گے تو خدا تمہاری طرف توجہ رکھے گا اور اگر تم توجہ ہٹاؤ گے تو خدا تم سے توجہ ہٹالے گا)۔ کبھی کبھی اسی لئے ایسا ہوتا ہے کہ نماز عالم بالا کی طرف نہیں جاتی مگر تہائی یا چوتھائی یا اس کا چھٹا حصہ۔ اسی قدر جتنی نماز گزار نے نماز میں توجہ رکھی ہو اور خدا غافل کو کچھ بھی عطا نہیں فرماتا۔'' [۲]

حضرت رسول خداؐ سے روایت ہے کہ آپؐ نے ابوذرؓ سے فرمایا:

''دو رکعت نماز اعتدال اور فکر کے ساتھ اس رات بھر کے قیام سے بہتر ہے جو غفلت قلب کے ساتھ ادا کیا ہو'' [۳]

اس سلسلے میں بہت حدیثیں ہیں اور اصحاب اعتبار اور ارباب قلوب بیدار کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

---

[۱] علل الشرائع، ج ۲، ص ۳۲۷، باب ۲۴، حدیث ۲

[۲] مستدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ، باب ۳، حدیث ۷

[۳]

فصل دہم

حضور قلب حاصل کیجئے

حضور قلب کے فضائل وخواص آپ نے عقل اور نقل سے جان لئے اور اس کو ترک کرنے کے نقصانات بھی سمجھ لئے۔ علم تنہا کافی نہیں ہوتا بلکہ حجت تمام کر دیتا ہے۔ کمر ہمت کس کے جو کچھ جانا اور سمجھا ہے اسے حاصل کرنے کے لئے مستعد ہو جایئے اور علم کو عمل کی شکل دیجئے تا کہ اس سے فائدہ حاصل ہو اور محنت کا پھل ملے۔ ذرا سوچو تو کہ اہل بیت عصمت علیہم السلام کی روایات کے مطابق، جو معاون وحی ہیں، ان کے تمام ارشادات اور علوم وحی الٰہی اور کشف محمدیؐ کے مطابق ہیں، نماز کی قبولیت تمام اعمال کے قبول ہونے کی شرط ہے۔ اگر نماز قبول نہ ہوئی تو دوسرے اعمال کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جائے گی۔[1]

اور نماز توجہ قلب سے قبول ہوتی ہے۔ اگر نماز میں توجہ قلب نہ ہو تو درجہ اعتبار سے ساقط ہو جاتی ہے اور بارگاہ حق میں پیش کئے جانے کے لائق نہیں رہتی اور قبول نہیں ہوتی۔ جیسا کہ احادیث مذکورہ سے معلوم ہوا۔ لہٰذا اعمال کے خزانے کی کنجی اور تمام سعادتوں کا صدر دروازہ حضور قلب ہے۔ اسی سے انسان پر سعادت کے دروازے کھلتے ہیں اور اس کے بغیر کوئی عبادت لائق اعتبار نہیں ہوتی۔

اب ذرا عبرت کی نظر سے غور کرو اور حضور قلب کے مقام کی اہمیت وعظمت کو بصیرت کی آنکھوں سے دیکھو اور

---

[1] قَالَ ﷺ أَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ الْعَبْدُ الصَّلَاةُ فَإِنْ قُبِلَتْ قُبِلَ مَا سِوَاهَا وَإِنْ رُدَّتْ رُدَّ مَا سِوَاهَا۔ فلاح السائل و نجاح المسائل/127/ذکر ما نرید تقدیمہ من طریق الروایات فی تعظیم حال الصلوات..... ص: 126

پوری کوشش و کاوش کے ساتھ اس کے لئے اٹھ کھڑے ہو۔ سعادت اور جنت کے دروازوں کی کنجی بھی تمہاری جیب میں ہے اور شقاوت اور جہنم کے دروازوں کی کنجی بھی اور اسی دنیا میں !تم جنت اور سعادت کے دروازے بھی اپنے لئے کھول سکتے ہو اور اسکے برعکس بھی کر سکتے ہو۔ سب تمہارے ہاتھ میں ہے۔ خدائے تعالیٰ نے حجت تمام کردی ہے اور سعادت و شقاوت کی راہیں دکھادی ہیں اور ظاہری و باطنی توفیقات عطا فرمادی ہیں۔ اس کی طرف سے جو کچھ آیا اور اس کے اولیاء نے جو کچھ بتایا وہ مکمل ہے۔ اب تو ہمارے قدم بڑھانا کی باری ہے۔ وہ اراہ دکھانے والے ہیں انھوں نے راہ دکھا دی۔ ہم راہرو ہیں۔ یہیں راہ چلنا چاہئے۔ انہوں نے اپنا کام پورا کردیا اور بہترین طریقہ سے پورا کردیا کہ کسی کے لئے عذر کی گنجائش نہیں چھوڑی اور ایک لمحہ بھی کوتاہی نہیں کی۔ تم بھی غفلت کی نیند سے چونکو اور اپنی سعادت کی راہ طے کرو۔ اپنی عمر اور قوت کو کام میں لاؤ، کیونکہ اگر موقع ہاتھ سے نکل گیا اور عمر و جوانی کا سرمایہ اور قوت وتوانائی کا خزانہ ختم ہو گیا تو دوبارہ ہاتھ نہ آئے گا۔ اگر تم جوان ہو تو بڑھاپے کے آنے کی راہ نہ دیکھو، کیونکہ بڑھاپے کی مصیبتوں کو بوڑھے ہی جانتے ہیں، تم کیا جانو؟ حالت پیری وضعف میں اصلاح امور بہت مشکل ہے اور اگر تم بوڑھے ہو تو باقی عمر کو ہاتھ سے نہ جانے دو کہ کچھ بھی ہو جب تک اس دنیا میں ہو سعادت تک پہنچنے کا راستہ موجود ہے اور تمہارے سامنے سعادت کا دروازہ کھلا ہو اہے۔ خدا نہ کرے کہ در بند اور یہ راہ مسدود ہوجائے، کیونکہ پھر اختیار تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گا اور گزری ہوئی باتوں پر حسرت وندامت اور افسوس کے سوا کچھ باقی نہ رہ جائے گا۔

لہٰذا اے عزیز! اگر مذکورہ باتوں پر جو انبیاء علیہم السلام کے فرمودات ہیں، ایمان رکھتے ہو اور خود کو تحصیل سعادت اور سفر آخرت کے لئے تیار کرلیا ہے اور حضور قلب کو حاصل کرنا، جو خزانہ سعادت کی کنجی ہے، لازم سمجھ لیا ہے تو اسے حاصل کرنے کی راہ یہ ہے کہ پہلے حضور قلب پیدا ہونے کی رکاوٹوں کو دور کرو اور سلوک کی راہ میں جو کانٹے بچھے ہیں انہیں ہٹاؤ۔ اس کے بعد حضور قلب کی طرف قدم بڑھاؤ۔

عبادات میں حضور قلب سے مانع انتشار ذہن اور واردات قلبی کی کثرت ہے۔ ایسا کبھی خارجی امور اور حواس ظاہرہ سے حاصل ہوتا ہے۔ جیسے انسان کے کان میں عین عبادت کے دوران کوئی آواز آئے اور دل اس میں الجھ جائے اور یہیں سے باطن میں تخیلات وتفکرات پیدا ہونے لگیں اور قوت واہمہ اور قوت متصرفہ انہیں میں مصروف ہو کر تخیلات و تفکرات کی ایک شاخ سے دوسری شاخ پر پرواز کرنے لگے یا انسان کی آنکھ کچھ دیکھے اور اسی سے انتشار ذہن اور قوت متصرفہ کا انحراف شروع ہوجائے یا سارے ہی حواس کسی چیز کا ادراک کریں اور ایک کے بعد ایک خیال آنے لگے۔ ان امور کے علاج کے لئے اگرچہ (علمانے) فرمایا ہے کہ ان اسباب کو ددور کرنا ہے۔ مثلاً یہ کہ کسی اندھیرے کمرے میں یا تنہا مکان میں بیٹھ جائے اور نماز کے وقت اپنی آنکھوں بند کرلے اور ایسے مقامات پر نماز نہ پڑھے جہاں نظر کسی اور

طرف کھینچے۔ چنانچہ مرحوم شہید ثانیؒ نے بعض عبادت گزاروں کے بارے میں نقل کیا ہے کہ کسی چھوٹے سے تاریک مکان میں جس کی وسعت اتنی تھی کہ اس میں نماز پڑھی جاسکے عبادت کیا کرتے تھے۔[1]۔

لیکن ظاہر ہے کہ اس سے مانع دور نہیں ہوتا اور بنیاد منہدم نہیں ہوتی، کیونکہ خیال کا سب سے بڑا تصرف یہ ہے کہ کسی جزئی منشاو مبدا سے اپنا کام شروع کرتا ہے، بلکہ کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ چھوٹے اور تاریک گھر میں واہمہ اور خیال زیادہ تصرف کرتا ہے اور دوسری باتوں کی طرف لہو ولعب اور فضولیات دخل انداز ہوجاتا ہے۔ لہٰذا اصل مادہ کو خیال و وہم کی اصلاح کر کے ختم کیا جاسکتا ہے۔ ہم بعد میں اس کی طرف اشارہ کریں گے۔ ہاں کبھی کبھی اس طرح کا علاج بھی بعض نفوس کے بے اثر اور فائدہ سے خالی نہیں ہے، لیکن ہم علاج قطعی کی بات کر رہے ہیں اور سبب حقیقی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے بارے میں بحث کر رہے ہیں اور یہ بات مذکورہ طریقہ سے حاصل نہیں ہوتی۔ کبھی انتشار ذہنی کا سبب اور حضور قلب کا مانع امور باطنہ میں سے کوئی امر ہوتا ہے اور اس کے کلی طور پر دو بڑے اسباب ہیں۔ اس طرح کے اہم امور انہیں دو سے پیدا ہوتے ہیں۔ ایک تو خود خیال کا ہرزہ گردی اور فرار کا عادی ہوتا ہے، کیونکہ خیال ہے ہی ایسی قوت جو برابر ایک شاخ سے دوسری شاخ فکر پر معلق ہوتی رہتی ہے اور ایک کنگرہ سے دوسرے کنگرہ پر پرواز کرتی ہی رہتی ہے۔ اصل میں اس کا ربط حب دنیا اور ادنیٰ امور اور دنیاوی مال و منال کی طرف توجہ سے ہے، بلکہ خیال کا فرار ہونا خود ایک ایسی مصیبت ہے جس میں تاریک دنیا بھی مبتلا رہتا ہے اور سکون خاطر، طمانینت نفس اور خیال کا ٹھہراؤ حاصل کرنا ایک اہم کام ہے جس کی اصلاح سے قطعی علاج حاصل ہوجاتا ہے بعد میں ہم اس کی طرف اشارہ کریں گے۔ حضور قلب کا دوسرا مانع جہاں سے پیدا ہوتا ہے وہ ہے حب دنیا اور دنیاوی حیثیات سے تعلق خاطر ہے جو تمام خطاؤں کا مرجع اور باطنی امراض کی ماں ہے۔ اہل سلوک کی راہ کا کانٹا اور مصیبتوں کا سرچشمہ ہے اور جب تک دل کا اس سے تعلق رہے گا اور اس کی محبت میں غرق رہے گا قلوب کی اصلاح راہ مسدود اور جملہ سعادتوں کا دروازہ بند رہے گا۔ ہم دو فصلوں کے ذریعہ ان دو بڑے سے مصدر اور دو قوی مانع کو رفع کرنے کے طریقوں کی طرف اشارہ کریں گے۔ انشاء اللہ۔

---

[1] التنبیہات العلیۃ علی وظائف الصلاۃ القلبیۃ، ص ۱۱۰، مطبوع در مجموعہ افادات شہید ثانیؒ، چاپ سنگی، ۱۳۱۳، خط محمد حسن جرفادقانی

فصل یازدھم

خیال کی ہرزہ گردی کا علاج

خیال کے فرار ہونے اور اس کی لرزہ گردی کے علاج کے لئے نفع بخش دوا جس سے حضور قلب پیدا ہوتا ہے۔

معلوم رہنا چاہئے کہ نفس کی ہر ظاہری اور باطنی قوت قابل تعلیم اور قابل تربیت ہے جس کے لئے مخصوص ریاضت کی ضرورت ہے۔ مثلاً انسان کی آنکھ میں یہ قدرت نہیں ہوتی کہ وہ ایک معین نقطہ یا تیز روشنی جیسے سورج کی روشنی کو دیر تک دیکھتا رہے اور پلک نہ جھپکے، لیکن اگر انسان آنکھ کو تربیت دے لے، جیسا کہ بعض اصحاب ریاضات باطلہ اپنے مقاصد کے لئے کام میں لاتے ہیں، تو ممکن ہے کہ مسلسل چند گھنٹوں تک آفتاب کے گولہ سے نظر ملائے رہے اور نہ پلک جھپکائے نہ تکھن محسوس کرے۔ اسی طرح ایک مبین نقطہ پر نظر جمائے رہے اور بغیر حرکت کئے گھنٹوں اسی حالت پر ٹھہرا رہے۔ اسی طرح دوسری ساری قوتوں کو تربیت دے سکتا ہے، یہاں تک گھنٹوں سانس کو روکے رکھ سکتا ہے، جیسا کہ اس سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے، ریاضات باطلہ کرنے والوں میں ایسے لوگ ہیں جو متعارف عرصہ سے کہیں زیادہ سانس روکے رہتے ہیں۔

قابل تربیت قوتوں میں قوت خیال اور قوت واہمہ بھی ہے جو تربیت سے پہلے تو ایسی چڑیا کی طرح ہوتے ہیں جو سخت فرار اور بے حد متحرک رہتی ہے اور ایک شاخ سے دوسری شاخ پر اور ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف پھدکتی رہتی ہے کہ اگر ایک منٹ کے لئے حساب لگائے تو پتہ چلے گا کہ مسلسل تبدیلیاں اور نقل وحرکت انتہائی مہمل اور کمزور مناسبتوں کے ساتھ ظاہر ہو رہی ہیں۔ بعض لوگوں کا گمان ہے کہ طائر خیال کو گرفت میں لینا اور رام کرنا امکان سے باہر ہے اور محال عادی ہے، لیکن ایسا نہیں ہے، ریاضت و تربیت اور کچھ وقت صرف کرنے کے بعد اسے رام کیا جاسکتا ہے

اور طائر خیال کو گرفت میں لیا جا سکتا ہے کہ پھر وہ اختیار اور ارادہ کے تحت حرکت کرے کہ جب انسان چاہے اس کو کسی مقصد کے لئے بند کر لے اور چند گھنٹوں کے لئے اسے ایسی مقصد کے لئے بند کئے رہے۔

خیال کو قابو میں کرنے کا سب سے عمدہ طریقہ اس کے خلاف عمل کرنا ہے۔ یہ اس طرح کہ انسان نماز کے وقت خود کو تیار کرے کہ نماز میں خیال قابو میں رکھے اور اسے ادھر اُدھر نہ جانے دے اور جیسے ہی انسان کے قابو سے نکلنا چاہے اسے پھر نماز کی طرف پلٹا لائے۔ نماز کی تمام حرکات وسکنات اور اذکار و اعمال میں خیال کی حالت پر نظر رکھے رہے اور اس کے حال کی تفتیش کرتا رہے اور اسے سرکشی نہ کرنے دے۔

ابتداً یہ کام دشوار نظر آئے گا، لیکن ایک مدت کے بعد لازمی طور پر رام ہو جائے گا اور ریاضت پر آمادہ ہو جائے گا۔ یہ توقع نہ رکھئے گا کہ آغاز ہی میں نماز کی ابتدا سے لے کر انتہا تک طائر خیال قابو میں رہے گا۔ جی نہیں! ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا، ناممکن ہے اور شاید جن لوگوں نے خیال کا قابو میں آنا محال سمجھا ہے انہوں نے ایسی ہی توقع کی ہے، لیکن صحیح طریقہ یہ ہے کہ یہ عمل انتہائی تدریجی انداز میں صبر اور ہمت سے انجام دیا جانا چاہئے۔ ممکن ہے ابتدا میں نماز کے صرف دسویں حصہ میں یا اس سے بھی کم خیال کو پابند بنایا جا سکے اور اسی قدر حضور قلب حاصل ہو سکے، لیکن آہستہ آہستہ انسان اگر اسی فکر میں لگا رہے اور خود کو اس کا محتاج سمجھے تو زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرے گا اور رفتہ رفتہ وہم کے شیطان اور خیال کے طائر پر غالب آجائے گا کہ نماز کے بیشتر حصول میں ان کی عنان اختیار اپنے ہاتھ میں لئے رہے گا اور انسان کو مایوس تو کبھی ہونا ہی نہ چاہئے، کیونکہ مایوسی تمام کاہلیوں اور کمزوریوں کا سرچشمہ ہے، جب کہ امید کی روشنی انسان کو کمال سعادت تک پہنچا دیتی ہے۔

لیکن اس بارے میں سب سے عمدہ اور مفید چیز احتیاج کا احساس ہے جو ہم میں بہت کم ہے۔ ہمارا دل باور ہی نہیں کر رہا ہے کہ عالم آخرت کا سرمایہ سعادت اور لامحدود زمانے کی زندگی کا وسیلہ نماز ہے۔ ہم نماز کو اپنی زندگی کا بوجھ سمجھتے ہیں اور زبردستی تھوپی گئی بے کار اور مصیبت سمجھتے ہیں۔ کسی شے کی محبت تب پیدا ہوتی ہے جب اس کے خوشگوار نتائج معلوم ہوں۔ ہم دنیا سے اس لئے محبت کرتے ہیں کہ اس کا نتیجہ سمجھ چکے ہیں اور دل کو اس نتیجہ پر ایمان ہے۔ لہٰذا اسے حاصل کرنے کے لئے نہ دعوت کے محتاج ہیں نہ وعظ و نصیحت کے۔

جن لوگوں کو یہ گمان ہے کہ نبی ختمی مرتبت رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کے دو پہلو ہیں۔ ایک دنیاوی اور دوسرا اخروی اور اسی کو صاحب شریعت کی عظمت اور ان کی نبوت کا کمال سمجھتے ہیں۔ انہیں دین و دیانت کے بارے میں کچھ نہیں معلوم اور دعوت و مقصد نبوت سے یکسر عاری اور بے خبر ہیں۔ دنیا کی طرف دعوت دینا انبیائے کرامؑ کے مقصد سے بالکل خارج ہے۔ دنیا کی طرف دعوت دینے کے لئے شہوت و غضب کی حس اور شیطان ظاہر و باطن بہت ہیں۔ اس کے

لئے انبیاء کو مبعوث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ شہوت غضب کے انتظام کے لئے قرآن و نبی کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ انبیاء تو لوگوں کو دنیا میں پڑنے سے روکتے ہیں اور شہوت و غضب کی آزادی کو محدود و مقید کرتے ہیں۔ منافع کے حصول کے موارد کی حد بندی کرتے ہیں۔ غافلوں کو گمان ہے کہ وہ دنیا کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ مال ہر راہ سے حاصل نہ کرو اور شہوت کی آگ کو ہر طریقہ سے نہ بجھاؤ بلکہ نکاح کرو۔ تجارت کرو، زراعت کرو، کوئی ہنر سیکھو۔ حالانکہ شہوت و غضب کا دروازہ تو کھلا رہتا ہے۔ وہ اس کھلے دروازہ کی نگرانی کرتے ہیں۔ نہ کہ دنیا کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ تجارت کی طرف دعوت کی روح حصول دنیا کی مقید کرنا اور باطل و ناجائز چیزوں کو حاصل کرنے سے روکتا ہے اور نکاح کی دعوت مادیت کو حد بندی، گناہ سے بچانا اور قوت شہوت کی آزادی کی نگرانی۔ ہاں! یقیناً وہ حصول دنیا کے سرے سے مخالف نہیں ہیں، کیونکہ ایسا کرنا ایک مکمل نظام سے مطابقت نہیں رکھتا (اور اسلام ایک مکمل نظام ہے)۔

الغرض ہم چونکہ دنیا کی احتیاج کا احساس کر چکے ہیں اور اسے سرمایہ حیات اور سرچشمہ لذات سمجھ بیٹھے ہیں، لہٰذا اس حاضر و موجود کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور اسے حاصل کرنے میں کوشاں رہتے ہیں، لیکن اگر آخرت پر ایمان پیدا کر لیں اور وہاں کی زندگی کی ضرورت کا احساس کر لیں اور عبادات، خصوصاً نماز، کو اس عالم کے عیش و آرام کا سرمایہ اور اس زندگی کی سعادت کا سرچشمہ سمجھ لیں تو یقیناً اسے حاصل کرنے کے لئے کوشش کرنے لگیں اور اس سعی و کوشش میں کوئی زحمت اور رنج و تکلف اپنے اندر نہ پائیں، بلکہ پورے ذوق و شوق کے ساتھ اس کی تحصیل میں لگ جائیں اور اس کے حصول و قبول کے شرائط بھی جان و دل سے پورے کرنے لگیں۔

یہ سرد مہری اور سست گامی جو ہمارے اندر پائی جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا ایمان ہی سرد و سست ہے۔ ورنہ اگر انبیاء و اولیاء علیہم السلام کی احادیث اور حکماء کے براہین اور بزرگوں کے ادلہ سے ہم میں احتمال بھی پیدا ہو گیا ہوتا تو ہم اس سے بہتر کوشش و کاوش کرتے۔ مگر ہزار قسم کے افسوس کا مقام ہے کہ شیطان نے ہمارے باطن پر تسلط حاصل کر لیا ہے اور ہمارے دل کی قوتوں اور باطن کے کانوں پر قبضہ جمائے ہے۔ خدا اور اس کے رسولوں کے ارشادات، علما کے فرمودات اور کتب الٰہی کی مواعظ کو ہمارے کانوں اور دلوں تک پہنچنے نہیں دیتا۔ ایسی صورت میں ہمارے کان ایک دنیاوی جاندار کے ایسے کان ہیں اور حق کی نصیحتیں ظاہری حد سے اور حیوانی کانوں سے آگے بڑھ کر ہمارے باطن تک نہیں پہنچ پاتیں:

ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ.[1]

---

[1] سورہ ق/ ۳۷۔

یہ اس کے لئے ہے جو دل (آگاہ) رکھتا ہو یا پوری طرح گوش سماعت کو (کلام حق کے) حوالہ کردے۔

سالک راہ خدا ور مجاہد فی سبیل اللہ کا یہ بھی ایک بڑا فریضہ ہے کہ مجاہدہ وسلوک کے دوران نفس پر بھروسہ کرنے سے قطعی طور پر ہاتھ کھینچ لے اور فطری انداز میں مسبب الا سباب کی طرف متوجہ رہے اور خلقی طور پر مبدا حقیقی (خدا) سے تعلق پیدا کرلے اور اس وجود مقدس سے نگہداری اور حفاظت کی دعا مانگے۔ اسی کی دستگیری پر اعتماد کرے اور خلوتوں میں اس کے حضورت میں تضرع و زاری اور فریاد کرے اور اپنے اصلاح حال کی کوشش کے ساتھ اس سے اصلاح حال کی توفیق مانگے، کیوں اس کی ذات پاک کے علاوہ اور کہیں پناہ نہیں ہے۔

والحمدللہ

فصل دوازدہم

حب دنیا سے انتشار ذہنی پیدا ہوتا ہے

اس بات کی طرف اشارہ کہ دنیا کی محبت خیال کے انتشار کا مصدر اور حضور قلب سے مانع ہے اور بقدر ممکن اس کے علاج کا بیان۔

معلوم رہے کہ فطرت وخلقت کے اعتبار سے قلب جس چیز سے بھی علاقہ اور محبت پیدا کر لے، اس کی توجہ کا قبلہ وہی محبوب ہے اور اگر کوئی مشغولیت حال محبوب اور جمال مطلوب کے بارے میں تفکر سے مانع ہوجائے تو مشغولیت کم ہوتے ہی مانع دور ہوجاتا ہے اور قلب فوراً اپنے محبوب کی طرف پرواز کرکے پھر اسی کے دامن سے لپٹ جاتا ہے۔ اہل معرفت اور صاحبان جذبہ الٰہیہ اگر قوت قلب کے حامل ہوں اور جذبہ ومحبت میں متمکن ہوں تو ہر آئینہ میں وہ جمال محبوب کا اور ہر موجود میں کمال مطلوب کا مشاہدہ کرتے ہیں

مارَأَيْتُ شَيْئاً اِلّا وَرَأَيْتُ اللّٰهَ فيهِ وَمَعَه. [1]

کوئی چیز میں نے نہی دیکھی مگر یہ کہ اس میں اور اس کے ساتھ خدا کو دیکھا۔

اور اگر ان کے سرور وسردار نے یہ فرمایا ہے کہ:

لَيُغانُ عَلى قَلْبى وَإِنّى لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فى كُلِّ يَوْمٍ سَبْعينَ مَرَّةٍ. [2]

---

[1] منقول از امیر المومنین ؑ علم الیقین، ج۱، ص ۴۹

[2] مستدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ، ابواب الذکر، باب ۲۲، حدیث ۱

کبھی کبھی میرے دل پر ایک غبار سا بیٹھ جاتا ہے اور میں ہر روز ستر بار خدا سے استغفار کرتا ہوں۔

تو اس لئے فرمایا ہے کہ جمال محبوب کو آئینہ میں، خصوصاً دھندلے آئینہ میں جیسے ابوجہلی آئینہ میں دیکھنا کاملین کے لئے کدورت ہے اور اگر ان کا دل قوی نہ ہو اور کثرت میں اشتغال حضور قلب سے مانع ہو جائے تو جیسے ہی یہ اشتغال ہوتا ہے ان کا طائر قلب اپنے آشیانہ قدس کی طرف پرواز کر جاتا ہے اور جمال جمیل میں محو ہو جاتا ہے۔

طالبان غیر حق بھی، جب اہل معرفت کی نظر میں سب کے سب طالب دنیا ہیں، جو بھی ان کا مطلوب ہے، اسی کی طرف متوجہ اور اسی سے متعلق رہتے ہیں۔ وہ بھی اپنے مطلوب کی محبت میں حد سے بڑھے ہوئے ہیں اور حب دنیا نے ان کے دلوں کی تمام قوتوں کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ کسی وقت بھی دنیا کی محبت سے علیحدہ نہیں ہوتے اور ہر حال اور ہر چیز میں اپنے محبوب کا جمال دیکھتے ہیں اور اگر ان کی محبت ذرا کم ہو جائے تو فرصت پاتے ہی ان کا قلب محبوب کی طرف مڑ جاتا ہے۔ وہ لوگ جن کے دل میں مال اور ریاست و شرف کی محبت ہے، خواب میں بھی اپنے محبوب ہی کو دیکھتے ہیں اور بیداری میں بھی اپنے محبوب کے ساتھ وقت گزارتے ہیں اور جب وہ دنیا میں مشغول ہوتے ہیں تو گویا اپنے محبوب سے بغلگیر رہتے ہیں اور جب نماز کا وقت آتا ہے تو یوں کہنا چاہئے کہ تکبیرۃ الاحرام ان کی دوکان کی کنجی بن جاتی ہے یا ان کے اور ان کے محبوب کے درمیان حائل پردہ کو ہٹا دیتی ہے۔ بس اس وقت ہوش میں آتے ہیں جب سلام پھیرتے ہیں۔ وہ بھی اس طرح کہ کوئی توجہ اس کی طرف نہیں رکھے ہوتے ہیں اور ساری نماز فکر دنیا میں مخلوط ہوتی ہے۔ یہ ہے وہ ظلمت و کدورت کا اثر جس کے علاوہ چالیس بچاس سال کی نمازوں سے اور کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا اور جو تقرب حق کی معراج اور اس کی بارگاہ پاک سے انس کا سرمایہ ہونا چاہئے تھی وہی ساحت تقرب سے مہجور اور مقام انس تک عروج پانے سے ہمیں میلوں دور کر دیتی ہے۔ اگر نماز میں بندگی کی ذرا بھی بو ہوتی تو اس کا نتیجہ خاکساری و تواضع اور فروتنی کی شکل میں نکلتا نہ کہ خود پسندی خود فروشی اور کبر و نخوت کی صورت میں جو سب کے سب انسان کی ہلاکت و شقاوت کے مستقل اسباب ہیں اور ان میں سے ہر ایک بدبختی و تباہی کا ایک انفرادی سبب ہے۔

الغرض چونکہ ہمارا دل محبت دنیا سے آمیزش رکھتا ہے اور دنیا بنانے کے سوا اور کوئی مقصد و مقصود نہیں ہے، لہٰذا قہری طور پر یہ محبت دنیا فراغت و حضور قلب سے مانع ہو جاتی ہے اور علم و عمل دونوں سے اس مہلک مرض اور گھر اور گھرانوں کو برباد کرنے والے اس فساد کا علاج نفع بخش ہے۔

وہ علم جو اس مرض کے علاج کے لئے نفع بخش ہے، وہ اس کے نتائج پر نظر رکھنا، ان کے اور ان سے پیدا ہونے

والے نقصانات اور تباہیوں کے درمیان تقابل کرنا ہے۔ مؤلف نے شرح (اربعین) میں اس موضوع سے متعلق ایک شرح لکھی ہے اور بقدر امکان تفصیلات بیان کی ہے۔ اس مقام پر بھی اہلبیت عصمتؑ کی بعض احادیث کی شرح پر اکتفا کر رہا ہوں۔

فی الکافی عن ابی عبد اللّٰہ- علیہ السلام- قال: رَأْسُ کُلِّ خَطیئَۃٍ حُبُّ الدُّنیا.[1]

کتاب الکافی میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ہر خطا کا منشا و مصدر دنیا کی محبت ہے

اور بھی کثیر روایات اس مضمون کی عبارت کے اختلاف کے ساتھ وارد ہوئی ہیں۔[2]

جاگتے ہوئے انسان کے لئے یہی ایک حدیث شریف کافی ہے اور اس بڑی مہلک خطا سے بچنے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ تمام خطاؤں کا سرچشمہ اور تمام فسادات کی اصل و بنیاد دنیا کی محبت ہے۔ تھوڑے تامل سے تقریباً تمام اخلاقی اور اعمالی مفاسد اسی شجرۂ خبیثہ کے برگ و بار ہیں۔ کوئی جھوٹا مذہب اور باطل دین ہو اس دنیا میں اس کی بنیاد اسی سے پڑی ہے اور کوئی فساد دنیا میں پیدا نہیں ہوا مگر اس کے پیدا ہونے، اسی کی تباہ کاریوں کا دخل ہے۔ قتل و غارت، ظلم و زیادتی اسی ایک غلطی کے نتائج ہیں۔ فجور و فحشاء (گناہگاری، بدکاری، جھوٹ، حق کی نافرمانی، تباہ کاری حد سے بڑھی ہوئی برائیاں، بدترین کردار و گفتار) چوری اور تمام سختیوں اور مصیبتیں فساد کے اسی جرثومہ سے جنم لیتی ہیں۔ محبت دنیا میں پڑا ہوا انسان تمام معنوی فضائل اور روحانی شمائل سے دور ہوتا ہے۔ شجاعت و بہادری، عفت و پاک دامنی، سخاوت و کرم اور عدالت و انصاف، جن سے تمام فضائل نفسانیہ کی ابتدا ہوتی ہے، دنیا کی محبت کے ساتھ جمع نہیں ہوتے۔ معارف الٰہیہ، اسمائے وصفات اور افعال و ذات میں توحید، حق جوئی و حق بینی، محبت دنیا کی ضد ہیں۔ طمانینت نفس، سکون خاطر اور راحت قلب، جو دونوں جہاں کی روح سعادت ہیں، دنیا کی محبت کے ساتھ جمع نہیں ہوتے۔ استغنائے قلب، عزت و عظمت نفس، حریت و آزادی کا حصول دنیا سے بے اعتنائی کے نتیجہ ہی ہوتا ہے۔ جب کہ محتاجی اور ذلت، حرص اور لالچ، کمزوری اور چاپلوسی محبت دنیا کے لوازم ہیں۔ عطوفت و رحم، میل جول، باہمی مودت و محبت، دنیا کی محبت سے مختلف ہیں۔ بغض و کینہ، ظلم و جور، قطع رحم، نفاق اور دوہرا کردار اور دوسرے فاسد اخلاق و اطوار اسی ام الامراض کی اولاد ہیں۔

---

[1] اصول کافی، کتاب الایمان والکفر، باب حب الدنیا والحرص علیہا، حدیث ۱

[2] باب مذکورہ کی تمام روایات نمبر ۱، سے نمبر ۷ تک کے لئے سابقہ حوالہ کی طرف رجوع کریں

وفی مصباح الشریعة، الدُّنْيَا بِمَنْزِلَةِ صُورَةٍ رَأْسُهَا الْكِبْرُ وَ عَيْنُهَا الْحِرْصُ وَ أُذُنُهَا الطَّمَعُ وَ لِسَانُهَا الرِّيَاءُ وَ يَدُهَا الشَّهْوَةُ وَ رِجْلُهَا الْعُجْبُ وَ قَلْبُهَا الْغَفْلَةُ وَ كَوْنُهَا الْفَنَاءُ وَ حَاصِلُهَا الزَّوَالُ فَمَنْ أَحَبَّهَا أَوْرَثَتْهُ الْكِبْرَ وَ مَنِ اسْتَحْسَنَهَا أَوْرَثَتْهُ الْحِرْصَ وَ مَنْ طَلَبَهَا أَوْرَثَتْهُ الطَّمَعَ وَ مَنْ مَدَحَهَا أَلْبَسَتْهُ الرِّيَاءَ وَ مَنْ أَرَادَهَا مَكَّنَتْهُ مِنَ الْعُجْبِ وَ مَنْ رَكَنَ إِلَيْهَا أَوْلَتْهُ الْغَفْلَةَ وَ مَنْ أَعْجَبَهُ مَتَاعُهَا أَفْتَنَتْهُ وَلَا تَبْقَى وَمَنْ جَمَعَهَا وَبَخِلَ بِهَا رَدَّتْهَا إِلَى مُسْتَقَرِّهَا وَهِيَ النَّارُ [1]

دنیا اس جسم کی طرح ہے جس کا سر تکبر، آنکھ لالچ، کان طمع، زبان ریا کاری وخود نمائی، ہاتھ شہوت، پاؤں خود پسندی، دل غفلت و بے خبری، ووجود و عدم، اوراس کا نتیجہ زوال ہے۔ پس جو اس سے محبت کرتا ہے اسے تکبر وخود بینی دیتی ہے، جو اسے اچھا سمجھتا ہیا سے حرص وطمع پیش کرتی ہے اور جو اس کی طلب میں رہتا ہے اسے حرص وطمع میں ڈال دیتی ہے، جو اس کی تعریف کرتا ہے اسے ریا کاری کا لباس پہناتی ہے، جو اس سے ارادت رکھتا ہے اسے خود پسندی وخود بینی میں گرفتار کرتی ہے، جو اس پر بھروسہ کرتا ہے اسے غافل کر دیتی ہے، جسے اس کا مال ومتاع پسند آجائے اسے فنا کر دیتی ہے، اور جو دنیاوی مال ومتاع کو ذخیرہ کرتا ہے اور کنجوسی سے کام لیتا ہے اس کی قرار گاہ (قبر) کی طرف آگ بھیج دیتی ہے۔

دیلمی نے ارشاد قلوب میں حضرت امیر المومنینؑ سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''شب معراج خدائے تعالیٰ نے فرمایا: اے احمد! اگر کوئی بندہ اہل آسمان وزمین کی نمازوں کے برابر نمازیں پڑھے، ان کے روزوں کے برابر روزے رکھے، ملائکہ کی طرح غذا کو ترک کردے، عبادت گزاروں کا لباس پہنے تب بھی میں اس کے دل کے اندر دیکھتا ہوں کہ محبت دنیا کا کوئی ذرہ یا شہرت کا شوق یا اقتدار کی خواہش یا ریا کاری یا زینت دنیا کی طلب تو نہیں ہے، کیونکہ یہ چیزیں ہوں تو میرے ساتھ نہیں رہ سکتا اور میں اپنی محبت اس کے دل سے نکال باہر کرتا ہوں۔ اسکے دل کو تاریک کر دیتا ہوں تاکہ مجھے بھول جائے اور اپنی محبت کی مٹھاس اسے چکھنے نہیں دیتا۔ [2]

اچھی طرح واضح ہے کہ دنیا کی محبت خدا کی محبت کے ساتھ جمع نہیں ہوتی۔ اس سلسلہ میں اس قدر حدیثیں ہیں

---

[1] مصباح الشریعہ، باب ۳۲، فی صفۃ الدنیا

[2] ارشاد قلوب، ج۱، ص۲۰۶

کہ ان صفحات میں ان سب کے لئے گنجائش نہیں ہے۔

جب معلوم ہو گیا کہ دنیا کی محبت ہی تمام مفاسد کا منشاو مصدر ہے تو صاحب عقل اور اپنی سعادت سے دلچسپی رکھنے والے انسان کے لئے لازم ہے کہ اس درخت کو اپنے دل (کی زمین) سے اکھاڑ کر پھینک دے۔

اس بیماری کے علاج کا عملی طریقہ یہ ہے کہ محبت دنیا کے برخلاف عمل کرے۔ پس اگر مال و منال سے دلچسپی رکھتا ہے تو ہاتھ کھلا رکھے اور واجب و مستحب صدقات ادا کر کے محبت دنیا کو دل سے نکالے اور صدقات کی ادائیگی کا ایک راز دنیا سے تعلق کو کم کرنا ہے۔ اسی لئے مستحب ہے کہ انسان جس چیز کو دوست رکھتا ہے اور اس سے تعلق خاطر ہو، اس کو صدقہ کر دے۔ چنانچہ کتاب الٰہی میں ارشاد ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ [1]

ہرگز تم نیکی اور (اللہ کے احسان) تک نہ پہنچو گے جب تک وہ چیز راہ خدا میں نہ دے دوست جسے تم دوستے رکھتے ہو۔

اور اگر فخر و تقدم اور ریاست و اقتدار اور بڑا سمجھے جانے کا شوق ہے تو ان کے برخلاف کرے اور نفس امارہ کے دماغ کو خاک میں ملا دے تا کہ اصلاح ہو جائے۔

انسان کو جان لینا چاہئے کہ دنیا ایسی ہی ہے کہ جتنا زیادہ اس کے پیچھے پڑو گے اور اس کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے میں لگے رہو گے، اتنا ہی اس سے زیادہ علاقہ پیدا ہوتا جائے گا اور جب نہ ملے گی تو افسوس بھی روز بروز بڑھتا جائے گا۔ یوں کہنا چاہئے کہ دنیا کی طلب ایسی طلب ہے جس کا حاصل ہونا انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ انسان گمان کرتا ہے کہ میں بس فلاں حد تک دنیا کا طالب ہوں اس سے آگے نہیں اور جب تک اس حد تک نہیں پالیتا ہے اس پانے میں لگا رہتا ہے۔ اس راہ میں تکلیفیں جھیلتا ہے اور خود کو تباہیوں میں ڈالتا ہے۔ جیسے ہی دنیا کسی حد تک مل جاتی ہے تو اب اسے عادت پڑ جاتی ہے اور اس کا عشق و علاقہ دوسری چیز سے مربوط ہو جاتا ہے جو اس سے بالاتر ہے اور خود کو اب بالاتر کے حاصل کرنے کے لئے زحمت و مشقت میں ڈالتا ہے اور یہ عشق کہیں رکھنے کا نام نہیں لیتا، بلکہ ہر لمحہ بڑھتا ہی جاتا ہے اور زحمت و مشقت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس فطرت و جبلت کو ہرگز قرار نہیں ہے۔ اہل معرفت نے اسی فطرت سے بہت سے معارف کا اثبات کیا ہے، جن کو بیان کرنے کا ان اوراق میں حوصلہ نہیں ہے۔ ان مطالب کی طرف بعض احادیث میں اشارہ ہوا ہے۔ چنانچہ کافی شریف میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ:

---

[1] سورۂ آل عمران، آیت ۹۲

''دنیا کے حریص کی مثال ریشم کے کیڑے کی ہے جس قدر بھی وہ اپنے چاروں طرف (لعاب کے تار) سے لپیٹتا جاتا ہے اسی قدر اس جال سے چھٹکارا پانے سے دور ہوتا جاتا ہے اور ایک دن اسی غم میں مرجاتا ہے۔[1]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ:

''دنیا کی مثال دریا کے پانی کی ہے کہ جتنا زیادہ انسان پیتا ہے اس کی پیاس اور بھڑکتی جاتی ہے، یہاں تک یہی پانی اسے پیاسا مار ڈالتا ہے۔[2]

---

[1] اصول کافی، ج ۳، ص ۲۰۲، کتاب الایمان والکفر، باب ذم الدنیا و الزھد فیھا، حدیث ۲۰، اور باب حب الدنیا والحرص علیھا، حدیث ۷

[2] حوالہ سابق، حدیث ۲۴

تتمیم

نفس کا رخ دنیا کی طرف سے موڑے رہے

اے طالب حق ! اور اے سالک راہ خدا ! جب تم نے طائر خیال کو گرفت میں لے لیا اور واہمہ کے شیطان کو زنجیر پہنا دی اور زن وفرزند سمیت دنیا کے تمام احوال کی نعلین اتار دی اور اللہ کے فطری عشق کی چنگاری سے انس پیدا کر لیا اور (انی آنست ناراً) [1]

کہہ دیا اور خود کو سیر کے موانع سے خالی پالیا اور اسباب سفر فراہم کر لئے تو اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہو اور اس مادی اندھیر نے گھر اور دنیا کی تنگ و تاریک گزرگاہ سے ہجرت کر جاؤ۔ زمانے کی زنجیروں اور ہتھکڑیوں بیڑیوں کو توڑ ڈالو اور اس زندان سے خود کو آزاد کر لو اور طائر قدس کو محفل انس کی طرف پرواز دو۔

تورا زکنگرۂ عرش می زنند صفیر
ندانمت کہ در این دام گہ چہ افتاد ست [2]
صدائیں عرش سے دیتے ہیں ہمسفر تجھے!

---

[1] حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنے عیال سے گفتگو کا ایک حصہ

اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى۔

جب انہوں نے (دُور سے) آگ دیکھی تو اپنے گھر کے لوگوں سے کہنے لگے کہ تم لوگ (ذرا یہیں) ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے کیا عجب ہے کہ میں (وہاں جا کر) اس میں سے ایک انگارا تمہارے پاس لے آؤں یا آگ کے پاس کسی راہ کا پتہ پا جاؤں (سورۂ طٰہٰ:۱۰)

[2] یہ شعر حافظ شیرازی کا ہے۔

پتہ نہیں، تجھے اس دام کی پڑی کیوں ہے ؟

لہٰذا اپنے (عزم) کو مستحکم کرو اور قوت ارادی کو مضبوط بناؤ کیونکہ سلوک کی پہلی شرط عزم ہے اور عزم کے بغیر راہ طے نہیں ہوسکتی اور کمال تک رسائی ممکن نہیں۔ شیخ بزرگ شاہ آبادی روحی فداہ عزم کو مغز انسانیت سے تعبیر کرتے تھے، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ تقویٰ اور خواہشات نفسانی سے بچنے، ریاضیات شرعیہ اور عبادات و مناسک الٰہیہ کے نکات میں سے ایک نکتہ قوت عزم اور ملکی قوتوں کا ملکوت نفس کے زیر اثر مقہور ہوجانا ہے، جیسا کہ اس سے قبل ذکر ہو چکا، اب ہم اس مقالہ کو ذات پاک کبیریا جل جلالہ کی حمد و تسبیح اور سید مصطفیٰ نبی مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت پر تمام کرتے ہیں اور ان ذوات مقدسہ کی روحانیت سے تائید چاہتے ہیں اس سفر روحانی اور معراج ایمانی کے لئے۔

قال رسول اللہ ﷺ:

أُوصِيكُمْ بِأَهْلِ بَيْتِي خَيْراً فَقَدِّمُوهُمْ وَ لَا تَقَدَّمُوهُمْ وَ أَمِّرُوهُمْ وَلَا تَأَمَّرُوا عَلَيْهِمْ.[1]

میں تمہیں اپنے اہل بیت کے ساتھ بہترین سلوک کی وصیت کرتا ہوں ان کو اپنے آگے رکھنا خود کو ان کے آگے مت کرنا ان کے حکم لینا انہیں حکم نہ دینا۔

[1] بحار الأنوار (ط - بیروت)/ ج28 / 222 / باب 4 شرح انعقاد السقیفة وکیفیة السقیفة ص:175

مقالۂ ثانیہ

نماز کے مقدمات اور بعض آداب قلبیہ

اس میں چند مقاصد ہیں

اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ الْقِيَامَةِ اِضَاعَةُ الصَّلاةِ وَ اتِّبَاعُ الشَّهَوَاتِ وَ الْمَيْلُ مَعَ الْاَهْوَآءِ وَ تَعْظِيْمُ الْمَالِ وَبَيْعُ الدُّنْيَا بِالدِّيْنِ فَعِنْدَهَا يُذَابُ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ فِيْ جَوْفِهٖ كَمَا يُذَابُ الْمِلْحُ فِي الْمَآءِ مِمَّا يَرٰى مِنَ الْمُنْكَرِ فَلا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّغَيِّرَهٗ۔ [1]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا:
نماز کو ضائع کرنا، خواہشات نفس کی پیروی کرنا، ہوا و ہوس کی طرف مائل ہونا، مال کی تعظیم کرنا اور دین کو دنیا کے عوض میں بیچ دینا (یہ سب قیامت کے قریب ہونے کی نشانیاں ہیں)
اس وقت جس طرح نمک، پانی کے اندر گھل جاتا ہے مومن کا دل بھی اندر ہی اندر پانی ہو جائے گا کیونکہ ایسی ایسی بری چیزوں کو دیکھے گا جن کے بدلنے پر کوئی قدرت و توانائی نہ رکھے گا۔

---

[1] وسائل الشیعۃ: ۱۱/۲۷۶

مقصد اول

طہارت

اس میں چند فصلیں ہیں

فصل اول

''طہور'' کا اجمالی بیان

جیسا کہ سابق میں اشارہ کیا جاچکا، نماز کی ظاہری صورت کے علاوہ ایک حقیقت ہے اور اس ظاہر کے علاوہ ایک باطن ہے اور جس طرح صورت نماز کے صوری آداب وشرائط ہیں، اسی طرح باطن کے بھی آداب وشرائط ہیں۔ سالک کو جن کی مراعات کرنا چاہئے۔ چنانچہ طہارت کی ایک صورت اور اس صورت کے مخصوص آداب ہیں، جن کا بیان اس کتاب کے موضوع سے خارج اور فقہائے مذہب جعفری نے، خدا ان کا بول بالا کرے اور ان کے درجات کو بلند کرے، انہیں بیان کیا ہے۔ البتہ آداب باطنی اور طہارت باطنی کو ہم اجمالی طور پر بیان کرتے ہیں۔

معلوم رہنا چاہئے کہ چونکہ نماز کی حقیقت مقام قرب کی طرف عروج اور مقام حضور حق تک پہنچنا ہے، لہٰذا اس عظیم مقصد اور بلند ترین منزل تک پہنچنے کے لئے کچھ طہارتیں لازم ہیں جو ظاہری طہارت کے علاوہ ہیں اس راہ کے کانٹے اور اس عروج کے مواقع وہ آلودگیاں ہیں، جن میں کسی ایک میں بھی سالک اگر گر پڑ جائے تو اس زینہ پر نہیں چڑھ سکتا اور معراج کی اس بلندی تک نہیں پہنچ سکتا۔ ان آلودگیوں میں سے جو کچھ بھی ہے وہ مانع نماز اور شیطانی نجاست ہے اور جو کچھ سیر میں سالک کے لئے معاون ہے اور آداب حضور میں شامل ہے وہ اس حقیقت کے شرائط میں سے ہے۔ سالک الی اللہ کو لازم ہے کہ سب سے پہلے موانع اور آلودگیوں کو دور کرے تاکہ طہارت سے متصف ہوجائے اور حصول طہور، جو عالم نور سے ہے، اس کے لئے آسان ہوجائے۔ کیونکہ جب تک ظاہری وباطنی آلودگیوں سے تطہیر نہ ہوجائے گی اس وقت تک سالک کو نہ محضر سے فائدہ ہوگا نہ حضور سے۔

آلودگیوں کے مراتب میں سب سے پہلا نفس کے ظاہری آلات اور قوتیں ہیں جو گناہوں اور منعم حقیقی کی

نافرمانیوں سے پیدا ہوتی ہیں اور یہ ابلیس کا ظاہری صوری جال ہے۔ جب تک انسان اس جال میں گرفتار رہے گا اس وقت تک محضر قدرت کے فیض اورقرب الٰہی کے حصول سے محروم رہے گا۔ کوئی بھی اس گمان میں نہ رہے کہ مملکت انسانیت کی ظاہری تطہیر کے بغیر حقیقت انسانیت کے مقام تک پہنچ سکتا ہے یا باطن قلب کی تطہیر کرسکتا ہے۔ یہ ایک شیطانی غرور اورایک بڑا ابلیسی فریب ہے، کیونکہ گناہوں کے ساتھ ہی، جو روحانیت پر مادیت کے غلبہ سے ہوتے ہیں۔قلبی آلودگیاں اورتاریکیاں بڑھ جاتی ہیں اور جب تک ظاہری مملکت کو فتح نہ کرلے اس وقت تک باطنی فتوحات، جو بڑا مقصد ہیں، یکسر محروم رہے گا اورسعادت کی کوئی راہ اس کے لئے نہ کھل سکے گی۔

لہٰذا اس سلوک کے بڑے موانع میں سے ایک مانع گناہ اورآلودگیاں ہیں جوعبرت آمیز توبہ کے پاک و پاکیزہ پانی سے پاک کی جانی چاہئیں۔

یہ بھی معلوم رہنا چاہئے کہ تمام ظاہری و باطنی قوتیں جو خدائے تعالیٰ نے ہیں عطا فرمائی ہیں، خدا کی امانتیں ہیں، جو تمام آلودگیوں سے پاک و پاکیزہ تھیں، بلکہ فطرت الٰہی کے نور سے روشن تھیں اور ابلیس کے تصرف کی ظلمت و کدورت سے دور تھیں اور جب عالم مادی کے ظلمت کدہ میں نازل ہوئیں اور واہمہ کے شیطان کا دست تصرف اورابلیس کا دست خیانت ان کی طرف بڑھا تو طہارت اصلی اورفطرت اولیٰ سے باہر آگئیں اورطرح طرح کی شیطانی گندگیوں اورنجاستوں سے آلودہ ہوگئیں۔ اب اگر سالک الی اللہ نے عنایت ولی اللہ کے دامن سے متمسک ہو کے شیطان کے دست تصرف کو دور کردیا اورمملکت ظاہر کو پاک کرلیا اورالٰہی امانتوں کو ویسا ہی واپس کردیا جیسی ملی تھیں تو اس نے امانت میں خیانت نہیں کی اوراگر کی ہو تو اللہ ستار العیوب ہے، بخش دے گا۔ ظاہری لحاظ سے آسودہ خاطر ہوجانا چاہئے اوراخلاق فاسدہ کی نجاستوں سے باطن کو خالی کرنے میں لگ جانا چاہئے۔

(یہ اخلاق فاسدہ کی گندگی) آلودگیوں کا دوسرا مرتبہ ہے جس کا فساد بیشتر اورعلاج ودشوارتر ہے اور ارباب ریاضت کی نظر میں بہت اہم ہے، کیونکہ جب تک نفس کا باطنی اخلاق فاسد رہے گا اورمعنوی آلودگیاں دل کو گھیرے میں لئے رہیں گی تب تک مقام قدس اورخلوت انس میں جانے کی اہلیت نہیں پیدا ہوسکتی، بلکہ اخلاق فاسدہ اورعادات خبیثہ ہی سے نفس کی ظاہری مملکت میں فساد رونما ہوتا ہے اور جب تک سالک بری عادتوں کو اچھی عادتوں میں تبدیل نہ کردے اس وقت تک اعمال شر اورفساد سے محفوظ نہیں رہ سکتے اوراگر توبہ کی توفیق بھی حاصل ہو جائے پھر بھی وہ استقامت نہیں حاصل ہوسکتی جو اہم امور میں سے ایک ہے۔

لہٰذا ظاہر کی تطہیر بھی باطن کی تطہیر پر موقوف ہے۔ علاوہ اس کے خود باطنی آلودگیاں سعادت سے محرومی کا سبب اوراخلاقی دوزخ کے پیدا ہونے کا مصدر ہیں جو اہل معرفت کے بیان سے باہر اور اعمال کے دوزخ سے زیادہ گرم

ہے۔اس کی طرف احادیث اہلبیتؑ میں بہت اشارہ کیا گیا ہے۔

لہٰذا سالک الی اللہ کے لئے یہ طہارت بھی ضروری ہے۔ اخلاق فاسدہ کی آلودگیوں کو علم اور عمل صالح کے پاک و پاکیزہ پانی سے لوح نفس سے دور کر لینے کے بعد تطہیر قلب میں مشغول ہونا چاہئے جو (مملکت بدن کا) ام القریٰ ہے اور اس کی صلاح پر تمام ممالک کی صلاح موقف ہے اور اس کے فاسد ہونے سے سب فاسد ہو جاتے ہیں۔ عالم دل کی آلودگیاں تمام آلودگیوں کا مبدا ومنشا ہیں۔ دل کی آلودگیوں کا مطلب غیر حق سے تعلق اور اپنی ذات اور عالم کی طرف توجہ ہے۔ یہ دو قسم کی محبتوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ ایک محبت دنیا سے پیدا ہوتی ہیں جو سب سے بڑی خطا ہے۔ دوسری محبت نفس جو تمام بیماریوں کی ماں ہے۔ جب اس محبت کا ریشہ سالک کے دل میں باقی ہے تب تک اللہ کی محبت کا کوئی اثر پیدا نہیں ہوگا اور منزل مقصود کی طرف جانے کا کوئی راستہ نظر نہ آئے گا اور جب تک اس محبت ک ا کچھ بھی بچ کچا حصہ سالک کے دل میں ہے اس وقت تک اس کے سیر اللہ کی طرف نہیں ہے، بلکہ نفس کی طرف، دنیا کی طرف اور شیطان کی طرف ہے۔ لہٰذا حقیقی سلوک الی اللہ کا پہلا مرتبہ طہارت محبت نفس اور محبت دنیا سے تطہیر ہے اس لئے کہ اس تطہیر سے پہلے سلوک اللہ کی طرف نہیں ہوسکتا اور بڑی آسانی سے کہہ دیا جاتا ہے (سلوک، اور سالک)۔

اس منزل کے بعد ومنزلیں ہیں جن کے بعد (عطا) کے عشق کے (سات شہروں) کا ایک نمونہ حاصل ہوتا ہے اور اس قائل سالک نے ایک خم میں ایک ہی کوچہ کو دیکھا ہے اور ایک ہم ہیں جو ابھی شہر پناہ کی دیواروں اور دبیز پڑوں کے پیچھے ہی پڑے ہوئے ہیں اور ان شہروں اور شہر یاروں صرف اشعار کا حصہ سمجھتے ہیں۔

مجھے شیخ (عطار) یا (میثم تمار) سے کوئی کام نہیں ہے، لیکن میں اصل مقامات کا انکار بھی نہیں کرسکتا اور جسے یہ مقامات حاصل ہیں اس کو دل و جان سے چاہتا ہوں اور اس محبت میں کامیابی وخوشحالی کی امید بھی رکھتا ہوں۔ تم جو چاہتے ہو چاہو اور جس کے ساتھ ہونا ہے ہو جاؤ۔

مدعی خواست کہ آید بہ تماشا گہ دوست
دست غیب آمد وبرسینہ نامحرم زد [1]

سوئے تماشا گہ یار بڑھ رہا تھا حریف کہ دست غیب پڑا اجنبی کے سینہ پر

لیکن بنائے عرفانی کے ساتھ اخوت ایمانی اور محبت روحانی میں خیانت روا نہیں رکھتا اور نصیحت سے باز نہیں آسکتا جو مومنین کے ایک دوسرے پر حقوق میں سے ایک حق ہے۔

---

[1] حافظ کا شعر ہے، مطبوعہ نسخوں میں (تماشا گہ راز) ہے۔

معنوی آلودگیوں میں سے ایک آلودگی (جہل مرکب) ہے جو سات سمندروں میں غوطہ دینے سے بھی پاک نہیں ہوتی۔ انبیائے کرام علیہم السلام بھی اس کو پاک کرنے سے عاجز آ گئے۔ جہل مرکب وہ مصدر ہے جس سے اہل اللہ اوراہل معرفت کہ مقامات کے انکار کی پیچیدہ بیماری پیدا ہوتی ہے اوراصحاب قلوب کے بارے میں بدگمانی جنم لیتی ہے اور جب تک انسان اس گندگی سے آلودہ ہے تب تک ایک قدم بھی معارف کی طرف نہیں اٹھا سکتا، بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ یہ کدورت نور فطرت کو جو چراغ ہدایت ہے، خاموش کر دیتی ہے اور آتش عشق کو جو مقامات کی طرف عروج کا براق ہے، بجھا دیتی ہے اورانسان کو ہمیشہ کے لئے مادیات کی زمین پر چھوڑ دیتی ہے۔

لہٰذا انسان پر لازم ہے کہ انبیاء و الیائے کاملین صلوات اللہ علیہم کے احوال کے بارے میں تفکر اور ان مقامات کے بارے میں تذکر کر کے باطن قلب سے ان گندگیوں کو دھوڈالے اورجس حد پر پہنچا ہے اس پر قناعت نہ کرے، کیونکہ کسی بھی حد پر ٹھہر جانا اور معارف پر قناعت کر لینا ابلیس اورنفس امارہ کی حقیقت پوشی ہے (نعوذ باللہ منھما)۔

اور چونکہ یہ رسالہ عوام کے ذوق کے موافق لکھا جا رہا ہے۔لہٰذا اولیاء کی تطہیرات ثلاثہ کا ذکر نہیں کیا جا رہا ہے۔

فصل دوم

مراتب طہور کی طرف کچھ اشارہ

معلوم رہے کہ انسان جب تک عالم طبیعت اور مادۂ ہیولانی کی منزل میں ہے، لشکر الٰہی اور لشکر ابلیسی کے تصرف میں ہے۔ لشکر الٰہی لشکر رحمت وسلامت وسعادت ونور وطہارت وکمال ہے اور لشکر ابلیسی اسی کے مقابل ومخالف ہے اور چونکہ جہات ربوبیت جہات ابلیسیتؑ پر غلبہ رکھتی ہیں اس لئے بد وفطرت میں انسان کو قدرت کی طرف سے نورانیت، سلامتی اور سعادت ملی ہے۔ جیسا کہ احادیث شریفہ میں صراحتاً اور کتاب شریف میں اشارتاً بیان کر دیا گیا ہے۔[1]

اور جب تک انسان اس عالم میں ہے اپنے اختیار کے قدموں سے خود کو ربوبیت اور ابلیسیت دونوں میں سے کسی ایک کے تصرف میں دے سکتا ہے تو اگر اول فطرت سے آخر تک ابلیس اس پر تصرف ہی نہ کر سکے تو ایسا انسان (الٰہی لاہوتی) ہوتا ہے جو سر سے پا تک نور وسعادت وطہارت ہے۔ اس کا قلب نور حق ہوتا ہے جو حق کے علاوہ کسی طرف توجہ نہیں کرتا اور اس کی ظاہری و باطنی قوتیں پاک اور نوارنی ہوتی ہیں جن میں حق کے سوا کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔ ابلیس کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوتا اور ابلیس کے لشکر کو کبھی اس پر کسی قسم کا تصرف حاصل نہیں ہوسکتا اور وہ ایک شریف و کریم موجود کی طرح طاہر مطلق اور نور خالص ہوتا ہے اور اس کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں[2]

---

[1] ان میں ایک یہ آیت شریفہ ہے، (فاقم وجهك للدين حنيفاً فطرة الله التي فطر الناس عليها...) سورہ روم/آیت ۳۰ اور بحار الانوار کی روایات کی طرف رجوع کیا جائے، ج ۳، ص ۳۷۶، وج ۶۴، ص ۱۳۰، والتوحید، ص ۳۲۸، باب ۵۳)

[2] آیہ شریفہ "ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تأخر" کی طرف اشارہ ہے، /سورۂ فتح: ۲

وہی اصلی طور پر فتح مطلق کا مالک اور عصمت کبریٰ کا حامل ہے اور دوسرے معصومینؑ بھی اسی کی ذات مقدس کے اتباع کی وجہ سے انہیں مقامات کے حامل ہیں۔ آنحضرتؐ مقام خاتمیت کے حامل ہیں جو کمال علی الاطلاق ہے اور چونکہ اوصیاء انہیں کی طینت سے پیدا ہوئے ہیں اور انہیں کی فطرت سے متصل ہیں۔ لہٰذا انہیں کے اتباع میں وہ بھی صاحبان عصمت مطلقہ ہیں اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبعیت سے کاملہ حاصل ہے، لیکن انبیاء و اولیاء میں بعض معصومینؑ عصمت مطلقہ کے حامل نہیں ہیں اور شیطان کے تصرفات سے خالی نہیں ہوتے۔ چنانچہ آدمؑ کا شجرۂ ممنوعہ کی طرف متوجہ ہونا اس شیطان اکبر کے تصرفات میں سے ایک تعرف ہے جو شیطانوں کا شیطان ہے۔ حالانکہ وہ درخت اللہ کی بنائی ہوئی جنت کا درخت تھا، مگر اس کے باوجود (کثرت اسمائی) کا حامل ہے جو آدمیت کاملہ کے مقام کے منافی ہے۔ یہ شجرۂ ممنوعہ کے معانی میں سے ایک معنی یا اس کے مراتب میں سے ایک مرتبہ ہے۔

اور اگر نور فطرت صوری و معنوی میل اور گرد و غبار سے آلودہ ہوگیا تو جس قدر آلودگی ہوگی اسی کے بقدر تقرب کی بساط اور انس کی حاضری سے دور اور مہجور ہو جائے گا، یہاں تک کہ اگر یہ آلودگی بڑھتی چلی گئی تو اس حد تک پہنچ جائے گی کہ نور فطرت بالکل ہی خاموش ہوجائے اور مملکت بالکل ہی مملکت شیطانی بن جائے اور ظاہر و باطن، سر و علن سب شیطان کے تصرف اختیار میں چلا جائے، اس وقت شیطان ہی اس کا دل ہوگا اور شیطان ہی اس کے کان اور آنکھیں اور وہی اس کے ہاتھ پاؤں، اس کے تمام اعضاء شیطانی ہو جائیں گے اور اگر کوئی شخص خدانہ کرے اس مقام تک پہنچ گیا تو وہ شقی مطلق ہوجائے گا۔ سب سے بڑی بدبختی اس کی تقدیر بن جائے گی اور سعادت کا رخ اسے کبھی نظر نہ آسکے گا۔ انتہائے سعادت اور انتہائے شقاوت کے درمیان میں بہت سے مقامات اور مراتب ہیں جو خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور جو شخص بھی نبوت کے افق سے قریب ہوجائے وہ اصحاب یمین میں سے ہے اور جو ابلیسیت کے افق سے نزدیک ہوجائے و اصحاب یسار میں شمار ہوگا۔

معلوم رہے کہ فطرت میں آلودگی پیدا ہوجائے تو اس کو صاف و پاک کرنا ممکن ہے اور جب تک انسان اس دنیا میں ہے اس وقت شیطان کے تصرف سے نکلنا اختیاری اور آسان ہے اور ملائکۃ اللہ کے گروہ میں شامل ہونا جو اللہ کے لشکر رحمانی ہیں، میسر ہوسکتا ہے اور حقیقت جہاد نفس، جو حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اعائے دین کے مقابل جہاد کرنے سے افضل و بہتر ہے اور وہی (جہاد اکبر) ہے۔[1]

دراصل لشکر ابلیس کے تصرف سے نکلنا اور لشکر خدا کے تصرف میں داخل ہونا ہے۔

---

[1] بحار الانوار، ج ۶۷، ص ۶۵، و ج ۱۹، ص ۱۸۲

لہٰذا طہارت کا پہلا مرتبہ: سنن الٰہیہ کو عمل میں لانا اور احکام حق کو بجالانا ہے۔ دوسرا: مرتبہ اخلاقی فضائل اوراعلیٰ شمائل سے آراستہ ہونا ہے۔ تیسرا مرتبہ: قلبی طہارت ہے جس کا مطلب ہے (قلب کو حق کے سپرد کردینا) اس سپردگی اور تسلیم کے بعد ہی قلب نورانی ہو جاتا ہے بلکہ خود عالم نور درجات نور الٰہی کا ایک جزء بن جاتا ہے اور قلب کی نورانیت قلب سے آگے بڑھ کر تمام دوسرے اعضاء وجوارح اور باطنی قوتوں میں سرایت کرجاتی ہے۔ تمام مملکت نور بلکہ ''نور علیٰ نور'' ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ طہارت اس منزل تک پہنچ جاتی ہے کہ قلب ''الٰہی لاہوتی'' ہوجاتا ہے اورلاہوت کی تجلی ظاہر و باطن کے تمام مراتب میں پھیل جاتی ہے۔ تب عبودیت کلی طور پر فانی اور مخفی ہو جاتی ہے اور ربوبیت ظاہر و ہویدا ہوتی ہے۔ اس عالم میں قلب سالک کو ایک طمانینت اور ایک انس حاصل ہوتا ہے اور سارا عالم اس کا محبوب ہوجاتا ہے۔ الٰہی جذب وکشش کا وہ حامل ہوجاتا ہے۔ خطائیں اور لغزشیں اس کی نظر میں مغفور اور تجلیات محبت کے سایہ میں مستور ہو جاتی ہیں اور اس کے لئے ولایت کے ظہور کی ابتدا ہو جاتی ہے۔ وہ محضر انس میں باریاب ہونے کی لیاقت پیدا کرلیتا ہے۔ اس کے بعد اور بھی منزلیں ہیں جن کا ذکر ان اوراق کی گنجائش سے مناسبت نہیں رکھتا۔

فصل سوم

طہارت کی غرض سے پانی کی طرف متوجہ ہوتے وقت سالک کے لئے قلبی آداب

اس سلسلہ میں ہم مصباح الشریعہ سے ایک حدیث نقل کرکے اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ اہل ایمان کے شفاف دلوں کو اس سے نورانیت حاصل ہو:۔

"فی مصباح الشریعة،عَنْ مِصْباحِ الشَّریعَةِ، عَنِ الصّادقِ عَلَیْهِ السَّلام:

اذا اَرَدْتَ الطَّهارَةَ وَ الْوُضُوءَ فَتَقَدَّمْ اِلَی الْماءِ تَقَدُّمَكَ اِلی رَحْمَةِ اللّٰه؛

فَاِنَّ اللّٰه تَعالی قَدْ جَعَلَ الْماءَ مِفْتاحَ قُرْبَتِهِ وَ مُناجاتِهِ وَ دالًّا اِلی بِساطِ خِدْمَتِهِ.

وَ کَما اِنَّ رَحْمَتَهُ تُطَهِّرُ ذُنُوبَ الْعِبادِ، فَکَذلِكَ النَّجاساتُ الظّاهِرَةُ یُطَهِّرُها الْماءُ لا غَیْرُ. قالَ اللّٰه تَعالی:

«وَ هُوَ الَّذِی أَرْسَلَ الرِّیاحَ بُشْراً بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهِ وَ أَنْزَلْنا مِنَ السَّماءِ ماءً طَهُوراً.»

وَ قالَ عَزَّ وَ جَلَّ: «

وَ جَعَلْنا مِنَ الْماءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ».

فَكَما احْيى بِهِ كُلَّ شَيءٍ مِنْ نَعيمِ الدُّنْيا، كَذلِكَ بِفَضْلِهِ وَ رَحْمَتِهِ جَعَلَ حَياةَ الْقُلُوبِ بِالطّاعاتِ.

وَ تَفَكَّرْ فى صَفاءِ الْماءِ وَ رِقَّتِهِ وَ طَهُورِهِ وَ بَرَكَتِهِ وَ لَطيفِ امْتِزاجِهِ بِكُلِّ شَيءٍ وَ فى كُلِّ شَيءٍ؛ وَ اسْتَعْمِلْهُ فى تَطْهيرِ الْاَعْضاءِ الَّتى امَرَكَ اللّه بِتَطْهيرِها وَ أْتِ بِآدابِها فَرائِضِهِ وَ سُنَنِهِ، فَاِنَّ تَحْتَ كُلِّ واحِدَةٍ مِنْها فَوائِدَ كَثيرَةً. اِذَا اسْتَعْمَلْتَها بِالْحُرْمَةِ انْفَجَرَتْ لَكَ عَيْنُ فَوائِدِهِ عَنْ قَريبٍ.

ثُمَّ عاشِرْ خَلْقَ اللّه تَعالى كَامْتِزاجِ الْماءِ بِالْأَشْياءِ، يُؤَدّى كُلَّ شَيءٍ حَقَّهُ وَ لا يَتَغَيَّرُ عَنْ مَعْناهُ، مُعْتَبِراً لِقَوْلِ رَسُولِ اللّه-صَلَّى اللّه عَلَيْهِ وَ آلِهِ:

مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الْخاصِّ كَمَثَلِ الْماءِ.« وَ لْيَكُنْ صَفْوَتُكَ مَعَ اللّه فى جَميعِ طاعاتِكَ كَصَفْوَةِ الْماءِ حينَ انْزَلَهُ مِنَ السَّماءِ وَ سَمّاهُ طَهُوراً؛ وَ طَهِّرْ قَلْبَكَ بِالتَّقْوى وَ الْيَقينِ عِنْدَ طَهارَةِ جَوارِحِكَ بِالْماءِ..[1]

اس حدیث شریف میں لطیف و باریک رموز اور حقائق و اشارات ہیں، جن سے اہل معرفت کے قلوب زندہ ہوتے ہیں اور اصحاب قلوب کی شفاف روحوں کو حیات تازہ ملتی ہے۔ فرماتے ہیں:

جب تم طہارت اور وضو کا ارادہ کرو تو پانی کی طرف اس طرح متوجہ ہو جیسے رحمت حق کی طرف متوجہ ہوتے ہو، کیونکہ اللہ نے پانی کو اپنے تقرب، مناجات اور اپنی بارگاہ میں راہنمائی کی کنجی قرار دیا ہے اور جس طرح رحمت خدا گناہوں کو دور کر دیتی ہے اسی طرح پانی صرف ظاہری نجاستوں کو پاک کر دیتا ہے۔ خدائے تعالیٰ کا فرمان ہے: ''وہی ہے جس نے ہواؤں کو رحمت کے آنے کی بشارت دینے کے لئے بھیجا اور ہم نے آسمان سے پاک و پاکیزہ پانی برسایا۔[2]

اور خدائے تعالیٰ نے فرمایا: ''اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے بنایا۔[3]

اس حدیث میں پانی کی رحمت سے تشبیہ، بلکہ تاویل کی گئی ہے۔ اس کے نکات میں ایک نکتہ یہ ہے کہ

---

[1] مصباح الشریعہ، الباب العاشر، فی الطہارۃ

[2] سورۂ فرقان: ۲۸

[3] سورۂ انبیاء: ۳۰

پانی رحمت حق کے عظیم مظاہر میں سے ایک مظہر ہے۔ جسے عالم مادیات میں نازل کیا ہے اور اسے موجودات کے لئے سرمایہ زندگی قرار دیا ہے، بلکہ اہل معرفت اللہ کی ''اس رحمت واسعہ کو آب سے'' تعبیر کرتے ہیں جو حضرت اسماء و صفات کے رفیع الدرجات آسمان سے نازل ہوتا ہے اور تعینات اعیان کی زمینیں اس سے زندہ ہوتی ہیں۔ اور چونکہ اللہ کی رحمت واسعہ کا جلوہ دنیا کے دیگر موجودات کی بہ نسبت آب ملکی ظاہری میں زیادہ ہے، لہٰذا اللہ نے اس ظاہری میل کچیل سے تطہیر کا ذریعہ بنایا اور اپنے تقرب و مناجات کے دروازے کی کنجی قرار دیا اور اپنی بارگاہ میں بریابی کے لئے رہنما مقرر فرمایا جو اس کی باطنی رحمتوں کا باب الابواب ہے، بلکہ آب رحمت حق ہر عالم وجود میں اور غیب و شہود کے ہر منظر ستان میں نازل و ظاہر ہوتا ہے۔ (اور ہر عالم کے موافق و مناسب کتاب) بندگان خدا کے گناہوں کو دھوتا ہے۔ اور آسمان احدیت سے نازل ہونے والے آب رحمت سے وہ گناہ دھلتے ہیں جو تعینات اعیان کی غیبت سے پیدا ہوتے ہیں اور آسمان واحدیت کے پانی سے ان گناہوں کی تطہیر ہوتی ہے جو خارجی آمادگی اور مستعدی نہ ہونے سے وجود میں آتے ہیں اور یہ تطہیر وجود کے مراتب میں سے ہر مرتبہ پر اس مرتبہ کے مطابق ہوتی ہے۔

انسان کی خلقت کے مراتب میں بھی آب رحمت طرح طرح سے ظہور کرتا ہے۔ چنانچہ جو آب رحمت حضرت ذات سے تعینات جمعیہ برزخیہ پر برستا ہے اس سے وجود کے اندرونی گناہ دور ہوتے ہیں۔

"وجودك ذنب لا يقاس به ذنب.[1]

اور جو آب رحمت آسماء و صفات اور تجلی فعلی سے نازل ہوتا ہے اس سے رویت صفت و فعل کی تطہیر ہوتی ہے اور حکم عدل کے آسمان سے جو پانی برستا ہے اس سے باطنی خلقی میل صاف ہوتا ہے اور غفاریت کے آسمان سے جو پانی آتا ہے اس سے بندوں کے گناہ دھل جاتے ہیں اور آسمان ملکوت سے جو بارش رحمت ہوتی ہے اس سے صوری غلاظتیں صاف ہوتی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے پانی کو کلید تقرب اور رہنمائے بارگاہ رحمت قرار دیا ہے۔ اس کے بعد حدیث شریف ایک اور حکم دیتی ہے اور اہل سلوک و مراقبہ کے لئے ایک اور راہ کھولتی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے: اور پانی شفافیت اس کی نرمی و نزاکت اور پاکیزگی و برکت اور ہر چیز کے ساتھ گھل مل جانے پر غور کرتے جاؤ اور اسے ان اعضاء کی طہارت میں استعمال کرو جس کی طہارت کا خدا نے تمہیں حکم دیا ہے اور واجبات و مسنونات وضو میں ان کے آداب (طہارت) بجالاؤ، کیونکہ ان میں سے ہر ایک کی تہہ میں کثیر فائدے پوشیدہ ہیں۔

---

[1] تیرا وجود ایک ایسا گناہ ہے جس کے سامنے کسی گناہ کا قیاس نہیں ہوسکتا۔

جب تم احترام کے ساتھ انہیں بجالاؤ گے تو جلد ہی ان کے فوائد کے چشمے تمہارے لئے پھوٹ نکلیں گے۔

اس حدیث میں قاعدہ کلیہ کے طور پر طہارت کے مراتب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور طہارت کے چار مرتبے بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک مرتبہ حدیث کے ہمارے نقل کردہ حصہ میں بیان ہوا ہے اور وہ تطہیر اعضاء۔ اشارہ اس بات کی طرف کیا گیا ہے کہ اہل سلوک اور اہل مراقبہ کو محض صورتوں اور ظواہر پر ٹھہرے نہ رہنا چاہئے بلکہ ظاہر کو باطن کا آئینہ بنالینا چاہئے اور صورتوں سے حقیقتوں کو کشف کرتے رہنا چاہئے۔ صرف ظاہری تطہیر پر قناعت نہ کرنا چاہئے، کیونکہ یہ ایک دام ابلیس ہے۔ لہٰذا صفائے آب کے ذریعہ اعضاء کے تصفیہ سے فارغ ہونے کے بعد انہیں اعضاء کو فرائض وسنن الٰہیہ کی ادائیگی سے صاف کریں اور ان میں صفا پیدا کریں اور ان عبادات کی شفافیت سے اعضا کو شفاف بنائیں اور عصیان کی کثافت سے باہر آئیں اور طہور کو تمام اعضاء میں سرایت کردیں اور اشیاء میں پانی کے گھل مل جانے کی لطافت سے ادراک کریں کہ الٰہی ملکوتی قوتیں عالم مادی میں کیسے گھل مل جاتی ہیں، لیکن مادی آلودگیوں کو ان پر اثر انداز نہ ہونے دیں۔ جب اعضاء سنن وفرائض الٰہیہ اور ان کے آداب سے آراستہ ہو جائیں تو رفتہ رفتہ باطنی فوائد ظاہر ہونے لگیں گے اور اسرار الٰہیہ کے چشمے پھوٹنا شروع ہو جائیں گے اور اسرار عبادت وطہارت کی ایک جھلک اس کو نظر آنے گی۔ طہارت کے پہلے مرتبہ اور اس کا دستور بتانے کے بعد امامؒ نے دوسرا مرتبہ اور دوسرا دستور بتایا۔

فرماتے ہیں:

> اس کے بعد خلق خدا کے ساتھ اس طرح میل جول رکھو جیسے پانی چیزوں کے ساتھ گھل مل جاتا ہے کہ ہر چیز کا حق اسے دیتا ہے مگر اپنی معنویت کو نہیں بدلتا۔
>
> اور قول رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غور کرو۔ آپؐ نے فرمایا ہے:
>
> ''مومن خالص (خ ل: خاص) کی مثال پانی کی مثال ہے۔''

پہلا دستور کا تعلق انسان سالک کے اپنے اعضاء اور داخلی قوتوں کے ساتھ معاملہ سے ہے اور دوسرا دستور جو حدیث شریف کے اس فقرہ میں ہے، انسان کے خلق خدا کے ساتھ معاملہ سے ہے۔ یہ ایک ایسا جامع دستور ہے جس میں خلق خدا کے ساتھ سالک کے لئے زندگی بسر کرنے کا طریقہ بھی بیان کر دیا ہے جس کے ضمن میں خلوت کی حقیقت بھی معلوم ہو جاتی ہے اور وہ یوں ہے کہ سالک الی اللہ عین اس حال میں جب لوگوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرتے ہوئے میل جول رکھے ہوئے ہے اور مخلوق کے حقوق ادا کر رہا ہے اور ہر شخص کے ساتھ اس کے مناسب حال معاملہ کر رہا ہے، حقوق الٰہیہ کی محافظت کرے اور اپنی معنویت کو عبودیت اور حق کی طرف توجہ سے عبارت ہے، ہاتھ سے جانے دے اور عین

اس حال میں، جب کثرت میں ڈوبا ہوا ہے۔ خلوت میں ہو اور اس کا دل جو منزل گاہ محبوب ہے، اغیار سے خالی اور نقش و نگار سے پاک ہو۔ اس کے بعد امامؒ نے تیسرا دستور بیان فرمایا اور وہ ''خدائے تعالیٰ کے ساتھ سالک کے معاملہ کی کیفیت ہے۔''

فرماتے ہیں: خدائے تعالیٰ کے ساتھ تمام اطاعات میں تمہیں اسی طرح صاف ہونا چاہئے جیسے پانی صاف ہوتا ہے جب خدا اسے آسمان سے نازل کرتا ہے اور اس کا نام (طہور) رکھا ہے۔

یعنی سالک الی اللہ کو مادیت کے تصرف سے خالص ہونا چاہئے اور کدورت وظلمت کو اس کے دل میں راہ نہ پانا چاہئے اور اس کی عبادات کو ظاہری و باطنی ہر قسم کے شرک سے پاک ہونا چاہئے اور بالکل اسی طرح جیسے پانی آسمان سے برستے وقت پاک ہوتا ہے! اور کسی طرح کی کثافت کے تصرف کا ہاتھ اس کو چھو نہیں سکا ہے۔ قلب سالک کو جو غیب ملکوت کی بلندیوں سے پاک و پاکیزہ اتارا گیا ہے، شیطان اور مادیت کے تصرف میں آ کے گندگیوں سے آلودہ نہ ہونے دے۔ اس دستور کے بعد امامؒ نے چوتھا اور آخری دستور اہل ریاضت وسلوک کے لئے بیان فرمایا۔

فرماتے ہیں:

> آب تقویٰ ویقین سے اپنے دل کو بھی پاک کرتے جاؤ جس وقت تم اپنے اعضاء کو پانی سے پاک و پاکیزہ کر رہے ہو۔

اس میں اہل معرفت کے دو بلند مقامات کی طرف اشارہ ہے:

ایک تقویٰ، جس کا کمال ترک غیر حق ہے۔

دوسرا یقین، جس کا کمال حضور محبوب کا مشاہدہ ہے۔

فصل چہارم

طہور

''طہور'' یا تو ''پانی'' ہوتا ہے اور وہی اس باب میں اصل ہے اور یا ''زمین'' ہے۔

معلوم رہے کہ انسان سالک کے لئے مقصد اعلیٰ اور مقام قرب ربوبیت تک پہنچنے کے لئے کلی طور پر دو طریقے ہیں۔ ان دو میں سے ایک جو مقام اولیت واصالت رکھتا ہے، سیر الی اللہ ہے، مقام رحمت مطلقہ کی طرف توجہ کے ساتھ اور خصوصاً رحمت رحیمیہ کی طرف جو ایسی رحمت جو ہر موجود کو اس کے لائق و مناسب مقام تک پہنچاتی ہے۔ رحمت رحیمیہ کے شعبوں ہی میں سے ایک شعبہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی بعثت ہے جو راہنمایان منزل اور پیچھے رہ جانے والوں کی دستگیری کرنے والے ہیں، بلکہ اہل معرفت اور اصحاب قلوب کی نظر میں رحمت الٰہیہ ہی دار تحقیق صورت ہے اور مخلوقات ہمیشہ رحمت حق کے دریاؤں میں مستغرق رہتے ہیں۔ مگر اس سے فیض حاصل نہیں کرتے۔ خدا کی یہ عظیم کتاب، جو عالم غیب اور قرب ربوبیت سے نازل ہوئی ہے اور ہم مہجوروں اور محروموں کے استفادہ اور ہم زندان مادیات کے اسیروں کی رہائی تمناؤں اور خواہشات نفس کی پیچ در پیچ زنجیروں میں جکڑے ہوؤں کی نجات کے لئے لفظ ولام کی شکل میں آئی ہے، رحمت الٰہی کے عظیم ترین مظاہر میں سے ہے جس سے ہم اندھے بہروں نے کسی طرح سے بھی فائدہ نہیں اٹھایا۔ وہ آخری رسول اور ولی مطلق جس نے ربوبیت کی بارگاہ قدس سے اور الوہیت کی محفل قرب وانس سے اس غربت و وحشت میں قدم رنجہ فرمایا اور ابوجہلوں بلکہ ان سے بھی بدتر لوگوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے اور ان کے پاس آنے جانے کی مصیبت میں گرفتار رہا اور اس کا نالہ لَيُغانُ عَلى قَلْبِي [1] اہل معرفت و ولایت کے دلوں کو تڑپاتا رہا اور تڑپا رہے گا، اللہ کی رحمت واسعہ اور کرامت مطلقہ ہے جس کی اس خرابہ عالم میں تشریف آوری عالم اسفل و ادنیٰ کے باشندوں پر رحمت کے لئے اور ان کو اس دار غربت و وحشت سے نکالنے کے لئے تھی جیسے طوقدار کبوتر اپنے ساتھیوں کی رہائی کے لئے خود کو دام بلا

---

[1] رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کی: لَيُغانُ عَلى قَلْبِي وَإِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِي كُلِّ يَوْمٍ سَبْعِينَ مَرَّةً.

میں گرفتار کرا دیتا ہے۔ [1]

سالک الی اللہ کو چاہئے کہ آب رحمت سے تطہیر کو اللہ کی نازل کردہ رحمت سے استفادہ کی صورت سمجھے اور جب تک اس کو رحمت سے استفادہ میسر ہے، اس کے لئے اٹھ کھڑا ہو۔ لیکن جب کسی ذاتی کوتاہی وخطا یا معذوری ومجبوری کی بنا پر (تقصیر یا قصور) استفادہ سے محروم ہوجائے اور آپ رحمت مفقود ہوجائے تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اپنی ذلت و مسکنت اور فقر وفاقہ کی طرف متوجہ ہوجائے۔ جب ذلت عبودیت کو اپنا نصب العین بنالے گا اور اپنے مضطر وفقیر ہونے اور ممکن بالذات ہونے کی طرف ہوجائے گا اور تکبر وغرور اور خودخواہی سے باہر آجائے گا تو رحمت کا ایک دروازہ اس کے لئے کھل جائے گا اور مادی زمین اس کے لئے رحمت کی صاف وشفاف زمین میں تبدیل ہوجائے گی اور "تراب احد الطهورين" [2] ہوجائے گی اور رحمت ولطف حق کا نزول اس پر ہوگا۔ یہ فکر، یعنی اپنی ذلت کا احساس، جس قدر انسان میں قوی ہوتا جائے گا اسی قدر اس پر زیادہ ورود رحمت ہوگا اور اگر صرف اپنے قدم پر اعتماد کرتے ہوئے اور اپنے عمل پر انحصار رکھتے ہوئے یہ راہ طے کرنا چاہی تو ہلاک ہوجائے گا، کیونکہ ممکن ہے اس کو دستگیری حاصل نہ ہوسکے۔ جیسے کوئی بچہ جب خود اپنی ہمت وجسارت سے چلتا ہے اور اپنے قدموں پر نازاں اور اپنی قوت پر مغرور ہوجاتا ہے تو باپ کی عنایت وتوجہ اس کی طرف نہیں رہتی اور باپ اس کو اسکی حالت پر چھوڑ دیتا ہے۔ لیکن جب اپنی مجبور اور عاجزی کو اپنے باپ کے سامنے پیش کرتا ہے اور اپنے اوپر اعتماد اور اپنی قوت پر انحصار کرنے سے یکسر الگ ہوجاتا ہے تو باپ کی عنایت وتوجہ کا مستحق ہوجاتا ہے اور وہ اس کی دستگیری کرتا ہے، بلکہ (فرط محبت سے) اس کو اپنی آغوش میں لے لیتا ہے اور اپنے قدموں سے اس کی راہ طے کرا دیتا ہے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ سالک اپنے پائے سلوک کو شکستہ کردے اور اپنے اور اپنی ریاضت و عمل پر اعتماد کرنے سے بالکل برالذمہ ہوجائے اور اپنی خودی اور خودی کی قدرت وقوت سے فانی ہوجائے اور اپنی فنا اور اپنے اضطراب کو ہمیشہ نظر رکھے تاکہ عنایت حق کا مستحق ہوجائے اور سو سال کی راہ جذبۂ ربوبیت کو ایک ہی رات میں طے کرلے اور اس کی زبان باطن اور زبان حال عجز وانکسار کے ساتھ محضر ربوبیت میں عرض کرے اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ۔ [3]

---

[1] کلیلہ دومنہ، باب الحمامۃ المطوقہ

[2] اس روایت کی طرف اشارہ ہے جو مرحوم آخوند خراسانی (قدس سرہ) نے کفایۃ الاصول، ج۱، ص ۱۳۰ پر یوں تحریر فرمائی ہے، قولہ: التراب احد الطهورين يكفيك عشر سنين، خاک دو پاک کرنے والی چیزوں میں سے ایک ہے اور تمھارے لئے دس سال کے واسطے کافی ہے

[3] وہ کون ہے کہ پریشان حال جب اس کو پکارتا ہے تو وہ جواب دیتا ہے اور اس کی پریشانی کو دور کرتا ہے، (سورۂ نمل/ ۴۲)

فصل پنجم

وضو کے کچھ باطنی وقلبی آداب

من ذلك ماورد عن الرضا علیہ السلام: أُمِرُوا بِالْوُضُوءِ وَ بُدِءَ بِهِ قِيلَ لَهُ لِأَنْ يَكُونَ الْعَبْدُ طَاهِراً إِذَا قَامَ بَيْنَ يَدَيِ الْجَبَّارِ وَ عِنْدَ مُنَاجَاتِهِ إِيَّاهُ مُطِيعاً لَهُ فِيمَا أَمَرَهُ نَقِيّاً مِنَ الْأَدْنَاسِ وَ النَّجَاسَةِ مَعَ مَا فِيهِ مِنْ ذَهَابِ الْكَسَلِ وَ طَرْدِ النُّعَاسِ وَ تَزْكِيَةِ الْفُؤَادِ لِلْقِيَامِ بَيْنَ يَدَيِ الْجَبَّارِ فَإِنْ قَالَ قَائِلٌ فَلِمَ وَجَبَ ذَلِكَ عَلَى الْوَجْهِ وَ الْيَدَيْنِ وَ الرَّأْسِ وَ الرِّجْلَيْنِ قِيلَ لِأَنَّ الْعَبْدَ إِذَا قَامَ بَيْنَ يَدَيِ الْجَبَّارِ فَإِنَّمَا يَنْكَشِفُ عَنْ جَوَارِحِهِ وَ يُظْهِرُ مَا وَجَبَ فِيهِ الْوُضُوءُ وَ ذَلِكَ بِأَنَّهُ بِوَجْهِهِ يَسْجُدُ وَ يَخْضَعُ وَ بِيَدِهِ يَسْأَلُ وَ يَرْغَبُ وَ يَرْهَبُ وَ يَتَبَتَّلُ وَ يَنْسُكُ وَ بِرَأْسِهِ يَسْتَقْبِلُ فِي رُكُوعِهِ وَ سُجُودِهِ وَ بِرِجْلَيْهِ يَقُومُ وَ يَقْعُدُ۔ [1]

حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

وضو کا حکم صرف اس لئے دیا گیا ہے تا کہ بندہ خدائے جبار کے سامنے اور حق سے مناجات کے وقت پاک وصاف ہو کر کھڑا ہو اور اس لئے کہ اس کے احکام کی پابندی کرے اور نجاستوں اور کثافتوں سے پاک رہے۔ اس میں اور بھی فوائد ہے ہیں جیسے کسالت وسستی کا دور ہونا، نیند کا

[1] عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۱۰۴، باب ۳۴، حدیث ۱

خمار اتر جانا، خدائے جبار کے سامنے حاضری کے لئے دل کا پاکیزہ ہونا۔

یہاں تک وضو کا اصل رمز اور نکتہ بیان کیا گیا ہے اور اہل معرفت اور اصحاب سلوک کو متنبہ کیا گیا کہ محضر حق جل جلالہ میں حاضری اور قاضیٰ الحاجات کی بارگاہ میں مناجات کے کچھ آداب ہیں جو پیش نظر رہنا چاہئیں، یہاں تک کہ صوری پلیدگیوں اور ظاہری کثافتوں اور چشم ظاہر کی کسالت کے ساتھ بھی اس بارگاہ میں نہیں جانا چاہئے چہ جائیکہ ایسی حالت میں جانا جب دل کثافتوں کی دکان بنا ہوا ہے اور قلب، معنوی آلودگیوں میں مبتلا ہو جو تمام آلودگیوں کی اصل و بنیاد ہے۔ حالانکہ روایت میں ہے کہ ''خدائے تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے''۔[1]

اور جس چیز کی طرف حق تعالیٰ نظر کرتا ہے اور جو کچھ تخلیق کی دنیاؤں میں کبریائے عظمت و جلال کی توجہ کے لائق ہے، وہ دل ہے۔ دوسرے اعضاء و جوارح کو اس نظر و توجہ میں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہے۔ اس کے باوجود صوری طہارت اور ظاہری پاکیزگی کو بھی فوگذاشت نہیں کیا گیا ہے۔ صورت طہارت کو صرف صورت انسان کے لئے قرار دیا گیا ہے اور باطن کو باطن کے لئے اور اس حدیث شریف میں تزکیہ نفس کو وضو کے فوائد میں قرار دیئے جانے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ظاہر کے علاوہ وضو کا ایک باطن بھی ہے جس سے انسان کے باطن کا تزکیہ ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر و باطن اور شہادت و غیب ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ نیز یہ استفادہ ہوتا ہے کہ ظاہری طہارت اور صوری وضو ایک عبادت اور اللہ کی اطاعت ہے۔ لہٰذا ظاہری طہارت باطنی طہارت کا موجب ہوتی ہے اور صوری طہارت سے قلبی تزکیہ پیدا ہوتا ہے۔

الغرض سالک الی اللہ کو وضو کرتے وقت اس بات کو طرف توجہ رکھنا چاہئے کہ وہ حضرت کبریا کی بارگاہ مقدس کی طرف رخ کرنے جا رہا ہے اور دل کے ان احوال کے ساتھ جو اس وقت موجود ہیں اس محضر مقدس میں جانے کی لیاقت نہیں رکھتا، بلکہ شاید عزت ربوبیت کے محضر میں جانے سے روک دیا جائے۔ لہٰذا ہمت و حوصلہ کے ساتھ طہارت ظاہری کو باطن میں نفوذ دیا اور اپنے دل کو جو مورد نظر حق بلکہ منزل گاہ حضرت قدس ہے، غیر حق سے پاک کرے اور خود اور خودی کی فرعونیت کو جو آلودگیوں کی اصلی جڑ ہے، بالکل اکھاڑ پھینکے تا کہ مقام مقدس کے لائق ہو جائے۔ اس کے بعد حضرت امام رضا علیہ السلام وضو میں بعض اعضا کی تخصیص کی وجہ بیان فرماتے ہیں۔

وضو صرف چہرے، دونوں ہاتھوں، سر اور دونوں پیروں پر اس لئے واجب کیا گیا ہے کہ بندہ جس وقت بارگاہ حضرت جبار میں کھڑا ہوتا ہے تو یہی اعضاء جو وضو میں دھوئے جاتے ہیں کھلے ہوتے ہیں، کیونکہ چہرے سے سجدہ کرتا ہے

---

[1] إن الله لا ينظر إلى أجسادكم, ولا إلى صوركم, ولكن ينظر إلى قلوبكم. (حدیث نبویؐ)

اور خضوع کا اظہار کرتا ہے۔ ہاتھوں سے سوال و رغبت اور خوف ظاہر کرتا ہے اور سب سے الگ ہو کے حق کی طرف توجہ کا اظہار کرتا ہے۔ سر سے رکوع و سجدے میں حق کے سامنے پیش ہوتا ہے اور پیروں سے اٹھتا بیٹھتا ہے اور قعود و قیام کرتا ہے۔

امام علیہ السلام کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ یہ اعضاء بندگی حق میں دخل رکھتے ہیں اور بندگی انہیں اعضاء سے ظاہر ہوتی ہے، اس لئے ان کی تطہیر لازمی کی گئی ہے۔ اس کے بعد امامؑ نے ان باتوں کو بیان فرمایا ہے جو ان اعضاء ظاہر ہوتی ہیں اور ان افراد کے لئے عبرت اور استفادہ کی راہیں کھولی ہیں جو اہل ہیں اور اہل معرفت کو ان کے اسرار سے آگاہ فرمایا ہے کہ جس جس چیز سے محضر حق میں بندگی کا ظہور ہوتا ہے اسے پاک و پاکیزہ ہونا چاہئے اور ظاہری اعضاء و جوارح جو ان معنویات کا ایک نامکمل حصہ ہیں، طہارت کے بغیر اس مقام کے لائق نہیں ہیں۔ رہا خضوع تو حقیقی طور پر توجہ کے صفات میں شامل نہیں اور سوال اور رغبت و خوف اور تبتل (اتصال) و استقبال میں سے کوئی اعضائے حسیہ کے احوال میں شامل نہیں ہے۔ البتہ چونکہ اعضائے حسیہ ان کے مظاہر ہیں اس لئے ان کی تطہیر ضروری ہوئی۔ لہٰذا قلب کی تطہیر جو عبودیت کا حقیقی محل اور ان معنویات کا اصلی مرکز ہے، اس سے بھی زیادہ ضروری ہے اور قلب کی تطہیر کے بغیر اگر ساتوں سمندروں میں بھی اعضائے صوریہ کو غوطہ دیائے تب بھی پاک نہ ہوں گے، بلکہ شیطان ان پر تصرف حاصل کرلے گا اور انسان درگاہ عزت سے نکال دیا جائے گا۔

وصل

جَاءَ نَفَرٌ مِنَ الْيَهُودِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ص فَسَأَلُوهُ عَنْ مَسَائِلَ فَكَانَ فِيمَا سَأَلُوهُ أَخْبِرْنَا يَا مُحَمَّدُ لِأَيِّ عِلَّةٍ تُوَضَّأُ هَذِهِ الْجَوَارِحُ الْأَرْبَعُ وَ هِيَ أَنْظَفُ الْمَوَاضِعِ فِي الْجَسَدِ.

فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَمَّا أَنْ وَسْوَسَ الشَّيْطَانُ إِلَى آدَمَ دَنَا مِنَ الشَّجَرَةِ وَ نَظَرَ إِلَيْهَا ذَهَبَ مَاءُ وَجْهِهِ

ثُمَّ قَامَ وَ مَشَى إِلَيْهَا وَ هِيَ أَوَّلُ قَدَمٍ مَشَتْ إِلَى الْخَطِيئَةِ ثُمَّ تَنَاوَلَ بِيَدِهِ مِنْهَا مِمَّا عَلَيْهَا فَأَكَلَ فَطَارَ الْحُلِيُّ وَ الْحُلَلُ عَنْ جَسَدِهِ فَوَضَعَ آدَمُ يَدَهُ عَلَى أُمِّ رَأْسِهِ وَ بَكَى فَلَمَّا تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِ فَرَضَ عَلَيْهِ وَ عَلَى ذُرِّيَّتِهِ غَسْلَ هَذِهِ الْجَوَارِحِ الْأَرْبَعِ وَ أَمَرَهُ بِغَسْلِ الْوَجْهِ لِمَا نَظَرَ إِلَى الشَّجَرَةِ وَ أَمَرَهُ بِغَسْلِ الْيَدَيْنِ إِلَى الْبِرْفَقَيْنِ لِمَا تَنَاوَلَ

مِنْهَا وَ أَمَرَهُ بِمَسْحِ الرَّأْسِ لِمَا وَضَعَ يَدَهُ عَلَى أُمِّ رَأْسِهِ وَ أَمَرَهُ بِمَسْحِ الْقَدَمَيْنِ لِمَا مَشَى بِهِمَا إِلَى الْخَطِيئَةِ.[1]

حاصل ترجمہ یہ ہے کہ:

یہودیوں نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ وضو ان چار اعضا کے ساتھ کیوں مخصوص کیا گیا حالانکہ یہ اعضاء بدن سے زیادہ پاک وصاف ہیں؟

آپؐ نے فرمایا: شیطان نے جب آدمؑ کو وسوسہ میں ڈالا اور وہ درخت کے نزدیک گئے اور اس کی طرف نظر کی، تو ان کے چہرے کی آب جاتی رہی، پھر اٹھے اور اس درخت کی طرف چلے اور یہ پہلا قدم تھا جو خطا کی طرف اٹھا۔ اس کے بعد اپنے ہاتھ جو کچھ اس درخت میں تھا اس کو توڑا اور کھالیا، تو ان کے جسم سے زینت و زیور سب اڑ گئے اور آدمؑ نے اپنے ہاتھ سر کے اوپر رکھ لیا اور رونے لگے۔ پھر جب اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی تو ان پر اور ان کی اولاد پر ان چار اعضاء کو پاکیزہ کرنا واجب قرار دے دیا۔ چنانچہ چہرہ دھونے کا حکم اس لئے دیا کیونکہ اس سے درخت پر نظر کی اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونے کا حکم اس لئے دیا کیونکہ ان سے ہی کھایا تھا اور سر کے مسح کا حکم اس لئے دیا کیونکہ آدمؑ نے اپنا وہی ہاتھ سر پر رکھا تھا اور پاؤں کا مسح اس لئے واجب قرار دیا کہ انہیں سے درخت کی طرف گئے تھے۔ روزہ واجب ہونے کے بارے میں بھی حدیث شریف ہے کہ یہودیوں نے سوال کیا کہ آپؐ کی امت پر تیس دن کے روزے کیوں واجب کئے گئے (اور وہ بھی صرف دن کے وقت)

آپؐ نے فرمایا: آدمؑ نے جب درخت سے جو کچھ کھایا تھا تو وہ تیس دن تک ان کے پیٹ میں باقی رہا۔ لہٰذا اللہ نے آدمؑ اور ان کی اولاد پر تیس ہی دن بھوکا اور پیاسا رہنا واجب قرار دیا، لیکن ان پر یہ فضل وکرم بھی کیا کہ راتوں میں انہیں کھانے پینے کی اجازت دے دی۔[2]

ان احادیث شریفہ سے اہل اشارات اور اصحاب قلوب کے لئے استفادہ کے بہت مواقع ہیں کہ آدمؑ کی خطا حالانکہ دوسروں کی خطاؤں جیسی نہ تھی بلکہ شاید طبعی خطا تھی یا کثرت کی طرف توجہ کی خطا جو طبیعت اور مادیت کا درخت تھا

---

[1] علل الشرائع، ج۱، ص ۲۸۰، باب ۱۹۱، حدیث ۱

[2] علل الشرائع، ج۲، ص ۳۷۸، باب ۱۰۹، حدیث ۱

یا فنائے ذاتی میں جذب ہونے کے بعد کثرت اسمائی کی طرف توجہ تھی، لیکن ایسی خطا آدمؑ جیسی شخصیت سے جو صفی اللہ اور قرب وفنائے ذاتی سے مخصوص کئے گئے تھے، متوقع نہ تھی۔ لہٰذا غیرت محبت کے تقاضے کی بنا پر ذات پاک حق نے تمام عالموں میں اور تمام انبیاء علیہم السلام کی زبان سے ان کی خطا اور گمراہی کا اعلان کرایا اور فرمایا:

وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى.[1]

پس آدمؑ نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی اور گمراہ ہوگئے۔

اس وجہ سے یہ تطہیر لازم ہوئی۔ خود آدمؑ کے لئے بھی اور ان کی اولاد کے لئے بھی جو ان کے صلب میں موجود تھی اور خطا میں شریک تھی، بلکہ صلب سے الگ ہونے کے بعد بھی شرکت کی۔

پس آدمؑ اور آدمؑ کی اولاد کی خطاؤں کے جس طرح مراتب و درجات ہیں، جن میں پہلا درجہ کثرت اسمائی کی طرف توجہ ہے اور آخری مرتبہ ممنوعہ درخت سے کھانا ہے جو اس درخت کی ملکوتی صورت ہے جس میں ان پھلوں اور میووں کی بہت سی انواع و اقسام ہیں اور اس کی ملکی صورت مادیت اور اس کے احوال ہیں اور محبت دنیا اور نفس جواب اولاد آدمؑ میں موجود ہے درخت اور اس میں سے کھانے کی طرف میلان ہے اس طرح اولاد آدمؑ کی تطہیر و تنزیہ اور طہارت و صلاۃ وصوم کے لئے جو باپ کی خطاؤں سے باہر آنے کے لئے ہے اور جو اصل ہے، خطاؤں کے مراتب کے مطابق بہت سے مراتب ہیں۔

اس بیان سے معلوم ہوگیا کہ ابن آدم کے ہر قسم کے جسمانی گناہ اور مادی خطائیں بھی اکل شجرہ کے احوال سے ہیں اور ان کی تطہیر کا ایک طریقہ ہے اور ان کے ہر قسم کے روحانی گناہ بھی اسی سے ہیں اور ان کی تطہیر کا بھی ایک طریقہ ہے۔

کاملین کے لئے اعضائے ظاہریہ کی تطہیر، قلبی اور روحانی تطہیر کا ''سایہ'' ہے اور اہل سلوک کے لئے ظاہر کی تطہیر قلبی و روحانی تطہیر کا دستور اور ''وسیلہ'' ہے اور انسان جب تک اعضاء اور ان کی طہارت کے تعین میں پڑا ہوا ہے اور اسی حد پر رکا ہوا ہے۔ اہل سلوک میں شامل نہیں ہے اور خطا میں بقا ہے، لیکن جب طہارت ظاہریہ و باطنیہ کے مراتب سے اشتغال پیدا کرلے گا اور طہارات صوریہ کو جو قشری ہے، طہارات معنویہ کا جو مغز ہیں، وسیلہ قرار دے لے گا اور تمام عبادات و مناسک میں قلبی حقوق و فرائض کا بھی لحاظ رکھے گا اور ان سے مستفید ہوگا، بلکہ جہات باطنیہ کو جہات ظاہریہ سے زیادہ اہمیت دے گا اور ان کو اہم اور بلند مقصد قرار دے گا تو راہ انسانیت کے باب سلوک میں داخل ہو جائے گا۔

---

[1] سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۲۱

جیسا کہ مصباح الشریعہ کی حدیث شریف میں اشارہ ہوا ہے، جہاں ارشاد ہے:

وَطَهِّرْ قَلْبَكَ بِالتَّقْوى وَالْيَقِينِ عِنْدَ طَهارَةِ جَوارِحِكَ بِالْماءِ.[1]

اپنے اعضاء کو پانی سے پاک کرتے وقت اپنے دل کو پرہیزگاری اور یقین کے ذریعہ پاک کرو،

لہٰذا انسان سالک کو سلوک علمی کے آغاز ہی سے لازم ہے کہ اہل ذکر سلام اللہ علیہم کی برکت سے مراتب عبادت کی تشخیص کرے اور عبادات صوریہ کو عبادات قلبیہ وروحیہ سے اتر کے آنے والی ذمہ داریاں سمجھے، تب علمی سلوک کا آغاز کرے جو سلوک کی حقیقت ہے۔ اس سلوک کی انتہا غیر حق سے تخلیہ نفس اور تجلیات اسمائی و ذاتی سے آراستگی پر ہوتی ہے اور جب اس مقام تک پہنچ جاتا ہے تو اس کا سلوک انتہا کو پہنچ جاتا ہے اور غایت سیر کمال حاصل ہوجاتی ہے۔ پھر نسک وعبادات کے اسرار اور سلوک کی لطافتوں کا ادراک کر لیتا ہے اور وہی تجلیات جلالیہ ہیں جو اسرار طہارت ہیں اور تجلیات جمالیہ ہیں اور دوسری عبادتوں کا ہدف اور غرض و غایت ہیں۔ ان کی تفصیل ان اوراق کی ذمہ داری سے خارج ہے۔

---

[1] مصباح الشریعہ، الباب العاشر فی الطھارۃ

فصل ششم

غسل اوراس کے قلبی آداب

اہل معرفت کا کہنا ہے کہ جنابت عبودیت کے وطن سے نکل کر غربت و مسافرت میں داخل ہونے، اپنی روبوبیت کا اظہار اورمنیت کے دعوے، حدود مولا میں داخل ہونے اورسیادت کی صفت سے متصف ہونے کا نام ہے اور غسل ان آلودگیوں سے پاک ہونا اوراپنی تقصیر کا اعتراف ہے۔

بعض مشایخ [1] نے دس فصلوں کے ضمن میں ایک سو پچاس حال بیان کئے ہیں،جن سے سالک کوغسل کے درمیان تطہیر کرنا چاہئے جن میں اکثر یا کُل کے کُل نفس کی عزت و جبروت اورتکبر وغرور اورخود بینی وخودخواہی کی طرف پلٹتے ہیں۔

مؤلف کہتاہے کہ جنابت مادیت میں فنا اورروحانیت سے غفلت کا نام ہے اور اس کا آخری مقصد سلطنت حیوانیت و بہیمیت کا کمال اوراسفل السافلین میں داخل ہونا ہے اورغسل اسی خطا سے نکلنا اور مادیت کے حکم سے باہر آنا اورتمام مملکت نفس کو جو مادیت میں فانی اورغرور و شیطانی میں مبتلا ہوگئی تھی، دھومانج کر سلطنت رحمانی اورتصرف رحمانی میں داخل ہونا ہے۔

لہٰذا اس کے آداب قلبیہ میں یہ ہے کہ سالک الی اللہ غسل کے وقت تطہیر ظاہر اورغسل بدن ہی پر جو ایک معمولی قشر اوردنیاوی حصہ ہے، نہ ٹھہرا رہے، بلکہ باطن قلب اورسرروح کی جنابت کی طرف توجہ رکھے اوران کے غسل کو

---

[1] شیخ محی الدین ابن عربی مراد ہیں، الفتوحات المکیہ، ج ۱،ص ۳۶۳

زیادہ ضروری خیال کرے۔ اس کے لئے نفس بہیمیہ اور شان حیوانی کو نفس انسانی و صفاتِ رحمانی پر غلبہ نہ کرنے دے اور شیطانی عذاب وغرور سے توبہ کرے اور باطن روح کو جو نفخہ الٰہیہ ہے اور نفس رحمانی کے ذریعہ اس میں ودیعت کیا گیا ہے۔ شیطانی حصہ داریوں سے جو غیر کی طرف توجہ یعنی اصل شجر ممنوعہ ہے، (ہوسکتا ہے) پاک کرے تاکہ اپنے باپ حضرت آدمؑ کی جنت کے لائق ہوجائے اور یاد رکھے کہ اس مادیت کے درخت سے کھانا اور دنیا کی طرف توجہ اور کثرت کی طرف نظر اصل اصول جنابت ہے اور جب تک آب رحمت حق میں جو عرش رحمانی سے جاری اور تصرف شیطانی سے پاک ہے غوطہ لگا کے یا تطہیر تام کرکے اس جنابت سے پاک نہ ہوجائے اس وقت تک اس نماز کے لائق نہیں ہوتا جو حقیقت معراج قرب ہے۔

فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ إِلَّا بِطَهُور.[1]

طہارت کے بغیر نماز نہیں۔

مذکورہ حقائق کی طرف اس حدیث میں اشارہ فرمایا گیا ہے جو وسائل میں شیخ صدوقؒ نے نقل کی ہے:۔

جَاءَ نَفَرٌ مِنَ الْيَهُودِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ص- فَسَأَلَهُ أَعْلَمُهُمْ عَنْ مَسَائِلَ وَ كَانَ فِيمَا سَأَلَهُ أَنْ قَالَ لِأَيِّ شَيْءٍ أَمَرَ اللَّهُ تَعَالَى بِالاغْتِسَالِ مِنَ الْجَنَابَةِ وَ لَمْ يَأْمُرْ بِالْغُسْلِ مِنَ الْغَائِطِ وَ الْبَوْلِ

فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ آدَمَ ع لَمَّا أَكَلَ مِنَ الشَّجَرَةِ دَبَّ ذَلِكَ فِي عُرُوقِهِ وَ شَعْرِهِ وَ بَشَرِهِ فَإِذَا جَامَعَ الرَّجُلُ أَهْلَهُ خَرَجَ الْمَاءُ مِنْ كُلِّ عِرْقٍ وَ شَعْرَةٍ فِي جَسَدِهِ فَأَوْجَبَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ عَلَى ذُرِّيَّتِهِ الِاغْتِسَالَ مِنَ الْجَنَابَةِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ[2]

یہودیوں کا ایک گروہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ ان کے سب سے بڑے عالم نے آپؐ سے سوالات کئے، جن میں ایک سوال یہ تھا کہ خدا نے غسل جنابت کا حکم کیوں دیا اور پیشاب پاخانہ کے بعد غسل کا حکم کیوں نہیں دیا؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب آدم نے درخت ممنوع سے کھایا تو وہ ان کی تمام رگوں،

---

[1] کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمۃ (ط-القدیمۃ)/ ج1 / 431 / فی ذکر قتلہ و مدۃ خلافتہ و ذکر عدد أولادہ ص..... ص:427

[2] وسائل الشیعہ، ج۱، ص ۴۶۶، کتاب الطہارت، ابواب الجنابۃ، باب ۲، حدیث ۲، بحوالہ من لایحضر الفقیہ، ج۱، ص ۲۲، والمجالس، ص ۱۱۵، والعلل، ص ۱۰۴

جلد اور بالوں میں سرایت کر گیا اور مرد جب اپنی زوجہ سے ملتا ہے تو پانی (منی) اس کی تمام رگوں اور بالوں سے نکلتا ہے۔ اس لئے خدا نے قیامت تک کے لئے فرزندان آدمؑ پر غسل جنابت واجب کیا۔

وفی روایۃ اخریٰ عن الرضا علیہ السلام: إِنَّمَا أُمِرُوا بِالْغُسْلِ مِنَ الْجَنَابَةِ وَلَمْ يُؤْمَرُوا بِالْغُسْلِ مِنَ الْخَلَاءِ وَ هُوَ أَنْجَسُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَ أَقْذَرُ مِنْ أَجْلِ أَنَّ الْجَنَابَةَ مِنْ نَفْسِ الْإِنْسَانِ وَ هُوَ شَيْءٌ يَخْرُجُ مِنْ جَمِيعِ جَسَدِهِ وَ الْخَلَاءُ لَيْسَ هُوَ مِنْ نَفْسِ الْإِنْسَانِ إِنَّمَا هُوَ غِذَاءٌ يَدْخُلُ مِنْ بَابٍ وَ يَخْرُجُ مِنْ بَابٍ.[1]

امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا: یہ جو غسل جنابت کا حکم دیا گیا ہے لیکن قضائے حاجت کے بعد حکم غسل نہیں دیا گیا ہے، حالانکہ یہ زیادہ نجس اور پلید ہے، یہ اس لئے کہ جنابت کا تعلق آدمی کے نفس سے ہے اور وہ ایسی چیز ہے جو انسان کے سارے بدن سے خارج ہوتی ہے۔ لیکن خلا (پیشاب و پاخانہ) ایک غذا ہے ایک دروزاے سے داخل ہوتی ہے اور دوسرے دروازے سے خارج ہوجاتی ہے۔

اگر چہ ارباب ظاہر کے نزدیک اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ چونکہ نطفہ انسان کے سارے بدن سے خارج ہوتا ہے، اس لئے تمام بدن کا غسل لازم ہوا، یہ اطبا اور حکمائے طبیعی کی رائے کے مطابق ہے، لیکن اس کو اکل شجرہ کے سبب سے بتایا جانا، جیسا کہ حدیث اول میں ہے اور جنابت کی نفس کی طرف نسبت، جیسا کہ حدیث دوم میں ہے، اہل معرفت و اشارت کے لئے معارف کی ایک راہ کھولتا ہے، کیونکہ درخت اور حضرت آدم علیہ السلام کا اس سے کھانا علوم قرآن اور علوم اہل بیت عصمت وطہارتؑ کے اسرار میں ہے جس میں کثیر معارف پوشیدہ ہیں۔ اسی لئے احادیث شریفہ میں کثیر عبادات کی تشریع کی علت وہی قضیہ اور اکل شجرہ کو قرار دیا گیا ہے۔ جیسے وضو، غسل، نماز، صوم ماہ رمضان اور ان کا تیس دن واجب ہونا اور بہت سے مناسک حج، مؤلف کی نظر میں برسوں سے یہ بات ہے کہ اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ مرتب کروں، لیکن دوسرے مشاغل مانع ہوتے رہے ہیں۔ خدائے تعالیٰ سے توفیق وسعادت کی دعا کرتا ہوں۔

الغرض، تم فرزند آدمؑ، دیدار قدرت کا دانہ اور لقائے الٰہی کا تخم ہو اور تمہیں معرفت کے لئے خلق کیا گیا ہے اور خدائے تعالیٰ نے تمہیں اپنے لئے منتخب کیا ہے اور اپنے جلال و جمال کے دو ہاتھوں سے تمہارا خمیر تیار کیا ہے اور مسجود

---

[1] وسائل الشیعۃ/ ج 2 / 180 / 2 باب وجوب الغسل من الجنابۃ وعدم وجوبہ من البول والغائط..... ص: 178

ملائکہ اور محسود ابلیس قرار دیا ہے۔ اگر چاہتے کہ جنابت پدر سے جو تمہاری اصل ہے، نکل آؤ اور لقائے محبوب کے لائق ہو جاؤ اور مقام انس اور محضر قدس تک پہنچنے کی استعداد پیدا ہو جائے تو لازم ہے کہ رحمت حق کے پانی سے باطن دل کو غسل دو اور اقبال یہ دنیا (دنیا کی طرف توجہ) سے جو شجرۂ ممنوعہ کے مظاہر میں سے ایک ہے توبہ کرلو اور اپنے دل کو جو جلال جمیل اور جمال کی محفل ہے، محبت دنیا اور اس کے احوال خبیثہ سے جو شیطانی گندگی ہے، دھو کر الگ کر ڈالو، کیونکہ ملاقات حق کی جنت پاک و پاکیزہ لوگوں کے لئے ہے (ولا یدخل الجنة الا الطیب)[1]

شست و شوئی کن و آنگہ بخرابات خرام [2]

آب رحمت سے نہا دھو کے خرابات میں جا

---

[1] والجنة لا یدخلها الا الطیب، جنت میں پاکیزہ کے علاوہ کوئی داخل نہ ہوگا، اصول کافی، ج۳، ص ۳۷۱، کتاب الایمان والکفر، باب الذنوب، حدیث ۷

[2] شست و شوئی کن و آنگہ بہ خرابات خرام
تانگردد زتو این دیر خواب آلودہ
حافظ شیرازی

فصل ہفتم

ازالہ نجاست اور تطہیر خبائث کے کچھ قلبی آداب

ازالہ حدث، جیسا کہ بیان ہو چکا، انیت اور انانیت سے نکلنا اور نفسیت سے فنا ہو جانا ہے، بلکہ بیت النفس سے کلیۃ نکل آنا ہے اور جب تک بندہ میں خودی سے کچھ بھی باقی ہے وہ محدث ہے اور حدث اکبر کی حالت میں ہے اور عابد و معبود اس کی ذات میں شیطان اور نفس ہیں۔ اہل طریقت وسلوک کی منازل سیر، اگر مقامات تک پہنچنا اور معارج و مدارج تک کو حاصل کرنا ہے اور یہ سیر وسلوک تصرف شیطان سے خارج نہیں ہے۔ بلکہ ذاتی اغراض کے لئے ہے۔ یہ سیر وسلوک نفس کی منزلوں میں ہے اور سیر بیت النفس کے بیچوں بیچ ہو رہی ہے۔ ایسا سالک مسافر و سالک نہیں، نہ اللہ و رسولؐ کی طرف ہجرت کر رہا ہے اور حدث اکبر سے جو عین عبد ہے، پاک نہیں ہوا۔ جب اس حدث سے پوری طرح تطہیر ہو جائے گی تو عابد بھی حق ہوگا اور معبود بھی حق ہوگا۔

و کنت سمعه وبصره،[1]

جو قرب نافلہ کا نتیجہ ہے، اسی اعتبار سے حدث سے طہارت میں تمام بدن کا غسل لازم ہے، کیونکہ کسی طرح سے بھی عین عبد باقی ہے اس وقت تک حدث مرتفع نہیں ہوتا۔

---

[1] یہ اشارہ ایک حدیث کی طرف حدیث یہ ہے:

كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ (الكافي (ط - الإسلامية) / ج2 / 352 / باب من آذى المسلمين واحتقرهم ..... ص: 350)

أَنَّ تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةً.[1]

ہر بال کے نیچے جنابت ہے۔

لہٰذا حدث سے تطہیر اصل میں حدوث سے تطہیر ہے اور بحر قدوم میں فنا ہو جانا ہے اور اس کا کمال کثرت اسمائی سے خروج ہے جو باطن شجر ہے۔ اس خروج کے بعد آدمؑ کی اس خطا سے باہر آ جائے گا جو آدم کی اولاد میں سرایت کئے ہے اور وہی اصل ذریت ہے۔

پس حدث ایک معنوی آلودگی ہے اور اس تطہیر امور غیبیہ باطنیہ میں ہے اور نور ہے۔ لیکن وضو نور محدود ہے اور غسل نور مطلق ہے۔

أَيُّ وُضُوءٍ أَنْقَى مِنَ الْغُسْلِ.[2]

غسل سے زیادہ پاکیزہ کونسا وضو ہے۔

خبث اور نجاسات ظاہریہ کے ازالہ کو یہ درجہ حاصل نہیں ہے، کیونکہ وہ صوری تنظیف اور ظاہری تطہیر ہے اور اس کے قلبی آداب یہ ہیں کہ جو بندۂ سالک محضر حق میں حاضری کا ارادہ کر رہا ہے وہ جان لے کہ شیطان خبیث کے رجس و خبث کے ساتھ محضر حق میں راہ پانا ممکن نہیں اور جب تک بنیادی اخلاقی برائیوں کو جو انسانیت کے ترقی یافتہ اور باکمال شہر کا مبدا فساد اور ظاہری و باطنی خطاؤں کا منشا ہیں، راہ پانے دے گا، مقصد کی طرف کوئی راستہ نہ ملے اور مقصود کو حاصل کرنے کا کوئی طریقہ ہاتھ نہ آئے گا۔

شیطان، جو عالم قدس کے جوار میں رہتا تھا اور کروبین کے زمرہ میں شمار ہوتا تھا، آخر کار عادات خبیثہ کی وجہ سے مقربین بارگاہ کے مقام سے دور اور فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ،[3] (جنت سے باہر ہو، کیونکہ تو دھتکارا ہوا ہے) کی پکار کے ساتھ ارانۂ درگاہ کر دیا گیا، تو ہم جو کاروان عالم غیب سے پچھڑ گئے ہیں، مادیات کے گہرے کنویں میں پڑے ہوئے ہیں اور اسفل السافلین میں پلٹا دیئے گئے ہیں شیطان ی خبیث عادات و اطوار رکھتے ہوئے کس طرح محضر قدس کے لائق ہو سکتے ہیں اور کیسے روحانیین کا جوار مقربین کی رفاقت حاصل کر سکتے ہیں۔ شیطان نے خود بینی کا مظاہرہ کیا تھا اور اپنی ناریت پر توجہ کی اور "أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ"[4] (میں اس سے بہتر ہوں) کہا تھا۔ نفس کی یہ خود پسندی تکبر

---

[1] بحار الانوار، ج ۷۸، ص ۵۱، کتاب الطہارۃ، باب وجوب غسل الجنابۃ، حدیث ۲۳

[2] وسائل الشیعۃ/ ج 2 / 247 / 34 باب عدم جواز الوضوء مع غسل الجنابۃ قبلہ ولا بعدہ..... ص: 246

[3] سورہ ص، آیت ۷۷، سورۂ حجر: ۳۴

[4] سورہ ص، آیت ۷۶

وخود پرستی کا سبب بن گئی اور آدمؑ کی تحقیر وتوہین کرنے لگا۔ "خَلَقْتَهُ مِنْ طِيْنٍ"[1] کہہ کے ایک غلط اور بالکل قیاس کیا۔ آدمؑ کی خوبی اور ان کا روحانی کمال نہیں دیکھا۔ آدمؑ کے ظاہر اور مقام طینیت وتربیت کو دیکھا اور اپنے مقام ناریت کو اپنی خود بینی وخودخواہی کے شرک سے غافل ہوگیا۔ حب نفس رویت نقص کا پردہ اور اس کے عیوب کے شہود کا حجاب بن گئی۔ یہ خود بینی وخودخواہی، تکبر وخود پرستی، ریاوخودنمائی اور معصیت وخود رائی کا سبب بن گئی اور معراج قدس سے مادیت کے اندھیرے گھر کی سرگرانی میں پھینک دیا گیا۔

لہٰذا سالک الی اللہ کو چاہئے کہ صوری ارجاس و ادناس کی تطہیر کے وقت بنیادی رذائل اور باطنی شیطانی گندگیوں سے اپنی تطہیر کرے اور آب رحمت حق اور شرعی ریاضت سے اپنے عالی شان شہر کی دھلائی کرے۔ قلب کا تصفیہ کرے جو حق کی جلوہ گاہ ہے۔ حب جاہ وشرف کی نعلین اتاردے تاکہ وادی مقدس (ایمن) میں داخل ہونے کے لائق ہوجائے اور تجلی رب کے قابل ہوجائے اور جب تک ارجاس خبیثہ سے تطہیر نہ ہوجائے گی احداث سے تطہیر ممکن نہ ہوگی، کیونکہ ظاہر کی تطہیر باطن کی تطہیر کا مقدمہ ہے۔ جب تک دستور شریعت کے مطابق مکمل ملکی و دنیائی تقویٰ حاصل نہ ہوجائے گا، اس وقت تک تقوائے قلبی ظاہر نہ ہوگا اور جب تک ان امور کے ذریعہ جن کا شمار کی جاچکا، تقوائے قلبی حاصل نہ ہوگا۔ باطنی اور حقیقی روحانی تقویٰ نہیں پیدا ہوسکتا اور تقویٰ کے تمام مراتب اسی باطنی تقویٰ کا مقدمہ ہیں جو ترک غیر حق سے عبارت ہے۔

جب تک سالک میں انانیت کا کوئی ذرہ ذاتی ہے، اس کے باطن میں تجلی نہیں پید ہوسکتی۔ ہاں! کبھی ایسا ضرور ہوسکتا ہے کہ رحمت خود ہی بڑھے اور جنبۂ یداللہی کے غلبہ کی وجہ سے سالک کی غیبی دستگیری ہوجائے اور شعلہ الٰہیہ انیت کے باقی ماندہ خس وخاشاک کو جلا کر خاکستر کردے۔ ہوسکتا ہے کہ پہاڑ پر حق کی تجلی اور اس کا ریزہ ریزہ ہونا اور حضرت موسیٰؑ کا غش کھا جانا اسی بات کی طرف اشارہو۔ سالک مجذوب اور مجذوب سالک کے درمیان بھی یہی فرق ہے اور اہل حقیقت انہیں ذکر شدہ باتوں میں سے جاننے کے قابل کسی ایسے ایک نکتے اور اہم مطلب کو گرفت میں لے لیتے ہیں، جس سے ناواقف رہنا بہت سی گمراہیوں اور سرگردانیوں کے پیدا ہونے اور راہ حق سے پیچھے رہ جانے کا سبب ہوتا ہے اور کسی طالب حق کے لئے اس سے ناواقف رہنا روا اس سے غفلت کرنا جائز نہیں ہے۔

جاننے کے قابل وہ نکتہ اور اہم مطلب یہ ہے کہ شخص سالک اور طالب حق کو چاہئے کہ خود کو بعض جاہل اہل تصوف اور ظاہر میں غافلوں کی افراط وتفریط سے دور رکھے تاکہ اس کے لئے سیر الی اللہ ممکن ہوجائے، کیونکہ ان میں سے

---

[1] سورہ ص، آیت ۷۶

بعض کا عقیدہ یہ ہے کہ ظاہری علم وعمل ایک زائد اور فالتو چیز ہے اور جاہلوں اور عالم لوگوں کے لئے ہے، لیکن وہ لوگ جو اہل اسرار اور اہل حقیقت ہیں اور اصحاب قلوب اور ارباب سابقہ حسنیٰ ہیں انہیں ان اعمال کی احتیاج نہیں ہے۔ یہ ظاہری اور قالبی اعمال قلبی حقائق کو حاصل کرنے اور مقصد تک پہنچنے کے لئے ہیں اور جب سالک اپنے مقصد تک پہنچ چکا تو مقدمات میں پڑے رہنا مقصد سے دور ہو جاتا ہے اور کثرت میں مشغول رہنا حجاب ہے۔

اسی کے مقابل دوسرے گروہ نے تفریط کا رخ اختیار کیا ہے اور معنوی مقامات اور الٰہی اسرار ہی کے منکر ہو گئے ہیں۔ محض ظاہر وصورت وقشر کے سوا دیگر امور کو یکسر نہیں مانتے اور ان امور کو تخیلات اور اوہام قرار دیتے ہیں۔ ان دونوں گروہوں کے برابر کشمکش اور آویزش وخصومت چلی آرہی ہے۔ ہر ایک گروہ دوسرے گروہ کو مخالف شریعت سمجھتا ہے۔

مگر حق یہ ہے کہ دونوں ہی گروہ حسد اعتدال سے کچھ الگ ہو گئے ہیں۔ ایک افراط کا شکار ہے اور دوسرا تفریط کا۔ ہم نے رسالہ (سرالصلوۃ) میں اس موضوع کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس مقام پر بھی راہ اعتدال، جو صراط مستقیم ہے، بتاتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہئے کہ صوری مناسک اور قالبی عبادات صرف کامل روحانی ملکات اور قلبی حقائق حاصل کرنے کے لئے نہیں ہیں، بلکہ یہ تو ان عبادات کا ایک ثمرہ ہیں۔ لیکن اہل معرفت کے نزدیک اور اصحاب قلوب کی نظر میں تمام عبادات معارف الٰہیہ کو باطن سے ظاہر میں اور رمز سے آشکار اشکل میں نفوذ دینے کا نام ہے اور جس طرح رحمت رحمانیہ بلکہ رحیمیہ کی نعمت تمام انسانی قلبی وجسمانی ترقی کے مراحل میں پھیلی ہوئی ہے اور اللہ کی جامع نعمتوں میں سے ہر مرتبہ کا ایک حصہ ہے، ہر ایک کو واجب مطلق کی رحمانی ورحیمی نعمت پر شکر اور ثنائے حق کا حصہ اور نصیب ہے اور جب تک نفس کا دنیا کے صوری خلقت میں حصہ ہے اور حیات ملکی نصیب ہے، اس وقت تک کثرت کی بساط یکسر اٹھ نہیں کی جاتی ہے اور مادیت کے حظوظ وحقوق مرتفع نہیں ہو جاتے اور سالک الی اللہ کے لئے جس طرح یہ ضروری ہے کہ قلب کو غیر حق میں مشغول نہ ہونے دے اسی طرح سینہ، خیال اور ملک طبیعت کو بھی غیر حق میں مصروف نہیں کرنا چاہئے تاکہ قدم کے تمام زندگی کے تمام مراحل میں توحید وتقدیس راسخ ہو جائے اور اگر روحانی جذبہ کو ملک طبیعت (مادیت) میں حق کے لئے تواضع وبندگی کے علاوہ اور بھی کچھ نتیجہ حاصل ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انانیت نفس کچھ باقی رہ گئی ہے اور سالک کی سیریت نفس کے بیچ ہی میں ہے، سیر الی اللہ نہیں ہے۔

اہل اللہ کی سیر کی انتہا یہ ہے کہ طبیعت وملک کو صبغۃ اللہ (اللہ کے رنگ) میں رنگ دیں اور شاید حدیث شریف کے مراتب وبواطن میں ہے جو لسان حق تعالیٰ سے نکلی ہے (حدیث قدسی میں ہے)

إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ يَقُولُ أَنَا الرَّحْمٰنُ خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَ شَقَقْتُ لَهَا اسْماً مِنِ اسْمِي

فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعْتُه.[1]

میں ہوں اللہ، میں ہوں رحمٰن، رحم (قرابت داری) کو میں نے پیدا کیا اور اس کے نام کو اپنے ہی نام سے نکالا۔ پس جو شخص صلہ رحم کرتا ہے میں اس سے قریب ہو جاتا ہوں اور جو قطع رحم کرتا ہے میں اس سے رشتہ توڑ لیتا ہوں۔

ایک مرتبہ اور ایک باطن یہی قطع طبیعت (مادیت) کو اس کے اصلی مرکز سے قطع کرنا ہو اور اس کا وصل اس کی ریاضت اور اس کو اس کے موطن عبودیت کی پلٹانا ہے، کیونکہ طبیعت ہی ام الارواح ہے۔

وفی الحدیث عن ابی عبداللہ علیہ السلام قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اسْتَوْصُوا بِعَمَّتِكُمُ النَّخْلَةِ خَيْراً، فَإِنَّهَا خُلِقَتْ مِنْ طِينَةِ آدَم علیہ السلام.[2]

اپنی پھوپھی، درخت خرما کے بارے میں اچھا سلوک کرو، کیونکہ اسے طینت آدمؑ سے پیدا کیا گیا ہے۔

اس حدیث شریف میں اسی (رحیمیت) کی طرف اشارہ ہے جو مذکور ہوئی۔

الغرض، مملکت ظاہر کو موطن عبودیت سے نکال باہر کرنا اور اسے خودسر بنانا اہل معرفت کے مقامات سے انتہائی ناواقفیت کا ثبوت ہے اور شیطان مردود کی ایک چال ہے جو ہر گروہ کو کسی بھی طریقہ سے حق تعالیٰ کی عبادت سے روکتا ہے۔ چنانچہ مقامات کا نکار اور طریق معارف کو روکنا جو اولیائے خداؑ کی خنکی چشم ہے اور شرائع الٰہیہ کو ظاہر میں محدود کرنا جو نفس کے ملک اور اس کے مقام حیوانیت کا ایک حصہ ہے اور عبادت کے باطنی اسرار و آداب سے غفلت جو روح کی تطہیر اور قلب کی تعمیر اور باطن کی ترقی کا موجب ہے انتہا درجہ کی غفلت و نادانی ہے۔ ان دونوں گروہوں میں سے ہر ایک انسانیت کے طریق سعادت اور صراط مستقیم سے دور اور اہل معارف کے مقامات سے مہجور ہے۔ جبکہ عارف باللہ اور مقامات کے جاننے والے کو چاہئے کہ تمام باطنی اور ظاہری حقوق کی مراعات کرے اور صاحب حق کو اس کا حق دے اور غلو و تقصیر اور افراط و تفریط سے اپنی تطہیر کرے اور صورت شریعت کے انکار کی آلودگیوں کا ازالہ کرے جو فی الحقیقہ تحدید ہے اور باطن شریعت کے انکار کی خباثت کا ازالہ بھی کرے جو تقیید ہے، اور یہ دونوں شیطان لعین کے وسوسے اور خباثتیں ہیں تا کہ سیر الی اللہ اور مقامات معنویہ تک رسائی آسان ہو جائے۔

---

[1] بحار الانوار، ج ۷۱، ص ۹۵، بحوالہ معانی الاخبار، ص ۳۰۲

[2] بحار الانوار، ج ۶۶، ص ۱۲۹، بحوالہ محاسن، ص ۵۲۸

پس ازالہ خبث کے مراتب میں سے ایک اوہام فاسدہ کی خباثت کا ازالہ ہے جو قرب خدا اور معراج مومنین سے مانع ہے۔ نبوت ختمی مرتب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جامعیت کے معانی و مقامات میں ایک، بلکہ ان کی خاتمیت کا ایک ثبوت یہ ہے کہ تمام نفسانی مقامات میں نفس کے حقوق کا شریعت کے تمام احوال میں پورا پورا خیال رکھا ہے اور جس طرح ربوبیت کا اعلیٰ ترین اور ادنیٰ ترین حق پہنچوا دیا ہے اور جامعیت کے ساتھ اس کی معرفت کرادی ہے اور کبھی ارشاد ہوا ہے:

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ.[1]

وہی آغاز ہے وہی انجام، وہی آشکار ہے وہی پوشیدہ۔

کبھی فرمایا:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط .....الآیة.[2]

خدا آسمان وزمین کا نور ہے۔

کبھی سمجھایا ہے:

لَوْ دُلّيتُمْ بِحَبْلٍ إِلَى الأرضينَ السُّفْلى لَهَبطْتُمْ عَلَى اللّهِ.[3]

اگر رسیوں کے ذریعہ تم زمینوں کے نیچے بھیجے جاؤ تو خدا تک پہنچ جاؤ۔

اور کبھی اس طرح راہنمائی کی گئی ہے۔

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ.[4]

کسی طرف بھی رخ کرو اسی طرف خدا کا رخ ہے۔

معارف الٰہیہ کے جاننے والے کو اور مجذوب جذبات رحمانیہ کو ان آیات کے مطالعہ سے ایک ملکوتی کیف و طرب اور ایک لاہوتی وجد پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح توحید عملی قلبی کو بھی افق طبیعت اور ملک بدن کے آخری مراتب تک نفوذ دے دیا ہے اور کسی موجود و مخلوق کو اللہ کی معرفت کے حق سے محروم نہیں رکھا۔

---

[1] سورۂ حدید، آیت ۳

[2] سورہ نور: ۳۵

[3] علم الیقین، ج۱، ص ۵۴

[4] سورہ بقرہ، آیت ۱۱۵

الغرض اہل تصوف حکمت عیسویہ کی بات کرتے ہیں، حالانکہ اسے کچھ بھی نہیں جانتے اور اہل ظاہر حکمت موسویہ کا دم بھرتے ہیں، حالانکہ اس کی کچھ بھی معرفت نہیں رکھتے اور محمدیوں ان دونوں سے بطور تقیید بری ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل ان اوراق کی ذمہ داری سے خارج ہے اور یہاں بیان کئے جانے کے قابل نہیں ہے۔

وصل:

عن مصباح الشريعة قال الصادق عليه السلام: إِنَّمَا سُمِّيَ الْمُسْتَرَاحُ مُسْتَرَاحاً لِاسْتِرَاحَةِ الْأَنْفُسِ مِنْ أَثْقَالِ النَّجَاسَاتِ وَ اسْتِفْرَاغِ الْكَثَافَاتِ وَ الْقَذَرِ فِيهَا وَ الْمُؤْمِنُ يَعْتَبِرُ عِنْدَهَا أَنَّ الْخَالِصَ مِنْ حُطَامِ الدُّنْيَا كَذَلِكَ يَصِيرُ عَاقِبَتُهُ فَيَسْتَرِيحُ بِالْعُدُولِ عَنْهَا وَ بِتَرْكِهَا وَ يُفَرِّغُ نَفْسَهُ وَ قَلْبَهُ مِنْ شُغْلِهَا وَ يَسْتَنْكِفُ عَنْ جَمْعِهَا وَ أَخْذِهَا اسْتِنْكَافَهُ عَنِ النَّجَاسَةِ وَ الْغَائِطِ وَ الْقَذَرِ وَ يَتَفَكَّرُ فِي نَفْسِهِ الْمُكَرَّمَةِ فِي حَالٍ كَيْفَ تَصِيرُ ذَلِيلَةً فِي حَالٍ وَ يَعْلَمُ أَنَّ التَّمَسُّكَ بِالْقَنَاعَةِ وَ التَّقْوَى يُورِثُ لَهُ رَاحَةَ الدَّارَيْنِ فَإِنَّ الرَّاحَةَ فِي هَوَانِ الدُّنْيَا وَ الْفَرَاغِ مِنَ التَّمَتُّعِ بِهَا وَ فِي إِزَالَةِ النَّجَاسَةِ مِنَ الْحَرَامِ وَ الشُّبْهَةِ فَيُغْلِقُ عَنْ نَفْسِهِ بَابَ الْكِبْرِ بَعْدَ مَعْرِفَتِهِ إِيَّاهَا وَ يَفِرُّ مِنَ الذُّنُوبِ وَ يَفْتَحُ بَابَ التَّوَاضُعِ وَ النَّدَمِ وَ الْحَيَاءِ وَ يَجْتَهِدُ فِي أَدَاءِ أَوَامِرِهِ وَ اجْتِنَابِ نَوَاهِيهِ طَلَباً لِحُسْنِ الْمَآبِ وَ طِيبِ الزُّلْفَى وَ يَسْجُنُ نَفْسَهُ فِي سِجْنِ الْخَوْفِ وَ الصَّبْرِ وَ الْكَفِّ عَنِ الشَّهَوَاتِ إِلَى أَنْ يَتَّصِلَ بِأَمَانِ اللَّهِ تَعَالَى فِي دَارِ الْقَرَارِ وَ يَذُوقُ طَعْمَ رِضَاهُ فَإِنَّ الْمُعَوَّلَ ذَلِكَ وَ مَا عَدَاهُ فَلَا شَيْءَ.[1]

مستراح (بیت الخلاء) کو مستراح اس لئے کہتے ہیں کہ نفوس اس جگہ نجاسات کی سنگینی سے راحت پاتے ہیں اور گندگیوں (بدن سے) کا رج ہو جاتی ہیں اور مرد مومن عبرت حاصل کرتا ہے کہ خالص ترین متاع دنیا آخر میں اس صورت میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ تب مال دنیا سے آسانی کے ساتھ منہ پھیر لیتا ہے اور اس کی طرف نہیں جاتا اور جان و دل کو اس کی فکر سے آزاد کر لیتا ہے

[1] مصباح الشریعہ، الباب التاسع، فی المبرز)

اور جس طرح اپنی نجاست و گندگی سے پرہیز کرتا ہے اسی طرح مال کی محبت اور جمع آوری سے بچتا ہے اور اپنے نفس کے بارے میں سوچتا ہے کہ کس طرح کبھی باعزت ومحترم ہے اور کبھی ذلیل و خوار اور جان لیتا ہے کہ تقویٰ اور قناعت کا التزام دونوں جہان کی راحت کا سبب ہے اور یہ کہ آرام دنیا کو معمولی سمجھنے اور اس سے استفادہ کرنے سے بے نیاز رہنے اور حرام وشبہ کی نجاست سے پاک رہنے میں ہے اور اپنے نفس کو پہنچاننے کے بعد تکبر کا دروازہ اس پر بند کر دیتا ہے اور گناہوں سے دور بھاگتا ہے اور تواضع وشرم وحیا کا دروازہ اس کے لئے کھول دیتا ہے اور حس عاقبت اور قرب حق کی لذت حاصل کرنے کے لئے اوامر کی بجا آوری اور نواہی سے اجتناب کی کوشش کرتا ہے اور اپنے نفس کو خوف وصبر اور شہوات کے روکنے کے زندان میں قید کر دیتا ہے۔ یہاں تک دار القرار میں خدا کی امان سے متصل ہوجائے اور اس کی خوشنودی کا ذائقہ چکھے، کیونکہ یہی اعتماد کے لائق ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

اس مبارک کلام میں اہل معرفت وسلوک کے لئے ایک جامع دستور بیان کیا گیا ہے کہ دار آخرت کے بیدار سالک کو چاہئے کہ ہر حال میں روحانی حقوق کو ادا کرے اور کسی حال میں بھی اپنی بازگشت سے غافل نہ ہو۔ لہٰذا حکماء نے کہا ہے:

النبی خادم القضاء کما ان الطبیب خادم البدن۔ [1]

پیغمبر خادم قضا ہوتا ہے جیسے طبیب خادم بدن ہوتا ہے۔

انبیائے عظام اور اولیائے کرام علیہم السلام کی نظر چونکہ قضائے الٰہی اور جنبۂ ید الٰہی کے علاوہ کسی اور طرف نہیں ہوتی اور ان کے دلوں پر ملکوت قضائے الٰہی کی حکومت ہوتی ہے اس لئے وہ جانتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ تمام امور کا اجرا اللہ کے فرشتوں اور اللہ کے لشکر کے ہاتھ میں ہے اور طبیب جسمانی چونکہ اس مرحلہ سے دور اور اس وادی سے ناواقف ہے اس لئے امور طبعیہ کے اجراء کی نسبت طبعی قوتوں کی طرف دیتا ہے۔

الغرض، انسان سالک کو تمام احوال میں اور تمام امور سے اپنے مملوک کے حقوق سے فائدہ حاصل کرنا چاہئے۔ پھر جب مال دنیا اور عالم ملک کی لذتیں روبہ زوال نظر آنے لگے اور آخر کار ان کا فاسد ہونا اور ختم ہونا نظر آئے، تو آرام کے ساتھ دل کو ان سے روگرداں کرلے، اور اپنے قلب کو ان میں مشغول رہنے اور ان کے جمع کرنے سے فارغ کرلے

---

[1] حکما کا قول ہے۔

اوران سے اس طرح کنارہ کش ہو جائے جیسے گندگیوں سے کنارہ کشی کی جاتی ہے۔ عالم طبیعت کا باطن گندگیاں ہی ہیں اور نیند کے عالم میں جو مکاشفہ کا ایک باب ہے دنیا اور مال دنیا کی تعبیر کثافت اور آلودگیوں ہی سے کی گئی ہے اور امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے مکاشفہ میں جیفہ اور مردار ہے۔[1]

پس مومن کو چاہئے کہ جس طرح مادی فضلات اور اثقال سے خود کو فارغ کرتا ہے اور مادی شہر کو ان کی اذیت کاری سے نجات دلا کر راحت و آرام پہنچاتا ہے اس طرح قلب کو اس کی کثافتوں اور اشتغال و تعلق دنیا و مال دنیا سے نجات دلا کر راحت و آرام پہنچائے اور حب دنیا اور حب جاہ کا بازدل سے ہٹادے اور روحانی فضائل کے شہر کو ان سے فارغ و مطمئن کردے اور غور کرے کہ دنیا کا اشتغال چند گھنٹوں ہی میں نفس شریف کو کس قدر ذلیل وخوار کر دیتا ہے اور اس کو کیسے بدترین اور انتہائی ذلت آمیز حالات سے دوچار کر دیتا ہے۔ سمجھے کہ عالم سے قلبی اشتغال پردہ ملک اٹھنے کے ذرا دیر بعد ہی اور حجاب مادیت کے چاک ہوتے ہی انسان کو ذلیل وخوار اور حساب وعقاب میں گرفتار کر دیتا ہے۔ جان لے کہ تقویٰ اور قناعت سے وابستگی ہی دنیا میں راحت کا موجب ہوتی ہے اور راحت اس میں ہے کہ دنیا کی ذلیل و ناچیز خیال کرے اور اس سے لذت و فائدہ حاصل نہ کرے اور جب خود کو صوری نجاسات سے پاک کرلے تو حرام اور شبہ کی نجاسکتوں سے بھی پاک کرے اور جب خود پہچان لے اور اپنی احتیاج کی ذلت کو سمجھ لے تو کبر و بزرگی کا دروازہ اپنے اوپر بند کرلے اور سرکشی و گناہ سے دور بھاگ جائے اور اپنے اوپر تواضع وندامت اور خجالت کا دروازہ کھول لے اور حق کی فرمانبرداری اور اس کی نافرمانی سے دوری کی جدو جہد کرے تاکہ بحسن وخوبی حق کی طرف رجوع کر سکے اور پاکیزگی و صفائے نفس کے ساتھ بارگاہ قدس میں تقرب حاصل کرلے اور خود کو اپنے نفس کے ساتھ خوف وصبر اور خواہشات نفسانی سے بچاؤ کے زندان میں قید کرلے تاکہ عذاب الٰہی کے زندان سے امان مل جائے اور دار قرار میں خدا کی ذات مقدس کی پناہ میں آجائے اور اس حال میں رضائے حق کا ذائقہ چکھے۔ یہی اہل سلوک کی آخری امید ہے۔ اس کے سامنے کسی اور چیز کی کوئی قیمت نہیں۔

---

[1] نہج البلاغہ، فیض الاسلام، خطبہ ۱۰۸، اقبلوا علی جیفة قد افتضحوا باکلها ...، خطبہ ۱۵۱، ویتکالبون علی جیفة مریحة

مقصد دوم

لباس کے کچھ آداب

اس میں دو مقامات ہیں

قَالَ الْحُسَيْنُ عليه السلام:

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تُؤَخِّرَهُمْ اِلٰى غَدْوَةٍ وَ تَدْفَعَهُمْ عَنَّا الْعَشِيَّةَ لَعَلَّنَا نُصَلِّيْ لِرَبِّنَا اللَّيْلَةَ وَ نَدْعُوْهُ وَ نَسْتَغْفِرَهُ فَهُوَ يَعْلَمُ اَنِّيْ قَدْ كُنْتُ اُحِبُّ الصَّلَاةَ لَهُ وَ تِلَاوَةَ كِتَابِهِ وَ كَثْرَةَ الدُّعَاءِ وَ الْاِسْتِغْفَارِ۔ [1]

جب عاشور کی رات میں عمر سعد (ملعون) کے لشکر نے حملہ کرنا چاہا تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام سے فرمایا:

ان کے پاس جا کر کل تک کے لئے مہلت لے لو،

رات میں انہیں حملہ سے روک دو

تا کہ آج رات (جی بھر کے) ہم اپنے رب کی بارگاہ میں نماز پڑھ لیں،

دعا کر لیں اور اس سے بخشش کی دعا کر لیں۔

---

[1] موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ: ص ۳۹۲، ح ۳۷۹

مقام اول

مطلق لباس کے آداب

بدن کا ظاہر

نفس ناطقہ انسانی ایک ایسی حقیقت ہے جو عین وحدت اور کمال بساطت میں چند نشئات کا حامل ہے۔ جن میں کلی طور سے سب سے اہم تین نشئات ہیں۔

اول: نشئہ ملکیہ دنیاویہ ظارہ، جس کا مظہر حواس ظاہرہ ہیں اور اس ملک بدن کا ایک ادنیٰ قشر ہے۔

دوم: نشئہ برزخیہ متوسطہ، جس کا مظہر حواس باطنہ، بدن برزخی اور قالب مثالی ہے۔

سوم: نشئہ غیبیہ باطنہ، جس کا مظہر قلب اور احوال قلب ہیں۔

ان مراتب میں ہر ایک کی دوسرے سے نسبت وہی ہے جو ظاہر کو باطن سے اور جلوہ کو جلوہ گاہ سے ہوتی ہے۔ اسی لئے ہر مرتبہ کے آثار وخواص اور انفعالات دوسرے مرتبے میں سرایت کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر حسہ بصری کسی شے کا ادراک کرے تو اس کا اثر حس بصری برزخی پر بھی، اس نشئہ کے تناسب سے پڑتا ہے اور اس سے بصر قلبی باطنی پر اس نشئہ کے تناسب سے اثر پڑتا ہے۔ اسی طرح قلبی آثار دوسرے نشئہ میں بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ بات جہاں محکم وقوی برہان سے ثابت ہوتی ہے وہاں وجدان کے مطابق بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام ہی شرعی صوری آداب کا باطن پر اثر آثار مترتب ہوتے ہیں اور اخلاق جمیلہ میں سے بھی ہر ایک کے جو نفس کے مقام برزخیت کے حقوق میں سے ہیں۔ ظاہر و باطن پر اثرات ہوتے ہیں۔ مثلا ایمان اس بات پر کہ مملکت وجود اور عوالم غیب وشہود میں حق تعالیٰ متصرف ہے اور دوسرے موجودات کا ان پر کوئی تصرف نہیں ہے، اور ہے تو تصرف اذنی ظلی، انسان کے بہت سے نفسانی کملات اور اخلاق فاضلہ کا سبب ہوتا ہے۔ مثلاً حق پر توکل و اعتماد اور مخلوق سے طمع نہ رکھنا جو تمام کمالا ت کی اصل (ام الکمالات) ہے اور بہت سے اعمال صالحہ اور افعال حسنہ کے بجالانے اور بہت سی برائیوں کو ترک کرنے کے موجب ہوتا ہے۔ اسی طرح تمام معارف، جن کا شمار اور ان کی تاثیرات کے بیان کا نہ ان اوراق میں حوصلہ ہے اور نہ مؤلف کے شکستہ قلم میں طاقت ہے۔ اس کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے جو کسی اہل معرفت کے مضبوط قلم یا اہل حال کے

نفس گرم سے وجود میں آئے۔ دست ما کوتاہ وخرما برنخیل۔ [1]

بطور مثال (رضا) کا خلق بھی انسانیت کے اخلاق کمالیہ میں سے ایک ہے اور نفس کو جلاء وصفا دینے میں کثیر اثرات رکھتا ہے۔ جس سے قلب پر خاص الٰہی تجلیات کا ورود ہوتا ہے اور ایمان کو کمال ایمان اور کمال ایمان کو طمانینت اور کمال کو کمال طمانینت اور کمال طمانینت کو مشاہدہ تک اور مشاہدہ کو کمال مشاہدہ تک اور کمال مشاہدہ کو معاشقہ تک اور معاشقہ کو کمال معاشقہ تک اور کمال معاشقہ کو مراودت تک اور مراودت کو کمال مراودت تک اور کمال مراودت کو مواصلت تک اور کمال مواصلت کو کمال مواصلت تک اور وہاں تک (خلق رضا) انسان کو پہنچا دیتا ہے جو ہمارے آپ کے گمان میں بھی نہیں آسکتا۔ ملک بند اور صوری آثار وافعال میں جو شاخ و برگ کی حیثیت رکھتے ہیں، عجیب وغریب تاثیر کرتا ہے۔ سماعت و بصارت اور دوسرے اعضاء کو الٰہی بنا دیتا ہے اور (**کنت سمعه و بصره**). [2]

کے راز کو ایک حد تک ظاہر تا ہے اور جس طرح ان مراتب کی ظاہر پر تاثیر، بلکہ تاثیرات ہوتی ہیں اسی طرح ظاہری ہیئت اور تمام عادی اور غیر عادی حرکات وسکنات اور تمام تروک و افعال ان مراتب پر اثر انداز ہوتے ہیں اور بہت عجیب انداز میں۔ چنانچہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بندگان خدا پر ایک ہی حقارت آمیز نظر ڈالنے سے سالک اوج کمال سے اسفل سافلین میں گر پڑتا ہے اور مدتوں اس کی تلافی ممکن نہیں ہو پاتی۔

چونکہ ہم مجبوروں کے دل ضعیف و ناتواں ہیں اور بید مجنوں اور نرم ہوا کی طرح لرز جاتے ہیں اور حالت سکون سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ امور عادی میں بھی، جن میں سے ایک لباس کا تیار کرنا ہے، قلبی حالات کے لحاظ سے قلب کی حفاظت کریں اور چونکہ شیطان کے پاس بڑے مضبوط جال اور ایسے گہرے سازشی پھندے ہیں، جن کا ہم احاطہ نہیں کر سکتے، لہٰذا مجبوراً اپنی وسعت وطاقت کے مطابق اور مقدور بھر ان کا مقابلہ اور حق تعالیٰ سے ہر حال میں توفیق وتائید کی دعا مانگنا چاہئے۔

اب ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب یہ واضح ہو چکا کہ باطن ظاہر پر اثر انداز ہوتا ہے اور ظاہر باطن پر تو طالب

---

[1] پائے مالنگ است و منزل بس
دراز دست ما کوتاہ و خرما برنخیل

زخمی ہمارے پاؤں ہیں، منزل بہت دراز کوتاہ ہمارا ہاتھ ہے، خرما نخیل پر (حافظ شیرازی)

[2] یہ اشارہ ایک حدیث کی طرف حدیث یہ ہے:

كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ (الكافي (ط - الإسلامية) / ج2/ 352/ باب من آذى المسلمين واحتقرهم ..... ص: 350)

حق اور ارتقائے روحانی چاہنے والے انسان کے لی لازم ہے کہ لباس ایسا منتخب نہ کرے جو ایسی چیزوں سے اور ایسے ڈیزائن (مادہ اور ہیئت) پر بنا ہو جو روح پر بڑا اثر ڈالے اور دل کو مستقیم نہ رہنے دے اور حق سے غافل کر دے اور روح کا رخ دنیا کی طرف موڑ دے۔ یہ گمان نہ کرنا چاہئے کہ شیطانی وسوسے اور نفس کی فریب کاری خوبصورت لباس فاخرہ اور ظاہری فیشن اور زینت ہی میں مضمر ہے، بلکہ کبھی پھٹے پرانے اور معمولی بے قیمت لباس میں بھی یہ وسوسے اور فریب کاریاں نمود کرتی ہیں اور انسان کو درجہ اعتبار سے گرا دیتی ہیں۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ لباس شہرت، بلکہ معمول ومتعارف کے خلاف چال ڈھال اختیار کرنے سے بھی پرہیز کرے جس طرح ایسی لباس فاخرہ سے اجتناب کرنا چاہئے جو بہت زیادہ قیمتی ہونے کے ساتھ ہی اس قدر جاذب نظر اور جالب توجہ ہو کہ لوگ انگشت نمائی کرنے لگیں، کیونکہ ہمارا دل بہت کمزور اور سخت بے قرار و بے ثبات ہے، ذرا سے فرق و امتیاز اور تبدیلی وتعین کو دیکھ کر لڑکھڑا جاتا ہے اور راہ اعتدال سے منحرف ہو جاتا ہے۔ اکثر ہوتا ہے کہ کوئی بے چارہ کمزور انسان جو شرف وانسانیت عزت نفس اور کمال آدمیت کے کسی مرحلہ سے نہیں گزرا، دو چار میٹر ریشمی یا اونی لباس پہن کر، جس کا ڈیزائن اور کٹائی سلائی میں غیروں کی نقالی کی گئی ہوتی ہے یا طرح طرح کی ذلتیں اٹھا کے اور آبرو کو داؤں پر لگا کے حاصل کیا گیا ہوتا ہے، بندگان خدا پر حقارت اور تکبر و ناز سے نظر ڈالتا ہے اور کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ یہ نفس کی کمزوری انتہا اور کم ظرفی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے جو کیڑوں کے فضلے اور بھیڑ کے بالوں کو اپنے شرف واعتبار کا سرمایہ سمجھ بیٹھا ہے۔

اے مجبور انسان! تو کس قدر کمزور اور بے مایہ مخلوق ہے؟ تجھے تو عالم امکان کے لئے سرمایہ افتخار اور کون ومکان کا خلاصہ ہونا چاہئے تو آدمؑ کا بیٹا ہے، تجھے تو معلم اسماء وصفات ہونا چاہئے تو خلیفہ خدا کا فرزند ہے تجھے تو آیات باہرات میں سے ہونا چاہئے۔

تو راز کنگرۂ عرش می زند صفیر [1] صدائیں عرش سے دیتے ہیں ہم صفیر تجھے

بد بخت، ناخلف! بے چارے حیوانات کے مٹھی بھر فضلات وملبوسات کو چھین کر ناز فروشی کر رہا ہے!! یہ ناز ریشم کے کیڑے، بھیڑ بکریوں، اونٹ، سنجاب اور لومڑیوں سے حاصل کیا ہے اور تو دوسروں کے لباس پہن کے نخرے دکھا رہا ہے؟ یہ افتخار و ناز ہے تو دوسروں کا ہے اس میں تیرا کیا ہے؟

---

[1] تراز کنگرۂ عرش می زنند صفیر
ندانمت کہ درایں دام گہ چہ افتاد ست
حافظ شرازی

الغرض، جس طرح لباس کا مادہ اور جنس اور اس قیمتی اور جدید ترین فیشن کے مطابق ہونا نفوس میں تاثیر کرتا ہے جس کی وجہ سے حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا ہے اور قطب راوندیؒ نے روایت کی ہے: (جو شخص اعلیٰ قسم کا لباس پہنے و ضرور تکبر کرے گا اور جو تکبر کریگا اس کے لئے ضرور جہنم ہے،[1]

اسی طرح لباس کی ہیئت، کٹائی سلائی اور ڈیزائن کے بھی اثرات ہوتے ہیں کہ کبھی صرف اس سبب سے کہ انسان نے اپنا لباس غیروں کے مشابہ کرلیا ہے غیروں کے حق اور ان کی حمایت میں جاہلانہ تعصب وتنگ نظری کا شکار ہو جاتا ہے اور دوستان خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متنفر دشمن ہی اس کے محبوب ہوتے ہیں اسی وجہ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی روایت کے مطابق خدائے تعالیٰ نے اپنے کسی نبی پر وحی نازل کی (مومنین سے کہو کہ میرے دشمنوں کا سا لباس نہ پہنیں، میرے دشمنوں کی طرح نہ کھائیں اور میرے دشمنوں کی طرح نہ چلیں، تاکہ انکی طرح بھی رفتہ رفتہ میرے دشمن نہ بن جائیں۔[2]

جس طرح بہت زیادہ فاخرہ لباس نفوس میں تاثیر کرتے ہیں اسی طرح بہت حقیر و پست لباس بھی چاہے وہ جنس اور مادہ کے اعتبار سے پست ہوں یا ہیئت وشکل کے لحاظ سے اثر انداز ہوتے ہیں، بلکہ اکثر اس قسم کے لباس، لباس فاخرہ سے بھی زیادہ مضر ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ نفس کے پھندے بہت باریک ہوتے ہیں۔ جیسے ہی انسان نے خود کو موٹا اور کھدر کا لباس پہنے اور دوسروں کو نرم اور لطیف لباس پہنے دیکھا، ویسے ہی اپنے امتیاز اور انفرادیت کا احساس پید اہوگیا۔ حب ذات کی وجہ سے اپنے عیوب سے غافل ہوگیا اور ایسے لباس ہی کو جو ذاتی نہیں عارضی ہے اپنے لئے سرمایہ افتخار سمجھ بیٹھا۔ وہ اکثر خود پسندی کا بھی شکار ہو جاتا ہے۔ بندگان خدا کے مقابلہ میں متکبر بھی ہوجاتا ہے، اپنے کو مقربین بارگاہ الٰہی اور خدا کے خالص بندوں میں شمار کرنے اور دوسروں کو اس کے ساحت قدس سے دور سمجھنے لگتا ہے اور اکثر ریا و خودنمائی اور دیگر مفاسد میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ بے چارہ معرفت وتقویٰ اور کمالات نفسانی میں سے بس موٹے اور پھٹے پرانے لباس پر قناعت کئے ہوئے ہے اور اپنے ہزاروں عیوب سے غافل ہے جن میں سب سے بڑا عیب یہی ہے جو اس لباس کی بری تاثیر سے پیدا ہوا ہے اور ہے تو اولیائے شیطان میں مگر خود کو اہل اللہ میں سمجھ بیٹھا ہے اور بندگان خدا کو حقیر و بے قیمت خیال کررہا ہے۔ اسی طرح لباس کی ہیئت اور طرز اکثر انسان کو مفسدہ میں ڈال دیتی ہے۔ چنانچہ وہ اس طرح لباس اختیار کرتا ہے جس سے زاہد ومقدس سمجھا جائے۔

---

[1] مستدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ، ابواب احکام الملابس، باب ۱۶، حدیث ۵، بحوالہ لب اللباب: قطب راوندیؒ

[2] الجواہر السنیہ، باب ابی عبداللہ جعفر بن محمد الصادقؑ، حدیث ۶۰

الغرض،لباس شہرت میں افراط برتی جائے یا تفریط، وہ ایسے امور میں ہے جو کمزور دلوں کو متزلزل اور مکارم اخلاق سے عریاں کر دیتا ہے اور خود پسندی، ریا کاری اور کبر ونخوت کا سبب بن جاتا ہے جن میں ہر ایک نفس کے بنیادی نقائص اور امہات رذائل میں ہے، بلکہ دنیا کی طرف میلان اور دل بستگی کا سبب ہے جو تمام خطاؤں کی اصل اور تمام برائیوں کا سرچشمہ ہے۔

احادیث میں بھی بہت سے مذکورہ امور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ کافی شریف میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا:

خدائے تعالیٰ شہرت لباس سے غضبناک ہوتا ہے،[1]

آپؑ ہی سے یہ بھی منقول ہے کہ فرمایا:

شہرت اچھی ہو یا بری، جہنم میں ہے،[2]

حضرتؑ سے یہ بھی منقول ہے کہ:

خداوند عالم دو قسم کی شہرت سے غضبناک ہوتا ہے: ایک لباس کی شہرت سے، دوسرے نماز کی شہرت سے۔[3]

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے، آپؐ نے فرمایا:

جو شخص دنیا میں لباس شہرت پہنے گا خدا اس کو آخرت میں لباس ذلت پہنائے گا۔[4]

---

[1] وسائل الشیعہ، ج،ص ۳۰۴، کتاب الصلاۃ، ابواب احکام الملابس، باب ۱۲، حدیث ۱

[2] وسائل الشیعہ، ج،ص ۳۰۴، کتاب الصلاۃ، ابواب احکام الملابس، باب ۱۲، حدیث ۳

[3] مستدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ، ابواب احکام الملابس، باب ۸، حدیث ۲

[4] مستدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ، ابواب احکام الملابس، باب ۸، حدیث ۱

مقام دوم

لباس مصلّی کے کچھ آداب

عَنْ اَبِیْ حَمْزَۃَ رحمۃ اللہ علیہ عَنْ عَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِ صَلَوَاتُ اللّٰہِ عَلَیْہِمَا: اِنَّ الْمُنَافِقَ یَنْھٰی وَ لَا یَنْتَھِیْ وَ یَاْمُرُ بِمَا لَا یَاْتِیْ وَ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلَاۃِ اعْتَرَضَ۔ قُلْتُ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَ مَا الْاِعْتِرَاضُ؟ قَالَ: اَلْاِلْتِفَاتُ وَ اِذَا رَکَعَ رَبَضَ یُمْسِیْ وَ ھَمُّہُ الْعَشَاءُ وَ ھُوَ مُفْطِرٌ وَّ یُصْبِحُ وَ ھَمُّہُ النَّوْمُ وَ لَمْ یَسْھَرْ اِنْ حَدَّثَکَ کَذَبَکَ وَ اِنِ ائْتَمَنْتَہٗ خَانَکَ وَ اِنْ غِبْتَ اغْتَابَکَ وَ اِنْ وَّعَدَکَ اَخْلَفَکَ۔ [1]

جناب ابوحمزۂ ثمالیؒ سے مروی ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: بیشک منافق دوسروں کوتو روکتا ہے لیکن خود وہ برے کاموں سے باز نہیں آتا، وہ نیکی کا حکم دیتا ہے لیکن خود انجام نہیں دیتا اور جب وہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو ''اعتراض'' کرتا ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا: اے فرزند رسول خداؐ! ''اعتراض'' کا کیا مطلب ہے؟

فرمایا: نماز میں ادھر ادھر متوجہ ہوتا ہے (دیکھتا ہے) جب رکوع میں جاتا ہے تو جانور کی طرح گھٹنوں کے بل بیٹھتا ہے (رکوع کے بعد قیام نہیں کرتا ہے) وہ اس حالت میں رات کرتا ہے کہ اسے صرف کھانے کی فکر ہوتی ہے جب کہ وہ روزہ سے نہیں ہوتا، وہ اس حالت میں صبح کرتا ہے کہ اسے سونے کی فکر ہوتی ہے جب کہ وہ رات میں بیدار نہیں رہتا ہے۔ اگر تم سے بات کرے گا تو جھوٹ بولے گا، اگر تم اسے امین سمجھو گے تو وہ تمہارے ساتھ خیانت کرے گا، جب تم موجود نہ ہو گے تو تمہاری غیبت و برائی کرے گا اور جب تم سے وعدہ کرے گا تو اسے پورا نہیں کرے گا۔

---

[1] اصول کافی: ۴/ ۱۱۲

باب اول

طہارت لباس کا رمز

محضر مقدس میں باریابی کے موانع

معلوم رہے کہ نماز محضر انس میں حاضری اور مقام قرب کی طرف عروج کا ذریعہ ہے اور سالک کے لئے ملک الملوک کے محضر مقدس میں حاضر ہونے کے آداب کا لحاظ ضروری ہے اور چونکہ ظہور نفس کے ادنیٰ مراتب ومراحل سے لے کر، جو قشر قشر اور نفس کا بدن ملکی صوری ہے، اس کے اعلیٰ حقائق ومقامات تک جو لب لباب اور مقام سر قلب ہے سب جس طرح حق کے محضر مقدس میں حاضر ہیں، سالک کو بھی حاضر ہونا چاہئے اور مما لک سر وعلن کے تمام ظاہری و باطنی لشکروں کا محضر حق جل جلالہ میں مظاہرہ کرنا چاہئے اور ان تمام امانتوں کو جو اس کی ذات مقدس نے کمال طہارت و صفا کے ساتھ اور موجودات میں سے کسی کے تصرف کے بغیر اپنے جلال و جمال کے دست قدرت سے اس کو مرحمت فرمائی ہیں، اس کے حضور میں پیش کرنا چاہئے اور امانتیں جس طرح عطا ہوئی تھیں ویسی ہی واپس کرنا چاہئے۔

پس ادب حضور میں بہت خطرات ہیں کہ ایک لحظہ کے لئے بھی سالک کو ان سے غفلت نہیں کرنا چاہئے اور طہارت لباس کو جو ساتر قشر، بلکہ ساتر قشر قشر ہے، لباس باطنی کی طہارت کا وسیلہ بنانا چاہئے اور یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جس طرح یہ لباس صوری ساتر ہے اور بدن ملکی کا لباس ہے خود بدن، بدن برزخی کا ساتر ہے اور بدن برزخی اسی وقت موجود ہے۔ اگرچہ بدن دنیائی کے حجاب وستر میں ہے اور یہ بدن اس کو پوشیدہ کئے ہوئے ہے اور قلب ساتر روح ہے اور روح ساتر سر ہے اور سر ساتر لطیفہ خفیہ ہے اور اسی طرح دوسرے مراتب ہیں۔ ہر پست مرتبہ بلند مرتبہ کا ساتر ہے اور یہ سارے مراتب اگرچہ اللہ کے اولیائے خالص میں موجود ہیں اور دوسرے ان سے محروم ہیں، لیکن ان میں سے چونکہ بعض مراتب سب ہی رکھتے ہیں، لہٰذا انہیں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

معلوم رہنا چاہئے کہ جس طرح نماز کی صورت طہارت بدن ولباس سے وجود میں نہیں آتی اور آلودگی، جو شیطانی نجاست اور محضر رحمان سے دور کر دینے والی ہے، محضر مقدس میں باریابی کے موانع میں سے ہے اور نماز گزار کو نجاست شیطانی سے آلودہ لباس و بدن کے ساتھ محضر قدس سے دور رکھتی ہے اور مقام انس میں باریاب نہیں ہونے دیتی۔ اسی طرح معاصی اور نافرمانی کی گندگیاں بھی جو شیطانی تصرفات ونجاسات ہیں، محضر مقدس میں باریابی کے موانع

میں سے ہیں۔پس جو شخص گناہوں سے آلودہ ہے اس نے سارے بدن برزخی کو نجس کر دیا ہے اوران نجاستوں کے ساتھ محضر حق میں وارد نہیں ہوسکتا اور اس لباس کی تطہیر نماز باطنی کی صحت اور اس کے تحقق کی ایک شرط ہے اور انسان جب تک حجاب دنیا میں ہے اس غیبی بدن، اس کے لباس کی طہارت ونجاست، طہارت کی شرائط اور نجاسات کے مانع ہونے کو نہیں سمجھ سکتا۔جس روز اس حجاب سے نکلے گا اور سلطنت باطن اور یوم الجمع تفرقہ ظاہر کی بساط کو الٹ دے گا اور حقیقت کا سورج دنیا کے تاریک حجابوں کے پیچھے سے نمودار ہوگا، باطنی ملکوتی آنکھ کھلے گی اور حیوانی ملکی آنکھ بند ہوگی،تب چشم بصیرت دریافت کر لے گی کہ آخر تک نہ طہارت کی تھی نہ نماز پڑھی تھی اور ہزار باموانع میں مبتلا رہا،جن میں ہر ایک محضر مقدس حق سے دور کرنے کا ایک مستقل سبب تھا اور ہزار افسوس کہ اس روز تلافی کی کوئی راہ اور گلو خلاصی کی کوئی تدبیر انسان کے لئے نہیں ہے۔جو چیز رہ جائے گی وہ صرف حسرت وندامت ہوگی۔وہ حسرت وندامت جو کہیں ختم ہونے والی نہیں۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ۔[1]

اور (اے رسولؐ) انہیں حسرت و ندامت کے دن سے ڈرائیں جبکہ ہر بات کا (آخری) فیصلہ کر دیا جائے گا۔

جب بدن باطنی کے لباس کی تطہیر ہو چکی تو رجز شیطانی سے بدن ملکوتی کی طہارت بھی لازم ہے۔بدن ملکوتی کی تطہیر کا مطلب اخلاق ذمیمہ کی نجاستوں کو دور کرنا ہے۔جن میں سے ہر ایک باطن کو آلودہ کر دیتی ہے اور انسان کو محضر سے دور اور بساط قرب حق سے مہجور کرنے والی ہے اور یہ سب رجس شیطانی ہیں جو خود تو رحمت سے دور رہے ہیں،دوسروں کو بھی دور کرنے کی کوشش سے باز نہیں آتا۔تمام برائیوں کی اصلی شروعات خود بینی وخودخواہی،خودفروشی و خودنمائی اور خودرائی سے ہوتی ہے اوران میں سے ہر ایک بے شمار اخلاقی برائیوں اور کثیر خطاؤں کی بنیاد ہے۔

اور جب سالک بدن ملکوتی کو تطہیر کر چکا اور لباس تقویٰ کو نصیحت حاصل والے گنہگار کی توبہ اور شرعی ریاضتوں سے پاک کر چکا تو اب ضروری ہے کہ قلب کی تطہیر میں مشغول ہوجائے جو حقیقی ساتر ہے اور شیطان کا تصرف سب سے زیادہ قلب ہی پر ہوتا ہے اور اس کی آلودگیاں تمام لباسوں اور ساتروں میں سرایت کر جاتی ہیں۔

اور جب تک کہ تطہیر نہ کی جائے دوسری طہارتیں میسر نہیں آسکتیں۔قلب کی تطہیر کے کچھ مراتب ہیں جن میں سے ان اوراق کی مناسبت سے بعض کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔۔

---

[1] سورۂ مریم:۳۹

ایک مرتبہ،محبت دنیا سے قلب کی تطہیر ہے جو تمام خطاؤں کی بنیاد اور تمام مفاسد کا سرچشمہ ہے اور جب تک انسان کے دل میں یہ محبت باقی ہے اس قت تک محضر حق تک رسائی ممکن نہیں ہے اور محبت الٰہی، جوام الطہارات (تمام طہارتوں کی ماں) ہے،محبت دنیا کی آلودگی کے ہوتے ہوئے وجود میں نہیں آتی اور شاید کتاب خدا، انبیاء واولیاء علیہم السلام کی وصیتوں،خصوصاً امیر المومنینؑ کی وصیت میں ترک دنیا اور زہد کی بہ نسبت جو تقویٰ کے حقائق میں سے ہے کسی اور چیز کی طرف کم ہی اشارہ کیا گیا ہے اور تطہیر کا یہ مرتبہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک نفع بخش علم نہ حاصل کیا جائے، سخت قلبی ریاضتیں نہ کی جائیں،مبدا و معاد کے بارے میں گہرائی سے غور وفکر نہ کیا جائے اور قلب کو دنیا کی خرابی اور تباہی اور غیبی جہانوں کی سعادتوں اور کرامتوں میں مشغول نہ کرلیائے۔

رحم اللّٰہ امرء أعدلنفسه و استعدلرمسه و علم من أین و فی أین و إلی أین؟ [1]

خدا رحمت کرے اس شخص پر جو جان لے کہ وہ کہاں سے آیا ہے،کہاں ہے اور کہاں جائے گا۔

قلب کی تطہیر کا ایک اور مرتبہ مخلوق پر اعتماد سے تطہیر ہے جو شرک خفی، بلکہ اہل معرفت کے نزدیک شرک جلی ہے۔ یہ تطہیر توحید فعلی حق تعالیٰ سے حاصل ہوتی ہے جو تمام طہارتوں کا سرچشمہ ہے۔معلوم رہنا چاہئے کہ توحید فعلی کے بارے میں محض علم برہانی اور قدام فکری سے نتیجہ مطلوبہ حاصل نہیں ہوتا، بلکہ کبھی کبھی علوم برہانیہ میں زیادہ اشتغال قلب کی ظلمت و کدورت کا سبب ہوجاتا ہے اور انسان کو مقصد اعلیٰ سے روکے رکھتا ہے۔اس مقام پر کہا گیا ہے:

اَلْعِلْمُ هُوَ الْحِجابُ الْأَكْبَر. [2]

مؤلف کے عقیدہ میں تمام علوم عملی ہیں، یہاں تک کہ علم توحید بھی۔شاید لفظ توحید سے جو باب تفعیل سے ہے، توحید کے عملی ہونے کا فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے، کیونکہ اشتقاق کی مناسبت سے توحید کا مطلب کثرت سے وحدت کی طرف جانا اور جہات کثرت کو عین جمع میں مستہلک اور مضمحل کردینا ہے اور یہ معنی برہان سے حاصل نہیں ہوتے، بلکہ قلبی ریاضتوں اور مالک القلوب کی طرف بھرپور توجہ کے ذریعہ برہان سے حاصل شدہ نتیجہ سے قلب کو آگاہ کرنا چاہئے تاکہ حقیقت توحید حاصل ہوجائے۔ہاں! برہان ہم سے کہتا ہے:

---

[1] الوافی/ ج1 / 116 / بیان..... ص:115،مفاتیح الغیب، ملاصدر، تصحیح خواجوی،ص ۵۰

[2] تفسیر سورہ حمد (مولفہ امام خمینیؒ) جلسہ سوم..... ص:129

لا مُؤَثِّرَ فی الْوُجُودِ اِلّا اللّٰہ. [1]

خدا کے سوا وجود میں کوئی موثر نہیں۔

اور یہ (لا الٰہ الا اللہ) کے ایک معنی ہیں اوراس برہان کی برکت سے ہم موجودات کے دست تصرف کو کبریائی وجود کے میدان سے دور رکھتے ہیں اورعوالم کے ملک اور ملکوت کو اس کے مالک کی طرف پلٹاتے ہیں اور ''لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ'' [2] (جو کچھ زمین و آسمان میں ہے اسی کا ہے) اور ''بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ'' [3] (ہر چیز پر آسمانی قدرت اللہ کے ہاتھ میں ہے) اور ''وَھُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰہٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰہٌ'' [4] (وہی ہے جو آسمان میں خدا ہے اورزمین میں خدا ہے) کی حقیقت کا اظہار کرتے ہیں،لیکن جب تک یہ مطلب قلب میں نہ پہنچ جائے اور قلب کی صورت باطنی نہ بن جائے، ہم علم کی حد سے بڑھ کر ایمان کی حد تک نہیں پہنچ سکتے اورنور ایمان سے جو مملکت ظاہر و باطن کو نورانی کردیتا ہے، سے کوئی فیض نہیں پاسکتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم اس بلند و بالا مفہوم پر برہان رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود پھر بھی تکثیر میں پڑے ہیں اور توحید سے بے خبر ہیں جو اہل اللہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے(لامؤثر فی الوجود الا اللہ) کا ڈھنڈورہ تو پیٹتے ہیں،لیکن چشم طمع ہرایک سے رکھتے ہیں اوردست طلب ہرکس و ناکس کے سامنے دراز کئے رہتے ہیں۔

پائے استدلالیاں چوبین بود
پائے چوبین سخت بے تمکین بو [5]

یہ برہان کے پاؤں لکڑی کے ہیں
چلیں گے کہاں تک یہ لکڑی کے پاؤں

یہ تطہیر سالکین کے عظیم مقامات میں سے ہے۔ اس مقام کے بعد اورمقامات ہیں جو ہمارے موضوع کے حد سے باہر ہیں۔ پھر بھی ہوسکتا ہے کہ ان اوراق میں کسی مناسب موقع پر ان کا ذکر آئے۔

انشاء اللہ

---

[1] منسوب بہ حکمائے الٰہی جب کہ میرزا ابوالحسن شعرانی نے مقدمہ،اسرارالحکم،ص ۳۲،حکماء سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے۔

[2] سورۂ نحل/ ۵۲

[3] سورہ یٰسین: ۸۳

[4] سورۂ زخرف: ۸۴

[5] مولانا رومیؒ کا شعر ہے۔

عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ علیہ السلام قَالَ:
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: خِیَارُ اُمَّتِیَ الَّذِیْنَ اِذَا سَافَرُوا قَصَّرُوا وَ اَفْطَرُوا وَ اِذَا اَحْسَنُوا اسْتَبْشَرُوْا وَاِذَآ اَسَآؤُوا اسْتَغْفَرُوْا۔ [1]

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

میری امت کے نیک افراد وہ لوگ ہیں:

جو سفر میں نماز کو قصر پڑھتے ہیں اور روزہ کو قصر کرتے ہیں۔

جب وہ نیکی کرتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں

اور جب برائی کرتے ہیں تو استغفار کرتے ہیں۔

---

[1] الکافی: ۴/۷۲۱؛ جامع الاحادیث: ص ۲۱۵

باب دوم

ستر عورتین کے قلبی اعتبارات

اور اللہ کے ساتھ خلوت

جب سالک الی اللہ خود کو محضر مقدس حق میں حاضر دیکھے، بلکہ اپنے ظاہر و باطن اور سر و علن کو عین حضور پائے، جیسا کہ کافی و توحید میں روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

إِنَّ رُوحَ الْمُؤْمِنِ لَأَشَدُّ اتِّصَالًا بِرُوحِ اللَّهِ مِنِ اتِّصَالِ شُعَاعِ الشَّمْسِ بِهَا.[1]

مومن کی روح کا تعلق اللہ کی روح سے دھوپ کے آفتاب سے تعلق سے بھی زیادہ استوار ہے۔

بلکہ قوی و محکم برہان سے علوم عالیہ میں ثابت ہے کہ وجود کا پورا دائرہ اعلیٰ مراتب غیب سے ادنیٰ منازل شہود تک قیوم مطلق سے عین تعلق و ربط اور محض تدلی و فقر ہے۔ شاید آیۂ مبارکہ

يَاأَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللهِ ۚ وَاللهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ.[2]

لوگو! تم خدا کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز اور محمود ہے

اسی مطلب کی طرف اشارہ کر رہا ہے، کیونکہ اگر کوئی موجود کسی حال میں اور کسی لمحہ اور کسی حیثیت سے عزت قدس ربوبیت سے تعلق نہ رکھتا ہوگا تو دائرۂ امکان و فقر ذاتی سے خارج اور حریم غنا و وجوب ذاتی میں داخل ہو جائے گا اور عارف باللہ اور سالک الی اللہ کو چاہئے کہ برہان سے ثابت شدہ اس مطلب حق کو اور اس الٰہی عرفانی لطیف بات کو قلبی ریاضتوں کے ذریعہ عقل و برہان کی حد سے آگے بڑھا کر لوح قلب پر لکھ لے اور سرحد عرفان تک پہنچائے تا کہ حقیقت ایمان اور نور ایمان اس کے دل میں جلوہ ریز ہو اور اصحاب قلوب اور اہل اللہ ایمان کی حد سے بڑھ کر کشف و شہود کی منزل تک پہنچ جاتے ہیں اور یہ منزل شدت مجاہدہ اور اللہ کے ساتھ خلوت اور اللہ سے عشق کے بغیر نہیں ملتی۔ چنانچہ

---

[1] اصول کافی، جلد ۳، ص ۲۴۲، کتاب الایمان والکفر، باب اخوۃ المومنین بعضھم لبعض، حدیث ۴

[2] سورۂ فاطر، آیت ۱۵

مصباح الشریعہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے، آپؑ نے فرمایا:

الْعَارِفُ شَخْصُهُ مَعَ الْخَلْقِ وَ قَلْبُهُ مَعَ اللَّهِ لَوْ سَهَا قَلْبُهُ عَنِ اللَّهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ لَمَاتَ شَوْقاً إِلَيْهِ وَ الْعَارِفُ أَمِينُ وَدَائِعِ اللَّهِ وَ كَنْزُ أَسْرَارِهِ وَ مَعْدِنُ أَنْوَارِهِ وَ دَلِيلُ رَحْمَتِهِ عَلَى خَلْقِهِ وَ مَطِيَّةُ عُلُومِهِ وَ مِيزَانُ فَضْلِهِ وَ عَدْلِهِ قَدْ غَنِيَ عَنِ الْخَلْقِ وَ الْمُرَادِ وَ الدُّنْيَا وَ لَا مُونِسَ لَهُ سِوَى اللَّهِ وَ لَا نُطْقَ وَ لَا إِشَارَةَ وَ لَا نَفَسَ إِلَّا بِاللَّهِ وَ لِلَّهِ وَ مِنَ اللَّهِ وَ مَعَ اللَّهِ.[1]

عارف کا جسم خلق کے ساتھ اور دل خدا کے ساتھ ہے۔ اگر چشم زدن کے لئے بھی اس کا دل خدا سے غافل ہو جائے تو خدا کی طرف شوق کی شدت سے مرجائے۔ عارف امانات الٰہیہ کا امین ہے، اسرار خدا کا خزینہ، اس کے نور کے کان، خلق کے لئے اس کی رحمت کی طرف راہنما، اس کے علوم کا حامل اور اس کے فضل و عدل کی میزان ہے۔ عارف خلق سے، دنیاوی مقاصد اور دنیا سے بے نیاز رہتا ہے اور خدا کے سوا اس کا کوئی مونس نہیں۔ نہیں بولتا اور نہیں اشارہ کرتا اور نہیں سانس لیتا مگر خدا کے بارے میں، خدا کے لئے، خدا سے اور خدا کے ساتھ۔

الغرض، سالک جب خود کو عین حضور کے تمام احوال میں دیکھتا ہے تو حفظ محضر اور ادب حضور کی حفاظت کے لئے تمام ظاہری اور باطنی شرم گاہوں کو پوشیدہ کرے، اور جب معلوم ہو گیا کہ محضر حق میں ظاہری شرمگاہوں کو ظاہر کرنے سے زیادہ قبیح باطنی شرمگاہوں کو ظاہر کرنا ہے، کیونکہ حدیث میں ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَ أَعْمَالِكُمْ وَ إِنَّمَا يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ.[2]

یقیناً اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اعمال کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں (یعنی نیت) کو دیکھتا ہے۔

اور باطنی شرمگاہیں برے اخلاق، خراب عادات اور پست اخلاقی احوال ہیں جو انسان کو محضر قدس کے لائق نہیں رہنے دیتیں اور ادب حضور سے ساقط کر دیتی ہیں اور یہ بے پردگی اور عریانی کا پہلا مرتبہ۔

معلوم رہنا چاہئے کہ اگر ستاریت وغفاریت خدا اپنے بندہ کی پردہ داری نہ کرے اور بندہ غفاریت و ستاریت

---

[1] مصباح الشریعہ، اباب الخامس والتسعون، فی المعرفۃ

[2] بحار الانوار (ط - بیروت) / ج 67 / 248 / باب 54 ال اِخلاص ومعنی قربہ تعالی..... ص: 213

کی طلب کر کے اسم (ستار) و (غفار) کے تحت نہ آئے تو اکثر ایسا ہو کہ جیسے ہی حجاب ملک ہٹے اور پردۂ دنیا چاک ہو تو ملائکہ مقربین اور انبیائے مرسلین علیہم السلام کی موجودگی ہی میں اس کے عیوب کی پردہ دری ہو جائے، لیکن خدا جانتا ہے کہ اگر وہ باطنی شرمگاہیں ظاہر ہو جائیں تو کسی قیامت وفضیحت اور گندگی ورسوائی اس کے بندہ کی سامنے آجائے۔

اے عزیز! عالم آخرت کی طرز وساخت کا قیام اس عالم پر نہ کرو، کیونکہ اس عالم میں تو اس عالم کی نعمتوں میں سے نہ کوئی نعمت ظاہر ہے نہ زحمت۔ یہ عالم اپنے آسمانوں اور دوسری اور دوسری تمام وسعتوں کے باوجود ملکوت سفلی، جن میں ایک عالم قبر بھی ہے کے پردوں میں سے ایک پردہ کے ظہور کی بھی گنجائش نہیں رکھتا چہ جائیکہ ملکوت اعلیٰ یہاں ظاہر ہو سکیں، جن کا ایک نمونہ عالم قیامت ہے۔ ایک تفصلی حدیث میں، جو جناب شہید ثانی علیہ الرحمہ نے منیۃ المرید میں حضرت صدیقہ کبریٰ سلام اللہ علیہا سے نقل کی ہے، وارد ہے کہ فرمایا:

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ہمارے شیعہ علماء اس طرح محشور ہوں گے کہ اپنے علوم کی کثرت اور بندگان خدا کی راہنمائی میں محنت وکوشش کے مطابق عزت وکرامت کے خلعت پہنے ہوں گے، یہاں تک کہ ان میں سے بعض کو نور کے ہزار ہزار (دس لاکھ) خلعت دیئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ حضورؐ فرماتے ہیں: (ایک تار ان خلعتوں کا ہزار ہزار گنا بہتر ہے ان تمام موجودات سے جن پر سورج طلوع کرتا ہے) [1]

یہ تو ہے قیامت کی نعمتوں کا ذکر، لیکن قیامت کے عذاب کے بارے میں جاب ملا محسن فیض کاشانی رحمۃ اللہ علیہ کتاب (علم الیقین میں مرحوم صدوقؒ سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے اسناد سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ ایک حدیث کے ضمن میں کہ

جبرائیل نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ: (اگر ایک حلقہ اس زنجیر کا جس کی لمبائی ستر ہاتھ ہے، دنیا پر رکھ دیا جائے تو اس کی گرمی کی تاب نہ لا کر یہ دنیا پگھل جائے اور اگر اس کے زقوم وضریع کا ایک قطرہ دنیا کے پانیوں میں گر جائے تو تمام اہل دنیا اس کی بد بو سے مر جائیں) [2]۔ نعوذ باللہ من غضب الرحمٰن۔

---

[1] منیۃ المرید، ۲۴

[2] علم الیقین، ج ۲ ص ۱۰۳۳

لہٰذا سالک الی اللہ کے لئے لازم ہے کہ اپنے اخلاق ذمیمہ اور عادات قبیحہ کو اخلاق حسنہ اور عادات پسندیدہ میں تبدیل کردے اور اوصاف کمالیہ حق کے دریائے بے کراں میں فانی ہوجائے اور شیطانی طبیعت کی تاریک زمین کو نورانی اور تابناک زمین بنادے۔ "وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا"[1] (اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے روشن ہوگئی) کی معنویت کا اپنے اندر ادراک کرے اور ذات مقدس کے اسمائے جلال اور جمال کا مقام اپنے وجود کی مملکت میں پیدا کرے اور اس مقام پر پہنچ کر جمال وجلال کے حجاب میں چلا جائے گا اور اخلاق الٰہی سے خود کو آراستہ کرلے گا اور تعینات نفسیہ کی قباحتیں اور وہم کی تاریکیاں یکسر پوشیدہ ہوجائیں گی۔ اگر اس مقام تک پہنچ گیا تو حق تعالیٰ کی عنایات خاصہ کا مستحق قرار پائے گا اور خدا اپنے خاص لطف خفی سے اس کی دستگیری فرمائے گا اور اپنی کبریائی کے پردہ کے نیچے اس کو اس طرح مستور کرلے گا کہ خود اس کے علاوہ اسے کوئی دوسرا نہیں پہنچان سکے گا اور اس کو بھی حق تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور نہ پہچان سکے گا۔

انَّ اَوْلِیائی تَحْتَ قِبابی لا یَعْرِفُهُمْ غَیْری.[2]

میرے دوست میرے قبوں کے نیچے ہیں۔ میرے سوا کوئی ان کو نہیں پہچانتا۔

اور خدا کی مقدس کتاب نے اہلیت وصلاحیت رکھنے والوں کے لئے اس سلسلہ میں بہت اشارے کئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۙ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ[3]

خدا ان لوگوں کا ولی ہے جو ایمان لائے ہیں، اور وہ اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے۔

اہل معرفت اور اصحاب سابقہ حسنیٰ جانتے ہیں کہ تمام خلقی تعینات اور اعیانی کثرتیں ظلمت ہیں اور نور مطلق تب ہی حاصل ہوتا ہے جب تمام اضافات کو ساقط کردیا جائے اور ان تعینات کو توڑ دیا جائے جو سالک کی راہ کے بت ہیں۔ جب کثرات وسفی وفعلی کی ظلمتیں مضمحل اور کمزور ہوجائیں گی اور عین جمع میں غرق ہوجائیں گی تو تمام شرمگاہوں کا ستر ہو جائے گا اور حضور مطلق اور وصول تام عالم وجود میں آجائے گا اور نماز گزار اس مقام میں چونکہ حق کی پردہ پوشی میں ہے۔ لہٰذا اسکی نماز، نماز حق ہے اور شاید حضرت ختمی المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز معراج بعض مقامات و مدارج میں اسی طریقہ سے اد

---

[1] سورۂ زمر، آیت ۶۹

[2] احیاء علوم الدین، ج ۴، ص ۲۵۶، حدیث قدوسی ہے اور اس کے نقل کرنے میں (قبابی) دونوں وارد ہوئے ہیں

[3] سورہ بقرہ، آیت ۲۵۷

اہوتی تھی۔ واللہ العالم

وصل:

عَنْ مِصْباحِ الشَّرِيعَةِ، قالَ الصّادِقُ، عَلَيْهِ السَّلام: ازْيَنُ اللِّباسِ لِلْمُؤمِنينَ لِباسُ التَّقْوى وَ انْعَمُهُ الإيمانُ؛ قالَ اللّه، عَزَّ و جَلَّ: «وَلِباسُ التَّقْوى ذلِكَ خَيْرٌ».

وَ امّا اللِّباسُ الظّاهِرُ فَنِعْمَةٌ مِنَ اللّه يَسْتُرُ عَوْراتِ بَنى آدَمَ؛ وَ هِيَ كَرامَةٌ اكْرَمَ اللّه بِها عِبادَهُ ذُرِّيَةَ آدَمَ عليه السلام ما لَمْ يُكْرِمْ غَيْرَهُمْ؛

وَ هِيَ لِلْمُؤمِنينَ آلَةٌ لِأَداءِ ما افْتَرَضَ اللّه عَلَيْهِمْ. وَ خَيْرُ لِباسِكَ ما لا يَشْغَلُكَ عَنِ اللّه عزَّ وَ جَلَّ؛ بَلْ يُقَرِّبُكَ مِنْ شُكْرِهِ وَ ذِكْرِهِ وَ طاعَتِهِ وَ لا يُحْمِلُكَ فيها الى الْعُجْبِ وَ الرِّئاءِ وَ التَّزَيُّنِ وَ الْمُفاخَرَةِ وَ الْخُيَلاءِ،

فَانَّها مِنْ آفاتِ الدّينِ وَ مُورِثَةُ الْقَسْوَةِ فِي الْقَلْبِ. فَإِذا لَبِسْتَ ثَوبَكَ فَاذْكُرْ سَتْرَ اللّه تَعالى عَلَيْكَ ذُنُوبَكَ بِرَحْمَتِهِ.

وَ الْبِسْ باطِنَكَ بِالصِّدْقِ كَما أَلْبَسْتَ ظاهِرَكَ بِثَوْبِكَ؛ وَ لْيَكُنْ باطِنُكَ فى سَتْرِ الرَّهْبَةِ وَ ظاهِرُكَ فى سَتْرِ الطّاعَةِ.

وَ اعْتَبِرْ بِفَضْلِ اللّه عَزَّ وَ جَلَّ حَيْثُ خَلَقَ اسبابَ اللِّباسِ لِتَسْتُرَ الْعَوْراتِ الظّاهِرَةَ وَ فَتَحَ ابْوابَ التَوْبَةِ وَ الْإِنابَةِ لِتَسْتُرَ بِها عَوْراتِ الْباطِنِ مِنَ الذُّنُوبِ وَ اخْلاقِ السُّوءِ وَ لا تَفْضَحْ احداً حَيْثُ سَتَرَ اللّه عَلَيْكَ اعْظَمَ مِنْهُ.

وَ اشْتَغِلْ بِعَيْبِ نَفْسِكَ وَ اصْفَحْ عَمّا لا يعنيكَ حالُهُ وَ امْرُهُ.

وَ احْذَرْ انْ تَفْنى عُمْرَكَ لِعَمَلِ غَيرِكَ وَ يَتَّجِرَ بِرَأْسِ مالِكَ غَيْرُكَ وَ تَهْلِكَ نَفْسُكَ؛ فَانَّ نِسْيانَ الذُّنُوبِ مِنْ اعْظَمِ عُقُوبَةِ اللّه تَعالى فِي العاجِلِ وَ اوْفَرِ اسْبابِ الْعُقُوبَةِ فِي الْآجِلِ.

وَ ما دامَ الْعَبْدُ مُشْتَغِلًا بِطاعَةِ اللّه تَعالى وَ مَعْرِفَةِ عُيُوبِ نَفْسِهِ وَ تَرْكِ ما

يَشينُ فى دين الله فَهُوَ بِمَعْزِلٍ عَنِ الْآفاتِ، خائِضٍ فى بَحْرِ رَحْمَةِ الله-عَزَّ وَ جَلَّ-يَفُوزُ بِجَواهِرِ الْفَوائِدِ مِنَ الْحِكْمَةِ وَ الْبَيانِ؛ وَ ما دامَ ناسِياً لِذُنُوبِهِ جاهِلًا لِعُيُوبِهِ راجِعاً الى حَوْلِهِ وَ قُوَّتِهِ لا يُفْلِحُ اذاً ابَدا.[1]

اگر چہ بیانات سابقہ کی طرف رجوع کرنے سے حدیث شریف کے مقاصد پر ایک حد تک روشنی بڑ جاتی ہے، مگر ترجمہ جیسے انداز میں اس کے بعض اشارہ کی طرف توجہ دلانا صفائے قلب کا سبب ہوگا۔

فرماتے ہیں:

مومنین کے لئے سب سے زیادہ آراستہ لباس تقویٰ کا لباس ہے اور سب سے زیادہ نرم لباس ان کے لئے ایمان کا لباس ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے:

لباس تقویٰ بہترین لباس ہے [2]

رہا لباس ظاہر، تو وہ اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے جو بنی آدم کی شرمگاہوں کا پردہ ہے اور یہ عزت و کرامت بنی آدم کے لئے مخصوص ہے اور دوسرے موجودات کو عطا نہیں فرمائی گئی، لیکن مومنین اس نعمت کو بھی واجبات الٰہیہ کے ادا کرنے میں صرف کرتے ہیں اور تمہارا سب سے عمدہ لباس وہ ہے جو تمہیں یاد خدا سے غافل نہ کرے اور غیر خدا میں مشغول نہ کرے، بلکہ اس کے شکر و ذکر اور اطاعت سے قریب کردے۔ لہٰذا لباس کے اصل مادہ (میٹیریل) اور ہیئت (ڈیزائن) میں ایسی چیزوں سے پرہیز کرو جو حق تعالیٰ کے ساحت قدس سے غفلت اور دوری کا سبب ہو اور یہ جان لو کہ لباسوں میں، بلکہ تمام ہی عادی امور میں کچھ ایسے ہیں جو انسان کو حق سے غافل اور دنیا میں مشغول کرنے والے ہیں اور تمہارے کمزور دل میں برے اثرات چھوڑ جاتے ہیں اور خود پسندی، خودنمائی، فیشن پرستی، مفاخرت اور کبر و غرور میں مبتلا کرتے ہیں جو سب کے سب دین کے لئے آفتیں ہیں اور سنگدلی کا سبب۔

جب تم نے ظاہری لباس پہن لیا تو یاد کرو کہ حق تعالیٰ نے اپنی رحمت کے پردہ میں تمہارے گناہوں کو پوشیدہ کر دیا ہے اور جس طرح تم نے ظاہر کو لباس ظاہر سے ملبوس کیا ہے اسی طرح باطنی

---

[1] مصباح الشریعۃ، الباب السابع، فی اللباس

[2] سورۂ اعراف، آیت ۲۶

لباس سے غفلت نہ کرو اور اپنے باطن کو سچائی کے لباس سے آراستہ کرو اور چاہئے کہ اپنے باطن کو خوف و بیم کے پردہ میں اور اپنے ظاہر کو اطاعت کے پردہ میں رکھو اور فضل حق تعالیٰ سے عبرت حاصل کرو کہ لباس ظاہر عطا کر کے تم پر لطف و احسان کیا تا کہ اپنے ظاہری عیوب کو اس سے چھپاؤ اور توبہ و انابت کے دروازے تمہارے لئے کھول دیئے تا کہ باطنی شرمگاہوں یعنی گناہوں اور بداخلاقیوں کو چھپاؤ اور کسی کو رسوا نہ کرو۔ جیسا کہ خدا نے تمہاری ان چیزوں کو ظاہر کر کے تمہیں رسوا نہیں کیا جو اس سے بڑی اور بری ہیں۔ اپنے عیبوں پر نگراں رہو تا کہ اپنی اصلاح آپ کر سکو۔ جو چیزیں تمہاری مدد نہ کریں ان سے درگزر کرو۔ دوسروں کے لئے عمل کرنے میں اپنی عمر کو برباد کرنے سے بچتے رہو کہ تمہارے اعمال کا ثمرہ دوسروں کے نامہ اعمال میں لکھ دیا جائے اور تمہارے سرمایہ سے دوسرے لوگ تو تجارت کریں اور تم خود کو ہلاکت میں ڈال دو، کیونکہ اپنے گناہوں کو بھول جانا سب سے بڑی سزا ہے جس میں خدا انسان کو دنیا میں مبتلا کر دیتا ہے، کیونکہ اپنے نفس کی اصلاح کی طرف متوجہ نہیں ہو رہا ہے اور آخرت میں عذاب کے سب سے بڑے اسباب میں ہے اور جب تک بندہ اطاعت خدا میں مشغول رہتا ہے اور اپنے عیوب کو پہچاننے میں لگا رہتا ہے اور ان چیزوں کو ترک کئے رہتا ہے جو دین خدا میں عیب شمار ہوتی ہیں، اس وقت تک آفات سے محفوظ رہتا ہے اور اللہ کی رحمت کے دریا میں غوطہ زنی کرتا ہے اور حکمت و بیان کے موتی حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا ہے اور جب اپنے گناہوں کو فراموش کر بیٹھتا ہے اور اپنے عیوب سے بے خبر ہو جاتا ہے اور اپنی ہی قوت و طاقت پر اعتماد کئے رہتا ہے تو اس کے نجات پانے کا کوئی سوال نہیں اٹھتا۔

مقصد سوم

مکان مصلّی کے قلبی آداب

اس میں دو فصلیں ہیں

فصل اول

مکان کی معرفت

معلوم رہنا چاہئے کہ سالک الیٰ اللہ کے ارتقائے وجود کے کچھ مقامات ومراتب ہیں جن میں سے ہر ایک کے مخصوص آداب ہیں۔ جب تک سالک میں وہ سب پیدا نہ ہوجائیں گے اس وقت تک اہل معرفت کی نماز کو نہیں پاسکتا۔

ان میں ایک طبیعی ارتقاء اور ظاہری دنیاوی مرتبہ ہے جس کا مکان مادی زمین ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ: جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِداً وَطَهُوراً.[1]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور پاک کرنے والی قرار دی گئی۔

اس مرتبہ میں سالک کے لئے یہ ادب ہے کہ اپنے قلب کو سمجھائے کہ اس کا عالم غیب سے زمین پر آنا اور فرش خاکی سے کہیں زیادہ ارفع و اعلیٰ مقام کو چھوڑ کر یہاں اترنا اور احسن تقویم سے اسفل سافلین کی طرف واپسی اس لئے ہے تاکہ اختیار سے سلوک الی اللہ کی راہ تلاش کرے اور معراج قرب کی بلندیوں تک پہنچے اور ساحت الٰہی اور محضر ربوبیت کو پالے جو تخلیق کا مقصد اور اہل اللہ کی آخری منزل مقصود ہے۔

رحم اللّٰہ امرء أعد لنفسه و استعد لرمسه و علم من أين و فی أين و إلى أين؟

سالک کو معلوم رہنا چاہئے کہ وہ اللہ کے دار عزت و کرامت سے آیا ہے۔ اللہ کے دار عبادت میں رہ رہا ہے اور اللہ کے دار جزا میں اسے جانا ہے۔ عارف کہتا ہے: (من اللہ و فی اللہ و الیٰ اللہ)۔ لہٰذا سالک کو چاہئے کہ اپنے آپ کو

---

[1] وسائل الشیعہ، ج ۳، ص ۵۹۳، کتاب الصلاۃ، ابواب مایسجد علیہ، باب ۱، حدیث ۸

سمجھائے اور روح کو یہ ذائقہ چکھائے کہ یہ مادی گھر مسجد عبادت الٰہی ہے اور اسی مقصد کے لئے یہاں آیا ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ. [1]

میں نے جن وانس کو نہیں پیدا کیا مگر اس لئے کہ میری عبادت کریں۔

جب دار طبیعت کو مسجد سمجھ لے اور اپنے آپ کو یہاں حالت اعتکاف میں قرار دے لے تو آداب اعتکاف بجالاتے رہنا چاہئے اور ذکر حق کے علاوہ ہر چیز کا روزہ دار رہنا چاہئے اور عبودیت کی مسجد سے باہر نہیں آنا چاہئے سوائے حوائج ضروریہ کے اور جب حوائج ضروریہ سے فراغت حاصل ہو جائے تو پھر مسجد کی طرف واپس جائے اور خود کو غیر حق سے مانوس نہ ہونے دے۔ دوسری چیزوں میں دلچسپی نہ لے کہ یہ آداب اعتکاف کے خلاف ہے۔ عارف باللہ پر اس مقام میں ایسے حالات طاری ہوتے ہیں جو قلم سے ٹھیک ٹھیک بیان نہیں ہو سکتے اور چونکہ مؤلف فطرت انسانیت سے باہر اور مادیات کے تاریک وعمیق دریا میں غرق ہے اور تمام مقامات سالکان و عارفان کی حقیقت اور ان کا حق ادا کرنے سے عاجز ہے اس لئے بہت یہی ہے کہ اس سے زیادہ محضر حق و خاصان حق میں خود رسوانہ کرے اور اس مقام سے آگے بڑھ جائے اور درگاہ مقدس ذوالجلال میں اپنے نفس امارہ کا شکوہ کرے۔ شاید لفظ عمیم اور رحمت شاملہ دستگیری کرے اور بقیہ زندگی میں تلافی مافات ہو جائے۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ. [2]

پروردگارا! ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا پس اگر تم ہم کو نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم گھاٹا اٹھانے والوں میں ہو جائیں گے۔

مقام دوم: ظاہری اور باطنی قوتوں کا مرتبہ ہے جو نفس کی ملکی اور ملکوتی قوتوں کے لشکر ہی، جن کا محل طبیعت انسان کی زمین ہے۔ یعنی یہ پیکر و قالب خاکی سالک کے لئے اس مقام کا ادب یہ ہے کہ باطن قلب کو سمجھا جائے کہ زمین طبیعت خود مسجد ربوبیت اور لشکر رحمانی کی سجدہ گاہ ہے۔ لہٰذا مسجد کو ابلیسی تصرفات کی آلودگیوں سے گندہ نہ ہونے دے اور لشکر الٰہی کو شیطان کے اختیار میں نہ دے تاکہ زمین طبیعت نور رب کے اشراق سے روشن ہو جائے اور ساحت

---

[1] سورۂ ذاریات، آیت ۵۶

[2] سورۂ اعراف، آیت ۲۳

ربوبیت سے دوری کی ظلمت و کدورت سے باہر رہے۔ اس کے لئے اپنی ملکی اور ملکوتی قوتوں کو مسجد میں معتکف سمجھے اور جسم کے ساتھ مسجدیت کو نظر میں رکھتے ہوئے معاملہ کرے اور اپنی قوتوں کو یہ سوچتے ہوئے کام میں لائے کہ وہ ساحت الٰہی میں معتکف ہے اور اس مقام پر سالک کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے، کیونکہ اب مسجد کی صفائی اور اس کو پاک رکھنا بھی اسی کی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ اس اعتکاف کے آداب میں اس مسجد کی کفالت بھی شامل ہے۔

مقام سوم: قلب سالک کا غیبی مرتبہ ہے جس کا محل نفس کا بند غیبی برزخی ہے جو خود نفس کی تخلیقی قوت سے پیدا ہوتا ہے۔ سالک کے لئے اس مقام کا ادب یہ ہے کہ خود کو یہ محسوس کرادے کہ یہ مقام دوسرے مقامات سے فرق رکھتا ہے اور اس مقام کی محافظت سلوک کے اہم امور میں شامل ہے، کیونکہ قلب ہی معتکفان درگاہ کا امام ہے اور یہ فاسد ہو جائے تو سب فاسد ہو جائے گا۔

اذا فسد العالم، فسد العالم.[1]

جب عالم فاسد ہو جائے تو عالم فاسد ہو جاتا ہے۔

قلب عالم، عالم صغیر ہے اور عالم قلب، عالم کبیر ہے اور اس مقام پر سالک کی ذمہ داری ہے پہلے دو مکامات سے بہت زیادہ ہو جاتی ہے کیونکہ مسجد کی عمیر بھی اب سالک ہی کی ذمہ داری ہے اور ممکن ہے کہ خدانخواستہ اس کی مسجد، مسجد ضرار کی طرح کفر اور مسلمانوں کے درمیان تفریق بن جائے، لیکن سالک جب مسجد ملکوتی الٰہی کی تعمیر تصرف رحمانی کے ہاتھوں اور ولایت مآبی بازوؤں کی قوت سے کرے گا اور خود اس مسجد کو تمام شیطانی آلائشوں اور تصرفات سے پاک رکھے گا اور اس میں معتکف ہو جائے گا تو اب اس کے لئے لازم ہو گا کہ کوشش کرے کہ خود کو اس مسجد سے نکال کر صاحب مسجد کے ساحت قدس میں معتکف کرے اور جب خود سے علاقہ ختم ہو جائے اور خودی کی قید سے نکل آئے تو خود منزل گاہ حق بن جائے گا، بلکہ مسجد ربوبیت ہو جائے گا اور حق تجلیات فعلی، پھر تجلیات اسمائیہ اور پھر تجلیات ذاتیہ سے اس مسجد میں اپنی ثنا کرے گا اور یہ ثنا (نماز رب) ہے۔ وہ کہتا ہے:

سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ.[2]

سالک الی اللہ کے لئے تمام ہی مقامات میں ایک اور اہم ذمہ داری ہے جس سے غفلت کسی طرح جائز نہیں ہے، بلکہ سلوک کی غرض و غایت اور اس کا لب لباب یہی ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام حالات و مقامات میں ذکر حق سے غافل

---

[1] درسوگ امیر آزادی (ترجمہ مثیر الأحزان) / 44 / 10 - توجہ دادن بہ رسالت علم و عالم..... ص: 43

[2] الفقه المنسوب إلى الإمام الرضا عليه السلام / 11/137 باب صلاة الليل

نہ ہو اور تمام مناسک وعبادات سے اللہ کی معرفت حاصل کرے اور تمام مظاہر میں خدا کی جستجو کرتا رہے اور اس کی نعمت و کرامت کو صحبت وخلوت کسی بھی حال میں ترک نہ کرے کہ یہ استدراج کی ایک نوع ہے۔

الغرض، معرفت خدا ہی کو عبادات ومناسک کی روح اور انکا باطن سمجھے اور انہیں میں محبوب کو تلاش کرے تا کہ عاشقیت اور محبوبیت کا بیج دل میں مستحکم ہو جائے اور عنایات خفی اور واردات سری ہوتی رہیں۔

وصل:

فی المصباح الشریعة، قال الصادق علیہ السلام:

إِذَا بَلَغْتَ بَابَ الْمَسْجِدِ فَاعْلَمْ أَنَّكَ قَدْ قَصَدْتَ بَابَ مَلِكٍ عَظِيمٍ لَا يَطَأُ بِسَاطَهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ وَ لَا يُؤْذَنُ لِمُجَالَسَتِهِ إِلَّا الصِّدِّيقُونَ فَهَبِ الْقُدُومَ إِلَى بِسَاطِ هَيْبَةِ الْمَلِكِ فَإِنَّكَ عَلَى خَطَرٍ عَظِيمٍ إِنْ غَفَلْتَ.

فَاعْلَمْ أَنَّهُ قَادِرٌ عَلَى مَا يَشَاءُ مِنَ الْعَدْلِ وَ الْفَضْلِ مَعَكَ وَ بِكَ فَإِنْ عَطَفَ عَلَيْكَ بِرَحْمَتِهِ وَ فَضْلِهِ قَبِلَ مِنْكَ يَسِيرَ الطَّاعَةِ وَ أَجْزَلَ لَكَ عَلَيْهَا ثَوَاباً كَثِيراً.

وَ إِنْ طَالَبَكَ بِاسْتِحْقَاقِ الصِّدْقِ وَ الْإِخْلَاصِ عَدْلًا بِكَ حَجَبَكَ وَ رَدَّ طَاعَتَكَ وَ إِنْ كَثُرَتْ وَ هُوَ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ وَ اعْتَرِفْ بِعَجْزِكَ وَ تَقْصِيرِكَ وَ انْكِسَارِكَ وَ فَقْرِكَ بَيْنَ يَدَيْهِ

فَإِنَّكَ قَدْ تَوَجَّهْتَ لِلْعِبَادَةِ لَهُ وَ الْمُؤَانَسَةِ بِهِ وَ اعْرِضْ أَسْرَارَكَ عَلَيْهِ وَ لْتَعْلَمْ أَنَّهُ لَا يَخْفَى عَلَيْهِ أَسْرَارُ الْخَلَائِقِ أَجْمَعِينَ

وَ عَلَانِيَتُهُمْ وَ كُنْ كَأَفْقَرِ عِبَادِهِ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ أَخْلِ قَلْبَكَ عَنْ كُلِّ شَاغِلٍ يَحْجُبُكَ عَنْ رَبِّكَ فَإِنَّهُ لَا يَقْبَلُ إِلَّا الْأَطْهَرَ الْأَخْلَصَ انْظُرْ مِنْ أَيِّ دِيوَانٍ يُخْرَجُ اسْمُكَ فَإِنْ ذُقْتَ حَلَاوَةَ مُنَاجَاتِهِ وَ لَذِيذَ مُخَاطَبَاتِهِ وَ شَرِبْتَ بِكَأْسِ رَحْمَتِهِ وَ كَرَامَاتِهِ مِنْ حُسْنِ إِقْبَالِهِ عَلَيْكَ وَ إِجَابَتِهِ فَقَدْ صَلَحْتَ لِخِدْمَتِهِ

فَادْخُلْ فَلَكَ الْإِذْنُ وَ الْأَمَانُ وَ إِلَّا فَقِفْ وُقُوفَ مَنْ قَدِ انْقَطَعَ عَنْهُ الْحِيَلُ وَ قَصُرَ عَنْهُ الْأَمَلُ وَ قَضَى عَلَيْهِ الْأَجَلُ

فَإِنْ عَلِمَ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ مِنْ قَلْبِكَ صِدْقَ الِالْتِجَاءِ إِلَيْهِ نَظَرَ إِلَيْكَ بِعَيْنِ الرَّأْفَةِ وَالرَّحْمَةِ وَاللُّطْفِ وَوَفَّقَكَ لِمَا يُحِبُّ وَيَرْضَى

فَإِنَّهُ كَرِيمٌ يُحِبُّ الْكَرَامَةَ لِعِبَادِهِ الْمُضْطَرِّينَ إِلَيْهِ الْمُحْدِقِينَ عَلَى بَابِهِ لِطَلَبِ مَرْضَاتِهِ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى- أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ [1]

اور چونکہ یہ کلام شریف ایک جامع دستور ہے اصحاب معرفت اور ارباب سلوک کے لئے، اس لئے میں نے پورا کا پورا نقل کر دیا ہے تا کہ اس میں غور وفکر سے کوئی حال حاصل ہو۔

ارشاد امامؑ کا خلاصہ یہ ہے کہ

جب تم مسجد کے دروازے پر پہنچو تو ہوش رکھو کہ تم کس بارگاہ میں آئے ہو اور کون سی درگاہ کا ارادہ رکھتے ہو؟

نظر میں رکھو کہ تم اس عظیم الشان بارگاہ میں پہنچے ہو جس کے تقرب کی بساط تک کوئی قدم نہیں اٹھا تا مگر وہی جوار جاس عالم طبیعت اور اخباث شیطانیہ سے پاک و پاکیزہ ہو اور اس کے پاس جانے کی کسی کو اجازت نہیں ملتی مگر انہیں کو نہوں نے صدق وصفا وخلوص کے ساتھ ہر قسم کے شرک ظاہر و باطن سے دور ہو کر اس کی طرف قدم اٹھایا ہو۔ لہٰذا عظمت موقف اور ہیبت عزت وجلال الٰہی کو نظر میں رکھو۔ اس کے بعد بارگاہ قدس اور بساط انس برقدم رکھو۔ کیونکہ تم ایک عظیم حقیقی خطرہ سے دوچار ہو۔

باخبر باش کہ سرمی شکند دیوارش .[2]

اس کی بارگاہ میں وارد ہوئے ہو جو قادر مطلق ہے اور جو حکم چاہتا ہے اپنی مملکت میں جاری کرتا ہے۔ اگر

---

[1] مصباح الشریعہ، الباب الثانی عشر، فی دخول المسجد، اور حدیث کے آخر میں، سورۂ نمل: ۶۲

[2] ای کہ در کوچہ معشوقہ مامی گزری
باخبر (پر حذر) باش کہ سرمی شکند دیوارش
میرے محبوب کے کوچہ سے گزرنا
لیکن ہوش رکھنا کہ نہ دیوار سے سر ٹکرا جائے
حافظ شیرازیؒ

عدالت کا سلوک کرتا ہے، حساب میں مباحثہ کرتا ہے اور صدق وصفا کا مطالبہ کرتا ہے تو تم محجوب درگاہ ہوجاؤ گے۔ تمہاری عبادتیں کتنی ہی زیادہ ہوں رد ہوجائیں گی اور اگر اپنے فضل وکرم کے ساتھ نظر کرتا ہے تو تمہاری معمولی عبادت کو بھی قبول کرلے گا اور بہت زیادہ ثواب عطا کرے گا۔

اب جب تم عظمت موقف کو سمجھ چکے تو اپنے عجز وتقصیر اور فقر واحتیاج کا اعتراف کرو اور جب اس کی عبادت کی طرف متوجہ ہو چکے اور اس سے موانست کا خیال دل میں پیدا کر چکے تو اپنے دل میں غیر کا اشتغال وخیال نہ آنے دے جو جمال جمیل سے محجوب کر دیتا ہے، کیونکہ غیر سے اشتغال آلودگی اور شرک ہے اور خداوند عالم ہرگز قبول نہیں فرماتا مگر قلب پاکیزہ وخالص کو اور جب اپنے میں حق سے مناجات کی حلاوت اور ذکر خدا کی شیرینی محسوس کرو اور اس کے رحمت وکرامت کے ساغر سے سیراب ہو جاؤ اور حسن اقبال واجابت اپنے میں دیکھو تو سمجھ لو کہ اس کی بارگاہ مقدس کے لائق ہو گئے اور اب محضر قدس میں جاسکتے ہو، کیونکہ تم کو اذن مل گیا اور امان حاصل ہو چکی اور اگر اپنے میں یہ حالات نظر نہ آئیں تو اس کی درگاہ رحمت میں ٹھہرے رہو اس مضطر ومجبور کی طرح جس کے لئے چارہ وتدبیر کی راہیں بند ہیں اور وہ آرزوئیں پوری ہونے سے مایوس اور موت سے نزدیک ہو چکا ہے۔ جب اپنی ذلت ومسکنت کو پیش کرو گے اور اس کی درگاہ میں پناہ حاصل کرلو گے اور وہ تمہارے اندر صدق وصفا دیکھے گا تو رحمت ومہربانی کی نظر سے تم کو نوازے گا اور تمہاری دستگیری کرے گا اور تم کو اپنی رضا حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا، کیونکہ وہ ذات مقدس صاحب کرم ہے اور اپنے مجبور بندوں کے لئے کرامت کو دوست رکھتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ [1]

کون ہے جو مضطر وبے قرار کی دعا وپکار کو قبول کرتا ہے۔ جب وہ اسے پکارتا ہے؟

---

[1] سورۂ نمل: ۶۲

فصل دوم

اباحت مکان کے بعض آداب

سالک الی اللہ جب مکان کے مراتب کو مقامات ونشئات وجودیہ کی مناسبت سے سمجھ چکا تو ان کی اباحت کے آداب بجالانے کی کوشش کرنا چاہئے تاکہ اس کی نماز شیطان کے غاصبانہ تصرفات سے محفوظ رہے۔ اس کے لئے پہلے عبادت و بندگی کے آداب صوری بجالائے اور عالم ذر اور یوم میثاق میں خدا سے کئے ہوئے اپنے عہد کو پورا کرے اور ابلیس کے دست تصرف کو اپنے ملک طبیعت سے دور کرے تاکہ صاحب خانہ سے علاقہ اور محبت پیدا کر سکے اور عالم طبیعت میں بندہ کے تصرفات غاصبانہ نہ رہ جائیں۔ بعض اہل ذوق کا کہنا ہے کہ آیۂ شریفہ "يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۭ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ"[1] (اے ایمان والو! جو عہد و پیمان تم نے کئے ہیں انہیں پورا کرو، چوپائے تمہارے لئے حلال کئے گئے ہیں) کے معنی باطن کیا اعتبار سے یہ ہیں کہ چوپایوں کا حلال ہونا عہد ولایت پورا کرنے پر موقوف ہے اور احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے کہ ساری زمین امامؑ کی ہے اور ان کے دوستوں کے علاوہ سب اس پر غاصبانہ قبضہ کئے ہوئے ہیں۔[2]

اور اہل معرفت ولی امر کو وجود کے تمام ممالک اور غیب وشہود کے تمام مدارج کا مالک سمجھتے ہیں اور بے اذن امامؑ اس پر کسی کے تصرف کو جائز نہیں سمجھتے۔

---

[1] سورۂ مائدہ، آیت ۱

[2] اصول کافی، ج ۲، ص ۲۶۶، کتاب الحجہ، روایات، باب ان الارض کلہا للامامؑ

مؤلف کہتا ہے: ابلیس ملعون، اللہ کا دشمن ہے اوراس کا تصرف اوراس کے علاوہ کسی کا بھی ابلیسی تصرف عالم طبیعت پر غاصبانہ اورظالمانہ ہے۔تو اگر سالک الی اللہ خود کو اس ملعون کے تصرفات سے باہر نکال لے تو اسکے تصرفات رحمانی ہو جائیں گے۔مکان،لباس، غذا اورنکاح مباح اور پاک ہوجائے گا اورجس حد تک بھی تصرف ابلیس ہوگا اسی قدر حلیت سے باہر ہوگا اورشرک شیطان کی اس میں دست اندازی شامل ہوگی۔اب اگر انسان کے ظاہری اعضاء شیطانی تصرف میں ہوئے تو یہ اعضاء ابلیسی اعضاء ہوں گے اورمملکت حق کے غاصب۔اسی طرح مسجد بدن میں ملکوتی قوتوں کا رہنا اس وقت مباح اورعادلانہ ہے جب یہ قوتیں رحمانی لشکر میں ہوں۔ورنہ ابلیسی لشکر کو بدن انسانی کی مملکت میں جوحق تعالیٰ کی ملکیت ہے تصرف کا حق نہیں ہوسکتا،لیکن جب شیطان کے دست تصرف کومملکت قلب سے جوحق تعالیٰ کی خاص منزل گاہ ہے روک دے گا اوراپنے قلب کوتجلیات حق کے لئے خالص کردے گا اورغیر حق کو جو ابلیس کا راستہ ہے دل میں راہ نہ دے گا تو اس کے لئے ظاہری وباطنی مسجدیں اورملکی وملکوتی مکان سب مباح ہو جائیں گے اوراس کی نماز اہل معرت کی نماز ہوجائے گی۔اس موازنہ سے طہارت مسجد بھی معلوم ہوگئی۔

قَالَ الْاِمَامُ الصَّادِقُ علیہ السلام:

ثَلَاثٌ مَّنْ كُنَّ فِيْهِ فَهُوَ مُنَافِقٌ وَّاِنْ صَامَ وَ صَلّٰى مَنْ اِذَا حَدَّثَ كَذِبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا ائْتُمِنَ خَانَ۔ [1]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

جس کے اندر یہ تین (۳) صفتیں موجود ہوں وہ منافق ہے

چاہے وہ روزہ رکھے اور نماز بھی پڑھے وہ یہ ہیں:

۱۔ کچھ کہے تو جھوٹ بولے۔

۲۔ جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔

۳۔ جب اس پر اعتماد کیا جائے تو امانت میں خیانت کرے۔

---

[1] تحف العقول: ص ۲۲۹

مقصد چہارم

وقت کے قلبی آداب

اور اس میں دو فصلیں ہیں

فصل اول

اصحاب معرفت اوراوقات عبادت

معلوم رہے کہ اہل معرفت اوراصحاب مراقبہ مقام مقدس ربوبیت کی معرفت کے بقدر اور مناجات باری تعالیٰ کے شوق کی مناسبت سے اوقات نماز کی جو مناجات کا میقات اور حق سے ملاقات کی وعدہ گاہ ہے، مراعات ومحافظت کرتے آئے ہیں۔

وہ لوگ جو جمال جمیل میں مجذوب اورحسن ازل کے چاہنے والے ہیں اورجام محبت سے سرمست اور پیمانہ الست سے بے خود ہیں، دونوں جہانوں سے چھٹکارہ حاصل کر کے اور اقالیم و جود سے صرف نظر کر کے جمال الٰہی کی عزت قدس سے لولگائے ہوئے ہیں۔

وہ ہرلمحہ محضر قدس ہیں اور ذکر وفکر اور مشاہدہ ومراقبت سے دورنہیں رہتے۔

اور وہ لوگ جو اصحاب معارف اورارباب فضائل ہیں

اورشریف النفس اور کریم الطبع ہیں

مناجات حق کے مقابلہ میں کسی چیز کو اختیار نہیں کرتے

اورخلوت ومناجات حق سے خود حق کے طالب ہیں

اورسارے عزوشرف اورفضیلت ومعرفت کو ذکر الٰہی اورمناجات حق میں پوشیدہ جانتے ہیں۔

یہ حضرات اگر عالم کی طرف دیکھتے اور کونین پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کی نظر عارفانہ نظر ہوتی ہے اور عالم میں حق کی جستجو وطلب کرتے ہیں۔ وہ تمام موجودات کو جلوۂ حق اور تجلی جمال جمیل سمجھتے ہیں۔

عاشقم برہمہ عالم کی ہمہ عالم ازاوست [1]

یہ لوگ جان و دل سے اوقات نماز کی پابندی کرتے ہیں اور حق سے مناجات کے وقت کا انتظار کیا کرتے ہیں اور خود کو میقات حق میں حاضر ہونے کے لئے تیار رکھتے ہیں۔ ان کا دل حاضر ہے اور محضر ہی سے حاضر کو طلب کرتے ہیں اور حاضر کے لئے محضر کا احترام کرتے ہیں۔ عبودیت ان کے نزدیک کامل مطلق سے معاشرت و مراودت کا نام ہے۔ عبادت کی طرف ان کا اشتیاق اسی وجہ سے ہے۔

اور وہ لوگ جو غیب اور عالم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور کرامات حق تعالیٰ کے شیفتہ ہیں، وہ جنت کی ابدی نعمتوں اور دائمی لذتوں اور مسرتوں میں دنیا کی محدود لذتوں اور اس کی ناقص اور وقتی مسرتوں کا شائبہ نہیں پیدا ہونے دیتے۔ نیز عبادات کے وقت، جو نعمات آخرت کا بیج ہے، اپنے دلوں کو حاضر رکھتے ہیں اور ذوق وشوق کے ساتھ حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور اوقات نماز کا جو نتائج کے حصول اور ذخائر آخرت جمع کرنے کا وقت ہے، انتظار کرتے رہتے ہیں اور نعمات جاودانی کے مقابلہ میں کسی اور چیز کو اختیار نہیں کرتے۔ یہ حضرات بھی، چونکہ انکا قلب عالم غیب سے باخبر ہے اور آخرت کی نعمات جاودانی اور لذات دائمی پر دل سے ایمان رکھتے ہیں، اس لئے وقت کو غنیمت سمجھتے ہیں اور تضییع اوقات نہیں کرتے۔

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ.

یہی لوگ بہشتی ہیں جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

یہ سب گروہ جن کا ذکر کیا گیا اور بعض دوسرے گروہ جن کا ذکر نہیں کیا گیا ہے ان کے لئے ان کے مراتب ومعارف کے اعتبار سے عبادتیں خود لذتیں ہیں اور تکلیفات شرعیہ سے وہ کسی طرح بھی کلفت نہیں محسوس کرتے، لیکن ہم بے چارے آرزوؤں اور تمناؤں میں گرفتار اور نفسانی خواہشات کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے اور عالم طبیعت کے گہرے تاریک سمندر میں ڈوبے ہوئے ہیں اس لئے عبادات الٰہیہ کو مصیبت وکلفت اور قاضی الحاجات سے مناجات کو

---

[1] بہ جہان خرم از آنم کہ جہان خرم از اوست
عاشقم برہمہ عالم کہ ہمہ عالم از اوست
سعدیؒ

میں طرب میں ہوں کہ عالم میں طرب اس کا ہے
اس لئے سب پہ میں عاشق ہو کہ سب اس کا ہے

بارسر اور زحمت سمجھتے ہیں، کیونکہ نہ ہماری روح کے داغ میں بوئے عشق ومحبت پہنچی ہے اور نہ ہمارے کام و دہان قلب نے عرفان وفضیلت کا ذائقہ چکھا ہے۔ دنیا کے سواء جو جانوروں کی چارگاہ ہے، کسی چیز سے دلچسپی نہیں رکھتے اور دار طبیعت کے سواء جو ظالموں کی منزل گاہ ہے، کسی شے سے علاقہ نہیں رکھتے۔ ہمارے قلب کی چشم بصیرت جمال جمیل کو دیکھنے سے عاجز ہے اور روح ذوق عرفان کا ذائقہ چکھنے سے محروم ہے۔

ہاں! حلقہ اہل معرفت کے میر محفل اور اصحاب محبت وحقیقت کے سید وسردار کا کہنا ہے کہ

أَبِيتُ عِنْدَ رَبِّي وَيُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِي [1]

میں اپنے پروردگار کے پاس شب بسر کرتا ہوں، وہی مجھے سیر کرتا ہے اور وہی سیراب کرتا ہے۔

خدایا! یہ کیسی شب بسری تھی جو خلوت انس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تیرے ساتھ حاصل تھی اور کون سی آب و غذا تھی جو تو نے اپنے ہاتھ سے اس ذات عظیم کو عطا کر کے ہر شے سے بے نیاز کر دیا۔ اسی ذات مقدس کو سزا وار ہے کہ فرمائیں

لِي مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ لَا يَسَعُهُ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَل [2]

میرے لئے خدا کے ساتھ ایک وقت ہے جس تک نہ کوئی ملک مقرب پہنچ سکتا ہے نہ نبی مرسل۔

کیا یہ وقت عالم دنیا وآخرت کے اوقات میں سے ہے؟ یا خلوت گاہ قاب قوسین وطرح الکونین (معراج) سے ہے؟ چالیس روز موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے صوم موسوی رکھا تب میقات حق میں پہنچے اور خدا نے فرمایا:

فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً. [3]

پس ان موسیٰ ؑ کی وعدہ گاہ کا وقت چالیس روز کا پورا ہو گیا۔

---

[1] مناقب آل أبي طالب علیہم السلام (لابن شہر آشوب) / ج 1 / 214 / فصل فی اللطائف ..... ص: 213۔ صحیح بخاری، ج ۴، کتاب التمنی، ص ۲۵۱، مولانا رومی مثنوی میں کہتے ہیں:

چوں، ابیت عند ربی، فاش شد
یطعم و سیقی، پے این آش شد

[2] غوالی اللئالی، ج ۴، ص ۷، حدیث ۷، بحار الانوار، ج ۱۸، ص ۳۶۰، کتاب تاریخ النبیؐ، باب اثبات المعراج

[3] سورۂ اعراف، آیت ۱۴۲

اس کے باوجود میقات محمدیؐ تک نہ پہنچ سکے اور وقت احمدیؐ سے تناسب پیدا نہ کر سکے۔ موسیٰ علیہ السلام کو میعاد گاہ میں "فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ"[1] (اپنی نعلین اتار دو) کا حکم ہوا اور ان کے لئے (محبت اہل) کو نعلین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مگر رسول ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبت علیؑ کا حکم دیا گیا۔!!

میرے قلب میں اس سر الٰہی کی ایک ایسی چنگاری روشن ہے جس کو میں بیان نہیں کر سکتا۔ آپ خود ہی اس اجمال سے تفصیل کو پڑھ لیں۔

---

[1] سورہ طٰہٰ، آیت ۱۲

فصل دوم

وقت کی پابندی

اے عزیز! جس قدر ممکن ہو اور آپ کے مقدور میں ہو، آپ بھی مناجات کے اس وقت کو غنیمت جانئے اور اس کے قلبی آداب بجالایئے اور اپنے دل کو سمجھایئے کہ آخرت کی ابدی زندگی کا سرمایہ اور نفسانی فضائل کا سرچشمہ اور لامحدود کرامتوں کا راس المال حق تعالیٰ کے ساتھ موانست ومحبت اور اس سے مناجات ہے، خصوصا نماز جو جلال و جمال حق کے ہاتھوں سے بنا ہوا ایک روحانی معجون ہے اور تمام عبادات میں سب سے زیادہ جامع اور کامل ہے۔ لہٰذا امکان بھر اوقات نماز کی محافظت کیجئے اور اوقات فضیلت میں اس کی ادائیگی کی عادت ڈالئے، کیونکہ اس میں ایسی نورانیت ہے جو دوسرے اوقات میں نہیں ہے۔ اپنے قلب اشتغالات کو ایسے اوقات میں کم کر دیا کیجئے، بلکہ ختم ہی کر دیا کیجئے۔ یہ بات تب پیدا ہوگی جب آپ اپنے اوقات کو منظم و معین رکھیں گے اور نماز کے لئے جو آپ کی حیات ابدی کی ذمہ دار ہے، ایک ایسا خاص وقت معین کریں گے جس میں نماز کے سوا کوئی دوسرا کام نہ ہو اور قلب کو کسی اور چیز سے تعلق نہ ہو اور نماز کو دوسرے امور میں خارج نہ سمجھیں تا کہ قلب حاضر اور پرسکون رہے۔

اب ہم احوال معصومین علیہم السلام کے بارے میں احادیث کا بہ قدر ضرورت ذکر کرتے ہیں تا کہ ان عظیم شخصیتوں کے حالات پر غور کرنے کا موقع ملے، بلکہ ایک وارننگ ملے اور شاید قلب کو اس موقف کی عظمت و اہمیت اور اس مقام کے خطرات کا احساس ہو سکے اور خواب غفلت سے ہوش میں آئے۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض ازواج سے مروی ہے کہ (رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے باتیں کرتے تھے اور ہم ان سے باتیں کرتے تھے، جب نماز کا وقت آتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے نہ وہ ہم کو پہنچانتے ہیں اور نہ ہم ان کو۔ اس

اشتعال کی وجہ سے جو خدا سے پیدا ہو جاتا)[1]

اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں روایت ہے کہ (جب وقت نماز آتا تھا تو آپؑ مضطرب ہو جاتے تھے اور آپؑ کے بدن میں لرزہ پیدا ہو جاتا تھا۔ حضرتؑ سے پوچھا گیا کہ: یا امیر المومنینؑ آپؑ کی یہ حالت کیوں ہے؟ فرماتے تھے: اس امانت کی ادائیگی کا وقت آ گیا جو خدائے تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں پر پیش کی اور انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے خائف ہو گئے۔[2]

اور سید ابن طاووسؒ نے کتاب (فلاح السائل) میں نقل کیا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام جب وضو کرتے تھے تو آپؑ کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا اور آپؑ کے جوڑ بند کانپنے لگتے تھے۔ اس کا سبب آپؑ سے پوچھا، تو فرمایا: اس شخص کے لئے یہی مناسب ہے کہ اس کا رنگ بدل جائے اور جوڑ جوڑ کانپنے لگے جو صاحب عرش کی بارگاہ میں کھڑا ہو۔[3]

اور حضرت امام حسن علیہ السلام کے بارے میں بھی یہی منقول ہے۔[4]

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے بارے میں روایت ہے (جب وضو کا وقت ہوتا تھا تو آپؑ کا رنگ زرد ہو جاتا تھا۔ عرض کیا گیا: یہ کیسی حالت ہے جو وضو کے وقت آپ پر طاری ہو جاتی ہے؟ آپؑ فرماتے تھے: کیا تم نہیں جانتے کہ میں کس کے سامنے کھڑا ہوں؟[5]

ہم بھی اگر تھوڑا غور کریں اور اپنے قلب محجوب و مہجور کو سمجھائیں کہ اوقات نماز حضرت ذوالجلال کی بارگاہ قدس میں حاضری کے اوقات ہیں جو مالک الملک اور عظیم مطلق حق تعالیٰ نے اپنی بارگاہ میں حاضری کے لئے مخصوص کئے ہیں اور بندۂ کمزور وضعیف کو اپنی مناجات کے لئے بلایا ہے اور اپنے خانہ عزت وکرامت میں حاضری کی اجازت دی ہے تا کہ ابدی سعدتوں اور دائمی مسرتوں کو حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کریں۔ ہم نماز کا وقت داخل سے اپنی معرفت کے موافق بہجت و سرور کا احساس ضرور کرتے ہیں، لیکن اگر قلب کو اس مقام کی عظمت اور اس کے خطر و خوف کا شعور ہو جائے تو جتنا عظمت کو سمجھ لیں گے اسی قدر خوف خدا وخشیت الٰہی حاصل ہو گی اور چونکہ اولیاء اللہ کے قلوب مختلف اور ان کے حالات متفاوت ہیں اس لئے تجلیات لطفیہ وقہریہ اور عظمت و رحمت کے استشعار کے مطابق کبھی ان کو شوق ملاقات

---

[1] مستدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ، باب ۲، حدیث ۱۷

[2] مستدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ، باب ۲، حدیث ۵، ۱۴

[3] سید ابن طاووسؒ نے کتاب، فلاح السائل، میں کتاب، الؤلؤیات، دراحوال امام حسن بن علی علیہم السلام سے نقل کیا ہے

[4] بحار الانوار، ج ۷۷، ص ۳۴۶، کتاب الطہارۃ، ابواب الوضوء، باب ۳۴، حدیث ۳۴، نقل از، فلاح السائل

[5] مستدرالوسائل، کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ، باب ۲، حدیث ۳۵

اور استشعار رحمت و جمال بہجت و مسرت سے دو چار کرتا ہے اور وہ (ارحنا یا بلال)[1]

کہتے ہیں اور کبھی تجلیات عظمت وقہر وسلطنت ان کو خود سے بے خود بنا دیتا ہے اور وہ کانپ جاتے ہیں۔

الغرض، اے ناتواں اوقات کے آداب قلبی یہ ہیں کہ خود کو مالک دنیا و آخرت کے حضور میں جانے اور حق تعالیٰ سے خطاب اور کلام کے لئے تیار کرو۔ اس کے لئے اپنی ناتوانی و بے چارگی اور ذلت و بے نوائی پر ایک نظر ڈالو اور ایک نظر اس ذات مقدس حق تعالیٰ کی عظمت و بزرگی اور جلال و کبریائی پر کرو جس کی بارگاہ میں انبیائے مرسلین اور ملائکہ مقربین خود سے بے خود ہو جاتے ہیں اور اپنی عاجزی اور ذلت و مسکنت کا اعتراف کرتے ہیں۔ جب یہ نظر کو لو گے اور اپنے دل کو سمجھا لو گے تو دل میں خوف کا احساس پیدا ہوگا اور خود کو اور اپنی عبادتوں کو ناچیز سمجھے گا اور ایک نظر اس ذات مقدس کی رحمت اور کمال مہربانی کی وسعت اور رحمانیت کی ہمہ گیری پر بھی نظر ڈالو کہ اس نے اپنے ایک حقیر و ناچیز بندہ کو تمام آلودگیوں اور کمزوریوں کے باوجود اپنی پاک و پاکیزہ بارگاہ میں آنے کی اجازت دی ہے اور اسے ملائکہ کو بھیج کر کتابیں نازل کر کے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی بعثت سے معزز فرما کر اپنی مجلس انس میں آنے کی دعوت دی ہے۔ حالانکہ خود بے چارے ممکن میں وہاں جانے کی کوئی استعداد نہیں ہے اور اس دعوت و حضور سے خود اس کو، معاذ اللہ، یا اس کے مالائکہ اور انبیاء علیہم السلام کے لئے کوئی فائدہ متصور نہیں ہوتا۔ البتہ قلب کو اس توجہ سے ایک انس حاصل ہوتا ہے اور اسے رجاء و امید کی ایک غیبی روشنی ملتی ہے۔ لہٰذا خود کو خوف و بیم اور رجاء و رغبت کے قدموں سے حاضری کے لئے تیار کرنا چاہئے اور حاضری کی مقدار و معیار دونوں کو فراہم کرنا چاہئے۔ جن میں سب سے عمدہ یہ ہے کہ شرمسار دل، خوفزدہ قلب، انکسار و ذلت اور ضعف و بے چارگی کا احساس لئے ہوئے وارد محضر ہو اور خود کو کسی طرح سے بھی لائق محضر اور لائق عبودیت نہ سمجھے اور عبادت و عبودیت کے لئے حضرت احدیت کے لطف عام و فضل تام کو اذن دخول سمجھے، کیونکہ اگر اپنی ذلت کو اپنا نصب العین بنائے اور ذات حق کے لئے دل و جان سے تواضع کا مظاہرہ کرے اور اپنے کو اور اپنی عبادت کو ناچیز اور بے قیمت سمجھے تو حق تعالیٰ کا لطف شامل حال ہوگا اور وہ تمہیں رفعت و بلندی عطا فرمائے گا اور خلعت کرامت سے سرفراز فرمائے گا۔ (آمین یارب العالمین)

---

[1] الحجہ البیاضاء فی تہذیب الاحیاء، ج ۱، ص ۳۷۷، اور مولانا رومی، مثنوی میں کہتے ہیں:

جان کمال است وندائے اوکمال
مصطفیٰ گویان، ارحنا یا بلال — مولانا رومیؒ

جان کمال، اس کی ندا بھی ہی کمال
کہتے ہیں احمدؐ، ارحنا یا بلال

مقصد پنجم

استقبال کے بعض آداب

اس میں دو فصلیں ہیں

فصل اول

استقبال کے مجموعی آداب

معلوم رہے کہ استقبال ظاہری طور پر دو چیزوں کا مجموعہ ہے:

ایک مقدمی، یعنی تشتت و انتشار پیدا کرنے والی تمام جہتوں سے ظاہری رخ ہٹالینا۔

دوسری نفسی، یعنی چہرہ کعبہ کے سامنے رکھنا جو ام القریٰ اور فرش زمین کا مرکز ہے۔

اس صورت کا ایک باطن اور باطن کا ایک سر، بلکہ اسرار ہیں اور صاحبان اسرار غیبیہ باطن روح کو غیب وشہادت کی کثرتوں کی تشتت و انتشار پیدا کرنے والی جہتوں سے منصرف کرتے ہیں اور سر روح کے رخ کو احدی التعلق (ایک ہی سے تعلق) کرتے ہیں اور تمام کثرتوں کو سر احدیت جمع میں فانی کر دیتے ہیں۔ یہ سر روحی جب قلب میں اتر جاتا ہے تو حق تعالیٰ اسم اعظم میں فانی و مضمحل ہو جاتی ہے۔ اس مقام پر قلب کا رخ اسم اعظم کے حضور میں ہوتا ہے اور باطن سے جب ظاہر ملک میں ظہور کرتا ہے تو غیر حق کو فانی کر دینے کا نقشہ عالم ملک کے شرق وغرب سے روگردانی ہے اور جمع کے حضور کی طرف توجہ کا نقشہ بساط ارض کے مرکز جو زمین میں ید اللہ ہے، کی طرف توجہ ہے۔

لیکن سالک الی اللہ کے لئے، جو ظاہر سے باطن کی طرف سیر کر رہا ہے اور علم سے سر کی طرف ترقی کر رہا ہے، ضروری ہے کہ برکات ارضی کی طرف اس صوری توجہ کو اور متفرق جہات کے ترک کو حالات قلبیہ کا وسیلہ قرار دے اور بے معنی صورت ہی پر قناعت کر کے نہ رہ جائے، بلکہ دل کو جو حضرت حق کی توجہ کا مرکز ہے، متفرق جہات سے جو اصلی بات ہیں، موڑ کر قبلہ حقیقت کی طرف لگائے جو برکات آسمان وزمین کی اصل وبنیاد ہے، غیر وغیرت کی راہ ورسم کو بیچ میں

نہ آنے دے تا کہ کسی حد تک۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ [1] (میں نے اپنا رخ اس کی طرف کیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا) کے راز تک پہنچے۔

عالم غیب اسمائی کے تجلیات وانوار سے اسکے دل کو ایک نمونہ مل جائے، مختلف جہات اور متفرق کثرات برق الٰہی سے خاکستر ہو جائیں اور حق تعالیٰ کی طرف سے اس کی دستگیری ہو اور باطن قلب سے چھوٹے بڑے بت دست ولایت مآبی سے شکستہ ہو کر گر جائیں، چونکہ اس داستان کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اس لئے ہم اسی پر اکتفا کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

---

[1] سورہ انعام، آیت ۷۹

فصل دوم

استقبال کے بعض قلبی آداب

اے سالک الی اللہ! جب اپنے چہرہ ظاہر کو آپ عالم کی متفرق جہتوں سے موڑ چکے اور ایک نقطہ کی طرف توجہ کر چکے تو اللہ کی فطرتوں میں سے دو فطرتوں کا آپ نے دعویٰ کیا جو دست غیب نے آپ کی ذات کے خمیر میں پنہاں کی ہیں اور اللہ نے اپنے دست جمال و جلال سے آپ کی طینت کو انہیں سے خمیر کیا ہے اور ان دو فطری حالتوں کو آپ نے ظاہری و دنیاوی صورت میں ظاہر کیا اور ان دو الٰہی فطرتوں کے نور سے محجوب نہ ہونے کا ثبوت پیش کیا کہ ظاہر کو غیر سے ہٹا کے قبلہ کی طرف توجہ کی جو دست خدا اور قدرت خدا کا محل ظہور ہے۔

وہ دو الٰہی فطرتیں، ایک نقص و ناقص سے برائت، دوسرے کمال و کامل سے عشق' ہیں اور یہ دونوں جن میں ایک اصلی ذاتی اور دوسری تبعی ظلی ہے۔ ان فطرتوں میں ہیں جن سے بلا استثناء تمام افراد بشر کا خمیر ہوا ہے اور تمام سلسلہ ہائے بشری میں یہ دو فطرتیں موجود ہیں، چاہے وہ عقائد اور اخلاق اور طبیعت و مزاج میں مختلف ہوں یا جگہ اور عادات کے اعتبار سے جیسے دیہاتی اور شہری، وحشی اور متمدن، عالم اور جاہل، مذہبی اور مادہ پرست اور چاہے خود ان فطرتوں سے محجوب ہوں کہ کمال و نقص اور کامل و ناقص کی تشخیص میں اختلاف کریں۔

ایک خونخوار وحشی اور آدم کش انسان ایس کو کمال سمجھتا ہے کہ لوگوں کی جان اور ان کی عزت نفس پر غلبہ کرے۔ وہ خونخواری و آدم کشی ہی کو کمال سمجھتا ہے اور اسی میں ساری زندگی گزار دیتا ہے اور دنیا طلب اور حب جاہ و مال رکھنے والا جاہ و مال کو کمال سمجھتا ہے اور اسی کا دلدادہ ہے۔ مختصر یہ کہ جس کا جو مقصد ہوتا ہے وہ اپنے اسی مقصد کو کمال اور جو اس میں کامیاب ہوا سے کامل سمجھتا ہے اور اس سے عشق رکھتا ہے اور اس کے غیر سے متنفر ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور علمائے ربانی

اورارباب معرفت اس لئے آئے تا کہ لوگوں کو حجاب سے نکالیں اوران کے نور فطرت کو جہالت کے اندھیروں سے نجات دلائیں اوران کو کمال وکامل کے معانی سمجھائیں، کیونکہ اگر یہ مشخص ہو جائے کہ کمال کیا ہے اور کامل کیا ہے تو اس کی طرف توجہ دلانے اور غیر (نقص اور ناقص) کو ترک کرانے کے لئے دعوت وتبلیغ کی احتیاج نہیں رہتی، کیونکہ نور فطرت خود سب سے بڑا الٰہی راہنما ہے جو تمام انسانی طبقات میں موجود ہے۔

اس الٰہی معجون، یعنی نماز، میں جو قرب الٰہی کی معراج ہے، استقبال قبلہ اور ایک مرکزی نقطہ کی طرف توجہ اورمتفرق سمتوں سے روگردان ہونا اور ہاتھ کھینچ لینا فطرت کے بیدار ہونے اورحجابوں سے نور فطرت کے باہر آنے کا دعویٰ ہے۔ یہ کاملین اوراہل معرفت کے لئے حقیقت کا درجہ رکھتا ہے اورہم اہل حجاب کے لئے اس کا ادب یہ ہے کہ ہم اپنے دل کو یہ سمجھائیں کہ تمام دار وجود میں کامل علی الاطلاق کی ذات پاک کے سوا کوئی کمال و کامل نہیں ہے۔ وہی ذات مقدس ایسا کمال ہے جس میں کوئی نقص نہیں اور ایسا جمال ہے جس میں کوئی عیب نہیں، ایسی فعلیت ہے جس میں کسی قسم کا شائبہ نہیں۔ ایسی وقت خیر ہے جس میں شر کی گنجائش نہیں۔ ایسا نور ہے جس میں ظلمت کے لئے راہ نہیں اور تمام دار وجود میں جو کچھ کمال و جمال، خیر وعزت، عظمت ونوریت اور فعلیت وسعادت پائی جاتی ہے، سب اسی ذات مقدس کے نور جمال کا فیض عام ہے۔ کوئی بھی اس ذات پاک کے ذاتی کمال میں شریک نہیں ہے اور کسی بھی موجود میں جو کچھ جمال و کمال اورنور وبہاء ہے وہ اسی کے جمال وکمال اورنور و بہاء سے ہے۔ مختصر یہ کہ اس کے جمال مقدس کا جلوۂ نور ہی عالم کو نورانی بنائے ہوئے ہے اور اسی نے اسے حیات اورعلم و قدرت بخشی ہے۔ ورنہ سارا عالم وجود عدم کی ظلمت، فنا کے پردے اور بطلان کی گہرائیوں میں چلا جاتا، بلکہ جس کا دل اس کی معرفت کے نور سے روشن ہے وہ بھی جمال جمیل کے نور کے علاوہ ہر چیز کو ازل سے ابد تک باطل و ناچیز اورمعدوم سمجھے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب لبید شاعر کا یہ شعر سنا کہ:

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلِ
وَ كُلُّ نَعِيمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلِ[1]

ہوشیار ہو خدا کے سوا ہر شے باطل ہے اور ہر نعمت کا زائل ہونا ناگزیر ہے۔

---

[1] بحار الأنوار (ط - بیروت) / ج 22 / 267 / باب 5 أحوال عشائره وأقرباءه وخدمه ومواليه لا سيما حمزة وجعفر والزبير وعباس وعقيل زائدا على ما مر في باب نسبه ص..... ص: 247

آپؐ نے فرمایا: اہل عرب نے جتنے شعراب تک کہے ہیں یہ شعران میں سب سے زیادہ سچا ہے،[1]

جب تم اپنے قلب کو سارے داروجود کا باطل ہونا اورذات مقدس کا کامل ہونا سمجھا تو اب اپنے قلب کا رخ قبلہ حقیقی اورجمیل مطلق کے عشق کی طرف موڑ نے اورجلوہ ذات مقدس کے علاوہ تمام داروجود سے نفرت دلانے کے لئے فکری اعمال کی احتیاج نہیں ہے، بلکہ خود اللہ کی بنائی ہوئی فطرت انسان کو فطری اورجبلی دعوت دے گی اور "وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ"[2] (ہرطرف سے ہٹ کر اپنا رخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اورزمین کو پیدا کیا ہے) انسان کی لسان ذات وقلب اورزبان حال بن جائے گی اور "لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ"[3] (غروب کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہوں) انسان کی فطری زبان ہوجائے گی۔

لہٰذا اے فقیر! یاد رہے کہ عالم کا وجود وعدم برابر ہے۔ یہ زوال پذیر، روبہ فنا اور باطل ہے۔ کسی موجود کے پاس اسکے اپنی کوئی چیز نہیں ہے۔ اس کی ذات میں کوئی جمال و بہا اورکوئی نور وضیا نہیں ہے، بلکہ جمال و بہا ذات حق کے لئے مخصوص ہے اوروہ ذات پاک جس طرح الوہیت اورواجب الوجود ہونے میں متفرد ہے اسی طرح جمال و بہا وکمال میں بھی متفرد ہے، بلکہ خواپنے وجود میں متفرد ہے جبکہ دوسروں کی پیشانی پر ذاتی عدم او بطلان کی ذلت ثبت ہے۔ لہٰذا ان کو جونور فطرت الٰہی کا مرکز ہے، باطل اورمعدوم ہونے والی اورناقص چیزوں کی مختلف اورمتفرق جہتوں سے ہٹالو اورمرکز جمال وکمال سے لگالو۔ تمہارے قلب صافی اورضمیر باصفا میں تمہاری فطرت کی زبان وہ ہو جسے عارف شیرازی نے یوں بتایا ہے:

در ضمیر مانمی گنجد سوائے دوست کس
ہر دو عالم را بہ دشمن دہ کہ مارا دوست بس

سوائے دوست اس دل میں سماتا ہی نہیں کوئی دوعالم غیر کو دے دو ہمیں ایک دوست کافی ہے۔

وصل

عن الصادق علیہ السلام قال: إِذَا اسْتَقْبَلْتَ الْقِبْلَةَ فَآيِسْ مِنَ الدُّنْيَا وَ مَا فِيهَا وَ

---

[1] علم الیقین، جلد ا، ص ۱۰۶

[2] سورۂ انعام، آیت ۷۹

[3] سورۂ انعام، آیت ۷۶

الْخَلْقِ وَ مَا هُمْ فِيهِ وَ فَرِّغْ قَلْبَكَ عَنْ كُلِّ شَاغِلٍ يَشْغَلُكَ عَنِ اللَّهِ تَعَالَى وَ عَايِنْ بِسِرِّكَ عَظَمَةَ اللَّهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ اذْكُرْ وُقُوفَكَ بَيْنَ يَدَيْهِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى هُنَالِكَ تَبْلُوا كُلُّ نَفْسٍ ما أَسْلَفَتْ وَرُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلاهُمُ الْحَقِ [1]

وَ قِفْ عَلَى قَدَمِ الْخَوْفِ وَ الرَّجَاءِ [2]

یہ عظیم دستور ایک ایسا دستور ہے ہم جیسے محجوب بین کے لئے جو اپنے حالات قلبیہ کو ہمیشہ محفوظ نہیں رکھ سکتے، وحدت و کثرت کو یکجا نہیں کر سکتے اور حق وخلق دونوں کی طرف مناسب توجہ نہیں کر سکتے۔ ایسی صورت میں جب حق کی طرف متوجہ ہوں اور قبلہ رو کھڑے ہوں تو دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب سے مایوس ہو جائیں اور مخلوق اور ان کے احوال سے کوئی امید نہ رکھیں، قلبی مشاغل اور روحی شواغل سے ہر طرح کا ناطہ توڑ دیں، یہاں تک کہ محضر حق میں حاضری کے لائق ہو جائیں اور عظمت کے جلوؤں میں سے کوئی جلوہ ہمارے سر روح میں پیدا ہو اور جب نور عظمت کو پانے مقدور کے مطابق دریافت کر لیں تو حق کی طرف اپنی بازگشت اور واسکے محضر مقدس میں اپنی حاضری کو یاد کریں۔ اس دن جس دن ہر شخص کے اعمال اس کے نزدیک ظاہر ہوں گے اور اپنے مولائے برحق کی طرف سب پلٹائے جائیں گے، اور تمام نفسانی خواہشات اور جھوٹے معبودوں پر خط تنسیخ و بطلان کھینچ دیا جائے گا۔

لہٰذا ایسی عظیم الشان درگاہ میں، تمام دار وجود جس کے جلوہ ہائے کمال میں سے ایک جلوہ ہے۔ ہمارے تمہارے جیسے مسکینوں کو خود و امید کے قدموں سے جانا چاہئے اور کھڑے ہو جانا چاہئے اور جب اپنی کمزوری، بے حالی، محتاجی و بے چارگی اور فقر و ذلت پر نظر پڑے اور ذات مقدس کی عظمت وحشمت اور جلال کبریائی نظر آئے تو اس مقام کے حضرات سے خوف وحشت کا احساس کریں اور جب اس کی رحمت وعطوفت اور بے حساب الطاف و کرامات پر نظر جائے تو امید لگائے رہیں۔

---

[1] سورہ یونس، آیت ۳۰

[2] مصباح الشیعہ، الباب الثالث عشر، فی افتتاح الاصلاۃ، مستدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ ابواب افعال الصلاۃ باب ۲، حدیث ۹

قَالَ الْاِمَامُ الصَّادِقُ علیہ السلام:

اِخْتَبِرُوا اِخْوَانَكُمْ بِخَصْلَتَيْنِ

فَاِنْ كَانَتَا فِيْهِمْ وَ اِلَّا فَاعْزُبْ ثُمَّ اعْزُبْ

ثُمَّ اعْزُبْ:

اَلْمُحَافَظَةُ عَلَى الصَّلَوَاتِ فِيْ مَوَاقِيْتِهَا

وَ الْبِرُّ بِالْاِخْوَانِ فِي الْعُسْرِ وَ الْيُسْرِ۔ [1]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اپنے بھائیوں کو دو (۲) خصلتوں سے آزماؤ اگر ان کے اندر یہ صفتیں ہوں تو ان سے دوستی برقرار رکھو ورنہ دوری اختیار کرو!

۱۔اوقاتِ نماز کی پابندی۔

۲۔تنگدستی و آسائش میں بھائیوں کے ساتھ نیکی۔

---

[1] اعیان الشیعۃ: ۸/ ۵۰۳

مقالۂ ثالثہ

مقارنات نماز

اس میں چند باب ہیں

قَالَ مُوسَى بْنُ جَعْفَرٍ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ:
اَفْضَلُ مَا يَتَقَرَّبُ بِهِ الْعَبْدُ اِلَى اللهِ
بَعْدَ الْمَعْرِفَةِ بِهِ
الصَّلَاةُ وَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ
وَ تَرْكُ الْحَسَدِ وَ الْعُجْبِ وَ الْفَخْرِ۔ [1]

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا:
خدا کی معرفت کے بعد سب سے بہتر کام جن کے ذریعہ بندہ، خدا سے تقرب حاصل کرتا ہے یہ ہیں:
نماز، والدین کے ساتھ نیکی، حسد سے پرہیز، خود پسندی سے پرہیز اور فخر سے پرہیز۔

---

[1] تحف العقول:۳۹۱

باب اول

اذان و اقامت کے چند آداب

فصل اول

مجموعی رمز اور اجمالی آداب اذان و اقامت

سالک الی اللہ کو چاہئے کہ اذان میں قلب جو قوائے ملکوتیہ کا سلطان ہے اور ملک وملکوت کی مختلف سمتوں میں پھیلے ہوئے لشکروں کے درمیان محضر قدس میں حاضر ہونے کا اعلان کرے اور جب حضور و ملاقات کا وقت نزدیک آجائے تو ان کو تیار کرے تاکہ اگر وہ عاشقان خدا اور مشتاقان لقاء ہیں تو جلوہ ناگہانی سے دامن صبر ہاتھ سے نہ چھوڑ دیں اور اگر محجوب ومہجور ہیں تو اسباب وآداب کے بغیر محضر مقدس میں نہ پہنچ جائیں۔ اس لئے اذان کا اجمالی راز ملکوتی وملکی قوتوں اور لشکر الٰہی کے درمیان حاضری کا اعلان ہے اور اس کا اجمالی ادب عظمت مقام اور اس کے خطرات، عظمت محضر و حاضر اور ممکن کی ذلت وفقر و فاقہ اور اس کے نقص و عجز کی طرف متنبہ ہونا ہے اور یہ تعمیل حکم اور محضر میں حاضری کی استعداد سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر لطف و رحمت حق دستگیر نہ ہو اور نقص کی تلافی نہ فرمادے۔

اور اقامت ملکوتی وملکی قوتوں کو محضر میں استادہ کرنا اور بارگاہ میں حاضر کرنا ہے اس کا ادب خوف وخشیت، حیاء وندامت اور لامحدود رحمت سے امید واثق رکھتا ہے اور سالک کو چاہئے کہ اذان کی تمام فصلوں (اجزاء) میں دل کو محضر و حضور و حاضر کی عظمت سمجھائے اور اپنی ذلت اور عاجزی وقصور و اپنا نصب العین قرار دے تاکہ ایک طرف خوف وخشیت پیدا ہو اور دوسری طرف رحمت واسعہ اور الطاف کریمانہ کا خیال دل میں لائے تاکہ امید واثق اور شوق عاشق پیدا ہو۔

اس طرح قلوب پر، عشق پر، شوق اور جذبہ غلبہ کرتا ہے اور وہ محبت وعشق کے قدموں کے سہارے محضر انس میں قدم رکھتے ہیں اور ان کے دل ایسی غیبی شوق اور جذبہ سے نماز کے آغاز سے انجام تک عشق محضر و حاضر کے ساتھ ذکر وفکر حق سے معانقہ کرتے رہتے ہیں۔

وفی الحدیث عن علی بن ابی طالب علیہ السلام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: أَفْضَلُ النَّاسِ مَنْ عَشِقَ الْعِبَادَةَ فَعَانَقَهَا وَ أَحَبَّهَا بِقَلْبِهِ وَ بَاشَرَهَا بِجَسَدِهِ وَ تَفَرَّغَ لَهَا فَهُوَ لَا يُبَالِي عَلَى مَا أَصْبَحَ مِنَ الدُّنْيَا عَلَى يُسْرٍ أَمْ عَلَى عُسْرٍ.[1]

سب سے عمدہ انسان وہ ہے جو عبادت خدا سے عشق کرتا ہو اور اس سے بغلگیر ہو اور دل و جان سے اس کو چاہتا ہو اور اپنے بدن کو اس میں مشغول رکھے اور کسی دوسری شے سے اس کو اشتغال نہ ہو، ایسے شخص کو یہ فکر نہیں ہوگی کہ اس کی دنیا راحت و آرام سے گزر رہی ہے یا سختی و مشقت سے۔

اور قلوب پر خوف پر عظمت کی سلطنت تجلی کرتی ہے اور قہاریت کا جذبہ ان پر غالب ہوتا ہے اور ان کو خود سے بے خود بنا دیتا ہے اور خوف وخشیت سے ان کے دل پگھل جاتے ہیں اور اپنا ذاتی قصد اور اپنی ذلت و عاجزی کا احساس انہیں ہر چیز سے روکے رہتا ہے۔

وفی الحدیث عن موسی بن جعفر علیہ السلام قال: عَنْ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ لِلَّهِ عِبَاداً كَسَرَتْ قُلُوبَهُمْ خَشْيَتُهُ وَ أَصْمَتَتْهُمْ عَنِ الْمَنْطِقِ...[2]

خدا کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کہ دلوں کو خوف خدا نے شکستہ کر دیا ہے اور ان کو بولنے سے روک دیا ہے۔

اولیائے کاملین کے لئے حق تعالیٰ کبھی تو اپنے لطف کی تجلی فرماتے ہے اور ان کا عشق اور جذبہ محبت ہی خود ان کا رہنما بن جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے وقت کا انتظار فرماتے رہتے تھے اور نماز سے ان کے عشق وشوق میں شدت پیدا ہوتی جاتی تھی اور اپنے مؤذن بلال سے فرماتے تھے:

أَرِحْنَا يَا بِلَال.[3]

اور کبھی اپنی عظمت وسلطنت کی تجلی ظاہر فرماتا ہے اور اولیاء کے دلوں خوف وخشیت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ

---

[1] وسائل الشیعہ، جلد ۱، ص ۶۱، کتاب الطہارۃ، ابواب مقدمۃ العبادات، باب ۱۹، حدیث ۲، از رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

[2] بحار الانوار، ج ۷۵، ص ۳۰۹، کتاب الروضہ، باب ۲۵، حدیث ۱، از تحت العقول

[3] مفتاح الفلاح فی عمل الیوم و اللیلۃ من الواجبات و المستحبات (ط - القدیمۃ) / 182 / فصل القیام إلی الصلاۃ فی أول وقتہا ..... ص: 181

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کے بارے میں ایسے خوف وخشیت کے حالات منقول ہیں اور کبھی اولیاء کو ان کے قلب کی طاقت اور ان کی وسعت ظرف کے مطابق تجلی جمعی احدی دکھا تا ہے۔ رہ گئے ہمارے جیسے دنیا میں اشتغال رکھنے والے محجوب اور مادیات کے زندان اور خواہشات اور تمناؤں کی زنجیروں کے قیدی اور سعادات عقلیہ الٰہیہ سے محروم لوگ، جنہیں مادیات کے خمار نے صبح ازل سے اب تک ہوش میں نہیں آنے دیا اور خواب گراں سے بیدار نہیں ہونے دیا ان قسموں سے باہر اور اس بیان کے دائرہ سے خارج ہیں۔

لہٰذا ہمارے لئے آداب حضور دوسری طرح کے ہیں اور قلبی آداب کی دوسری شکل ہے، لیکن ان میں جو چیز سب سے مقدم ہے وہ یہ ہے کہ قلب سے اللہ کی مہربانی سے ناامیدی اور رحمت خدا سے مایوسی کو نکال دیں، کیونکہ یاس و ناامیدی ایک بڑا ابلیسی لشکر اور شیاطین جن وانس کے وسوسے ہیں۔ یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ یہ ایسے مقامات ہیں جو خاص اشخاص کے قدوقامت کے مطابق بنائے گئے ہیں اور ہماری امیدوں کا ہاتھ ان تک پہنچنے سے کوتاہ اور انسان کا قدم سیر عاجز ہے۔ لہٰذا ایسی غلطی نہ کر بیٹھیں جس کا سر ہو نہ پیر، یعنی سر ودست ہو کر مادی زمین پر ہی نہ پڑے رہ جائیں۔ نہیں! ایسی بات نہیں ہے، بلکہ یہ ایک وہم ہے۔ ہاں! میں بھی اس بات کا قائل ہوں کہ کامل اہل اللہ کا خاص درجہ کسی کو بھی میسر نہیں ہے، لیکن معنوی مقامات اور الٰہی معارف کے بے شمار مراتب اور لاتعداد مدارج ہیں جن میں سے اکثر مقامات ومعارف اور حالات ومدارج کا حاصل کرنا نوع بشر کے لئے ممکن ہے، بشرطیکہ اپنی سرد مہری اور سست گامی کو بالائے طاق رکھ دیں اور اہل جہل وعناد کی تنگ نظری خدا کے بندوں کے دلوں سے نکل جائے اور انکی راہ سلوک میں شیطان نہ آجائے۔

تو اب ہمارے لئے ادب حضور یہ ہے کہ اول امر میں، جب ہم حس اور ظاہر کے مرتبہ سے آگے نہ بڑھے ہوں اور دنیاوی عظمت وجلالت کے سوا کچھ نظر میں نہ ہو اور اللہ کی غیبی عظمتوں سے بے خبر ہوں اس وقت محضر حق کو ایک عظیم الشان سلطان کی بارگاہ جیسا سمجھیں، جس کی عظمت کا ادراک دل کو ہو چکا ہے اور اپنے دل کو یہ سمجھائیں کہ تمام عظمتیں اور جلال وکبریائی، عالم ملکوت کی عظمت کا ایک جلوہ ہیں۔ جس نے اس عالم میں نزول کیا ہے اور عالم ملکوت دوسرے غیبی عوالم کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا اس کے بعد قلب کو یہ سمجھائیں کہ عالم حق تعالیٰ کی مقدس بارگاہ ہے اور حق تعالیٰ ہر جگہ اور ہر شے میں موجود ہے بالخصوص نماز میں جو اس کی طرف سے حاضری کا مخصوص اذن اور حضرت احدیت کی جانب سے ملاقات ومراودت کی خاص وعدہ گاہ ہے۔ جب ہم نے قلب کو عظمت اور حاضری کا احساس دلا دیا، چاہے شروع شروع میں تکلف اور زحمت کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو، تو رفتہ رفتہ قلب انس پیدا کرلے گا اور یہ مجاز حقیقت کی شکل اختیار کرلے گا اور جب ہم نے مالک الملک اور سلطان السلاطین کی بارگاہ میں حاضری کے قلبی آداب کو عملی شکل

دے دی اور ظاہری حاضری کے آداب بجالائے تو دل میں بھی ضرور تاثیر پیدا ہوگی اور قلب میں عظمت کا احساس پید ہو گا اور دھیرے دھیرے انسان مطلوبہ نتائج حاصل کر لے گا۔ اسی طرح خدا کا عشق اور محبت بھی ریاضات سے حاصل ہو جاتی ہے۔

اسی طرح شروع میں حق تعالیٰ کی صوری رحمتوں اور حسی احسانات کا دل کو احساس دلانا چاہئے اور مقام رحمانیت ورحیمیت ومنعمیت کو دل میں جاگزیں کریں کرنا چاہئے تا کہ آہستہ آہستہ دل مانوس ہو جائے اور ظاہر کا اثر باطن پر پڑنے لگے اور مملکت باطن آثار جمال سے نورانی ہونا شروع ہو جائے اور پھر مطلوبہ نتائج حاصل ہوں، کیوں انسان اگر کسی کام کے لئے قیام کرتا ہے اور راہ خدا میں جہاد کرتا ہے تو خدا اس کا دستگیر ہوتا ہے اور اپنے غیبی ہاتھ سے اسے عالم مادیات کی تاریکیوں سے نجات دلاتا ہے اور اسکے دل کی اندھیری زمین کو اپنے نور جمال سے روشن کر دیتا ہے اور اس زمین کو روحانی آسمان میں تبدیل کر دیتا ہے۔

وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ.[1]

جو شخص کوئی نیک کام انجام دیتا ہے ہم اس کی نیکی میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا اور شکریہ ادا کرنے والا ہے۔

---

[1] سورۂ شوریٰ، آیت ۲۳

فصل دوم

اذان و اقامت کی تکبیرات کے بعض اسرار و آداب

اذان چونکہ محضر ربوبیت میں نفس کی تمام ظاہری و باطنی قوتوں کی حاضری کا اعلان ہوتا کہ تمام اسماء و صفات اور شئون و آیات کی مناسب سے اس کی حمد و ثنا کریں، کیونکہ جیسا کہ اشارہ کیا جاچکا نماز اس ذات مقدس کی ایک جامع حمد و ثنا ہے اور اس حمد و ثنا کا مورد ذات حق ہے۔ اسم اعظم کے ذریعہ جلوہ کے لحاظ سے جو واحدیت کے حضور میں جمع اسماء کا مقام احدیت ہے اور اعیان و اسمائے عینیہ کے سامنے جمع و تفریق اور ظہور و بطون کے ذریعہ تجلی کا مقام ہے۔ لہٰذا سالک پہلے تو اس جامع شان کے مطابق ذات مقدس کی کبریائی کی طرف متوجہ ہو پھر اسکی عظمت و کبریائی کا علان کرے

اولاً اپنی مملکت کی ملکی و ملکوتی قوتوں کے زریعہ،

ثانیاً: ملکت نفس میں پھیلی ہوئی قوتوں کے ملکوت پر موکل ملائکہ اللہ کے ذریعہ،

ثالثاً: عالم غیب و شہادت کے موجودات کے ذریعہ

اور رابعاً: ملکوت سماوات و رضین پر موکل ملائکہ کے ذریعہ۔

اس کے بعد چار تکبیروں کے ذریعہ مملکت داخلی و خارجی کے عوالم غیب و شہادت کے تمام باشندوں میں اسم اعظم کی کبریائی کا اعلان کردے اور یہ خود، ذات مقدس کی حمد و ثنا سے اپنی عاجزی کا اعلان اور اقامہ نماز سے اپنے قصور کا اعتراف ہے اور یہ خود ان امور میں ہے جو سلوک میں شامل ہیں اور ان آداب میں سے ہے جو ثنا اور عبادات میں داخل ہیں اور جو نماز کے تمام احوال میں سالک کا نصب العین ہونا چاہئیں۔ اسی لئے اذان و اقامت میں تکبیر کی تکرار ہوتی ہے اور نماز میں تو تکرار ہوتی ہی رہتی ہے اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتے وقت اسے دہرایا جاتا ہے

تا کہ سالک کے دل میں خود اپنی ذات کا نقص وقصور اور ذات مقدس کی بزرگی و کبرائی متمکن ہو جائے۔

اسی سے تکبیر کا ادب بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ سالک کو چاہئے کہ ہر تکبیر میں اپنے دل اور تمام قوتوں کو اپنا عجز اور خدا کی کبریائی یاد دلائے۔ دوسرے رخ سے ممکن ہے کہ اذان کی پہلی تکبیریں کسی مقام کی طرف اشارہ ہوں

اس طرح پہلی تکبیر سے توصیف ذاتی کی طرف اشارہ ہو۔

دوسری تکبیر سے توصیف وصفی کی طرف اشارہ ہو۔

تیسری تکبیر سے توصیف اسمائی کی طرف اشارہ ہو۔

چوتھی تکبیر سے توصیف فعلی کی طرف اشارہ ہو۔

گویا سالک کہتا ہے کہ: اللہ توصیف ذات یا تجلیات ذاتیہ سے اور توصیف صفات یا تجلیات صفاتیہ سے اور توصیف اسماء یا تجلیات اسمائیہ سے اور توصیف افعال یا تجلیات افعالیہ سے بڑا اور بالاتر ہے۔

وفی حدیث طویل عن امیر المؤمنین علیہ السلام انه قال: وَ الْوَجْهُ الْآخَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ فِيهِ نَفْيُ صِفَتِهِ وَ كَيْفِيَّتِهِ كَأَنَّهُ يَقُولُ اللَّهُ أَجَلُّ مِنْ أَنْ يُدْرِكَ الْوَاصِفُونَ قَدْرَ صِفَتِهِ الَّذِي هُوَ مَوْصُوفٌ بِهِ وَ إِنَّمَا يَصِفُهُ الْوَاصِفُونَ عَلَى قَدْرِهِمْ لَا عَلَى قَدْرِ عَظَمَتِهِ وَ جَلَالِهِ تَعَالَى اللَّهُ عَنْ أَنْ يُدْرِكَ الْوَاصِفُونَ صِفَتَهُ عُلُوّاً كَبِيراً ... الحدیث [1].

اللہ اکبر، کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ اس کی کیفیت کی نفی کرے۔ گویا اذان دینے والا کہتا ہے: خدا اس سے بالاتر ہے کہ وصف کرنے والے اس کی صفت کو (جیسی وہ ہے) ادراک کریں، وصف کرنے والے اپنے ادراک کے بقدر تو اس کا وصف بیان کرتے ہیں اس کے جلال وعظمت کے بقدر نہیں۔ خدا اس سے بہت بلند و برتر ہے کہ توصیف کرنے والے اس کی صفت کا ادراک کرلیں۔

تکبیرات کے اہم آداب میں یہ ہے کہ سالک مجاہدہ کرے اور قلبی ریاضتوں سے قلب کو حق تعالیٰ کی کبریائی کا محل قرار دے اور کبرشان وعظمت و سلطان اور جلال اللہ کی ذات میں منحصر قرار دے اور دوسرے موجودات کی کبریائی کا سلب کرے اور اگر دل میں کسی کی کبریائی کا کوئی اثر ہو اور اس کو حق کی کریائی کے پرتو کی حیثیت سے نہیں دیکھتا

---

[1] بحار الانوار، جلد ۸۱، ص ۱۳۱، کتاب الصلاۃ، باب الاذان والاقامۃ، حدیث ۲۴

اور سمجھتا ہے تو اس کا دل مریض ہے اور اس پر شیطان کا تصرف ہو چکا ہے اور اکثر تصرفات شیطانی کی وجہ سے دل میں حق سے زیادہ غیر حق کی کبریائی کا تسلط ہو جاتا ہے اور قلب غیر حق کو حق سے بڑا سمجھنے لگتا ہے۔ اس صورت میں انسان کا شمار منافقین کی فہرست میں ہوتا ہے، اس مہلک مرض کی علامت یہ ہے کہ انسان مخلوق کی خوشنودی کو خوشنودی حق پر مقدم کرتا ہے اور مخلوق کو خوش کرنے کے لئے خالق کو ناراض کر دیتا ہے۔

وفی الحدیث، قال الصادق علیہ السلام: فَإِذَا كَبَّرْتَ فَاسْتَصْغِرْ مَا بَيْنَ السَّمَاوَاتِ الْعُلَى وَ الثَّرَى دُونَ كِبْرِيَائِهِ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى إِذَا اطَّلَعَ عَلَى قَلْبِ الْعَبْدِ وَ هُوَ يُكَبِّرُ وَ فِي قَلْبِهِ عَارِضٌ عَنْ حَقِيقَةِ تَكْبِيرِهِ- فَقَالَ يَا كَذَّابُ أَ تَخْدَعُنِي وَ عِزَّتِي وَ جَلَالِي لَأَحْرِمَنَّكَ حَلَاوَةَ ذِكْرِي وَ لَأَحْجُبَنَّكَ عَنْ قُرْبِي وَ الْمَسَرَّةِ بِمُنَاجَاتِي.[1]

فرماتے ہیں:

جب تکبیر کہو تو اس ذات مقدس کی بارگاہ کبریائی میں عرش سے فرش تک ہر چیز کو چھوٹا اور معمولی سمجھو، کیونکہ خداوند عالم اگر کسی بندے کو دیکھتا ہے کہ وہ تکبیر تو کہہ رہا ہے لیکن اس کے دل میں تکبیر کی حقیقت کے بارے میں کوئی کھوٹ ہے، یعنی اس کا دل زبان سے جو کچھ کہا ہے اس کی موافقت نہیں کرتا ہے تو فرماتا ہے، اے دروغگو ! (اے جھوٹے) مجھ سے فریب کرتا ہے؟ مجھے میری عزت و جلال کی قسم ہے کہ اپنی یاد کی حلاوت سے تجھے محروم کردوں گا اور اپنے قرب سے تجھے محجوب ہی رکھوں گا اور اپنی مناجات کی خوشی سے تجھے دور رہی رہنے دوں گا۔

اے عزیز ! یہ جو ہمارے قلوب بے تدبیر ذکر خدا کی حلاوت سے محروم ہیں اور یہ جو اس ذات مقدس سے مناجات کی لذت سے ہماری روح کے کام و دین ناآشنا ہیں اور قرب بارگاہ میں رسائی سے محجوب اور تجلیات جلال و جمال سے محروم ہیں ان سب کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے دل بیمار ہیں اور دنیا کی طرف توجہ اور زمین پر ہمیشہ رہنے کے خیال نے اور مادیات کے تاریک بردوں نے ہم کو کبریائی حق کی معرفت اور انوار جلال و جمال سے محروم کر دیا ہے۔ جب تک ہم موجودات کو مستقل ابلیسی نظر سے دیکھے جائیں گے اس وقت تک شراب وصل کو چکھنا اور لذت مناجات کو پانا ممکن نہیں ہے۔ جب تک عالم وجود میں ہم کسی انسان کی کبریائی کو مانتے رہیں گے اور تعینات خلقیہ کے بتوں کے حجاب میں

---

[1] مصباح الشریعہ، الباب الثالث، فی اختتام الصلاۃ، المحجہ البیضاء، چاپ مکتبہ صدوق ؒ، جلد ۱، ص ۳۸۵، مستدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ، باب ۲، حدیث ۹

رہیں گے اس وقت تک ہمارے دل میں حق تعالیٰ کی کبریائی کی حاکمیت تجلی نہیں کرے گی۔

لہٰذا تکبیر کے آداب میں ایک ادب یہ ہے کہ سالک تکبیر کی صورت سے واقفیت حاصل کرے اور تنہا لفظ اور صرف زبان سے ادا کر لینے پر اکتفا نہ کرے، بلکہ پہلے برہان کی قوت اور علوم الٰہیہ کے نور سے کام لے کر قلب کو باخبر کرے کی کبریائی حق کے لئے مخصوص ہے اور عظمت وجلال اسی ذات پاک کی بارگاہ کے لئے ہے۔ باقی عالم امکان کا تمام باشندے اور جملہ جسمانی و روحانی موجودات اس کے سامنے فقیر، ذلیل اور مسکین ہیں۔ اس کے بعد ریاضت کی قوت، بار بار درگاہ الٰہی میں آمد رفت اور پوری طرح انس پیدا کر کے قلب کو اس لطف الٰہی سے زندہ کرے اور اسے عقلی و روحانی حیات بخشے جب ممکن کا فکر اور اس کی ذلت اور حق تعالیٰ کی عظمت اور اس کی کبریائی سالک کا نصب العین ہو جائے گی، تفکر و تذکر نصاب (معین) حد تک پہنچ جائے گا اور قلب کو انس اور سکون حاصل ہو جائے گا تو تمام موجودات میں حق تعالیٰ کی کبریائی اور جلال کا چشم بصیرت سے مشاہدہ کرنے لگے گا اور قلبی بیماریوں کا علاج ہو جائے گا۔ اس کے بعد مناجات کی لذت اور ذکر خدا کی حلاوت کا احساس کرنے لگے گا۔ قلب کبریائی حق تعالیٰ کی فرمانروائی کا مرکز بن جائے گا۔ مملکت کے ظاہر و باطن میں آثار کبریا ظاہر ہوں گے۔ قلب و زبان اور سر و علن سب ایک ہو جائیں گے۔ قوائے ظاہر و باطن اور ملک و ملکوت سب تکبیر کہیں گے۔ ایک گہرا پردہ ہٹ جائے گا اور حقیقت نماز کی ایک مرحلہ، یعنی معراج قرب، نزدیک آ جائے گا۔

یہ جو کچھ بیان کیا گیا اس میں سے بعض باتوں کی طرف ایک حدیث میں اشارہ آیا ہے جو علل الشرائع سے نقل کی گئی ہے۔ یہ طولانی حدیث امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے جس میں امامؑ نے وصف معراج پر روشنی ڈالی ہے۔

قَالَ: أَنْزَلَ اللّٰهُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ عَلَيْهِ مَحْمِلًا مِنْ نُورٍ فِيهِ أَرْبَعُونَ نَوْعاً مِنْ أَنْوَاعِ النُّورِ كَانَتْ مُحْدِقَةً حَوْلَ الْعَرْشِ عَرْشُهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى تَغْشَى أَبْصَارَ النَّاظِرِينَ أَمَّا وَاحِدٌ مِنْهَا فَأَصْفَرُ فَمِنْ أَجْلِ ذَلِكَ اصْفَرَّتِ الصُّفْرَةُ وَ وَاحِدٌ مِنْهَا أَحْمَرُ فَمِنْ أَجْلِ ذَلِكَ احْمَرَّتِ الْحُمْرَةُ وَ وَاحِدٌ مِنْهَا أَبْيَضُ فَمِنْ أَجْلِ ذَلِكَ ابْيَضَّ الْبَيَاضُ وَ الْبَاقِي عَلَى عَدَدِ سَائِرِ مَا خُلِقَ مِنَ الْأَنْوَارِ وَ الْأَلْوَانِ فِي ذَلِكَ الْمَحْمِلِ حَلَقٌ وَ سَلَاسِلُ مِنْ فِضَّةٍ فَجَلَسَ عَلَيْهِ

ثُمَّ عُرِجَ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَنَفَرَتِ الْمَلَائِكَةُ إِلَى أَطْرَافِ السَّمَاءِ

ثُمَّ خَرَّتْ سُجَّداً فَقَالَتْ سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّنَا وَ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَ الرُّوحِ مَا

أَشْبَهَ هَذَا النُّورَ بِنُورِ رَبِّنَا

فَقَالَ جَبْرَئِيلُ ع اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ فَسَكَتَتِ الْمَلَائِكَةُ وَ فُتِحَتْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَ اجْتَمَعَتِ الْمَلَائِكَةُ

ثُمَّ جَاءَتْ فَسَلَّمَتْ عَلَى النَّبِيِّ ص أَفْوَاجاً ـ الحديث.[1]

خدائے عزیز وجبار نے پیغمبر اکرمؐ پر نور کی ایک محمل نازل کی جس پر چالیس طرح کے انوار تھے جو عرش الٰہی کے اطراف میں اس طرح حلقہ کئے تھے کہ ہر دیکھنے والے کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔

ان میں سے ایک ور زرد تھا۔لہٰذا ادھر زرد ہی زرد روشنی پھیلی تھی۔ ایک نور سرخ تھا اور ادھر سرخ ہی سرخ رشنی پھیلی تھی،

یہاں تک کہ بیان کرتے کرتے امام علیہ السلام نے فرمایا: پس پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں بیٹھے اور آسمان دنیا کی طرف بلند ہوئے۔ یہ دیکھ کر ملائکہ آسمان میں ادھر اُدھر بھاگ گئے۔

اس کے بعد سجدہ میں گر کر کہنے لگے: پاک اور پاکیزہ ہے وہمارا پروردگار اور ملائکہ وروح کا پروردگار! یہ نور ہمارے پروردگار کے نور سے کس قدر مشابہ ہے!،

پھر جبرئیل نے کہا: اللہ اکبر اللہ، اس پر ملائکہ خاموش ہو گئے۔

آسمان کے دروازے کھل گئے اور ملائکہ مجتمع ہو کر آئے اور گروہ در گروہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام کرنے لگے۔

اس حدیث شریف میں بڑے اسرار ہیں جن تک پہنچنے سے ہماری آرزوؤں کا ہاتھ قصر ہے اور اس حدیث سے متعلق جو چیز بیان کرنے کے لائق ہے وہ ہمارے مقصد کتاب سے خارج، جیسے محمل نور کے اترنے کا راز، کثرت نوعیہ کا راز، چالیس کے عدد کا راز اور اسے نازل کرنے کا الٰہی راز، عرش کے ارد گراد ان کے احاطہ کرنے کا راز، اس مقام میں عرش کی حقیقت، زردی کے زرد ہونے اور سرخی کے سرخ ہونے کا راز، فرشتوں کے اطراف آسمان میں چلے جانے کا راز، فرشتوں کے سجدہ کرنے اور تسبیح وتقدیس کا راز، فرشتوں کا اس نور کا نور خدا سے تشبیہ دینے کا راز اور دوسرے راز جن میں سے ہر ایک کے اطراف وجوانب کا بیان طولانی ہے جو کچھ اس مقام کے مناسب اور ہمارے مقصد پر شاہد ہے وہ یہ

---

[1] علل الشرائع، جلد ۲، ص ۳۱۲، باب عدل الوضوء والاذان والصلاۃ، حدیث ۱

ہے کہ ملائکہ جبریل کی تکبیر کی آواز سن کر خاموش اور مطمئن ہو گئے اور دل مطلق کی شمع جمع کے گرد مجتمع ہوئے اور تکبیر کی وجہ سے پہلا آسمان فتح ہوگیا اور عروج الی اللہ کی راہ کا ایک پردہ چاک ہوگیا۔ یاد رہے کہ یہ پردے جو اذان میں ہٹتے ہیں ان پردوں کے علاوہ ہیں جو تکبیرات افتتاحیہ کے ذریعہ چاک ہوتے ہیں اور شاید بعد میں اس کی طرف اشارہ آئے، انشاءاللہ۔

اور شاید یہ جو اقامت میں دو تکبیریں ہیں اس کے ہیں کہ سالک نے اپنی قوتوں کو بارگاہ الٰہی میں قائم کرلیا اور کثرت سے ایک حد تک وحدت کی طرف رخ کر چکا اور اب تکبیر ذات و اسماء یا تکبیر اسماء و صفات کر رہا ہے اور ہو سکتا ہے کہ تکبیر ذات و اسماء ہی میں تکبیر صفات بھی شامل ہو۔

فصل سوم

الوہیت کی شہادت کے آداب اور اذان ونماز سے اس کا ربط

معلوم رہے کہ الوہیت کے چند مقامات ہیں جو مجموعی طور پر دو مقام سے عبارت ہیں:

ایک مقام الوہیت ذاتیہ

دوسرے مقام الوہیت فعلیہ

اور اگر الوہیت کے حق میں منحصر اور اسی سے مخصوص ہونے کی گواہی کا مقصد الوہیت ذاتیہ کی گواہی ہے تو اس کی حقیقت تکبیر سے تقریباً ملتی جلتی معلوم ہوتی ہے۔ اگر ''الہ فی الشیء'' یعنی تحیر فیہ، یا لاہ، یعنی ارتفع، یا لا یلوہ، یعنی احتجب میں سے کسی سے بھی مشتق مانا جائے اس صورت میں باب تکبیر کے خاصیات ومعانی کی طرف رجوع کرنے سے اذان و اقامہ سے اس کا ربط بھی معلوم ہو جاتا ہے اراس کا ادب بھی اور اس کا اعادہ اختصار کے منافی ضرور ہے، لیکن فوائد سے خالی نہیں۔

اور اگر، الہ، بمعنی، عبد، ہو اور مراد، مالوہ، بمعنی، معبود، ہو تو سالک کو چاہئے کہ محضر معبودیت میں شہادت صوری کو شہادت قلبی و باطنی سے حق تعالیٰ کے لئے منطبق کر لے اور یہ سمجھ لے کہ اگر دل میں کوئی اور معبود ہوا تو اس شہادت کے سلسلہ میں منافق ہوگا کیونکہ زبان پر کچھ ہے اور دل میں کچھ اور۔

لہٰذا کوئی سی بھی ریاضت کرتے ہوئے الوہیت کی شہادت کو دل تک پہنچائے اور شیطان نفس امارہ کے تصرف کے ہاتھوں تراشے ہوئے چھوٹے بڑے بتوں کو دل کے کعبہ سے نکالے اور توڑ کر پھینک دے تاکہ محضر قدس کے لائق ہو جائے جب تک محبت دنیا اور شئون دنیویہ کے بت کعبہ دل میں رہیں گے۔ سالک کو منزل مقصود کی طرف جانے کا

راستہ نہیں مل سکتا۔ لہٰذا الوہیت کی شہادت ملکی اور ملکوتی قوتوں میں اعلان کے لئے ہے کہ جھوٹے معبودوں اور کجروی کے مقاصد کو اپنے قدموں تلے روند ڈالیں تا کہ معراج قرب کی طرف جا سکیں۔

اور اگر الوہیت کے منحصر ہونے سے مراد الوہیت فعلی ہے جو تصرف و تدبیر و تاثیر ہی کی دوسری تعبیر ہے تو شہادت کے معنی یہ ہو جائیں گے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ دار وجود میں کوئی متصرف اور غیب و شہادت میں کوئی مؤثر سوائے ذات مقدس حق کے نہیں ہے اور اگر قلب سالک میں موجودات میں سے کسی موجود اور دوسرے افراد میں سے کسی فرد پر اطمینان ہوگا تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ اس کا دل بیمار ہے اور اس کی گواہی جھوٹی اور مصنوعی ہے۔

لہٰذا سالک کو چاہئے کہ ''لا مؤثر فی الوجود الا اللہ'' کو پہلے فلسفیانہ دلیل و برہان سے مستحکم کرے اور معارف الٰہیہ سے جو بعثت انبیاء علیہم السلام کی غرض و غایت ہے، فرار نہ کرے اور حق اور اس کے شئون ذاتیہ و صفاتیہ کے تذکر سے اعراض نہ کرے، کیونکہ سعادتوں کا سرچشمہ تذکر حق ہے

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا.[1]

جو شخص میری یاد سے روگردانی کرلے گا اس کی زندگی میں دشواریاں پیدا ہوں گی۔

اور جب برہان و تفکر کے قدموں سے چل کر اس الٰہی لطف کی حقیقت تک پہنچ جائے جو الٰہی معارف کا سرچشمہ اور غیبی حقائق کا صدر دروازہ ہے تو تذکر و ریاضت کے قدموں سے آگے بڑھ کر قلب کو اس سے مانوس کرے تا کہ قلب اس پر ایمان لے آئے اور یہ سالک کے قول کی سچائی کا پہلا مرتبہ ہوگا اور اس کی علامت سب سے کٹ کے حق کا ہو رہنا اور تمام موجودات کی طرف سے چشم امید و طمع کو بند کر لینا ہے اور اس کا نتیجہ توحید فعلی کی صورت میں نکلے گا جو اہل معرفت کے عظیم مقامات میں سے ایک ہے اور جب سالک اللہ نے تمام تاثیرات کو حق میں منحصر کرلیا اور اس کے علاوہ تمام موجودات سے امید کی نظریں ہٹالیں تو محضر مقدس کے لائق ہو گیا بلکہ اس کا دل فطری طور پر اس محضر کی طرف متوجہ ہو گیا اور شاید شہادت کو دہرانا اس لئے ہو کہ دل میں اسے اچھی طرح تمکن حاصل ہو جائے اور شہادت سے مقصد دونوں شہادتوں میں سے ایک ہی شہادت ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تکرار نہ ہو بلکہ ایک سے اشارہ الوہیت ذاتیہ کی طرف ہو اور دوسری سے الوہیت فعلیہ کی طرف۔ اس صورت میں آخر میں اس کا اعادہ ممکن ہے، تمکین کے لئے ہو اور اسی لئے وہاں لفظ شہادت سے اس کا ذکر نہ آیا ہو، کیونکہ شہادت تو پہلے ہی دی جا چکی۔

---

[1] سورۂ طٰہٰ: ۱۲۴

تنبیہ عرفانی

معلوم ہونا چاہئے کہ شہادت کے چند مراتب ہیں جن میں سے ہم انہیں چند کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں جو ان اوراق کے لئے مناسب ہیں:

اول: شہادت قولی ہے جو معلوم۔ قولی شہادت کی اگر قلبی شہادت سے توثیق وتصدیق نہ ہو چاہے اس کے بعض معمولی مراتب ہی کے ذریعہ ہو تو یہ شہادت نہ ہوگی بلکہ فریب اور نفاق ہوگی جیسا کہ تکبیر کے سلسلے میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث بیان ہو چکی۔

دوم: شہادت فعلی ہے۔ وہ یوں ہے کہ انسان اعضاء وجوارح کے اعمال سے گواہی دے۔ مثلاً اپنے افعال کے طرز میں اور اپنے اعمال کے اجراء کرنے میں (لا مؤثر فی الوجود الا اللہ) کی حقیقت کو داخل کرے اور چونکہ قولی شہادت کا لازمہ یہ ہے کہ کسی غیر کو موثر نہ جانے، لہٰذا اس کے اعمال کا نقشہ بھی یوں ہی ہوگا۔ پس اپنا دست احتیاج بارگاہ خدا کے سوا کہیں دراز نہ کرے اور چشم امید کو کسی مخلوق کی طرف کھول کر نہ دیکھے اور کمزور بندوں کے سامنے اپنا استغنا اور بے نیازی کا اظہار کرے اور ان کے سامنے ضعف و ذلت اور عجز کے اظہار سے کنارہ کرے اور یہ مطلب احادیث مبارکہ میں بہت آیا ہے۔ چنانچہ کافی شریف کی روایت ہے کہ: مومن کی عزت لوگوں سے اس کا متغنی اور بے نیاز رہنا ہے۔[1]

اور اظہار نعمت وغنا کرنا خود مستحبات شرعیہ میں سے ایک ہے اور لوگوں سے حاجتیں طلب کرنا مکروہ ہے۔

بالجملہ؛ انسان کو چاہئے کہ "**لا مؤثر فی الوجود الا اللہ**" (وجود میں کوئی مؤثر نہیں سوائے خدا کے) کے الٰہی نادر نکتہ کو اپنی ظاہری مملکت میں جاری کرے۔

سوم: شہادت قلبی ہے، یہ شہادت، شہادت فعلی وقولی دونوں کا سرچشمہ ہے۔ جب تک یہ شہادت نہ ہوگی ان دونوں کا وجود نہ ہوگا اور ان کی حقیقت سامنے نہیں آئے گی اور وہ یوں ہے کہ حق کی توحید فعلی میں تجلی کرے اور قلب اپنے سر باطنی سے اس نکتہ کو پالے اور دوسرے موجودات سے منقطع ومنفصل ہو جائے۔

لوگوں سے امید ترک کرنے، بندوں سے مایوس ہو جانے اور خدائے تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ کرنے کے بارے میں اہل بیت عصمت علیہم السلام سے جو ایک عمدہ حدیث روایت کی گئی ہے وہ اس مقام سے متعلق ہے۔

---

[1] اصول کافی، جلد ۳، ص ۲۱۸، کتاب الایمان الکفر، باب الاستغناء عن الناس، حدیث ۱

عن الكافي بإسناده عن علي بن الحسين عليهما السلام قال: قَدِ اجْتَمَعَ فِي قَطْعِ الطَّمَعِ عَمَّا فِي أَيْدِي النَّاسِ، وَ مَنْ لَمْ يَرْجُ النَّاسَ فِي شَيْءٍ، وَ رَدَّ أَمْرَهُ إِلَى اللَّهِ- عَزَّ وَ جَلَّ- فِي جَمِيعِ أُمُورِهِ، اسْتَجَابَ اللَّهُ- عَزَّ وَ جَلَّ- لَهُ فِي كُلِّ شَيْءٍ»..[1]

میں نے دیکھا کہ جو کچھ نیکی ہے وہ لوگوں کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس سے طمع نہ کرنے میں ہے اور جو شخص ایک بھی چیز میں لوگوں سے امید نہ لگائے اور اپنے تمام امور خدا کے حوالہ کر دے خداوند عالم ہر چیز میں اس کی حاجت پوری کرتا ہے۔

اس طرح کی حدیثیں بہت سی ہیں۔

چہارم: شہادت ذاتی ہے۔ اس سے مقصود شہادت وجود یہ ہے اور یہ اولیائے کاملین میں متحقق ہوتی ہے اور اولیاء کی نظر میں تمام موجودات میں ایک ہی معنی میں یہ شہادت پائی جاتی ہے اور شاید آیۂ شریفہ "شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ"[2] (خدا نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں اور ملائکہ اور صاحبان علم نے بھی یہی گواہی دی) میں شہادت ذاتی مراد ہو، کیونکہ حق تعالیٰ مقام احدیت جمع میں اپنی وحدانیت کی شہادت ذاتی دیتا ہے، کیونکہ وجود محض، احدیت ذاتی ہی رکھتا ہے اور یوم قیامت طالع ہوگا تو وحدانیت میں ظہور کرے گا۔ یہ احدیت پلے مرآت جمع میں اور پھر مرآت تفصیل میں ظہور کرتی ہے۔ اسی لئے فرمایا ہے "وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ" اور یہاں پر معارف کے چند مقامات ہیں جن کا بیان کرنا ان اوراق کی ذمہ داری سے باہر ہے۔

وصل

الْعَيَّاشِيُّ، عَنْ عَبْدِ الصَّمَدِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ: ذُكِرَ عِنْدَ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عليه السلام بُدُوِّ الْأَذَانِ... فَقَالَ إِنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ رَأَى فِي مَنَامِهِ الْأَذَانَ فَقَصَّهُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وآله وَ أَمَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وآله أَنْ يُعَلِّمَهُ بِلَالًا فَقَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ كَذَبُوا إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وآله كَانَ نَائِماً فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ فَأَتَاهُ جَبْرَئِيلُ ع وَ مَعَهُ طَاسٌ فِيهِ مَاءٌ مِنَ الْجَنَّةِ فَأَيْقَظَهُ وَ أَمَرَهُ أَنْ يَغْتَسِلَ ثُمَّ وَضَعَ فِي مَحْمِلٍ لَهُ أَلْفَ أَلْفِ لَوْنٍ مِنْ نُورٍ ثُمَّ صَعِدَ بِهِ

---

[1] الکافی (ط- دار الحدیث)/ ج3/ 382/ 67- باب الاستغناء عن الناس..... ص: 381

[2] سورۂ آل عمران، آیت ۱۸

حَتَّى انْتَهَى إِلَى أَبْوَابِ السَّمَاءِ فَلَمَّا رَأَتْهُ الْمَلَائِكَةُ نَفَرَتْ عَنْ أَبْوَابِ السَّمَاءِ فَأَمَرَ اللَّهُ جَبْرَئِيلَ عليه السلام فَقَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ فَتَرَاجَعَتِ الْمَلَائِكَةُ نَحْوَ أَبْوَابِ السَّمَاءِ فَفَتَحَتِ الْبَابَ فَدَخَلَ عليه السلام حَتَّى انْتَهَى إِلَى السَّمَاءِ الثَّانِيَةِ فَنَفَرَتِ الْمَلَائِكَةُ عَنْ أَبْوَابِ السَّمَاءِ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَتَرَاجَعَتِ الْمَلَائِكَةُ ثُمَّ فُتِحَ الْبَابُ فَدَخَلَ، الحديث.[1]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں اذان کے آغاز کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی، یہاں تک کہ آپؑ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کعبہ کے سائے میں لیٹے تھے۔ جبریل جنت کے پانی سے بھرا ایک طشت لے کر آپؐ کے پاس آئے۔ آپؐ کو جگایا اور حکم دیا کہ اس پانی سے غسل کیجئے۔ پھر رسول اللہؐ ایک محمل میں بیٹھے جس میں ہزار ہزار قسم کے نور کے رنگ تھے۔ پھر آپؐ کو آسمان کی طرف لے جایا گیا، یہاں تک کہ آسمان کے دروازوں تک پہنچے جب ملائکہ نے آپؐ کو دیکھا تو آسمان کے دروازوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور کہنے لگے: دو خدا ہیں، ایک زمین میں اور ایک آسمان میں!! حکم خدا سے جبریل نے کہا: اللہ اکبر، اللہ اکبر، یہ سن کر ملائکہ دروازوں کی طرف پلٹ آئے۔ اس وقت آسمان کے دروازے کھلے اور رسولؐ داخل ہوئے، یہاں تک کہ دوسرے آسمان تک پہنچے۔ پس ملائکہ وہاں بھی دروازوں کے اطراف کو چھوڑ کر بھاگے۔ جبریل نے کہا:

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ.

ملائکہ پلٹ آئے اور سمجھ گئے کہ رسول اللہؐ مخلوق ہیں۔ پھر در کھلے اور رسول اللہؐ داخل ہوئے۔

اور علل الشرائع کی حدیث میں بھی قریب قریب یہی مضمون وارد ہوا ہے۔[2]

ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ الوہیت کی گواہی درہائے آسمان کے کھلنے اور پردوں کے چاک ہونے کا سبب ہے اور فرشتوں کے جمع ہونے کا باعث ہوتا ہے اور یہ حجاب جو الوہیت کی گواہی اور الوہیت کے ذات مقدس میں انحصار کی شہادت سے ہٹتا ہے، تاریک اور غلیظ پردوں میں سے ایک ہے کہ جب سالک اس حجاب میں رہتا ہے اس وقت

---

[1] تفسیر عیاشی، جلد ۱، ص ۱۵، تفسیر سورہ بقرہ، کے ذیل میں روایت، ۵۳۰

[2] علل الشرائع، جلد ۲، ص ۳۱۲

تک محضر میں حاضری کی کوئی راہ نہیں پاتا اور جب تک اس کے لئے یہ دروازہ نہ کھل جائے تب تک سلوک کا کوئی طریقہ اس کے پاس نہیں ہوتا۔ یہ حجاب کثرت افعالی اور احتجاب تکثیری میں گر پڑنے کا حجاب ہے جس کا نتیجہ موجودات میں فاعلیت و مؤثریت کو دیکھنا ہے جو فاعلیت میں ان کو مستقل دیکھے جانے کا نتیجہ ہے اور یہ تفویض محال اور شرک اعظم ہے لیکن الوہیت اور حق تعالیٰ میں الوہیت کے منحصر ہونے کی شہادت کا نتیجہ توحید افعالی اور فعل حق میں کثرات کو فانی کر دینا، غیر کی تاثیر و فاعلیت کی نفی اور غیر حق کے استقلال کا انکار ہے۔ اسی لئے ملکوتیین حجاب کثرت (الہ فی الارض والہ فی السماء) سے باہر آئے تو اسی شہادت کے واسطے سے اور گریز و تفرقہ سے انس و اجتماع کی طرف پلٹے تو ایسی شہادت کے ذریعہ اور آسمانوں کے دروازے کھلے تو اسی سے۔ لہٰذا سالک کو بھی یہی چاہئے کہ اس شہادت کے ذریعہ اپنے ظلمانی حجاب کو چاک کرے اور آسمان کے دروازوں کو اپنے لئے کھولے اور استقلال کے بڑے اور غلیظ پردے سے ایک قدم آگے بڑھ جائے تاکہ معراج قرب کی طرف عروج کی راہ نزدیک آجائے اور یہ حقیقت فقط زبان سے دہرانے اور ذکر قولی سے حاصل نہ ہوگی ورنہ ہماری عبادتیں بھی صورت کی حد اور دنیا کی حد سے آگے نہیں بڑھیں گی اور ہمارے سامنے سے نہ حجاب ہٹیں گے اور نہ آسمان کے دروازے وا ہوں گے۔

فصل چہارم

رسالت کی شہادت کے بعض آداب اور شہادت ولایت کی طرف ایک اشارہ

معلوم ہونا چاہئے کہ اس سفر روحانی اور معراج ایمانی کو ان شکستہ قدموں، اس ٹوٹی ہوئی عنان، اس چشم کور اوراس دل بے نور سے طے نہیں کیا جاسکتا۔

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ.[1]

جس شخص کے لئے خدا نور قرار نہیں دیتا اس کے لئے کوئی نور نہ ہوگا۔

لہٰذا اس طریق روحانی کے سلوک اوراس معراج روحانی پر عروج کے لئے ہادیان طریق معرفت اورانوار راہ ہدایت کے مقام روحانیت سے لازماً تمسک اختیار کرنا چاہئے کہ یہی حضرات واصلان الی اللہ اور عاکفان علی اللہ (اللہ تک پہنچے ہوئے اوراللہ کے محضر قدس میں ٹھہرے ہوئے) ہیں اور اگر کوئی شخص ان کی ولایت سے تمسک کے بغیر اپنی انانیت کے قدموں سے یہ راہ طے کرنا چاہے گا تو اس کا سلوک سلوک الی الشیطان اور سلوک الی الھاویہ ہے۔علمی بیان میں یوں کہئے کہ جس طرح حادث کا ربط قدیم سے اور متغیر کا ثابت سے کسی ایسے واسطہ اور رابطہ کا محتاج ہے جو ثبات وتغیر اور قدم و حدوث دونوں رخ رکھتا ہو کہ اگر یہ واسطہ نہ ہو تو فیض قدیم ثابت اس متغیر سے عبور نہ کرسکے جو سنت الٰہیہ میں حادث ہو اہے اور رابطہ کو نیہ و جودیہ حاصل نہ ہوگا۔ ان دو کے درمیان، رابطہ، کے بارے میں ارباب علوم برہانی کی مختلف رائیں

---

[1] سورۂ نور، آیت ۴۰

ہیں۔ جب کہ ذوق عرفانی کا تقاضا اور ہی ہے، جس کی تفصیل کی ذمہ داری ان اوراق پر نہیں ہے۔ ذوق عرفانی میں رابطہ وفیض مقدس اور وجود منبسط ہے جو برزخیت کبریٰ اور وسطیت عظمیٰ کا مقام رکھتا ہے اور وہ بعینہ مقام روحانیت وولایت حضرت رسول ختمی مرتبتؐ ہے جو مقام ولایت مطلقہ علویہ سے متحد ہے۔ اس کی تفصیل راقم نے رسالہ (مصباح الھدایہ) میں درج کی ہے[1]

اسی طرح روحانی عروجی رابطہ میں جو رابطہ کونیہ نزولیہ ہے اور دوسرے لفظوں میں وجود کو گرفت میں لینا اور اسے اس کے مبدا اول کی طرف پلٹانا ایک واسطہ کی احتیاج رکھتا ہے جس کے بغیر نہ یہ گرفت وجود میں آسکتی ہے نہ مبدا کی طرف رجوع ناقص اور مقید قلوب اور محدود اور پستی میں رہنے والی روحوں کو ایک کامل فوق الکمال اور تام فوق التمام اور مطلق علی الاطلاق سے ارتباط دینا بغیر روحانی واسطوں اور غیبی رابطوں کے وجود میں نہیں آسکتا۔

اور اگر کسی کو یہ گمان ہو کہ حق تعالیٰ تو ہر موجود کا قیوم ہے اور ہر کون بغیر وسائط کے محیط ہے (پھر آپ کے بیان کردہ طول عمل سے کیا حاصل ہے؟) چنانچہ آیۂ شریفہ "مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا"۔[2] (کوئی بھی چلنے پھرنے والا ایسا جاندار نہیں جس کی چوٹی اس کے قبضۂ قدرت میں نہ ہو) میں یہی اشارہ کیا گیا ہے (تو ہم جواب میں کہتے ہیں کہ یہ گمان) مقامات میں اختلاط اور اعتبارات میں اشتباہ سے پیدا ہوا ہے اور کثرت وجود کے مراتب کے مقام کو ساحت تعینات سے خلط ملط کر دیا گیا ہے۔

اس بحث کو اس رسالہ سے کوئی ربط نہیں۔ اس قدر بھی سبقت قلم کے سبب سے حوالہ قرطاس ہو گیا ہے۔

وبالجملہ، اولیائے نعمت سے تمسک جو خود معارج کی طرف جانے کی راہ دریافت کر چکے ہیں اور سیر الی اللہ کی تکمیل کر چکے ہیں۔ سیر الی اللہ کی لوازم میں سے ہیں۔ جیسا کہ احادیث شریفہ میں اس کی طرف بہت اشارہ کیا گیا ہے

---

[1] مصباح الھدایہ عربی زبان میں حضرت امام خمینی قدس سرہ الشریف، کی ایک کتاب ہے جس میں خلافت و ولایت سے متعلق حقائق و معارف بیان کئے گئے ہیں۔ اس کتاب کے مقدمہ میں یوں رقم فرمایا ہے:

انی احببت ان اکشف لك فی هٰذه الرسالة، بعون الله، ولی الهدایة فی البدایة والنهایة طلیعة من حقیقة الخلافة المحمدیة ورشحة من حقیقة الولایة العلویة علیهما التحیات الازلیة الابدیة، وکیفیة سریانهما فی عوالم الغیب والشهادة۔۔۔وبالحری ان نسمیها مصباح الهدایة الی الخلافة والولایة، ورجو من الله التوفیق فانه خیر معین ورفیق واستمد من اولیائه الطاهرة فی الدنیا والاخرة،

یہ کتاب ماہ شوال، ۱۳۴۹، ہجری قمری میں مکمل ہوئی ہے

[2] سورۂ ہود: ۵۶

اور وسائل الشیعہ میں ایک مستقل باب اس عنوان پر قائم کیا ہے کہ (ولایت وامامت ائمہؑ کے بغیر عبادت باطل ہے) کافی شریف میں خود اپنی سند سے روایت کی ہے کہ محمد بن مسلم کہتے ہیں: (میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو سنا، وہ فرماتے تھے، جان لو اے محمد! یقیناً امامان جور اور ان کے پیرو دین خدا سے دور ہیں اور گمراہ ہیں۔ لہٰذا جو اعمال وہ کرتے ہیں وہ ایسی راکھ کے مانند ہیں جسے سخت طوفانی ہوا ادھر ادھر اڑا کر لے جاتی ہے اور منتشر کر دیتی ہے۔ [1]

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: اگر کوئی شخص راتوں کو عبادت میں قیام کرے اور دنوں میں روزہ رکھے اور اپنا تمام مال تصدق کر دے اور تمام عمر حج بجالاتا رہے اور ولی خدا کی ولایت کو نہ پہنچانتا ہو تا کہ اس سے موالات رکھے تو اس کے تمام اعمال اس کی شکایت کریں گے اور اس کے لئے نہ پیش خدا کوئی ثواب ہے اور نہ وہ اہل ایمان سے ہے۔ [2]

شیخ صدوقؒ نے اپنی سند سے ابوحمزہ ثمالی سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت علی بن الحسین علیہما السلام نے ہم سے فرمایا: تمام زمینوں میں کون سی زمین سب سے افضل ہے؟ ہم نے کہا: خدا ورسولؐ اور فرزند رسول علیہ السلام بہت جانتے ہیں۔ فرمایا: سب سے افضل زمین ہمارے لئے رکن ومقام کے درمیان ہے۔ اگر کوئی عمر نوحؑ پائے اور اپنی قوم میں نوحؑ کی طرح ساڑھے نوسو برس رہے اور دنوں میں روزہ رکھے اور راتوں کو عبادت میں اس مکان میں قیام کرے پھر ہماری ولایت کے بغیر خدا سے ملاقات کرے تو اس کا روزہ، نماز اور قیام کچھ نفع نہ بخشے گا۔ [3]

اس سلسلہ میں روایات اس مختصر رسالہ کی گنجائش سے بہت زیادہ ہیں۔

رسالت کی شہادت کے آداب یہ ہیں کہ رسالت کی برحق اور سچی شہادت اور مقام رسالت کی عظمت کو قلب تک پہنچائے، خصوصا رسالت حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کی شہادت اور عظمت کو، عوالم غیب وشہود کا تمام دائرۂ وجود تکوینی ہو یا تشریعی، وجودی ہو یا ہدایتی آنحضرتؐ ہی کے خوان نعمت کا ریزہ خواہ ہے اور وہ حضرت فیض حق کا واسطہ اور حق وخلق کا درمیانی رابطہ ہیں اور اگر ان کی روحانیت وولایت مطلقہ کا مقام نہ ہوتا تو موجودات میں نہ تو کوئی مقام غیب احدیت سے استفادہ کے لائق ہوتا اور نہ ہی فیض حق کا گزر کسی موجود کی طرف ہوتا اور ظاہر و باطن کسی عالم میں بھی نور

---

[1] وسائل الشیعہ، جلد ۱، ص ۹۰، ابواب مقدمہ العبادات، باب ۲۹، حدیث ۱، اصول کافی، جلد ۱، ص ۲۵۹، کتاب الحجہ، باب معرفت الامام والرد الیہ، حدیث ۸

[2] اصول کافی، ج ۳، ص ۳۰، کتاب الایمان والکفر، باب دعائم الاسلام، حدیث ۵

[3] عقاب الاعمال، باب من جہل حق اہل بیت علیہم السلام، حدیث ۲، وسائل الشیعہ، جلد ۱، ص ۹۳، ابواب مقدمۃ العبادات، باب ۲۹، حدیث ۱۲

ہدایت کی جلوہ ریزی نہ ہوتی۔ آنحضرتؐ وہ نور ہیں کہ آیۂ نور میں آیا ہے۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [1]

جب شارع دین اور رسول رب العالمین کی عظمت انسان کے قلب میں جگہ بنالے گی تو احکام وسنن کی عظمت خود بخود دل میں پیدا ہو جائے گی اور جب قلب اس عظمت کا ادراک کر لے گا تمام ملکی اور ملکوتی قوتیں دل کی تابع ہو جائیں گی اور شریعت مقدسہ تمام انسانی مملکت میں نافذ ہو جائے گی اور شہادت کے سچا ہونے کی علامت یہ ہے کہ تمام غیبی اور ظاہری قوتوں میں اس کے آثار ظاہر ہو جائیں اور اس سے روگرداں نہ ہوں۔ جیسا کہ سابق میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔

اب تک جو کچھ ذکر ہوا اس سے رسالت کی شہادت کا اذان و اقامت اور نماز سے رابطہ معلوم ہو گیا، کیونکہ سالک اس طریق روحانی میں اس وجود مقدس سے تمسک کا محتاج ہے تا کہ اسکی مصاحبت ودستگیری سے اس عروج روحانی کا مظاہرہ کرے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس شہادت سے ملکی اور ملکوتی قوتوں میں یہ اعلان کرنا ہے کہ نماز، جو معراج مومنین کی حقیقت اور ارباب عرفان اور اصحاب ایقان کے معارف کا سرچشمہ ہے، حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کشف تام کا نتیجہ ہے جنہوں نے خود سلوک روحانی، جذبات الٰہیہ اور تجلیات رحمانیہ سے مقام "قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى" [2] (دو کمان کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا) تک پہنچ کر ذاتی، اسمائی اور صفاتی تجلیات اور غیب احدی کے حضور میں انس کے الہامات کے اتباع سے حقیقت کا کشف فرمایا اور درحقیقت اس معنوی و روحانی سفر سے واپسی پر اپنی امت کے لئے جو خیر الامم ہے، یہ سوغات لے کر آئے ہیں اور ان کے احسان مند اور غرق نعمت کر دیا ہے۔

جب یہ عقیدت دل میں قرار پا جائے اور تکرار کے ذریعہ جاگزیں ہو جائے تو ضرور سالک کو عظمت مقام اور کرامت محل کا ادراک ہو گا اور خوف ورجاء کے قدموں سے اس مرحلہ کو طے کر لے گا اور امید ہے کہ انشاءاللہ اگر مقدور بھر بھی قیام امر کر لیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے دستگیر ہوں گے اور اس کو احدیت کے مقام قرب تک پہنچائیں گے جو حقیقی مقصد اور فطری آرزو ہے۔ علوم الٰہیہ میں ثابت ہو چکا ہے کہ تمام موجودات کی معاد ایک انسان کامل کے واسطہ سے وجود میں آتی ہے۔ "كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ" [3] (اسی طرح جس طرح تم کو شروع میں پیدا کیا تھا واپس پلٹو گے)۔

---

[1] سورۂ نور، آیت ۳۵

[2] سورۂ نجم، آیت ۹

[3] سورہ اعراف، آیت ۲۹

بِكُمْ فَتَحَ اللّٰهُ وَبِكُمْ يَخْتِمُ وَ اِيَابُ الْخَلْقِ اِلَيْكُمْ [1]

خدا نے تم سے ابتدا کی اور تمہیں پر انتہا کرے گا اور تمام مخلوق کی بازگشت تمہاری طرف ہے۔

نکتہ عرفانیہ

علل الشرائع کی ایک حدیث میں، جس میں صلوۃ معراج کی تفصیل بیان ہوئی ہے اور توصیف کی گئی ہے، وارد ہے کہ (جب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی جانب سے نازل کی گئی محمل نور میں جبریلؑ کے ساتھ معراج میں تشریف لے گئے اور آسمان دوم تک پہنچے تو ملائکہ (رعب وجلال کی تاب نہ لا کر) بھاگے پھر سجدہ میں گر گئے اور تسبیح میں مشغول ہو گئے۔ اور جبریلؑ نے کہا: (اشھد ان محمداً رسول اللہ، اشھد ان محمداً رسول اللہ) ملائکہ جمع ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کرنے لگے اور امیر المؤمنینؑ کا حال پوچھنے لگے۔ آسمان کے در کھل گئے اور حضرتؐ آسمان چہارم کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں ملائکہ نے کچھ نہیں کہا۔ پھر آسمان کے دروازے کھلے اور ملائکہ جمع ہو گئے اور جبریلؑ نے اقامت کہی، الحدیث [2]

تفسیر عیاشی میں بھی قریب قریب یہی مضمون وارد ہوا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام آسمانوں میں سے کسی ایک آسمان کے ملائکہ میں جمال محمدیؐ کے مشاہدہ کی طاقت نہ تھی اور اس نور مقدس کو دیکھ دیکھ کے سجدے میں گر جاتے تھے اور ادھر اُدھر منتشر ہو جاتے تھے اور انہیں وہم ہوتا تھا کہ یہ نور مطلق الٰہی ہے۔ مگر اذان و اقامت کی فصلوں کو سن کر مایوس ہو جاتے تھے۔ ابواب سماوات وا ہو جاتے تھے اور پردے ہٹ جاتے تھے۔

لہٰذا سالک کو چاہئے کہ ان شہادتوں کے واسطے سے حجابات سے باہر آئے اور رسالت کی شہادت دے کر تعین کے احتجاب سے کلی طور پر نکل آئے، کیونکہ مقام رسالت جسے خدا نے اشرف الخلق کے لئے معین کیا، دراصل فنائے مطلق کا مقام اور کامل طور پر غیر استقلالی ہے، کیونکہ رسالت مطلقہ، خاتمیہ، سب سے بڑی خلافت الٰہیہ برزخیہ ہے اور یہ خلافت ظہور و تجلی اور تکوین و تشریع سب کے لئے خلافت ہے اور خلیفہ کو خود کسی طرح کا بھی استقلال اور تعین نہیں ہونا چاہئے۔ ورنہ خلافت اصالت ہو جائے گی اور اصالت مخلوقات میں کسی کے لئے بھی ممکن نہیں ہے۔

لہٰذا سالک الی اللہ کو چاہئے کہ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت کبریٰ کی عظمت کے مقام کو باطن و قلب و

---

[1] عیون اخبار الرضاؑ، جلد ۲، ص ۲۷۲، زیارت جامعہ کبیرہ

[2] تفسیر نور الثقلین/ ج 3 / 111 /سورۃ الاسراء(17): الآیات ۱ اور ۲ کے ذیل میں ..... ص: 97

روح تک پہنچائے اور اس کے واسطہ سے حجابوں کو ہٹائے اور پردوں کو چاک کرے اور تعین خلقی کے پردوں سے یکسر باہر آجائے اس کے بعد اس کے لئے تمام آسمانوں کے دروازے کھل جائیں گے اور کسی رکاوٹ کے بغیر اپنے مقصد کو پالے گا۔

فرع فقہی اور اصل عرفانی:

بعض غیر معتبر روایات میں وارد ہوا ہے کہ، رسالت کی شہادت کے بعد اذان میں (اشھد ان علیاً ولی اللہ، مرتین (دومرتبہ) کہیں اور بعض روایات میں ہے کہ کہ (اشھد ان امیر المؤمنینؑ حقاً، مرتین) کہیں اور بعض دوسری روایات میں ہے کہ (محمد وآل محمد خیر البریۃ) کہیں اور شیخ صدوقؒ نے ان روایات کو مفوضہ کے ایجادات وموضوعات میں شمار کیا ہے اور ان کی تکذیب کی ہے [1]

اور علماء کے درمیان مشہور یہی ہے کہ یہ روایات قابل اعتماد نہیں اور بعض محدثین نے اسے (تسامح فی ادلۃ السنن) کی بنیاد پر اذان کا ایک مستحب جزء قرار دیا ہے اور یہ قول بعید از صواب نہیں ہے۔ اگر چہ قربت مطلقہ کی نیت سے کہنا اولیٰ واحوط ہے، کیونکہ رسالت کی شہادت کے بعد ولایت وامارت مومنین کی شہادت مستحب ہے۔ چنانچہ (احتجاج) میں ہے کہ قاسم بن معاویہ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ اہل سنت معراج کے بارے میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ جب آپؐ معراج کے لئے تشریف لے گئے تو عرش پر لکھا دیکھا، (لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ، ابوبکر الصدیق۔۔۔) امامؑ نے فرمایا: سبحان اللہ، سب کچھ تو بدل ہی دیا تھا یہ بھی بدل دیا! کہا: جی ہاں! امامؑ نے فرمایا: خدائے عزوجل نے جب عرش کو خلق فرمایا تو اس پر لکھا (لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ، علی امیر المؤمنین) اس کے بعد یہی نوشتہ پانی، کرسی، لوح، اسرافیل کی پیشانی، جبریلؑ کے دونوں بازوؤں، آسمانوں کے شانوں، زمینوں، پہاڑوں کی جوٹیوں اور آفتاب وماہتاب پر نقل کیا۔ پھر امامؑ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی (لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ، کہے تو علی امیر المؤمنین، بھی کہے [2]

خلاصہ یہ ہے کہ یہ ذکر شریف رسالت کی شہادت کے بعد مستحب ہے اور بعید نہیں خصوصاً اذان کی فصلوں میں مستحب قرار پائے اگر چہ ان روایات سے بعض بزرگ علماء کے انکار کی وجہ سے احتیاط کا تقاضا ہے کہ قصد قربت مطلقہ

---

[1] من لایحضر الفقیہ، جلد ا، ص ۱۸۸، کتاب الصلاۃ باب الاذان والاقامۃ، وثواب المومنین، ذیل روایت ۳۵

[2] الاحتجاج، جلد ا، ص ۲۳۰

کے ساتھ کہے اوراذان میں خصوصیت کی نیت نہ رکھے۔عرش کی بلندیوں سے زمینوں کی تہوں تک تمام موجودات پر ان کلمات کو لکھنے کا عرفانی نکتہ یہ ہے کہ خلافت و ولایت کی حقیقت الوہیت کا ظہور ہے اور الوہیت اصل وجود وکمال وجود ہے اور جس موجود کو بھی وجود کا کوئی حصہ ملا ہے وہ حقیقت الوہیت اورظہور الوہیت ہی سے ملا ہے جو خلافت وولایت کی حقیقت ہے اور یہ لطف الٰہی عوام غیب سے منتہائے عالم شہادت تک کائنات کے اس سرے سے اس سرے تک سب کی پیشانی پر (مہر کی طرح) ثبت ہے اور یہ لطف الٰہی وجود منبسط کی حقیقت،نفس الرحمٰن، اورحق مخلوق بہ، (مقصد تخلیق کا حق) ہے جو بعینہ خلافت ختمیہ اورولایت مطلقہ علویہ ہے۔ اسی وجہ سے شیخ عارف شاہ آبادی دام ظلہ فرماتے تھے کہ ولایت کی شہادت خود بخود رسالت کی شہادت میں شامل ہے، کیونکہ ولایت باطن رسالت ہے۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ الوہیت کی شہادت میں مجموعی طور سے شہادتیں (شہادت رسالت اور شہادت ولایت) شامل ہیں اوررسالت کی شہادت میں شہادت الوہیت اورشہادت ولایت شامل ہیں اور شہادت ولایت میں شہادت الوہیت اورشہادت رسالت شامل ہیں۔

والحمدللہ اولا وآخرا۔

فصل پنجم

حیعلات کے بعض آداب

جب سالک الی اللہ نے تکبیریں کہہ کے حق تعالیٰ کی صفت (کبریائی) کے ذریعہ اس کی عظمت کا اعلان کر دیا اور الوہیت کی گواہی دے کر توصیف وتحمید، بلکہ ہر تاثیر کو اس کی ذات میں منحصر قرار دے دیا اور خود کو قیام امر کے لئے نااہل قرار دے لیا اور رسالت وولایت کی گواہی دے کہ تمام اختیارات کو رسالت وولایت کا رفیق ومصاحب مان لیا اور خود مقام خلافت وولایت سے تمسک اختیار کر لیا۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔ "الرَّفِيقَ ثُمَّ الطَّرِيقَ."[1]

تو اس کے بعد صریح لہجہ میں ملکی وملکوتی قوتوں کو نماز کے لئے تیار کرنا چاہئے اور ان میں (حی علی الصلاۃ) کہہ کر حاضری کا اعلان کرنا چاہئے۔ اس کی تکرار یا تو اس لئے ہے کہ تاکہ مکمل طور سے آگاہی اور پوری طرح بیداری پیدا ہو یا ان دونوں میں سے ایک مملکت کی داخلی قوتوں کی آگاہی وبیداری کے لئے اور دوسری مملکت کی خارجی قوتوں کی آگاہی کے لئے، کیونکہ وہ بھی اس سفر میں انسان کے ساتھ سالک ہیں۔ جیسا کہ اشارہ کیا جاچکا اور آئندہ بھی کیا جائے گا۔

اس مقام میں سالک کے لئے ادب یہ ہے کہ اپنے قلب اور قوتوں کو سمجھائے اور باطن کو بتائے کہ محضر حق میں حاضری کا وقت قریب ہے تا باطن قلب خود کو حاضری کے لئے تیار کر لے۔ آداب صوریہ ومعنویہ کی پوری طرح محافظت کرے۔ اس کے بعد نماز کے راز اور اس کے نتیجے اور فائدہ کا اجمالا اعلان کرے یہ کہہ کے (حی علی الفلاح، حی

---

[1] وسائل الشیعہ، ج۸، ص ۲۹۹، کتاب الحج، ابواب آداب السفر، باب ۳۰، حدیث ۱۱، نقل از محاسن برقی، ص ۳۵۷، بعض دوسری روایات میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے، جیسے "سئل عن الرفیق قبل الطریق" نہج البلاغہ، فیض الاسلام، ص ۹۳۶، اور "الرفیق ثم السفر" الاشعثیات، ص ۱۶۴، باب سوء الجوار

علی خیر العمل) تا کہ فطرت بیدار ہو جائے، کیونکہ فلاح ونجات سب سے بڑی سعادت ہے اور ہر انسان کی فطرت سب سے بڑی سعادت کی عاشق ہوتی ہے، کیونکہ فطرت کمال طلب اور راحت طلب ہے اور سعادت کی حقیقت کمال مطلق اور راحت مطلق ہے اور یہ بات نماز میں جو خیر الاعمال ہے قلبی و قالبی اور ظاہری و باطنی ہر اعتبار سے حاصل ہوتی ہے، کیونکہ نماز صورت وظاہر کے لحاظ سے ایک بڑا اور جامع ذکر ہے اور اسم اعظم کے ذریعہ ثنائے الٰہی ہے جو تمام شئون الٰہیہ کا جامع ہے۔ اسی لئے اذان و اقامت کا آغاز بھی (اللہ) سے ہوتا ہے اور اختتام بھی ''اللہ'' پر ہوتا ہے اور نماز کے تمام حالات و انتقالات میں، اللہ اکبر، ہی کی تکرار ہوتی ہے اور (توحید ات ثلاثہ) توحید ذات، توحید صفات اور توحید افعال، جو اولیائے خدا کی خنکی چشم ہیں، نماز ہی سے حاصل ہوتی ہیں اور اس میں فنائے مطلق اور جوع کامل کی صورت ملی ہوئی ہے اور باطن وحقیقت کے اعتبار سے قرب حق کی معراج اور جمال جمیل ملطق تک رسائی اور اس ذات مقدس میں فنا کی حقیقت ہے۔ فطرت جس کی شیدا ہے اور کامل طمانینت، مطلق راحت اور مکمل عقلی سعادت اسی سے حاصل ہوتی ہے

''اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ''[1]

ہاں! یاد خدا سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔

اس طرح کمال مطلق، جو ساحت الٰہی تک رسائی، وجوب کے لامتناہی سمندر سے اتصال، جمال ازل کا مشاہدہ اور نور مطلق کے دریا میں مستغرق ہونا ہے، نماز ہی میں حاصل ہوتا ہے اور راحت مطلق، استراحت تام اور طمانینت کامل بھی اسی سے پیدا ہوتی ہے اور سعادت کے دونوں رکن حاصل ہوتے ہیں۔ لہٰذا نماز فلاح مطلق ہے اور یہ خیر الاعمال ہے اور سالک کو چاہئے کہ یہ لطف الٰہی تکرار اور تذکر کے ذریعہ قلب کو سمجھائے اور فطرت کو بیدار کرے۔ دل میں وارد ہونے کے بعد فطرت کمال وسعادت طلبی کے رخ کو اہمیت دے گی اور اس کی محافظت ونگرانی کرے گی۔ ان کی تکرار میں بھی یہی نکتہ پوشیدہ ہے جو بیان کیا گیا۔

سالک جب اس مقام تک پہنچ گیا تو اب حاضری کا اعلان کرے کہ (قد قامت الصلاۃ) اور اب چاہئے کہ خود کو عوالم وجود کے مالک الملوک، سلطان السلاطین اور عظیم مطلق کے حضور میں سمجھے اور اپنے دل کو اس حضور کے وہ خطرات سمجھائے رہے جو سب کے سب قصور اور امکانی تقصیر سے پیدا ہوتے ہیں اور قیام امر نہ کرنے پر کمال شرمندگی وخجالت کے ساتھ اور امید وبیم کے قدموں سے وارد ہو اور کریم کی بارگاہ میں پہنچے۔ خود کو صاحب زاد واسباب سفر نہ سمجھے اور اپنے دل کو سلامتی سے خالی سمجھے اور اپنے عمل کو نیکیوں میں شمار نہ کرے اور معمولی سکے کی قیمت کے برابر بھی نہ خیال کرے۔

---

[1] سورۂ رعد، آیت ۲۸

اگر یہ حال اس کے دل میں مستحکم ہو گیا تو امید ہے کہ عنایات الٰہی سے مستفید ہوگا۔

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ.[1]

کون ہے جو مضطر و بے قرار کی دعا و پکار کو قبول کرتا ہے۔ جب وہ اسے پکارتا ہے؟

وصل و تتمیم:

محمد بن یعقوب، باسنادہ عن ابی عبدا للہ علیہ السلام قال: إِذَا أَذَّنْتَ وَ أَقَمْتَ، صَلّى خَلْفَكَ صَفَّانِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ، وَإِذَا أَقَمْتَ، صَلّى خَلْفَكَ صَفٌّ مِنَ الْمَلَائِكَة.[2]

جب تم اذان و اقامت کہتے ہو تو ملائکہ کی دو صفیں تمہارے پیچھے نماز پڑھتی ہیں اور جب صر ف اقامت کہتے ہو تو ملائکہ کی ایک صف تمہارے پیچھے نماز پڑھتی ہے۔

اور اس مضمون کی بہت حدیثیں ہیں۔ بعض احادیث میں ہے کہ ہر صف کی حد مشرق سے مغرب تک ہے[3] ثواب الاعمال میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھے اس کے پیچھے ملائکہ کی دو صفیں نماز پڑھتی ہیں اور جو شخص بغیر اذان کے صرف اقامت کے ساتھ نماز پڑھے اس کے پیچھے ملائکہ کی ایک صف نماز پڑھتی ہے۔ روای نے پوچھا کہ ہر صف کی مقدار کیا ہوتی ہے؟ فرمایا: کم سے کم مشرق و مغرب کے درمیانی فاصلہ کے برابر اور زیادہ سے زیادہ زمین و آسمان کے درمیانی فاصلہ کے برابر[4]

بعض روایتوں میں ہے کہ اگر اذان کے بغیر اقامت کہتا ہے تو ایک ملک اس کے داہنی طرف اور ایک بائیں طرف کھڑا ہوتا ہے۔[5]

اس کے علاوہ بھی احادیث ہیں۔ احادیث میں جو کچھ اختلاف ہے، ممکن ہے وہ نماز گزاروں کی معرفت اور خلوص کے اختلاف پر مبنی ہو۔ جیسا کہ اس موضوع سے متعلق احادیث سے پتہ چلتا ہے۔ جیسے وہ روایت جو اس نماز

---

[1] سورۂ نمل: ۶۲

[2] فروع کافی، جلد ۳، ص ۳۰۳، کتاب الصلاۃ، باب بدء الاذان و اقامۃ، حدیث ۸

[3] ثواب الاعمال، ص ۵۴، ثواب من صلی باذان و اقامہ، حدیث ۲

[4] ثواب الاعمال، ص ۵۴، ثواب من صلی باذان و اقامہ، حدیث ۲

[5] وسائل الشیعہ، ج ۴، ص ۴۲۰، کتاب الصلاۃ، ابواب الاذان و اقامہ، باب ۴، حدیث ۴

کے متعلق وارد ہوئی ہے جو بیابان یا بے آب و گیاہ زمین میں اذان و اقامت کے ساتھ ادا کی جائے۔ [1]

وبالجملہ، جب سالک خود کو ملائکۃ اللہ سے آگے اور اپنے قلب کو ملکی وملکوتی قوتوں کے پیشوا کی حیثیت سے دیکھے اور اذان و اقامت کے ذریعہ اپنی ملکی اور ملکوتی قوتوں کو مجتمع کر لے اور ملائکۃ اللہ اس کے گرد جمع ہو جائیں تو قلب کو جو ظاہری و باطنی قوتوں میں سب سے افضل ہے اور دوسری قوتوں کا سفارشی بھی ہے، امام قرار دے لینا چاہئے اور چونکہ قلب مامویں کی قرائت کا ذمہ دار ہے اور دوسروں کی ذمہ داری کا بار بھی اس کے اوپر ہے تو چاہئے کہ اس کی مکمل محافظت اور اچھی نگرانی کرے تاکہ وہ حاضری اور محضر کا احترام کرے اور مقام قدس میں ادب کے ساتھ قیام کرے اور اس پاکیزہ اجتماع کو غنیمت جانے اور ملائکۃ اللہ کی توجہ اور تائید کو بڑی بات سمجھے اور حقیقی ولی نعمت کے انعامات کو پہنچانے اور ان نعمتوں کے شکریہ کے ذریعہ اپنے عجز وقصور کو بارگاہ مقدس میں پیش کرے۔

انہ ولی النعم

---

[1] وسائل الشیعہ، ج ۴، ص ۴۲۰، کتاب الصلاۃ، ابواب الاذان و اقامہ، باب ۴، حدیث ۹، یا اباذر، ان ربك لیباھی ملائکتہ بثلاثۃ نفر رجل فی ارض قفراء...

باب دوم

قیام

اس میں دو فصلیں ہیں

فصل اول

قیام کا مجموعی رمز

جاننا چاہئے کہ اہل معرفت کے نزدیک قیام، توحید افعال کی طرف اشارہ ہے جس طرح رکوع، توحید صفات کی طرف اور سجود توحید ذات کی طرف اشارہ ہے۔ رکوع و سجود ان کے محل پر آئے گا۔ اس بات کی وضاحت کہ قیام توحید افعال کی طرف اشارہ ہے، یہ ہے یہ خود قیام اپنی وضع کے اعتبار سے اور قرائت لفظ کے اعتبار سے اسی مقام کی طرف اشارہ ہے۔

قیام وضع کے اعتبار سے اس کی طرف اشارہ ہے۔ یہ اس طرح کہ اس میں بندہ کے حق کے ساتھ قیام اور مقام قیومیت حق کی طرف اشارہ ہے جو فیض مقدس کی تجلی اور تجلی فعلی ہے اور اس تجلی میں فاعلیت حق کا اظہار ہوتا ہے اور تمام موجودات تجلی فعلی میں فانی اور کبریائی ظہوری کے تحت مستہلک ہو جاتے ہیں۔ سالک کے لئے ادب عرفانی اس مقام پر یہ ہے کہ یہ الٰہی لطف قلب کو یاد دلائے اور جس قدر ممکن ہو تعینات کو ترک کر دے اور فیض مقدس کی حقیقت قلب کو یاد دلائے۔ نیز قیومیت حق کو اور یہ کہ خلق کے قوام و وجود کی علت حق تعالیٰ ہی ہے، باطن قلب تک پہنچائے۔ جب یہ حقیقت قلب سالک میں جاگزیں ہو جائے گی تو اس کی قرائت زبان حق سے واقع ہو گی اور ذاکر و مذکور دونوں حق ہو جائیں گے اور بعض اسرار قدر کا قلب عارف پر کشف ہو جائے گا اور "أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ"۔[1] (تو ویسا

---

[1] سجدہ میں دعائے حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک حصہ، فروع کافی، ج ۳، ص ۳۲۴، مصباح الشریعہ، باب ۵، عوالی اللئالی، ج ۱، ص ۳۸۹، حدیث ۲۱

ہی ہے جیسا تو نے اپنا وصف بیان کیا ہے)۔ اور "وَ أَعُوذُبِكَ مِنْكَ" [1] (تجھ سے تیری ہی پناہ میں جانا چاہتا ہوں) کا راز ایک حد تک اس پر منکشف ہو جائے گا۔ بعض اسرار نماز کو قلب عارف دریافت کر لے گا۔ جیسا کہ محل سجود پر نظر کرنے سے جو مٹی اور اصلی خلقت انسان، گردن نیچی رکھنے اور سر جھکائے رکھنے میں جو مٹی کا لازمہ ہے، ممکن کی ذلت وفقر اور عزت سلطنت کبریا کے تحت فانی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللهِ ۚ وَاللهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ. [2]

اے لوگو! تم (سب) اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی بے نیاز ہے جو قابلِ تعریف ہے۔

یہ بات کہ قرائت میں لفظی طور سے توحید فعلی کی طرف اشارہ ہے، سورہ مبارکہ توحید کی تفسیر میں اس کی تفصیل آئے گی۔

انشاء اللہ

---

[1] سجدہ میں پیغمبر اکرمؐ کی دعا کا ایک حصہ، فروع کافی، ج ۳، ص ۳۲۴، مصباح المتہجد وسلاح المتعبد، ص ۳۰۸

[2] سورۂ فاطر: ۱۵

فصل دوم

آداب قیام

قیام کا ادب یہ ہے کہ سالک خود کو محضر حق میں حاضر سمجھے اور عالم کو محضر ربوبیت جانے اور خود کو حاضر مجلس اور بارگاہ خدا میں مقیم سمجھے۔ حاضر و محضر کی عظمت قلب تک پہنچائے اور حق سے مناجات کی اہمیت اور اس مقام کے خطرات قلب کو سمجھائے اور نماز میں وارد ہونے سے پہلے ہی تفکر و تدبر سے قلب کو حاضر کرے اور اسے مقصد کی اہمیت سے آگاہ کر۔ خشوع و خضوع، طمانینت و خشیت، خوف و رجاء اور ذلت و مسکنت آخر نماز تک دل کے لئے لازم قرار دے اور قلب سے شرط کرے کہ ان باتوں کی محافظت و نگرانی کرتا رہے۔ بزرگان دین اور ہادیان طریق کے احوال میں تفکر و تدبر کرے کہ ان پر نماز میں کیسی حالت طاری ہوجاتی تھی اور مالک الملک سے وہ کیسا معاملہ رکھتے تھے۔ ائمہ ھدیٰ علیہم السلام کے حالات کو نمونہ عمل بنائے اور ان کی سیرت پر عمل کرے اور ائمہ معصومینؑ و بزرگان دین کی تاریخ سے صرف تاریخ و روز ولادت و وفات اور عمر شریف وغیرہ معلوم کرنے ہی پر اکتفا نہ کرے۔ جس سے کوئی بہت بڑا فائدہ حاصل ہونے والا نہیں ہے، بلکہ سیر ایمانی و سلوک عرفانی میں ان کی بہترین سیر اور بے مثال سلوک پر نظر ہونا چاہئے کہ ان بزرگوں کے معاملات بندگی معبود میں کیا تھا۔ سیر الی اللہ میں ان کی رفتار کیسی تھی اور ان کے مقامات عرفانی کس درجہ بلند تھے جو ان کی زبان سے نکلے کلمات معجز آیات سے معلوم ہو سکتے ہیں۔

افسوس کہ ہم اہل غفلت جو مادیات کے نشہ میں چور اور بے مایہ ہونے کے ساتھ ہی فریب کھائے ہوئے تمام ہی امور میں شیطان ملعون کا نشانہ بنے ہوئے ہیں اور کسی وقت بھی خواب گراں اور نسیاں بے پایاں سے باہر نہیں آتے۔ ائمہ ھدیٰ علیہم السلام کے معارف و مقامات سے ہم اس قدر کم اور معمولی فائدہ اٹھاتے ہیں کہ جو حساب میں درست نہیں بیٹھتا۔

ان کی تاریخ حیات سے ہم نے صرف قشر اور ظاہری صورت کو لے لیا ہے اور بعثت انبیاء علیہم السلام کی غرض و غایت سے کلی طور پر صرف نظر کئے ہوئے ہیں۔ ہم ''استسمن ذاورم'' [1] جیسی کہاوتوں کے مصداق بن گئے ہیں۔

ہم اب اس مقام پر بعض روایتوں کا ذکر کرتے ہیں جو اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں۔ شاید برادران ایمانی میں سے کسی کے لئے تذکر و یادآوری کا سبب ہوں، والحمد للہ ولہ الشکر۔

عن محمد بن یعقوب باسنادہ عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال: کان علی بن الحسین علیہما السلام: إِذَا قَامَ فِي الصَّلَاةِ تَغَيَّرَ لَوْنُهُ فَإِذَا سَجَدَ لَمْ يَرْفَعْ رَأْسَهُ حَتَّى يَرْفَضَّ عَرَقا. [2]

حضرت علی بن الحسین علیہما السلام جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو آپؑ کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا اور جب سجدے میں جاتے تھے تو سر نہیں اٹھاتے تھے یہاں تک کہ پسینہ آپؑ کے چہرے سے ٹپکتا تھا۔

وباسنادہ عنہ علیہ السلام قال: کان ابی یقول: کان علی بن الحسین إِذَا قَامَ فِي الصَّلَاةِ كَأَنَّهُ سَاقُ شَجَرَةٍ لَا يَتَحَرَّكُ مِنْهُ شَيْءٌ إِلَّا مَا حَرَّكَتِ الرِّيحُ مِنْه. [3]

میرے والد، امام محمد باقر علیہ السلام، فرماتے تھے کہ: علی بن الحسینؑ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو گویا درخت کی شاخ کی طرح ہوتے تھے جسے جتنی ہوا حرکت دیدے اس کے سوا حرکت نہیں کرتے تھے۔

وعن محمد بن علی بن الحسین فی اللعل باسنادہ عن ابان بن تغلب قال: قلت لا بی عبداللہ علیہ السلام: إنی رأیت علیّ بن الحسین علیہما السّلام إذا قام إلی الصلاۃ غشی لونہ لون آخر، فقال لی: و اللہ إنّ علیّ بن الحسین علیہما السلام کان یعرف الذی یقوم بین یدیہ. [4]

---

[1] متورم کو موٹا سمجھ لیا، یہ ایک کہاوت ہے جو ظاہر سے دھوکہ کھانے اور غیر واقعی بات کو واقعی سمجھ بیٹھنے کے موقع پر بولی جاتی ہے۔

[2] الکافی (ط - الاسلامیۃ) / ج 3 / 300 / باب الخشوع فی الصلاۃ وکراہیۃ العبث ..... ص: 299

[3] الکافی (ط - دار الحدیث) / ج 6 / 110 / 16 - باب الخشوع فی الصلاۃ وکراہیۃ العبث ..... ص: 106

[4] علل الشرائع، ص ۸۸، نقل از وسائل الشیعہ، ج ۴، ص ۶۸۵، کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ، باب ۲، حدیث ۴

ابان بن تغلب کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: میں نے علی بن الحسین علیہما السلام کو دیکھا کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا، امامؑ نے فرمایا: خدا کی قسم علی بن الحسینؑ اسے پہچانتے تھے جس کے لئے نماز پڑھتے تھے۔

وعن السيد على بن طاووس فى فلاح السائل فى حديث، فقال ابو عبدالله علیہ السلام: لَا يَتِمُّ الصَّلَاةُ إِلَّا لِذِى طُهْرٍ سَابِغٍ وَ تَمَامٍ بَالِغٍ غَيْرِ نَازِغٍ وَ لَا زَائِغٍ عَرَفَ فَوَقَفَ وَ أَخْبَتَ فَثَبَتَ فَهُوَ وَاقِفٌ بَيْنَ الْيَأْسِ وَ الطَّمَعِ وَ الصَّبْرِ وَ الْجَزَعِ كَأَنَّ الْوَعْدَ لَهُ صُنِعَ وَ الوَعِيدَ بِهِ وَقَعَ يُذِلُّ عِرْضَهُ وَ يُمَثِّلُ غَرَضَهُ وَ بَذَلَ فِي اللَّهِ الْمُهْجَةَ وَ تَنَكَّبَ إِلَيْهِ الْمَحَجَّةَ غَيْرَ مُرْتَغِمٍ بِارْتِغَامٍ يَقْطَعُ عَلَائِقَ الِاهْتِمَامِ بِعَيْنِ مَنْ لَهُ قَصَدَ وَ إِلَيْهِ وَفَدَ وَ مِنْهُ اسْتَرْفَدَ۔

فَإِذَا أَتَى بِذَلِكَ كَانَتْ هِيَ الصَّلَاةُ الَّتِي بِهَا أُمِرَ وَ عَنْهَا أُخْبِرَ وَ إِنَّهَا هِيَ الصَّلَاةُ الَّتِي تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَ الْمُنْكَرِ..... الحديث [1]

نماز کامل نہیں ہوتی مگر اسی کے لئے جو ہر رخ سے پاک و پاکیزہ ہو اور پوری تمامیت رکھتا ہو اور اس کا پورا حق ادا کرے اور وسوسہ اور انحراف سے دور ہو۔ خدا کو پہچانتا ہو اور اس کے لئے خشوع اختیار کرے اور ثابت قدم رہے اور اس حال میں کہ امید اور ناامیدی اور صبر و بے تابی کے درمیان کھڑا ہو۔ گویا اس سے وعدے کئے گئے ہیں اور اسے سزا کی وارننگ مل چکی ہے اپنی خودداری کو چھوڑ کر اپنا مقصد برابر نظر میں رکھے ہے اور جان راہ خدا میں دے چکا ہے اور اسی کا راستہ منتخب کر چکا ہے خاک پر ناک رگڑنے (سجدہ) میں ذرا بھی کراہت دل میں نہیں پیدا ہونے دے رہا ہے اور اس کے علاوہ سب سے علاقہ توڑ کر صرف اسی کی طرف لگائے ہے اور اس کی بارگاہ میں حاضر ہے اور اسی سے طالب بخشش ہے۔ اگر ایسی نماز ادا کرے گا تو یہ وہی نماز ہوگی جس کا حکم دیا گیا ہے اور اسی کے بارے میں خبر دی گئی ہے اور یہی وہ نماز ہے جو فحشاء اور منکر سے روکتی ہے۔

وعن محمد بن يعقوب، باسناده الىٰ مولانا زين العابدين عليه السلام، انه قال:

---

[1] بحارالأنوار (ط۔ بیروت)/ ج 81 / 250 / باب 16 آداب الصلاۃ..... ص: 226

فَأَمَّا حُقُوقُ الصَّلَاةِ فَأَنْ تَعْلَمَ أَنَّهَا وِفَادَةٌ إِلَى اللَّهِ وَ أَنَّكَ فِيهَا قَائِمٌ بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ فَإِذَا عَلِمْتَ ذَلِكَ كُنْتَ خَلِيقاً أَنْ تَقُومَ فِيهَا مَقَامَ الْعَبْدِ الذَّلِيلِ الرَّاغِبِ الرَّاهِبِ الْخَائِفِ الرَّاجِي الْمُسْتَكِينِ الْمُتَضَرِّعِ الْمُعَظِّمِ مَقَامَ مَنْ يَقُومُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِالسُّكُونِ وَ الْوَقَارِ وَ خُشُوعِ الْأَطْرَافِ وَ لِينِ الْجَنَاحِ وَ حُسْنِ الْمُنَاجَاةِ لَهُ فِي نَفْسِهِ وَ الطَّلَبِ إِلَيْهِ فِي فَكَاكِ رَقَبَتِهِ الَّتِي أَحَاطَتْ بِهَا خَطِيئَتُهُ وَ اسْتَهْلَكَتْهَا ذُنُوبُهُ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ.[1]

لیکن نماز کے حقوق (جن کی رعایت رکھنا چاہئے) یہ ہیں کہ تم یہ جان لو کہ نماز بارگاہ خدا میں حاضری ہے اور سمجھ لو کہ نماز میں خدا کے سامنے پیشی پر کھڑے ہو۔ جب تم یہ جان لو گے تو تم اس لائق ہو جاؤ گے کہ اس طرح نماز کے لئے کھڑے ہو سکو جیسے ایک بندۂ ذلیل کھڑا ہوتا ہے۔ طلب، رغبت اور (عذاب خدا سے) خود کے عالم میں (رحمت خدا کی) امید میں، پریشان حال، فریاد کنان و گریاں، جو سکون و وقار، اعضاء و جوارح میں خشوع، تواضع اور قلب کی اچھی مناجات سے اور اپنے فتویٰ کی نجات کی طلب میں جس کی خطاؤں نے اسے گرفتار کر رکھا ہے اور گناہوں نے ہلاک کر دیا ہے۔ اس عظیم ذات کے مقام کو عظیم سمجھے جس کی بارگاہ میں کھڑا ہے اور خدا کے علاوہ کوئی صاحب قوت نہیں۔

وعن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اعْبُدِ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ[2]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: اپنے پروردگار کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم اس کو دیکھ رہے ہو، کیونکہ اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔

وعن فقه الرضا علیہ السلام:

فَإِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَقُومَ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَا تَقُومُ إِلَيْهَا مُتَكَاسِلًا وَ لَا مُتَنَاعِساً وَ لَا مُسْتَعْجِلًا وَ لَا مُتَلَاهِياً وَ لَكِنْ تَأْتِيهَا (عَلَى السُّكُونِ) وَ الْوَقَارِ وَ التُّؤَدَةِ وَ عَلَيْكَ الْخُشُوعُ وَ الْخُضُوعُ مُتَوَاضِعاً لِلَّهِ جَلَّ وَ عَزَّ مُتَخَاشِعاً عَلَيْكَ خَشْيَةٌ وَ سِيمَاءُ

---

[1] بحار الانوار (ط - بیروت)/ ج 81 / 248 / باب 16 آداب الصلاۃ..... ص: 226

[2] بحار الانوار، ۷۴، ص ۷۴، کتاب الروضہ، مواعظ النبیؐ، باب ۴، حدیث ۳، مکارم الاخلاق، ص ۴۵۹

الْخَوْفِ رَاجِياً خَائِفاً بِالطُّمَأْنِينَةِ عَلَى الْوَجَلِ وَ الْحَذَرِ فَقِفْ بَيْنَ يَدَيْهِ كَالْعَبْدِ الْآبِقِ الْمُذْنِبِ بَيْنَ يَدَيْ مَوْلَاهُ فَصُفَّ قَدَمَيْكَ وَ انْصِبْ نَفْسَكَ وَ لَا تَلْتَفِتْ يَمِيناً وَ شِمَالًا وَ تَحْسَبُ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ. الحديث [1]

فقہ الرضاؑ سے نقل ہوا ہے کہ: جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو سستی کی حالت، نیند سے بوجھل ہو کر، جلد بازی اور لہو ولعب کے ساتھ نہ کھڑے ہوا کر، بلکہ اطمینان و وقار کے ساتھ نماز ادا کیا کرو۔ لازم ہے کہ نماز میں خاشع و خاضع رہو اور خدا کے سامنے خاکساری اختیار کرو اور خوف و خشیت اپنے اوپر طاری رکھو۔ اس حال میں کہ امید و بیم کے عالم میں تم کھڑے ہو اور برابر نگراں اور چوکنا رہو۔ پس بھاگے ہوئے خطاوار غلام کی طرح جو واپس آیا ہے اور اپنے آقا کے دربار میں کھڑا ہے۔ درگاہ خدا میں کھڑا ہو اپنے پیروں کو قریب کرلو۔ قامت کو سیدھا رکھو اور دائیں بائیں نظر نہ ڈالو اور یوں سمجھ لو جیسے تم خدا کو دیکھ رہے ہو کہ اگر تم اس کو نہ بھی دیکھ رہے ہو تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔

وفی عدة الداعی، روی: أَنَّ إِبْرَاهِيمَ ع كَانَ يُسْمَعُ تَأَوُّهُهُ عَلَى حَدِّ مِيلٍ حَتَّى مَدَحَهُ اللَّهُ تَعَالَى بِقَوْلِهِ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُنِيبٌ [2] وَ كَانَ فِي صَلَاةٍ يُسْمَعُ لَهُ أَزِيزٌ كَأَزِيزِ الْمِرْجَلِ وَ كَذَلِكَ كَانَ يُسْمَعُ مِنْ صَدْرِ سَيِّدِنَا رَسُولِ اللَّهِ ص مِثْلُ ذَلِكَ وَ كَانَتْ فَاطِمَةُ ع تَنْهَجُ فِي الصَّلَاةِ مِنْ خِيفَةِ اللَّهِ تَعَالَى. [3] ۔ الی غیر ذلك من الاخبار۔

روایت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی آہ وزاری کی آواز ایک میل (چار ہزار ہاتھ) سے سنائی دیتی تھی۔ اس حد تک کہ خداوند عالم نے ان کی یوں مدح کی، یقیناً ابراہیم بردبار، بہت آہیں کھینچنے والے اور خدا سے توبہ اور ندامت کا اظہار کرنے والے تھے۔

نماز میں ان کے سینے کی آواز یوں سنائی دیتی تھی جیسے جوش کھائی ہوئی دیگ کی آواز ہو۔

---

[1] مستدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ، باب ۱، حدیث ۷، نقل از فقہ الرضا، ص ۱۰۱، باب الصلوٰۃ المفروضہ

[2] سورۂ ہود، آیت ۷۵

[3] مستدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ، باب ۲، حدیث ۱۵

ایسی ہی آواز ہمارے آقا حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینے سے بھی سنائی دیتی تھی اور جناب فاطمہ صلواۃ اللہ علیہا پر نماز میں خوف خدا کی وجہ سے غیر معمولی حالت طاری ہو جاتی تھی اور ان کی سانسوں کو شمار کیا جا سکتا تھا۔

ان موضوعات پر احادیث شریفہ بہت ہیں۔ اس مختصر رسالہ میں ان سب کے ذکر کی گنجائش نہیں ہے۔ ان چند حدیثوں میں غور وفکر بھی اہل تفکر و تذکر کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ آداب صوریہ کے متعلق بھی، آداب قلبیہ و معویہ کے بارے میں بھی اور محضر الٰہی میں قیام کی کیفیت کے تعلق سے بھی۔

ذرا حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے حالات، آپؑ کی درگاہ حق میں مناجات اور آپؑ کی ان دعاؤں کے بارے میں غور تو کیجئے جن سے عبادت و بندگی کی تعلیم ملتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان حضرات کی مناجات بندوں کو تعلیم دینے کی غرض سے ہوتی تھی، کیونکہ یہ ایک بے مغز اور باطل کلام ہے جو مقام ربوبیت اور معارف اہل بیتؑ سے واقف ہونے کی وجہ سے صادر ہوا ہے۔ ان حضرات کا خوف خدا اور خشیت الٰہی ہر شخص سے بڑھ چڑھ کر ہے اور ان کے دلوں میں عظمت و جلال حق نے ہر ایک سے زیادہ تجلی کی تھی، لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ بندگان خدا کو چاہئے کہ ان حضرات سے بندگی اور سلوک الی اللہ کے طور طریق سیکھیں۔ جب ان کی مناجاتیں اور دعائیں پڑھیں تو وہ صرف زبان کی ادائیگی تک نہ رہ جائیں، بلکہ تفکر کریں کہ حق تعالیٰ کے ساتھ ان کا معاملہ کیسا تھا اور ذات مقدس کے سامنے وہ کس طرح عجز و نیاز اور تذلل و تضرع کا اظہار فرماتے تھے۔

ولعمر الحبیب! کہ جناب علی بن الحسین امام زین العابدین علیہما السلام کی ذات ان عظیم ترین نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے، حق تعالیٰ نے جن کے وجود مقدس سے بندوں پر احسان کیا اور ان بزرگوار کو عالم قرب اور محضر قدس سے زمین پر اتارا تا کہ اپنے بندوں کو ان کے ذریعہ عبودیت کے طریقے سمجھائے

لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ. [1]

اس روز تم سے نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

اور اگر ہم سے پوچھا جائے کہ اس نعمت کی قدر کیوں نہ پہچانی اور اس عظیم ہستی سے کیوں نہ فیض حاصل کیا، تو ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ ندامت سے سر جھکا لیں اور پشیمانی و تاسف کی آگ میں جل مریں اور اس وقت پشیمانی و تاسف سے کچھ ملنے والا نہیں۔

---

[1] سورۂ تکاثر، آیت ۸

ایک موعظہ حسنہ

عزیز! اب جب کہ موقع ہے، عمر عزیز کا سرمایہ حاصل ہے، سلوک الی اللہ کا راستہ کھلا ہے، رحمت کے در کھلے ہیں، اعضاء و جوارح میں قوت موجود اور قوتوں میں سلامتی برقرار ہے، عالم ملک کا کشت زار قائم ہے، ہمت سے کام لو اوران الٰہی نعمتوں کی قدر پہچانو اوران سے فائدہ اٹھاؤ۔ روحانی کملات اورازلی وابدی سعادتیں حاصل کرو اوران معارف سے جنہیں قرآن شریف نے آسمان سے نازل ہوکر اور اہل بیت علیہم السلام نے محضر قدس سے آکر مادی اور اندھیری زمین کے فرش پر پھیلایا ہے اور عالم کو انوار الٰہی کی تابانیوں سے روشن ومنور کر دیا ہے تم بھی استفادہ کرو اور اپنی تاریک مادی زمین کو نور الٰہی سے روشن کرو۔ آنکھوں، کانوں، زبان اورتمام ظاہری و باطنی قوتوں کو حق سے منور کرو اوراس تاریک زمین کو نورانی، بلکہ عقلانی زمین میں تبدیل کردو۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ.[1]

جس دن زمین دوسری زمین میں تبدیل ہو جائے گی۔

وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا.[2]

اورزمین اپنے پروردگار کے نور سے چمک اٹھے گی

اگر اس روز تمھاری زمین بدلی ہوئی نہ ہوئی اورنو ررب سے نورانی نہ ہوگئی تو تاریکی ہی تاریکی، سختی ہی سختی، و حشت ہی وحشت، فشار ہی فشار، ذلت ہی ذلت اورعذاب ہی عذاب تمہارے حصہ میں آئے گا۔

ہماری ظاہری و باطنی قوتیں شیطانی تاریکیوں میں گھری رہیں اورہم اسی حال میں پھنسے رہیں تو خطرہ ہے کہ دھیرے دھیرے نور فطرت سے معمور زمین فطرت کہیں اندھیرے، نور فطرت سے خالی اورتمام الٰہی فطرت سے محجوب سجینی زمین میں تبدیل نہ ہو جائے۔ یہ ایسی بدبختی ہوگی جس کے بعد کسی سعادت کا وجود نہیں۔ ایسی تاریکی ہے جس کے پیچھے کوئی روشنی نہیں، ایسی وحشت ہے جس کے بعد اطمینان کی کوئی صورت نہیں اورایسا عذاب ہے جس کے بعد راحت و آرام کا کوئی امکان نہیں

---

[1] سورہ ابراہیم، آیت ۴۸

[2] سورۂ زمر:۶۹

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ.[1]

اور جسے اللہ نور (ہدایت) نہ دے تو اس کے لئے کوئی نور نہیں ہے۔

پناہ مانگتا ہوں اللہ کی، شیطانی فریب کاریوں اور برائی کی راہ پر لگانے والے نفس امارہ کی دسیسہ کاریوں سے۔

انبیاء کرامؑ کی بعثت، شریعتوں کی تعیین، احکام کی تاسیس، آسمانی کتابوں کے نزول بالخصوص قرآن مجید کے آنے کا، جس کے حامل اور جس کی روشنی کو پھیلانے والے حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سب سے اہم مقصد توحید اور معارف الٰہیہ کی نشر و اشاعت اور کفر و شرک کی بنیاد کو اکھاڑ پھینکنا ہے اور توحید و تجرید کا رمز تمام قلبی و قالبی عبادات میں جاری و ساری ہے، بلکہ شیخ عارف کامل شاہ آبادی روحی فداہ فرماتے تھے: (عبادات باطن قلب سے ملک بدن میں توحید کے اجراء کا نام ہے)۔

وبالجملہ، عبادات کا مقصد معارف کا حصول اور قلب میں توحید اور دوسرے معارف کا استحکام ہے اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک سالک عبادت کے قلبی حقوق ادا نہ کردے اور صورت اور قالب سے حقیقت اور مغز تک عبور نہ کرجائے۔ دنیا اور قشر میں رکا نہ رہ جائے، کیونکہ ان چیزوں پر رکا رہنا رہ سلوک کا کانٹا ہے اور جو لوگ صرف صورت عبادت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور لوگوں کو باطنی آداب سے روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس صورت اور قشر کے علاوہ شریعت کے نہ کوئی اور معنی ہیں نہ حقیقت! طریق الٰہی کے شیاطین اور راہ انسانیت کے کانٹے ہیں اور ان کے شر سے خدا کی پناہ مانگنا چاہئے جو فطرت الٰہی کے اس نور کو انسان میں بجھا دینا چاہتے ہیں جو معرفت، توحید، ولایت اور تمام دوسرے معارف کا نور ہے اور لوگوں کی آنکھوں پر اندھی تقلید، جہالت، عادات اور رسموں کے پردے ڈال دینا چاہتے ہیں۔ بندگان خدا کو درگاہ خدا میں ٹھہرنے اور اس کے جمال جمیل تک پہنچنے سے روکتے ہیں اور معارف کا راستہ بند کرتے ہیں۔ بندگان خدا کے صاف و سادہ اور بے آلائش دلوں کو، جن کی خمیر میں حق تعالیٰ نے اپنے دست جلال و جمال سے معرفت کی تخم ریزی کی ہے اور انبیاء کرامؑ اور کتب آسمانی کی تربیت اور نشو ونما کے لئے بھیجی ہیں، دنیا اور اس کے رنگ و روغن اور مادی و جسمانی سمتوں اور ان کے عوارض کی طرف پھیر دیتے ہیں اور روحانیات اور عقلی سعادتوں سے منحرف کردیتے ہیں اور عوالم غیب اور ان جنتوں کو، جن کا وعدہ اللہ نے کیا ہے، حیوانی ماکولات و مشروبات اور بہیمانہ جنسیات میں منحصر قرار دیتے ہیں۔

ان لوگوں کا گمان ہے کہ اللہ نے یہ تمام بساط رحمت اس لئے بچھایا ہے، اتنی عظمتوں کے ساتھ کتابیں اس لئے

---

[1] سورۂ نور: ۴۰

نازل کی ہیں، فرشتوں کو اس لئے بھیجا ہے اور انبیائے عظامؑ کو اس لئے مامور ومبعوث فرمایا ہے تا کہ وہ شکم اور شرمگاہ کی آسائش کا انتظام کریں!! ان کے معارف کا آخری مقصود یہ ہے کہ دنیا میں شکم وشرمگاہ کی حفاظت کرو تا کہ آخرت میں ان کی خواہشات پوری ہوں، جس قدرت اہمیت ان لوگوں کی نظر میں پانچ سو سالہ جامعت کو حاصل ہے اتنی حیثیت توحید و نبوت کو حاصل نہیں ہے۔ یہ لوگ تمام معارف کو شکم وشرمگاہ کی تعمیر کا مقدمہ سمجھتے ہیں اور اگر کوئی حکیم الٰہی اور عارف ربانی بندگان خدا کے سامنے رحمت کا کوئی دروازہ کھولنا چاہے اور ایک ورق حکمت الٰہی کا پڑھنا چاہے تو اس کی بدگوئی دشنام طرازی، تکفیر اور اس کی طرف کوئی بری سے بری نسبت دینے سے باز نہیں آتے۔ یہ دنیا اس قدر فرق ہو گئے ہیں اور شکم و شرمگاہ کی خواہشات کو کچھ بھی ان کے بارے میں نہ جاننے کے باوجود اس درجہ اہمیت دیتے ہیں کہ چاہتے ہیں کہ حیوانی خواہشات کے علاوہ کوئی اور سعادت دار وجود میں باقی نہ رہے۔ حالانکہ اگر سعادت عقلیہ بھی دنیا میں رہے تو شکم وشرمگاہ کو کیا نقصان پہنچ جائے گا؟!

ہم جیسے لوگ، جنہوں نے حیوانیت کی حد سے آگے قدم نہیں رکھا، جسمانی بہشت اور ادارۂ شکم وشرمگاہ کے سوا ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ حالانکہ فضل خدا سے امید ہے کہ اس تک بھی پہنچیں گے، لیکن یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ سعادت اسی میں منحصر ہے اور بہشت حق تعالیٰ اسی حیوانی بہشت میں محصور ہیں، بلکہ حق تعالیٰ کے پاس بہت عالم ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے، نہ کسی کان نے سنے اور نہ کسی کے دل میں ان کا خیال آسکا، لیکن ارباب محبت الٰہیہ اور اہل معرفت خدا نہ ان جنتوں میں سے کسی ایک جنت کی طرف رخ کرتے ہیں اور نہ عالم غیب وشہود کی طرف کسی قسم کی توجہ۔ ان کی جنت صرف لقائے الٰہی ہے۔

اگر آیات قرآن اور احادیث اہل بیت عصمت وطہارت علیہم السلام کو سلسلہ میں ذکر کرنا چاہوں تو ان اوراق کی وضع کے خلاف ہوگا، کیونکہ اس رسالہ میں ایجاز واختصار کو پیش نظر رکھنا مقصود ہے، اور جو کچھ بیان کر دیا گیا ہے وہ قلم کے بے قابو ہو جانے کی وجہ سے قلم بند کر دیا گیا ہے۔ ہمارا بہترین مقصد بندگان خدا کو ان کی غرض خلقت کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ یعنی معرفت خدا جو تمام سعادتوں سے بالاتر ہے اور دوسری کوئی بھی چیز اسی کا مقدمہ ہے اور بس۔ ہماری ان لوگوں سے مراد جو راہ سلوک کے کانٹے ہیں، اکابر علمائے اسلام اور مذہب جعفری کے فقہائے کرام نہیں ہیں، بلکہ کچھ ایسے اہل جہل ہیں جنہوں نے تقصیر وعناد کی وجہ سے نہیں، بلکہ قصور وجہل کی وجہ سے علم کا شعار اختیار کر لیا ہے اور بندگان خدا کے لئے راہزن بنے ہوئے ہیں۔ خدائے تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں کہ قلم سرکش، نیت فاسد اور مقصود باطل ہو جائے۔

والحمدلله اولاً وآخراً وظاهراً وباطناً.

باب سوم

نیت کا رمز اور اس کے آداب

اس میں پانچ فصلیں ہیں

فصل اول

عبادت میں نیت کی حقیقت

نیت کسی شے کے تصور اور اس کے فائدہ کی تصدیق اور اس کو بجالانے کے لازم ہونے کے حکم کے بعد اس کے بجالانے اور نفس کو اس کے انجام دینے پر جمع کرنے پر پختہ عزم کرنے کو کہتے ہیں۔ یہ ایک ایسی نفسانی و وجدانی حالت ہے جو مذکورہ امور کے بعد پیدا ہوتی ہے جس کو ہمیت، تصمیم عز وارادہ وقصد سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ حالت تمام اختیاری افعال میں موجود ہے۔کوئی فعل اختیاری، ممکن نہیں ہے کہ نیت کے بغیر وجود میں آسکے اور یہ حقیقت ہے کہ امر مجاز کے شائبہ کے بغیر تمام عمل میں موجود رہتا ہے اور یہ لازم نہیں ہے کہ عمل کے درمیان یا عمل کے آغاز میں تفصیل کے ساتھ ذہن میں حاصل ہو یا عمل کرنے والا اس قصد و تصمیم کا تفصیل کے ساتھ تصور کرے، بلکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان اسی تصمیم عزم کے ساتھ عمل کو بجالاتا ہے۔ حالانکہ عمل کی تفصیلی صورت سے کلی طور پر بے خبر و غافل رہتا ہے، لیکن وہ حقیقت موجود رہتی ہے اور اسی کی تحریک پر عمل خارج میں وجود حاصل کرتا ہے۔ جیسا کہ وجدانی طور پر افعال اختیاری میں یہ امر واضح ہے۔

وبالجملہ، یہ تصمیم عزم جسے فقہاء کی زبان میں نیت کہتے ہیں، بلا اختلاف ہر عمل میں موجود ہے کہ اگر کوئی شخص چاہے کہ فعل اختیاری کو بغیر اس کے انجام دے تو ایسا ممکن ہی نہیں ہے۔ اس کے باوجود شیطان ملعون کا وسوسہ اور وہم کا فریب عقل کو محکوم بنالیتا ہے اور ایک امر ضروری کو انسان کی نگاہوں سے اوجھل کر دیتا ہے اور بجائے اس کے کہ انسان اپنی قیمتی زندگی عمل کو خالص بنانے اور نکھارنے میں صرف کرے اور باطنی مفاسد سے پاک کرے اور بجائے اس کے کہ اس کو معارف توحید اور حق شناسی وحق طلبی میں صرف کرے، شیطان اسے وسوسہ میں ڈال دیتا ہے اور وہ آدھی زندگی غیر

ضروری اور غیر قابل حصول امور میں صرف کر دیتا ہے۔

شیطان کے جال اور پھندے بہت ہیں۔ ایک کو اصل عمل کے ترک پر آمادہ کرتا ہے اور دوسرے کو، جس سے مایوس ہوجاتا ہے کہ عمل کو ترک کرے گا، ریاکاری، خود پسندی اور دوسرے مفاسد میں مبتلا کرتا ہے اور اگر اس میں کامیاب نہیں ہوتا تو (مقدس مآبی) کی راہ سے اس کے عمل کو باطل کر دیتا ہے۔ تمام لوگوں کی عبادات کو اس کی نظر میں ذلیل کر دیتا ہے اور لوگوں کی طرف بے پروائی کی نسبت دیتا ہے اور پھر اسے آمادہ کرتا ہے کہ مثلاً نیت میں جو عمل کا ایک لازمہ ہے، یا تکبیر میں یا قرائت میں، جو عادی اور معمولی امور ہیں، اپنی ساری عمر صرف کر دے اور اس وقت تک انسان سے راضی نہیں ہوتا جب تک کسی نہ کسی طریقہ سے اس کے عمل کو باطل نہ کر دے۔

وسواس کے بہت سے ڈھنگ اور بے شمار طریقے ہیں، جن پر نہ اس وقت بحث کرنے کا موقع ہے اور نہ سب کا استقصاء ممکن ہے، لیکن ان میں سب سے زیادہ مضحکہ خیز اور تعجب انگیز وسوسہ شاید وہ وسوسہ ہے جو نیت میں پیدا ہوتا ہے، کیونکہ اگر کوئی شخص چاہے کہ اپنی تمام قوتوں کے ساتھ کسی امر کے لئے قیام کرے مگر نیت کے بغیر تو ساری زندگی کسی ایک امر اختیاری کا بجالانا ممکن نہیں ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی ایک بے چارے نفسیاتی مریض اور ضعیف العقل کو تم دیکھتے ہو کہ ہر نماز میں تادیر اپنے کو معطل کئے رہتا ہے کہ اس کی نماز نیت اور عزم کے ساتھ وجود میں آئے۔ یہ شخص ایسا ہی ہے جیسے کوئی مدتوں غور کرتا رہے کہ بازار جائے یا کھانا کھانے کے لئے نیت یا عزم ہی کرتا رہے؟ وہ بے چارہ، جس کی نماز کو معراج قرب اور مفتاح سعادت ہونا چاہئے اور آداب قلبی کی بجا آوری اور اس کی الٰہی لطف و کرم کے اسرار سے واقفیت حاصل کر کے اپنی ذات کی تکمیل اور اپنی زندگی کے اسباب مہیا کرنا چاہئے ان تمام امور کی پروا نہیں کرتا، بلکہ ان سب کو لازم ہی نہیں جانتا۔ اس کے لئے آسان ہے کہ سب کو باطل شمار کر لے اور اپنے سرمایہ عزیز کو اطاعت شیطان اور خدمت وسواس خناس میں صرف کر دے اور خدا کی عطا کی ہوئی عقل کو جو نور ہدایت ہے، ابلیس کے تابع فرمان کر دے۔

عبداللہ بن سنان کہتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے ایک شخص کا ذکر کیا جو وضو و نماز میں مبتلا تھا (یعنی وسواسی تھا) اور کہا کہ: وہ ایک صاحب عقل انسان ہے، ! امامؑ نے فرمایا: کیا عقل رکھتا ہے، جب کہ شیطان کی اطاعت کرتا ہے! میں نے عرض کیا: شیطان کی اطاعت کیسے کرتا ہے؟ فرمایا: اس سے پوچھنا کہ یہ جو اس کی حالت ہے کس وجہ سے ہے؟ وہ کہے گا کہ ایک شیطانی کام ہے۔[1]

---

[1] اصول کافی، ج۱، ص ۱۳، کتاب العقل والجہل، حدیث ۱۰

وبالجملہ، کتنی ہی زحمت اورمحنت و ریاضت کرنی پڑے، انسان کو چاہئے کہ اس ریشہ کوقطع کردے جو انسان کو ہر سعادت اورخیرات سے روکتا ہے۔ممکن ہے ایسی صورت میں انسان کی چالیس کی تمام عبادتیں ظاہری صورت کے لحاظ سے بھی صحیح نہ ادا ہوتی ہوں اور باطنی وشرعی آداب تو کیا فقہی اجزاء سے بھی خالی رہی ہوں۔سب سے زیادہ مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ ان وسواسی لوگوں میں سے بعض سب لوگوں کے عمل کو باطل سمجھتے ہیں!! اورسب کو دین سے لا پرواہ جانتے ہیں۔ حالانکہ یہ اگر مقلد ہیں تو ان کے مرجع تقلید کا طریقہ بھی لوگوں کے متعارف طریقہ پر ہوگا اوراگر اہل علم وفضل میں سے ہیں تو احادیث کی طرف رجوع کریں اور دیکھیں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اورائمہ ھدیٰ علیہم السلام بھی ان امور میں متعارف تھے۔تمام لوگوں میں صرف یہ وسواسی او رشکی لوگ ہیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ،ائمہ معصومین علیہم السلام، فقہائے مذہب اورعلمائے ملت کے طریقہ کے خلاف عمل کرتے ہیں اورسب کے اعمال کو ناچیز سمجھتے ہیں اور اپنے عمل کو موافق احتیاط اوراپنے آپ کو دین کا خیال رکھنے والا خیال کرتے ہیں۔مثلاً وضو کے متعلق جن احادیث میں رسول خداؐ کے وضو کا ذکر آیا ہے، وہ متواتر ہیں۔علی الظاہر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک چلّو (پانی) منہ پر ڈالتے تھے، ایک چلو داہنے ہاتھ پر اورایک چلو بائیں ہاتھ پر۔[1]

اورعلماء امامیہ کا اجماع ہے کہ یہ وضو صحیح ہے اورظاہر قرآن بھی یہی ہے۔ دوسری بار دھونے، بلکہ دوسری بار چلو میں پانی لینے میں بھی بعض فقہاء نے اشکال کیا ہے،لیکن دوبار چلو میں پانی لینا بلکہ دھونا بھی ضروری نہیں رکھتا۔اگر چہ اس کے مستحب ہونے میں کلام ہے۔لیکن تیسری بار دھونا بدعت اورمبطل وضو ہے، بلا اشکال روایت کے اعتبار سے بھی اور فتوے کے اعتبار سے بھی۔اب ذرا بے چارے وسواسی کا عمل دیکھئے کہ بیس چلو پر بھی اکتفا نہیں کرتا جن میں ہر ایک چلو سے پورا ہاتھ دھل جاتا ہے اورغسلہ تامہ محسوب ہوتا ہے۔اس صورت میں اس کا وضو باطل ہونے میں کوئی اشکال نہیں رہ جاتا۔ یہ بد بخت ضعیف العقل اس عمل کو، جسے شیطان کی اطاعت اور اس کے وسوسہ کے سبب سے بجالایا ہے، صحیح بھی سمجھتا ہے اورموافق اختیار بھی اورسب لوگوں کے عمل کو باطل سمجھتا ہے! اب حدیث کی سچائی کی جہت سمجھ میں آئی کہ اسے بے عقل کہا گیا ہے۔ جو شخص عمل رسول خداؐ کیخلاف عمل کو صحیح جانتا ہو اورآنحضرتؐ کے موافق عمل کو باطل سمجھتا ہو وہ یا دین سے خارج ہے یا عقل سے خارج ہے اور چونکہ یہ بے چارہ دین سے خارج نہیں ہے لہٰذا بے عقل اورمطیع شیطان ومخالف رحمٰن ہے۔

اس مصیبت اورچھوت کی بیماری کا سوائے اس کے اورکوئی علاج نہیں ہے کہ تھوڑا تفکر کرے مذکورہ امور اور

---

[1] منجملہ (دیگر کتب کے) فروع کافی، ج۳،ص ۲۴،،کتاب الطہارۃ، باب صفۃ الوضوء

اپنے عمل کا متدین حضرات اور علماء وفقہاء رضوان اللہ علیہم کے عمل پر قیاس کر کے دیکھے۔ اگر اپنا عمل ان عمل کے خلاف نظر آئے تو فوراً شیطان کی ناک رگڑے اور اس کی طرف سے توجہ ہٹادے اور جتنی مرتبہ شیطان وسوسہ کرے اور کہے کہ تمہارا عمل باطل ہے تو جواب دے کہ اگر فقہائے امت کا عمل باطل ہے تو میرا عمل بھی باطل ہے۔ امید ہے کہ جتنی شیطان کی مخالفت کرے گا اور ساتھ ہی حق تعالیٰ سے عاجزی اور نیازمندی کے ساتھ اس ملعون کے شر سے پناہ مانگے گا یہ مرض رفع ہو جائے گا اور شیطان کی چشم طمع اس سے ہٹ جائے گی۔ چنانچہ کثرت شک دور کرنے کے لئے کہ وہ بھی ایک شیطانی بہکاوا ہے، روایات شریفہ میں یہی حکم دیا گیا ہے۔

کافی شریف میں اسناد کے ساتھ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے، آپؑ نے فرمایا: جب نماز میں تمہیں زیادہ شک ہونے لگے تو نماز کو جاری رکھو، یعنی اس شک کی طرف اعتنا نہ کرو۔ امید ہے کہ اس طرح شک تمہارا پیچھا چھوڑ دے گا۔ یقیناً یہ شیطان کا وسوسہ ہے [1]

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت امام محمد باقر یا حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام فرماتے ہیں:

شیطان کو عادت نہ ڈالو کہ وہ تمہاری نماز کو توڑنے لگے۔ اسے ایسی لالچ سے پیچھے دھکیل دو، کیونکہ شیطان نجس ہے اور جس چیز کی عادت ڈال دی جائے اس کا عادی ہو جاتا ہے۔

زرارہ کہتے ہیں کہ امامؑ نے فرمایا: وہ خبیث چاہتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے اور جب اس کی بات نہیں مانی جاتی تو پھر تم میں سے کسی کے پاس پلٹ کر نہیں آتا [2]

یہ ان تمام امور کے اہم معالجات ہیں جو شیطانی بہکاوے اور شیطانی واہمہ کے فریب ہیں۔ احادیث میں دعائیں پڑھنے کا حکم بھی دیا گیا ہے، تاکہ شیطانی وسوسے دور ہوں، جو چاہے وہ وسائل اور مستدرک، کتاب خلل کے آخر کا مطالعہ کرے۔

---

[1] فروع کافی، ج ۳، س ۳۵۹، کتاب الصلاۃ، باب من شک فی صلاتہ، حدیث ۸

[2] فروع کافی، ج ۳، س ۳۵۹، کتاب الصلاۃ، باب من شک فی صلاتہ، حدیث ۲

فصل دوم

نیت کے اہم آداب

نیت کے اہم آداب میں، جو تمام ہی عبادات کے اہم آداب اور کلی دستورات میں شامل ہے (اخلاص) ہے اس کی حقیقت عمل کو غیر خدا کے شائبہ سے پاک کرنا اور باطن کا تمام صوری، لبی، ظاہری اور باطنی اعمال میں غیر حق تعالیٰ کو دیکھنے سے تصفیہ کرنا ہے اور اس کا کمال مطلق طور پر غیر حق کو ترک کرنا اور انیت و انانیت اور غیر و غیریت کو یکسر کچل دینا ہے۔

ارشاد قدرت ہے:

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ.[1]

خدائے تعالیٰ نے اپنے لئے خالص دین کو پسند کرلیا ہے۔

اور اگر شیطانیت اور نفسانیت کا ایک بھی حصہ دین میں شامل ہوا تو یہ دین خالص نہیں ہوسکتا اور جو خالص نہیں خدا نے اسے پسند ہی نہیں کیا اور جس جس چیز میں غیریت اور نفسانیت کا شائبہ ہو وہ حدود دین سے خارج ہے۔

نیز ارشاد قدرت ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ.[2]

---

[1] آگاہ رہو کہ خالص دین صرف خدا کا ہے، سورۂ زمر: ۳

[2] سورہ بینہ، آیت ۵

وہ لوگ صرف اس کے لئے مامور ہوئے ہیں کہ خدا کی عبادت کریں اس حال میں کہ دین کو اسی کے لئے خالص کئے ہوئے ہوں۔

نیز ارشاد قدرت ہے:

وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ.[1]

اور جو (صرف) دنیا کی کھیتی چاہتا ہے تو ہم اس میں سے اسے کچھ دے دیتے ہیں مگر اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

وقال رسول اللہ ﷺ: علی ما نقول: إِنَّمَا لِكُلِّ امْرِءٍ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَ رَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَ رَسُولِهِ وَ مَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ.[2]

ارشاد قدرت ہے:

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ[3]

اور جو شخص اپنے گھر سے خدا اور رسول (ص) کی طرف ہجرت کے ارادہ سے نکلے پھر اسے موت آجائے، تو اس کا اجر وثواب اللہ کے ذمہ ہوگیا۔

جو کچھ نقل ہوا ہے اس کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر شخص کے لئے وہی چیز ہے جو اس نے نیت کی ہے۔ پس جس کا مقصد خدا و رسولؐ ہیں اس کی ہجرت خدا ورسولؐ کی طرف ہے اور جس کی ہجرت دنیا تک پہنچنے یا کسی عورت سے نکاح کے لئے ہوگی اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف ہے۔

اور یہ آیۂ شریفہ ممکن ہے کہ اخلاص کے تمام ومراتب کو شامل ہو۔ ایک ہجرت صوری جو بدن کے ذریعہ ہوتی ہے۔ یہ ہجرت اگر خالص خدا و رسولؐ کے لئے نہ ہو، بلکہ ذات نفسانی کے لئے ہو تو ہجرت الی اللہ ورسولہ نہیں ہے۔ اخلاص کا یہ مرتبہ فقہی صوری ہے۔

---

[1] سورۂ شوریٰ: ۲۰

[2] مستدرک الوسائل، ابواب مقدمۃ العبادات، باب ۵، حدیث ۵

[3] سورہ نساء، آیت ۱۰۰

دوسری ہجرت معنوی اور مسافرت باطنی ہے جس کی ابتدا نفس کا تاریک گھر ہے اور اس کی انتہا، خدائے تعالیٰ اور اس کا رسولؐ ہے اور رسولؐ کی بازگشت بھی حق تعالیٰ ہی کی طرف ہے، کیونکہ رسولؐ ہونے کی حیثیت سے رسولؐ استقلال حاصل نہیں ہے، بلکہ وہ ایک آیت، ایک آئینہ اور ایک نمائندہ ہے۔ لہٰذا اس کی طرف بھی حق تعالیٰ ہی کی طرف ہجرت ہے۔

حب خاصان خدا حب خدا است
ایک ہے عشق خدا اور عشق خاصان خدا

لہٰذا آیۂ شریفہ کے معنی کا خلاصہ، اس احتمال کی بنیاد پر، یہ ہے کہ جو شخص مہاجرت معنوی اور سفر قلبی عرفانی کر کے بیت نفس اور منزل انانیت سے نکلے اور مہاجرت الی اللہ کرے بغیر خود کو اور اپنی نفسانیت اور حیثیت کو دیکھے، اس کی جزا حق تعالیٰ پر ہے اور اگر سالک سلوک الی اللہ میں ایک بھی نفسانی لذت کا خواہشمند ہو گیا، چاہے وہ حصول مقامات ہی کی خواہش کیوں نہ ہو، بلکہ چاہے تقرب خدا ہی کو خواہش کیوں نہ ہو، تو یہ سلوک الی اللہ نہیں ہے، بلکہ سالک بیت ہی سے نہیں نکلا اور بیت ہی کے بیچ میں ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ کی طرف اور ایک کونے سے دوسرے کونے کی طرف چلے جا رہا ہے۔

تو سفر چونکہ نفس ہی کے مراتب تک محدود رہا اور نفسانی کمالات تک پہنچنے کے دائرہ میں بند رہا لہٰذا یہ سفر الی اللہ نہیں ہو سکتا، بلکہ نفس سے نفس کی طرف سفر ہے (جس کا وہی مبدا ہے اور وہی منتہی)۔

لیکن سالک کے لئے سفر الی اللہ میں اس سفر سے دوچار ہونا ناگزیر ہے اور اولیائے کاملین علیہم السلام کے علاوہ کوئی اور سفر نفسانی کے بغیر سفر ربانی نہیں کر سکتا۔ یہ شان فقط کاملین کا حصہ ہے اور شاید آیۂ شریفہ "سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ"[1] (یہ رات سلامتی اور برکت ہے صبح ہونے تک) میں تصرفات شیطانی و نفسانی سے سلامتی کے اسی رخ کی طرف اشارہ ہو اور مادیت کی تاریک راتوں میں سیر کے تمام مراتب میں سلامتی مراد ہو جو کاملین کے لئے یوم قیامت کی اس فجر کے طالع ہونے تک لیلۃ القدر ہے جو ان کے لئے جمال احدیت کا مشاہدہ ہے، لیکن کاملین کے علاوہ دوسرے لوگ، سیر کے تمام ہی مراتب میں (خطرات سے دوچار ہیں اور) سلامت نہیں ہیں، بلکہ آغاز سلوک میں تو کوئی بھی سالک تصرفات شیطانیہ کے خطرات سے باہر نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اخلاص کا یہ مرتبہ، جو سیر الی اللہ کے پہلے مرتبہ سے لے کر آخری مرتبہ، یعنی موت حقیقی

---

[1] سورۂ قدر، آیت ۵

کے حصول تک، بلکہ حیات ثانوی حقانی کے بعد تک، جو صحو بعد المحو (زوال وفنا کے بعد بیداری و ہوشیاری) ہے، اہل سلوک اور عام متعارف اہل معرفت و ریاضت کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔ اس طرح کے خلوص کی علامت یہ ہے کہ شیطان کے لئے انسان کو گمراہ کرنے کا یہاں کوئی راستہ نہیں ہے اور طمع شیطانی یہاں پر بالکل قطع ہو چکی ہے۔ چنانچہ آیۂ شریفہ میں اس ملعون کے قول کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٨٢﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ. [1]

پس تیری عزت کی قسم تیرے مخلص بندوں کے علاوہ تیرے تمام بندوں کو بہکاؤں گا۔

یہاں پر اخلاص کی نسبت فعل عبد کے بجائے خود عبد کی طرف دی گئی ہے اور اخلاص کا یہ مقام عمل میں اخلاص کے مقام سے بالاتر ہے اور شاید حدیث نبویؐ میں جو یہ ارشاد ہے:

مَنْ أَخْلَصَ لِلَّهِ أَرْبَعِينَ يَوْماً فَجَّرَ اللَّهُ يَنَابِيعَ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهِ عَلَى لِسَانِهِ. [2]

جو شخص چالیس صبحیں خدا کے لئے خالص کردے اس شخص کے دل سے حکمت کے چشمے اس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔

اس سے مراد اخلاص کے تمام مرتبے ہوں، یعنی اخلاص عمل، اخلاص صفت اور اخلاص ذات اور شاید اخلاص ذاتی میں تمام مرتبے ظہور کرتے ہوں، کیوں اخلاص کے دوسرے مراتب، اخلاص ذات کے لوازم میں سے ہیں۔

اس حدیث مبارکہ کی شرح، ینابیع الحکمۃ، سے مراد اور قلب سے زبان پر ان کا جاری ہونا ور اس جاری ہونے میں خلوص کا حصہ، اربعین صباح، کی خصوصیت کا بیان اور رسالہ کے حدود سے خارج ہے اور اس کے لئے ایک مستقل رسالہ کی ضرورت ہے اور عارف باللہ مرحوم بحر العلوم کی طرف منسوب مشہور رسالہ، تحفہ الملوک فی السیر والسلوک، ہے جس میں خاص طور پر اس حدیث شریف کی شرح کی گئی ہے۔ یہ ایک پر لطف رسالہ ہے، اگر چہ بعض مناقشات سے خالی نہیں ہے جس کی وجہ سے بعض حضرات اس کی نسبت ان بزرگوار کی طرف درست نہیں سمجھتے، بعید بھی نہیں ہے۔

---

[1] سورۂ ص، آیات ۸۲، ۸۳

[2] بحار الانوار، ج ۶۷، ص ۲۴۲، کتاب الایمان والکفر، باب الاخلاص، حدیث ۱۰، نقل از عیون اخبار الرضاؑ، ج ۲، ص ۶۹ (تھوڑے اختلاف کے ساتھ) اسی طرح یہ مضمون منبع اخیر میں، ص ۲۶۹، حدث ۲۵، میں نقل ہوا ہے۔

فصل سوم

اخلاص کے بعض مراتب

اجمالی طور پر جو اس رسالہ کی وضع کے مناسب ہے۔

اخلاص کے مراتب میں سے ایک مرتبہ تصفیہ عمل ہے۔ عمل قلبی ہو یا قالبی۔ مخلوق کو خوش کرنے اور ان کے دلوں کو اپنی طرف کھینچنے کے شائبہ سے، چاہے اس سے غرض تعریف وصول کرنا ہو یا منفعت یا کوئی اور مقصد ہو۔ اسکے مقابل عمل کو ریا کاری اور دکھاوے کے لئے بجالانا ہے، یہ ریا فقہی ہے (یعنی جسے علم فقہ میں ریا کہتے ہیں وہ مراد ہے) اور ریا کے مراتب میں سب سے پست ہے اور جس میں ریا پائی جائے وہ تمام ریا کاروں سے زیادہ بے قیمت اور نچلی سطح کا آدمی ہے۔

دوسرا مرتبہ، تصفیہ عمل ہے دنیاوی مقاصد اور زائل وفانی اغراض کے حصول سے چاہے اس مقاصد واغراض کے حصوں کی آرزو اس طرح ہو کہ خدا اس عمل کے واسطہ سے ان مقاصد واغراض کو پورا کرے۔ مثلاً نماز شب پر پڑھے تو سعہ رزق کے لئے، مہینہ کی پہلی تاریخ کی نماز بجالائے اس مہینہ میں آفات سے سلامتی کے لئے یا صدقہ دے سلامتی کے لئے اور دوسرے دنیاوی مقاصد کے لئے۔ اخلاص کا یہ مرتبہ بعض فقہاء کے نزدیک عبادات کے صحیح ہونے کی شرط ہے جب کہ عمل کی ادائیگی اسی مقصد کو پانے کے لئے ہو، لیکن فقہی قواعد کے اعتبار سے یہ خلاف تحقیق ہے۔ اگرچہ اہل معرفت کی نظر میں اس نماز کی کسی اعتبار سے بھی کوئی قیمت نہیں ہے اور ہے تو اتنی ہی جتنی کسب منفعت کے دوسرے شرعی طریقوں کی، بلکہ شاید یہ ان سب سے کم قیمت ہے۔

تیسرا مرتبہ، تصفیہ عمل ہے جسمانی جنتوں، حور وقصور اور اس طرح کی جسمانی لذات سے، اس کے مقابل

مزدوروں کی عبادت، ہے جیسا کہ روایات شریفہ میں وارد ہوا ہے۔ یہ بھی اہل اللہ کی نظر میں سب منفعت کے طریقوں میں سے ایک ہے۔فرق صرف اتنا ہے کہ اس عمل کی اجرت دوسرے اعمال کسب کی اجرتوں سے زیادہ اور بالا تر ہے (کیونکہ اس اجر کا دینے والا خدا ہے) بشرطیکہ حکم خدا کی پابندی کرے اور صوری مفاسد سے عمل کو خالص رکھے۔

چوتھا مرتبہ،تصفیہ عمل ہے ان جسمانی سزاؤں اورعزابوں کے خوف سے،جن کی وارننگ اللہ کی طرف سے دی گئی ہے۔اس کے مقابل،غلاموں کی عبادت، ہے جیسا کہ روایات میں وارد ہوا ہے [1]

اس عبادت کی بھی اصحاب قلوب کی نظر میں کوئی قیمت نہیں اور اللہ کی عبودیت کے دائرہ سے باہر۔اہل معرفت کی نظر میں کوئی فرق نہیں ہے کہ انسان کوئی عمل دنیا میں حدشرعی اورسزائے شرعی سے بچنے کے لئے کرے یا آخرت کے عذاب وعقاب کے خوف سے ادا کرے۔زنان دنیا کے شوق میں بجالائے یا حوران بہشتی کی طمع میں انجام دے، کیونکہ اس قسم کا کوئی عمل بھی اللہ کے لئے نہیں ہے اور اس خوف اورشوق سے وہ سبب تو پیدا ہوسکتا ہے جوقواعد فقہیہ کے لحاظ سے عمل کی صورت کو باطل ہونے سے بچالے جائے،لیکن اہل معرفت کے بازار میں یہ عمل کوئی قیمت نہیں رکھتا۔

پانچواں مرتبہ،تصفیہ عمل ہے عقلی سعادتوں اوردائمی وازلی وابدی روحانی لذتوں تک پہنچنے کروبیین کے زمرہ میں شامل ہونے اورعقول پاکیزہ اورملائکہ مقربین کا درجہ حاصل کرنے سے۔اس کے مقابل ان مقاصد کے لئے عمل کرنا ہے۔ یہ درجہ اگر چہ ایک بڑا درجہ اورایک اہم اعلیٰ مقصد ہے اورحکماء ومحققین سعادت کے اس مرتبہ کو بہت اہمیت دیتے ہیں اوراس کی قدر و قیمت کو مانتے ہیں۔لیکن اہل اللہ کے مسلک میں یہ مرتبہ بھی سلوک کا ایک نقص ہے اوراس کا سالک بھی کاروبار کرنے والوں اورمزدوروں میں شمار ہوتا ہے۔اگر چہ تجارت گاہ اور بازار میں دوسرے تمام لوگوں سے بہت سے فرق ضرور رکھتا ہے۔

اس مرتبہ کے مقابل جو چھٹا مرتبہ، ہے وہ تصفیہ عمل ہے ان لذات تک نہ پہنچنے اور ان سعادتوں سے محروم رہ جانے سے اوراس کے مقابل خوف کے سبب سے اس مرتبہ کے لئے عمل کرنا ہے اور یہ بھی اگر چہ ایک بلند مرتبہ ہے اورراقم الحروف جیسے لوگوں کی آرزو کی حد سے باہر ہے،لیکن اہل اللہ کی نظر میں یہ بھی (غلاموں جیسی عبادت) ہے اور بیمارعبادت ہے۔

ساتواں مرتبہ،تصفیہ عمل ہے جمال الٰہی کی لذتوں تک پہنچنے سے اور ذکر ودعا کے انوار کی لامحدود مسرتوں کو

---

[1] من جملہ اورکتابوں کے وسائل الشیعہ ، ج۱،ص ۴۵، ابواب مقدمہ العبادات، روایات باب ۹، نیز اصول کافی، ج۳،ص ۱۳۱، کتاب الایمان والکفر ، باب العبادۃ، روایت ۵

پانے سے، جس کی تعبیر جنت لقاء سے کی گئی ہے اور یہ مرتبہ، یعنی جنت لقاء اہل معرفت اور اصحاب قلوب کے اہم مقاصد میں ہے اور نوبشر کا دست امید ان تک پہنچنے سے قاصر ہے۔ اور کامل اہل اللہ اور اصفیاء اللہ میں سے ہیں، لیکن یہ کمال کامل اہل اللہ کا مرتبہ نہیں ہے، بلکہ اس میں سرشار حضرات کے معمولی مقامات میں سے ہے اور یہ جو دعاؤں میں جیسے مناجات شعبانیہ میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور ان کی اولاد طاہرینؑ نے اس مرتبہ کی خواہش کی ہے یا اس مرتبہ پر فائز ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کے مقامات و مراتب اسی مرتبہ میں محدود و منحصر ہیں۔

چنانچہ، آٹھواں مرتبہ، جو اس مرتبہ کے بالمقابل ہے اور اس کا مطلب ہے تصفیہ عمل خوف فراق سے، یہ بھی کاملین کے مقامات میں کمال مقام نہیں ہے اور یہ جو امیر المومنینؑ فرماتے ہیں: کیف اصبر علی فراقک [1] یہ سرشار حق اور امیر المومنین علیہ السلام جیسے حضرات کے معمولی مقامات میں سے ہے۔

وبالجملہ، تصفیہ دونوں مراتب (جنت لقاء کی طلب اور خوف فراق) سے بھی اہل اللہ کے نزدیک لازم اور ان کے ہوتے ہوئے عمل بیمار ہے۔ نفسانی خواہشات سے خالی نہیں ہے۔ اور یہ تصفیہ کمال خلوص ہے اس کے بعد دوسرے مراتب ہیں کہ خلوص کی حدوں سے باہر ہیں اور توحید و تجرید و ولایت کی میزان کے تحت آتے ہیں۔ جن کا بیان اس رسالہ سے مناسب نہیں رکھتا۔

---

[1] مصباح المتہجد، ص ۷۷۸، دعائے کمیل

فصل چہارم

منکر مقامات

اب جب کہ آپ اخلاص کے مراتب اورعبادات کے مقامات کو ایک حد تک جان چکے تو اب خود کو انہیں حاصل کرنے کے لئے تیار کیجئے، کیونکہ عمل نہ ہوتو علم کی کوئی قیمت نہیں ہوتی اور عالم پر تو حجت بھی زیادہ تمام کی گئی ہے اور اس کا محاسبہ بھی زیادہ ہوگا۔ افسوس کا مقام ہے کہ ہم معارف الٰہیہ اوراہل اللہ کے مقامات معنویہ اوراصحاب قلوب کے مدارج عالیہ سے کلی طور پر محروم ہیں۔ ہم میں سے ایک گروہ تو مقامات کو یکسر منکر ہے اوراہل مقامات کو خاطی، باطل اورعاطل سمجھتے ہیں اور جو شخص انکا ذکر کرتا ہے یا ان کے مقامات کی طرف دعوت دیتا ہے اس کو بے بنیاد باتیں بنانے والا اوراس کی دعوت کو شرع کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ لوگوں کے اس گروہ کو امید نہیں ہے کہ اپنے نقص وعیب کی طرف متنبہ کیا جاسکے اور گہری نیند سے بیدار کیا جاسکے۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ. [1]

بے شک تم جس کو دوست رکھتے ہو اس کو ہدایت نہیں کر سکتے۔

وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُورِ. [2]

اورتم ان لوگوں کی باتوں کو جو قبروں میں ہیں نہیں سن سکتے۔

---

[1] سورۂ قصص، آیت ۵۶

[2] سورۂ فاطر: ۲۲

ہاں! وہ لوگ جو راقم الحروف کی طرف بے چارے ہر جگہ سے بے خبر ہیں، ان کا دل حیات معرفت اور محبت الٰہیہ سے زندہ نہیں ہے۔ مردے ہیں جن کے بدن کا غلاف ہی ان کی قبر بنا ہوا ہے اور جسم کے اس غبار اور تاریک بدن کی اس تنگنائے نے اس کو تمام عالم نور اور جہان (نور علیٰ نور) سے محجوب کر رکھا ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ [1]

اور جسے اللہ نور (ہدایت) نہ دے تو اس کے لئے کوئی نور نہیں ہے۔

اس گروہ کے سامنے کتنا ہی حدیث وقرآن اور محبت وعشق الٰہی اور حب لقاء وانقطاع بہ حق کی باتیں کیجئے، ہر بات کی توجیہ وتاویل کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اپنی رائے کے مطابق تفسیر کرنے لگتے ہیں۔ لقائے الٰہی اور حب الٰہی سے متعلق تمام آیات کی توجیہ جنت کے درختوں اور حسین عورتوں سے کرتے ہیں!! ہمیں نہیں معلوم کہ یہ لوگ مناجات شعبانیہ کے ان فقروں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں! امامؑ درگاہ الٰہی میں عرض کرتے ہیں:

إِلٰهِي هَبْ لِي كَمَالَ الِانْقِطَاعِ إِلَيْكَ وَ أَنِرْ أَبْصَارَ قُلُوبِنَا بِضِيَاءِ نَظَرِهَا إِلَيْكَ حَتَّى تَخْرِقَ أَبْصَارُ الْقُلُوبِ حُجُبَ النُّورِ فَتَصِلَ إِلَى مَعْدِنِ الْعَظَمَةِ وَ تَصِيرَ أَرْوَاحُنَا مُعَلَّقَةً بِعِزِّ قُدْسِكَ إِلٰهِي وَ اجْعَلْنِي مِمَّنْ نَادَيْتَهُ فَأَجَابَكَ وَ لَاحَظْتَهُ فَصَعِقَ لِجَلَالِكَ. [2]

آخر یہ، حجب نور، کیا ہیں؟ کیا، نظر بہ حق، سے مراد جنت کی گلا بیاں ہیں؟ کیا، معدن عظمت، بہشت کے محلات ہیں؟ کیا، تعلق ارواح بہ عز قدس، کا مقصد قضائے شہوت کے لئے دامن حورالعین سے وابستگی ہے؟ کیا یہ، جلال الٰہی میں محویت اور بے ہوشی، بہشتی عورتوں کے حسن و جمال میں کھوجانا ہے؟ کیا وہ جذبے اور عشوے جو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے، صلوٰۃ معراج، میں پیش آئے اور وہ انوار عظمت بلکہ عظمت سے بھی بالا تر، جن کا آنحضرتؐ نے مشاہدہ کیا اس محفل میں جس میں جانے سے سب سے بڑا فرشتہ جبرئیل امین علیہ السلام بھی محرم اسرار نہ تھا اور ایک انگشت کے برابر بھی آگے بڑھنے کی جرات نہ کرسکا، کیا یہ جذب وکشش کسی انتہا حسین وخوش جمال عورت کے لئے تھی؟ یا مثلاً آفتاب و ماہتاب کے نور سے بڑھے ہوئے کسی نور کو دیکھ رہے تھے؟ کیا وہ قلب سلیم جس کے بارے میں معصوم علیہ السلام نے

---

[1] سورۂ نور: ۴۰

[2] اقبال الاعمال (ط-القدیمۃ)/ ج2 / 687 /فصل فیما نذکرہ من [عن] الدعاء فی شعبان مروی عن ابن خالویہ..... ص: 685

آیۂ مبارکہ "اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ" [1] (سوائے اس کے جو قلب سلیم کے ساتھ پیش خدا آئے) کے ذیل میں فرمایا: قلب سلیم یہ ہے کہ اللہ سے اس طرح ملاقات کرے کہ اس میں حق کے سوا کچھ نہ ہو [2]

کیا اس سے مراد کہ حق کے سوا کچھ نہ ہو، یہ ہے کہ کرامت حق کے سوا کچھ نہ ہو؟

میرے سر پر خاک کہ عناں قلم میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور میں شطحیات میں مشغول ہو گیا، لیکن، لعمر الحبیب، کہ اس کلام سے سوائے اس کے اور کوئی مقصد نہیں ہے کہ برادران ایمانی، خصوصاً اہل علم کے لئے ایک انتباہ ہو کہ کم سے کم مقامات اہل اللہ کا تو انکار نہ کریں، کیونکہ یہ انکار تمام شقاوتوں اور بدبختیوں کا سرچشمہ ہے۔ ہمارا مقصد یہ نہیں کہ اہل اللہ کون لوگ ہیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ مقامات کا انکار نہ کیا جائے۔ رہی یہ بات کہ ان مقامات کا حامل کون ہے؟ خدا بہتر جانتا ہے یہ وہ امر جس کی اطلاع کسی کو نہیں۔

آن راکہ خبر شد خبری باز نیامد [3]

ایک اور گروہ ہے جس کو اہل معرفت کے مقامات سے تو انکار نہیں ہے اور اہل اللہ سے کوئی عناد بھی نہیں رکھتا۔ دنیا میں اشتغال، اس کی تحصیل، دنیا کی فانی لذتوں میں ہمیشہ پرے رہنے نے ان کو کسی علم، کسی عمل، کسی رزق، اور کسی بھی حال کی تحصیل سے روک رکھا ہے۔ یہ ان بیماروں کی طرح ہیں جنہیں اپنی بیماری کی تصدیق تو ہو چکی ہے، لیکن پیٹ ان کو نہیں چھوڑتا کہ پرہیز کریں اور کڑوی دوا کا استعمال کریں۔ اسی طرح پہلا گروہ ان بیمارون کی طرح ہے جو دار وجود میں نہ ایسے کسی مرض کا وجود مانتے ہیں نہ مریض کا۔ حالانکہ خود مرض میں مبتلا ہیں۔ پھر بھی سرے سے مرض کے وجود ہی کے منکر ہیں۔

ایک گروہ اربھی ہے جس نے کسب علم تو کیا ہے اور تحصیل معارف میں علم کی حد تک اشتغال بھی باقی رکھا ہے، لیکن معارف کی حقیقتوں اور اہل اللہ کے مقامات کے لئے فقط اصطلاحات والفاظ اور زرق برق عبارات پر اکتفا کئے بیٹھے ہیں۔ خود بھی اصطلاحات والفاظ کی زنجیروں میں مقید ہیں اور کچھ لوگوں کو بھی جکڑ رکھا ہے۔ یہ لوگ تمام مقامات سے

---

[1] سورۂ شعراء: ۸۹

[2] اصول کافی، ج ۳، ص ۲۶، کتاب الایمان والکفر، باب الاخلاص، حدیث ۵

[3] این مدعیان درطلبش بے خبرانند
آن راکہ خبر شد خبری باز نیامد
(سعدیؒ)
ہے دعوی خبر دوست سخت بے خبری جسے خبر ہوئی اس کی خبر نہیں آئی۔

صرف نظر کر کے صرف باتوں پر قناعت کئے بیٹھے ہیں۔ ان لوگوں میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوجاتا ہے جو خود تو خود کو خوب پہچانتا ہے، مگر شوق ریاست پورا کرنے کے لئے ایک بے چارے ناواقف گروہ پر ان بے مغز اصطلاحات کو تھوپ کر اپنے لئے حصول معاش کا ذریعہ بنا لیتے ہیں اور خود آئندہ الفاظ اور جاذب توجہ باتوں سے بندگان خدا کے سادہ وصاف دلوں کو شکار کیا کرتے ہیں۔ یہ انسانی شیاطین ہیں جو ابلیس ملعون سے کم خطرناک اور نقصان رساں نہیں۔ یہ بے چارے نہیں جانتے کہ بندگان خدا کے دل منزل گاہ حق ہیں اور ان پر کسی کو تصرف کرنے کا حق نہیں۔ یہ منزل گاہ حق کے غاصب اور کعبہ حقیقی کے غارت گر ہیں۔ بت تراشتے ہیں اور بندگاہ خدا کے دل میں جو کعبہ، بلکہ بیت المعمور ہے، سجادیتے ہیں۔ یہ ایسے مریض ہیں جو طبیب بنے ہوئے ہیں اور بندوں کو طرح طرح کی مہلک بیماریوں میں پھنسا دیتے ہیں۔

اس گروہ کی پہچان یہ ہے کہ مالداروں اور بڑے بڑے لوگوں کے ارشاد و ہدایت سے زیادہ سروکار رکھتے ہیں۔ محتاجوں اور درویشوں کی ہدایت سے انہیں کوئی مطلب نہیں۔ ان کے زیادہ تر مرید صاحبان جاہ و مال ہیں اور وہ خود بھی مالداروں اور صاحبان جاہ و مال کی طرح رہتے ہیں۔ ان کی باتیں بڑی دلفریب ہوتی ہیں کہ خود کو، ہزار طرح کی دنیاوی آلودگیوں کے باوجود مریدوں کی نظر میں پاک و پاکیزہ بنائے رہتے ہیں اور اپنے کو اہل اللہ سے جوڑے رہتے ہیں۔ وہ بے چارے بے وقوف بھی ان کے عیوب کو محسوس کرتے ہیں اور آنکھیں بند کئے رہتے ہیں اور بے روح اصطلاحات و الفاظ سے خوش ہوجاتے ہیں۔

جب بات یہاں تک پہنچ گئی تو مناسب ہوگا کہ ایک دو حدیثیں جو اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں، ذکر کی جائیں۔ اگرچہ سلسلہ گفتگو سے باہر کی بات ہے، لیکن کلام اہل بیتؑ سے برکت حاصل کرنا اچھا ہے۔

عن کتاب الخصال للشیخ الصدوق رحمہ اللہ، باسنادہ الی ابی عبداللہ علیہ السلام،
قال: إِنَّ مِنَ الْعُلَمَاءِ مَنْ يُحِبُّ أَنْ يَخْزُنَ عِلْمَهُ وَ لَا يُؤْخَذَ عَنْهُ فَذَاكَ فِي الدَّرْكِ الْأَوَّلِ مِنَ النَّارِ
وَ مِنَ الْعُلَمَاءِ مَنْ إِذَا وُعِظَ أَنِفَ وَ إِذَا وَعَظَ عَنَّفَ فَذَاكَ فِي الدَّرْكِ الثَّانِي مِنَ النَّارِ
وَ مِنَ الْعُلَمَاءِ مَنْ يَرَى أَنْ يَضَعَ الْعِلْمَ عِنْدَ ذَوِي الثَّرْوَةِ وَ الشَّرَفِ وَ لَا يَرَى لَهُ فِي الْمَسَاكِينِ وَضْعاً فَذَاكَ فِي الدَّرْكِ الثَّالِثِ مِنَ النَّارِ
وَ مِنَ الْعُلَمَاءِ مَنْ يَذْهَبُ فِي عِلْمِهِ مَذْهَبَ الْجَبَابِرَةِ وَ السَّلَاطِينِ فَإِنْ رُدَّ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْ قَوْلِهِ أَوْ قُصِّرَ فِي شَيْءٍ مِنْ أَمْرِهِ غَضِبَ فَذَاكَ فِي الدَّرْكِ الرَّابِعِ مِنَ

النَّارِ

وَ مِنَ الْعُلَمَاءِ مَنْ يَطْلُبُ أَحَادِيثَ الْيَهُودِ وَ النَّصَارَى لِيُغْزِرَ بِهِ وَ يُكْثِرَ بِهِ حَدِيثَهُ فَذَاكَ فِي الدَّرْكِ الْخَامِسِ مِنَ النَّار

وَ مِنَ الْعُلَمَاءِ مَنْ يَضَعُ نَفْسَهُ لِلْفُتْيَا وَ يَقُولُ سَلُونِي وَ لَعَلَّهُ لَا يُصِيبُ حَرْفاً وَاحِداً وَ اللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُتَكَلِّفِينَ فَذَاكَ فِي الدَّرْكِ السَّادِسِ مِنَ النَّارِ وَ مِنَ الْعُلَمَاءِ مَنْ يَتَّخِذُ عِلْمَهُ مُرُوءَةً وَ عَقْلًا «3» فَذَاكَ فِي الدَّرْكِ السَّابِعِ مِنَ النَّارِ.[1]

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''بعض علماء دوست رکھتے ہیں کہ علم کو جمع کرلیں مگر دوسروں کو سکھانا پسند نہیں کرتے، یہ جہنم کے پہلے نچلے طبقہ میں جائیں گے۔ بعض علماء وہ ہیں کہ جب نصیحت کرتے ہیں تو فخر ومباہات کرتے ہیں اور جب دوسرے انہیں نصیحت کرتے ہیں تو غضبناک ہو جاتے ہیں، یہ جہنم کے دوسرے طبقہ میں ہوں گے۔ بعض علماء وہ ہیں جو علم کو بڑے لوگوں اور مال داروں تک محدود رکھتے ہیں اور غریبوں میں علم کے لئے کوئی جگہ نہیں سمجھتے، یہ جہنم کے تیسرے طبقہ میں ہوں گے۔ بعض اہل علم وہ ہیں جنہوں نے سرکشوں اور بادشاہوں کا طریقہ اختیار کر رکھا ہے، اگر انہیں پلٹ کر جواب دے دیا جائے یا ان کی خدمت میں کوئی قصور وتقصیر ہو جائے تو غصہ میں آجاتے ہیں، یہ جہنم کے چوتھے طبقہ میں ہوں گے۔ کچھ علماء ایسے ہیں جو یہود ونصاریٰ کی باتوں کو حاصل کرتے ہیں اور اپنے علم کے ساتھ ان کے علم کو جمع کرتے ہیں تاکہ اس کا علم زیادہ ہو جائے، یہ لوگ جہنم کے پانچویں طبقہ میں ہوں گے۔

کچھ ایسے علماء ہیں جو مسند فتویٰ پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں اور کہتے ہیں (جو چاہو) مجھ سے پوچھو اور اکثر ایک لفظ بھی نہیں سمجھتے اور خدا ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو ایسے کام میں خود کو لگاتے ہیں، جس کے اہل نہیں ہیں یہ لوگ جہنم کے چھٹے طبقے میں ہوں گے۔ ایک اور گروہ علماء کا ہے جنہوں نے علم کو تکبر ونخوت اور فضل فروشی بنالیا ہے، یہ جہنم کے ساتویں طبقہ میں ہوں گے

وعن الكليني رحمه الله في جامعه الكافي، باسناده الى الباقر علیہ السلام: مَنْ طَلَبَ

---

[1] الخصال، ج۲، ص ۳۵۲، باب ۷، حدیث ۳۳

الْعِلْمَ لِيُبَاهِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْ يُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ أَوْ يَصْرِفَ بِهِ وُجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ إِنَّ الرِّئَاسَةَ لَا تَصْلُحُ إِلَّا لِأَهْلِهَا. [1]

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص علم حاصل کرے تا کہ اسکے ذریعہ اہل علم پر فخر و مباہات کرے یا جاہلوں اور نادانوں سے بحث کرے یا لوگوں کو اپنی طرف کھینچے اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ ریاست اہل ریاست کے علاوہ کسی کو زیب نہیں دیتی۔

وعن الصادق علیہ السلام: إِذَا رَأَيْتُمُ الْعَالِمَ مُحِبّاً لِلدُّنْيَا فَاتَّهِمُوهُ عَلَى دِينِكُمْ فَإِنَّ كُلَّ مُحِبٍّ لِشَيْءٍ يَحُوطُ مَا أَحَبَّ

وَ قَالَ أَوْحَى اللَّهُ تَعَالَى إِلَى دَاوُدَ ع لَا تَجْعَلْ بَيْنِي وَ بَيْنَكَ عَالِماً مَفْتُوناً بِالدُّنْيَا فَيَصُدَّكَ عَنْ طَرِيقِ مَحَبَّتِي فَإِنَّ أُولَئِكَ قُطَّاعُ طَرِيقِ عِبَادِيَ الْمُرِيدِينَ إِنَّ أَدْنَى مَا أَنَا صَانِعٌ بِهِمْ أَنْ أَنْزِعَ حَلَاوَةَ مُنَاجَاتِي مِنْ قُلُوبِهِمْ [2]

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: جب کسی عالم کو دنیا کا دوست دار پاؤ تو اپنے دین کے بارے میں اسے متہم قرار دو (امور دین میں اس پر اعتماد نہ کرو) کیونکہ ہر چیز کا دوست دار اسی کے چکر میں رہتا ہے۔

اور امامؑ نے فرمایا: خداوند عالم نے حضرت داود علیہ السلام پر وحی کی: میرے اور اپنے درمیان کسی ایسے عالم کو واسطہ نہ قرار دینا جو دنیا پر فریفتہ ہو، کیونکہ وہ تم کو میری محبت سے دور کردے گا۔ یہ لوگ حق طلب بندوں کی راہ کے ڈاکو ہیں یقیناً کم سے کم کے ساتھ جو عمل میں کروں گا وہ یہ ہے کہ ان کے دل سے اپنی مناجات کی شرینی نکال لوں گا۔

اس گروہ میں جو لوگ عیار و مکار اور کلاہ بردار نہیں ہیں اور خود سالک طریق آخرت ہیں اور معارف و مقامات کی تحصیل کا عزم کئے ہیں، کبھی کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ رہزن شیطان سے فریب کھا کر مغرور ہو جاتے ہیں اور معارف و مقامات حقیقت میں انہیں اصطلاحات علمیہ کو سمجھتے ہیں جو انہوں نے خود تراشی ہیں یا دوسروں کی تراشی ہوئی ہیں۔ یہ لوگ بھی تا آخر عمر سارا نقد جوانی اور متاع زندگانی اصطلاحات کی تعداد بڑھانے اور کتابوں اور رسالوں کو حفظ و ضبط

---

[1] اصول کافی، ج۱، ص۵۹، کتاب فضل العلم، باب المستاکل بعلمہ، حدیث ۶

[2] اصول کافی، ج۱، ص۵۹، کتاب فضل العلم، باب المستاکل بعلمہ، حدیث ۴

کرنے میں صرف کر دیتے ہیں۔مثلاً علمائے تفسیر قرآن کا ایک گروہ قرآن سے استفادہ بس اس بات میں مضمر سمجھتا ہے کہ اختلافات قرائت،معانی لغات، تعاریف کلمات،لفظی و معنوی محسنات، وجوہ اعجاز قرآن، معانی عرفیہ اس سلسلہ میں لوگوں کی تفہیم قرآن کا اختلاف معلوم کرلیں اور قرآنی دعوات، روحانی جہات اور معارف الٰہیہ سے یکسر غافل ہیں۔ یہ لوگ بھی مریض ہی جیسے ہیں جنہوں نے طبیب کی طرف رجوع کیا اور اس سے نسخہ بھی حاصل کیا ہے،لیکن اپنا علاج نسخہ کو یاد کرنے اور اسے محفوظ رکھنے اور اس میں لکھی ہوئی دواؤں کی ترکیب استعمال کی کیفیت میں مضمر سمجھتے ہیں۔ان کی بیماری مار ڈالے گی، کیونکہ نسخہ کا علم اور طبیب کی طرف رجوع ان کے لئے بالکل بے کار ثابت ہوگا۔ (جب تک لکھی ہوئی دوائیں حاصل کر کے لکھی ہوئی ترکیب استعمال کے مطابق استعمال نہ کرے)۔

اے عزیز! تمام علوم عملی ہیں، یہاں تک علم توحید کے بھی اعمال ہیں! قلبیہ بھی اور قالبیہ بھی،توحید باب تفعیل سے ہے اور اس لئے اس کے معنی کثرت کو وحدت کی طرف پلٹانے ہیں اور یہ ایک روحانی اور قلبی علمی ہے۔ جب تک کہ فعلاً موجود کثرتوں میں واقعی اور حقیقی سبب کو نہ پہچانو گے اور چشم حق بین پیدا نہ کرلو گے اور خدا کو طبیعت میں نہ دیکھو گے اور طبیعی وغیر طبیعی کثرتوں کی تمام جہتوں کو حق اور افعال حق میں فانی نہ کردو گے اور جب تک تمہارے دل میں فاعلیت حق کی وحدت کی حاکمیت کا پرچم نہ لہرائے گا،خلوص، اخلاص، صفا اور تصفیہ سے یکسر دور اور توحید سے مہجور رہو گے۔

تمام افعالی ریاکاروں اور اکثر قلبی ریاکاریاں توحید افعالی میں نقص کی وجہ سے ہیں۔ وہ شخص جو ایک بے چارے کمزور اور نکمے آدمی کو دار وجود میں مؤثر جانتا ہے اور مملکت حق میں متصرف سمجھتا ہے وہ خود کو ان کے جذب قلوب سے کیسے بے نیاز سمجھ سکتا ہے اور کس طرح اپنے عمل کو شرک شیطان سے پاک وصاف اور خالص کرسکتا ہے؟ تمہیں چاہئے کہ سرچشمہ کو صاف رکھو تا کہ اس سے صاف پانی نکلے ورنہ کیچڑ سے بھرے ہوئے چشمہ سے صاف پانی کی امید نہیں رکھنا چاہئے۔تم اگر بندوں کے دلوں کو حق تعالیٰ کے تصرف میں سمجھتے ہو اور (یامقلب القلوب) کے معانی کا ذائقہ اپنے دل کو چکھا چکے ہو اور دل کے کانوں کو پہچان چکے ہو تو اس کمزوری و ناتوانی کے ہوتے ہوئے دلوں کو شکار کرنے کے چکر میں نہ پڑو اور اگر (بیدہ ملکوت کل شی ولہ الملک وبیدہ الملک) کی حقیقت دل کو سمجھا لے جاؤ تو لوگوں کے دلوں کو کھینچنے کی فکر سے بے نیاز ہو جاؤ گے۔ اس کمزور مخلوق کے کمزور دلوں کو اپنے محتاج نہ سمجھے اور قلبی استغناء حاصل ہو جائے گا۔تم نے خود ہی احتیاج کا احساس کیا ہے اور لوگوں کو اپنا کارساز سمجھ لیا ہے۔ اس لئے دلوں کو اپنی طرف موڑنے کے محتاج ہو گئے اور اپنی پاکیزگی کو بیچ کر خود کو لوگوں کے دلوں پر متصرف گمان کرلیا تو ریاکاری کے محتاج ہو گئے۔ اگر حق کو کارساز سمجھا ہوتا اور خود کو بھی عالم کون میں متصرف نہ سمجھا ہوتا تو اس طرح کے شرک کی احتیاج پیدا نہ ہوتی۔

اے توحید کا دعویٰ کرنے والے مشرک! اے فرزند آدمؑ کی شکل بنائے ہوئے ابلیس!! تو نے شیطان سے یہ

میراث پائی ہے جو خود کو متصرف سمجھتا ہے اور (لاغوینھم) کا نعرہ لگاتا ہے۔ وہ بدبخت شقی شرک وخود بینی کے حجابوں میں پڑا ہوا ہے اور وہ لوگ جو خود کو اور عالم کو مستقل جانتے ہیں، کسی کے زیر سایہ، کسی کے زیر تصرف نہیں سمجھتے، نہ کسی کی ملکیت جانتے ہیں وہ ابلیس کی شیطنت کی میراث پائے ہوئے ہیں۔ خواب گراں سے چونکو اور صحیفہ نورانی ربانی اور کتاب الٰہی کی آیات اپنے دل تک پہنچاؤ۔ یہ عظیم آیات ہمیں اور تمہیں بیدار کرنے کے لئے نازل کی گئی ہیں اور ہم نے اپنی تمام لذات کو تجوید وقرائت ظاہری میں منحصر کر رکھا ہے اور اس کے علوم ومعارف سے غفلت برت رہی ہیں، یہاں تک کہ ہم پر شیطان کی حکومت مسلط ہوگئی۔ شیطان ہم پر حکمرانی کرنے لگا اور ہم شیطان کے زیر نگیں ہو گئے۔

عجلت کے خیال سے اس مطلب کو یہیں پر ختم کرتا ہوں اور اس گفتگو کو کسی دوسرے موقع کے لئے چھوڑتا ہوں۔ انشاء اللہ آداب قرائت میں اس سلسلہ میں کچھ بیان کیا جائے گا اور قرآن مجید سے استفادہ کا راستہ اپنے لئے اور بندگان خدا کے لئے کھولا جائے گا۔

باذن اللہ وحسن توفیقہ

والسلام

فصل پنجم

اخلاص کے کچھ اور درجات کا بیان

سلسلہ سخن یہاں تک پہنچا تو اخلاص کے کچھ اور درجات کا بیان ناگزیر ہو گیا جو اس مقام کے مناسب ہے۔

اخلاص کے درجات میں سے ایک درجہ تصبیہ عمل ہے استحقاق اجر وثواب پر نظر کرنے سے اس کے مقابل اجر کی خواہش اور ثواب وحق المحنت کے استحقاق کی امید کا شائبہ ہے اور یہ شائبہ عمل میں خود پسندی کے ایک مرتبہ کے وجود سے خالی نہیں، جس سے سالک کو خالص ہونا چاہئے۔ استحقاق کی یہ امید اپنے حال اور اللہ کی معرفت میں کمی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور یہ بھی ایک شیطانی شجرۂ خبیثہ ہے جس کی بنیاد اپنی اور اپنے عمل کی فکر اور انیت وانانیت پر ہے۔ انسان بے چارہ جب تک اپنے اعمال کی فکر کے حجاب میں رہے گا اور ان کو اپنے اعمال سمجھتا رہے گا اس مرض سے نجات نہیں پا سکتا اور اس تصفیہ واخلاص تک نہیں پہنچ سکے گا۔ لہٰذا سالک کو چاہئے کہ کوشش اور قلبی ریاضتوں کے ذریعہ اور سلوک عقلی وعرفانی کے سہارے قلب کو سمجھائے کہ تمام اعمال اللہ کے عطایا اور اس کی نعمتیں ہیں، جو اللہ نے بندہ کے اختیار میں دے دی ہیں۔ جب توحید فعلی سالک کے دل میں جگہ بنالے گی تو عمل کو اپنا نہیں سمجھے گا (بلکہ اللہ کی عطا کردہ نعمت سمجھے گا) اور ثواب کا خواہشمند نہیں ہوگا بلکہ ثواب کو فضل وکرم اور نعمتوں کو ابتدائی سمجھے گا۔

ائمہ اطہار علیہم السلام کے کلام میں، خصوصاً صحیفہ سجادیہ میں، وہ نورانی وربانی صحیفہ جو عارف اللہ کے آسمان عرفان اور حضرت سید ساجدین علیہ السلام کی عقل نورانی سے نازل ہوا ہے تاکہ بندگان خدا کو مادیت کے قید خانہ سے نجات دلائے۔ عبودیت اور محضر ربوبیت میں قیام کا ادب سکھائے۔ اس لطف الٰہی بہت ذکر آیا ہے۔ چنانچہ بتیسویں دعا میں درگاہ حق میں عرض کرتے ہیں:

فَلَكَ الْحَمْدُ عَلَى ابْتِدَائِكَ بِالنِّعَمِ الْجِسَامِ، وَإِلْهَامِكَ الشُّكْرَ عَلَى الْإِحْسَانِ.[1]

پس حمد صرف تیرے لئے ہے کیونکہ تو نے ہی عظیم نعمتیں دینے کی ابتدا کی اور اپنے احسان پر شکر کرنا مجھے بتایا۔

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

نعمك ابتداء واحسانك التفضل[2]

مصباح الشریعہ میں ارشاد ہے:

وَ أَدْنَى حَدِّ الْإِخْلَاصِ بَذْلُ الْعَبْدِ طَاقَتَهُ ثُمَّ لَا يَجْعَلُ لِعَمَلِهِ عِنْدَ اللَّهِ قَدْراً فَيُوجِبَ بِهِ عَلَى رَبِّهِ مُكَافَأَةً بِعَمَلِهِ لِعِلْمِهِ.[3]

اخلاص کی کم سے کم میزان یہ ہے کہ بندہ اپنی ساری توانی (خوشنودی خدا کے لئے) کام میں لائے اور اپنے عمل کو پیش خدا کسی اجر وثواب کے لائق نہ سمجھے، کیونکہ اسے تو خود اللہ نے فرض کیا ہے۔

اخلاص کا ایک اور درجہ تصفیہ عمل ہے اپنے عمل کو زیادہ سمجھنے، اس پر خوش ہونے اور اس پر اعتماد اور دلچسپی سے۔ یہ بھی سلوک کے اہم امور میں سے ایک ہے جو اس کو قافلہ سالکان سے بہت پیچھے چھوڑ دیتا ہے اور مادیات کے اندھیرے زندان یا مقید کر دیتا ہے اور یہ بھی شیطان کے شجرۂ خبیثہ سے اگتا ہے اور اس خود خواہی کا ایک حصہ ہے جو

---

[1] الصحیفۃ السجادیۃ/ 152 / (32)(و کان من دعائه علیه السلام بعد الفراغ من صلاۃ اللیل لنفسه فی الاعتراف بالذنب)

[2] میں نے صحیفہ سجادیہ مکمل چھان لی لیکن صحیفہ سجادیہ میں مذکور جملہ کہیں بھی نہیں ہے بلکہ جو حوالہ دیا گیا وہاں صرف اور صرف مذکورہ جملے کا پہلا حصہ ہے اور وہ بھی لفظ آگے پیچھے ہیں یعنی "ابْتِدَائِكَ بِالنِّعَمِ" اصل فارسی نسخہ کمپوز شدہ ہے اس کے چھاپ شدہ نسخوں اور نور سوفٹ ویئر کے نسخوں میں بھی یہ غلطی موجود ہے حتیٰ بعد میں جب اردو زبان ترجمہ ہوا تب بھی اس کی تصحیح نہیں ہوسکی بس اتفاق سے یہ چیز میری نظروں میں آگئی میرے اندازے کے مطابق امام راحلؒ نے جس جملہ کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے: إِذْ جَمِيعُ إِحْسَانِكَ تَفَضُّلٌ، وَإِذْ كُلُّ نِعَمِكَ ابْتِدَاءٌ. (صحیفہ سجادیہ، دعا ۱۲) مصحح مجاہد حسین حرؔ

[3] مصباح الشریعہ، الباب السادس والسبعون، فی الاخلاص

میراث شیطانی ہے جس نے "خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ" [1] (تو نے مجھے آگ سے اور اسے مٹی سے پید اکیا) یہ اپنے مقام اور اپنے معبود کے مقام عظمت سے انسان کی جہالت کی اس قسم ہے (لہٰذا عمل کو اس سے صاف رکھنا لازم ہے)۔

اگر بے چارہ ممکن (جس کا وجود وعدم برابر ہے) اپنی بے چارگی، ناتوانی اور نقص و عجز کے مقام کو جان لے اور حق تعالیٰ کے کمال و کبریائی اور عظمت کے مقام کو پہچان لے تو ہرگز اپنے عمل کو بڑا نہ سمجھے اور خود کو قیام امر کرنے والوں میں شمار نہ کرے۔ بے چارہ اس عمل کو جس کی ایک سال کی قیمت بازار دنیا میں چند سکوں سے زیادہ نہیں مانی جاتی وہ بھی اگر صحیح اور قانون کے مطابق انجام پایا ہو، اس کی دو رکعتوں سے لامحدود توقعات وابستہ کئے ہے۔ یہ ہے اپنے عمل کو زیادہ سمجھنا اور اس پر خوش ہونا، جس سے کثیر اخلاقی مفاسد اور ایسے اعمال وجود میں آتے ہیں جن کا ذکر طول کلام کے سبب ہوگا۔

احادیث شریفہ میں اس مطلب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ کافی شریف میں امام موسیٰ بن جعفر علیہما السلام سے باسناد نقل ہے:

اِنَّهُ قَالَ لِبَعْضِ وُلْدِهٖ: عَلَيْكَ بِالْجِدِّ وَ لَا تُخْرِجَنَّ نَفْسَكَ مِنْ حَدِّ التَّقْصِيرِ فِي عِبَادَةِ اللّٰهِ تَعَالَى وَ طَاعَتِهٖ فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى لَا يُعْبَدُ حَقَّ عِبَادَتِهٖ. [2]

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اپنے ایک فرزند سے فرمایا: بیٹا! تم پر لازم ہے کہ عبادت خدا میں کوشاں رہو اور خود کو ہرگز خدائے تعالیٰ کی عبادت و اطاعت میں تقصیر سے مبرا نہ قرار دو، کیونکہ خدا کی عبادت کا حق ادا ہونا ہی نہیں ہے۔

وَ قَالَ فِيْ حَدِيْثٍ اٰخَرَ: كُلُّ عَمَلٍ تُرِيْدُ بِهِ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ فَكُنْ فِيْهِ مُقَصِّراً عِنْدَ نَفْسِكَ فَإِنَّ النَّاسَ كُلَّهُمْ فِيْ أَعْمَالِهِمْ فِيْمَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ اللّٰهِ مُقَصِّرُوْنَ إِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ. [3]

آپؑ ہی نے فرمایا: ہر اس عمل میں، جو تم خدا کے لئے انجام دیتے ہو، اس کے کماحقہ

---

[1] سورۂ اعراف، آیت ۱۲، سورۂ ص، آیت ۷۶

[2] اصول کافی، ج ۳، ص ۱۱۶، کتاب الایمان والکفر، باب الاعتراف بالتقصیر، حدیث ۱

[3] اصول کافی، ج ۳، ص ۱۱۶، کتاب الایمان والکفر، باب الاعتراف بالتقصیر، حدیث ۴

بجالانے سے خود کو تقصیر وار سمجھو، کیونکہ سوائے اس کے جسے اللہ نے خود محفوظ رکھا ہو، تمام لوگ جو کام اپنے اور اللہ کے درمیان انجام دیتے ہیں ان میں تقصیر وار ہیں۔

وعنه علیہ السلام: لَا تَسْتَكْثِرُوا كَثِيرَ الْخَيْرِ. [1]

زیادہ نیکی کو زیادہ نہ سمجھو (خدا کی عبادت و اطاعت کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو اس کی عظمت کے مقابلہ میں کم ہے)۔

صحیفہ کاملہ میں ملائکۃ اللہ کی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الَّذِينَ يَقُولُونَ إِذَا نَظَرُوا إِلَى جَهَنَّمَ تَزْفُرُ إِلَى أَهْلِ مَعْصِيَتِكَ سُبْحَانَكَ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ. [2]

جب وہ لوگ جہنم کی طرف دیکھیں گے کہ کس طرح تیری نافرمانی کرنے والوں کی طرف لپک رہا ہے تو کہیں گے، تو پاک ہے ہم نے تیری عبادت اس طرح نہیں کی جو تیری عبادت کا حق ہے۔

اے ناتواں! جس جگہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جو عارف ترین خلق ہیں اور ان کا عمل سب کے عمل سے نورانی تر اور عظیم تر ہے، عجز و تقصیر کا اعتراف کرتے ہیں اور "مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ وَ مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ." [3] (جیسا کہ تجھے پہچاننے کا حق ہے ویسا ہم نے تجھے نہیں پہچانا، اور جیسا تیری عبادت کا حق ہے ہم نے تیری ویسی عبادت نہیں کی) فرماتے ہیں اور ائمہ معصومین علیہم السلام اس طریقہ سے اظہار عجز و قصور و تقصیر فرماتے ہیں، تو

از بشہ لاغری چہ خیزد [4]

---

[1] اصول کافی، ج ۳، ص ۳۹۴، کتاب الایمان والکفر، باب استغفار الذنب، حدیث ۲

[2] صحیفہ سجادیہ، تیسری دعا

[3] بحار الانوار (ط - بیروت) / ج 68 / 23 / باب 61 الشکر..... ص: 18

[4] جای کہ عقاب پر بریزد
از پشہ لاغری چہ خیزد،
جس جگہ عقاب پر ڈال دیتا ہو وہاں ایک کمزور سا پشہ کیا اٹھا پائے گا؟
امثال و حکم دہ خدا، ج ۲، ص ۵۷۹، شاعر کے نام کا ذکر نہیں۔

ہاں! ان کے مقام معرفت کا تقاضا یہی تھا کہ ممکن کے عجز اور واجب تعالیٰ کی عزت وعظمت کا اظہار واعتراف کریں۔ مگر ہم بے چارے جہالت اور طرح طرح کے حجابوں میں پڑے ہونے کے باوجود گردن اٹھائے کھڑے ہیں اور خود فروشی وعمل فروشی کر رہی ہیں۔

سبحان اللہ!! سچ فرمایا امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

"عُجْبُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهِ أَحَدُ حُسَّادِ عَقْلِهِ" [1]

خود پسندی عقل کی ایک دشمن ہے۔

کیا یہ بے عقلی نہیں کہ شیطان ایک امر ضروری سے ہم کو غافل کردے اور ہم عقل کی میزان پر اسے تولنے کی بھی فکر نہ کریں؟ ہم خود اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہمارے اور عام انسانوں کے اعمال، بلکہ تمام ملائکۃ اللہ اور روحانیین کے اعمال، قیاس کی میزان میں ذرا بھی نسبت حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ ھدیٰ علیہم السلام کے اعمال سے نہیں رکھتے جس کی مقدار کو ذرا بھی محسوس کیا جاسکے اور جس کی قیمت کا کچھ بھی حساب ہو سکے، پھر بھی قیام امر سے اعتراف تقصیر اور اظہار و عجز ان بزرگ ہستیوں کی جانب سے متواتر ہے، بلکہ تواتر کی حد سے بھی آگے ہے۔ یہ دو قضیہ ضروریہ (معصومین علیہم السلام کا بہترین عمل، اور ان کا اعتراف تقصیر) ہم کو اس نتیجہ تک پہنچاتے ہیں کہ ہمیں اپنے کسی ایک عمل پر بھی خوش نہ ہونا چاہئے، بلکہ اگر ساری دنیا کی عمر کے برابر بھی ہم اطاعت وعبادت میں کھڑے رہیں تب بھی نادم وشرمسار ہوں اور خجالت سے سرخم کئے رہیں۔ یہ سب جاننے کے باوجود شیطان نے ہمارے دلوں پر اس درجہ اختیار حاصل کرلیا ہے اور اس طرح ہمارے عقول وحواس پر مسلط ہوگیا ہے کہ ان بدیہی مقدمات سامنے کی باتوں سے بھی ہم کو نتیجہ اخذ نہیں کرتے، بلکہ ہمارے دلوں کے احوال اس کے بالکل برعکس ہیں۔

وہ سید وسردار، جس کی ایک ضربت خندق، بنص وتصدیق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام جن وانس کی عبادت سے بہتر ہے۔ [2]

ان تمام عبادات وریاضات کے باوجود جن کے سامنے دنیا کے سب سے بڑے عبادت گزار سید الساجدین حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اظہار عجز کیا ہے کہ ان جیسے ہوسکیں۔ [3]

---

[1] نہج البلاغہ، فیض الاسلام، ص ۱۱۷۲، حکمت ۲۰۳

[2] لَضَرْبَةُ عَلِيٍّ يَوْمَ الْخَنْدَقِ أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ. (اقبال الاعمال (ط-القدیمۃ)/ ج 1 / 467 / فصل فیما نذکرہ من جواب من سأل عما فی یوم الغدیر من الفضل وقصر فهمه عما ذکرناه من ذلك النقل. ..... ص:466)

[3] مَنْ يَقْوَى عَلَى عِبَادَةِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ ۔۔۔، (بحار الانوار (ط-بیروت)/ ج 41 / 17 / باب 101 ص:11)

ان کا اظہار عجز و تذلل اور اعتراف قصور و تقصیر ہم سے کہیں بیش تر و بالاتر ہے۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ماسوا اللہ،تمام موجودات جن کے بندۂ درگاہ اوران کے خوان معارف کے ریزہ خوار ہیں اورانہیں سے تعلیم پائے ہوئے ہیں۔ امر الٰہی کے لئے اس طرح قیام کرتے ہیں۔ختم نبوت کا خلعت زیب تن ہونے کے بعد، جو دائرہ کمال کی سیر کا اتمام ہے اور معرفت وتوحید کی تعمیر کی آخری اینٹ ہے، دس سال تک کوہ حرا میں قیام امر کرتے ہیں اور اطاعت الٰہی میں مشغول رہتے ہیں، یہاں تک کہ آپؐ کے قدموں پر ورم آجاتا ہے اور آیت نازل ہوتی ہے،

طٰهٰ. مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى. [1]

طا۔ھا۔ہم نے اس لئے آپ پر قرآن نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔

اے پاک رہبر! ہم نے تم پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم مشقت میں پڑ جاؤ) تم پاک ہو اور ہادی ہو۔ اگر لوگ تمہاری اطاعت نہ کریں تو خود ان کا نقص اور شقاوت ہے۔تمہارے سلوک و ہدایت کا نقص نہیں۔اس کے بعد بھی رسولؐ اپنے عجز وقصور کا اعلان فرماتے ہیں۔

سید ابن طاووس (قدس سرہ) جناب امام زین العابدین علیہ السلام سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔ہم برکت کے لئے اسے اس رسالہ میں تحریر کررہے ہیں۔اگر چہ ذرا طولانی ہے،لیکن چونکہ اس میں امامؑ کے بعض حالات کی تفصیل موجود ہے اس لئے شامہ ارواح ان سے معطر ہوتا ہے اور ذائقہ قلوب لذت محسوس کرتا ہے۔

فتح، فتح الأبواب مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ دَاوُدَ الْخَرَاجِيُّ عَنْ أَبِيهِ وَ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ حَسَنٍ الْمُقْرِي عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ أَبِي يَعْقُوبَ الْهَمْدَانِيِّ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ الْحُسَيْنِيِّ عَنِ الْآمِدِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ قُرَيْبٍ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: دَخَلْتُ مَعَ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ عَلَى عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَرْوَانَ.

قَالَ فَاسْتَعْظَمَ عَبْدُ الْمَلِكِ مَا رَأَى مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ بَيْنَ عَيْنَيْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ علیہ السلام

فَقَالَ يَا أَبَا مُحَمَّدٍ لَقَدْ بُيِّنَ عَلَيْكَ الِاجْتِهَادُ وَ لَقَدْ سَبَقَ لَكَ مِنَ اللَّهِ الْحُسْنَى وَ أَنْتَ بَضْعَةٌ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَرِيبُ النَّسَبِ وَ كِيدُ السَّبَبِ وَ إِنَّكَ لَذُو فَضْلٍ

---

[1] سورۂ طٰہٰ: ۱، ۲

عَظِيمٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِكَ وَ ذَوِي عَصْرِكَ وَ لَقَدْ أُوتِيتَ مِنَ الْفَضْلِ وَ الْعِلْمِ وَ الدِّينِ وَ الْوَرَعِ مَا لَمْ يُؤْتَهُ أَحَدٌ مِثْلُكَ وَ لَا قَبْلَكَ إِلَّا مَنْ مَضَى مِنْ سَلَفِكَ وَ أَقْبَلَ يُثْنِي عَلَيْهِ وَ يُطْرِيهِ.

قَالَ فَقَالَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ ع كُلُّ مَا ذَكَرْتَهُ وَ وَصَفْتَهُ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ سُبْحَانَهُ وَ تَأْيِيدِهِ وَ تَوْفِيقِهِ فَأَيْنَ شُكْرُهُ عَلَى مَا أَنْعَمَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقِفُ فِي الصَّلَاةِ حَتَّى تَرِمَ قَدَمَاهُ وَ يَظْمَأُ فِي الصِّيَامِ حَتَّى يُعْصَبَ فُوهُ فَقِيلَ لَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَ لَمْ يَغْفِرْ لَكَ اللَّهُ- ما تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَ ما تَأَخَّرَ

فَيَقُولُ ﷺ أَفَلَا أَكُونُ عَبْداً شَكُوراً

الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى مَا أَوْلَى وَ أَبْلَى وَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْآخِرَةِ وَ الْأُولَى وَ اللَّهِ لَوْ تَقَطَّعَتْ أَعْضَائِي وَ سَالَتْ مُقْلَتَايَ عَلَى صَدْرِي لَنْ أَقُومَ لِلَّهِ جَلَّ جَلَالُهُ بِشُكْرِ عُشْرِ الْعَشِيرِ مِنْ نِعْمَةٍ وَاحِدَةٍ مِنْ جَمِيعِ نِعَمِهِ الَّتِي لَا يُحْصِيهَا الْعَادُّونَ وَ لَا يَبْلُغُ حَدَّ نِعْمَةٍ مِنْهَا عَلَيَّ جَمِيعُ حَمْدِ الْحَامِدِينَ- لَا وَ اللَّهِ أَوْ يَرَانِيَ اللَّهُ لَا يَشْغَلُنِي شَيْءٌ عَنْ شُكْرِهِ وَ ذِكْرِهِ فِي لَيْلٍ وَ لَا نَهَارٍ وَ لَا سِرٍّ وَ لَا عَلَانِيَةٍ.

وَ لَوْ لَا أَنَّ لِأَهْلِي عَلَيَّ حَقّاً وَ لِسَائِرِ النَّاسِ مِنْ خَاصِّهِمْ وَ عَامِّهِمْ عَلَيَّ حُقُوقاً- لَا يَسَعُنِي إِلَّا الْقِيَامُ بِهَا حَسَبَ الْوُسْعِ وَ الطَّاقَةِ حَتَّى أُؤَدِّيَهَا إِلَيْهِمْ لَرَمَيْتُ بِطَرْفِي إِلَى السَّمَاءِ وَ بِقَلْبِي إِلَى اللَّهِ ثُمَّ لَمْ أَرْدُدْهُمَا حَتَّى يَقْضِيَ اللَّهُ عَلَى نَفْسِي وَ هُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ وَ بَكَى ع وَ بَكَى عَبْدُ الْمَلِكِ. الخبر [1]

زہری کہتے ہیں کہ، میں حضرت علی بن الحسین علیہما السلام کے ساتھ عبد الملک بن مروان کے پاس گیا۔ جب عبدالملک کی نظر امامؑ کی پیشانی پر پڑی اور سجدہ کا نشان دیکھا تو تعجب کے عالم میں کہا: اے ابومحمدؑ! آثار کوشش (عبادت میں) آپؑ کی پیشانی پر ظاہر ہیں۔ حالانکہ خدا نے آپؑ کے لئے پہلے ہی خیر و نیکی مقرر و مقدر کردی ہے۔ آپؑ جسم پیغمبرؐ کا حصہ ہیں۔ آپؑ کی ان سے نسبت

[1] بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۵۷، فتح الابواب

قریبی اورآپؑ کا رشتہ محکم ہے۔ پھرآپؑ اپنے افراد خاندان اوراپنے زمانہ کے تمام لوگوں پر عظیم فضیلت و برتری رکھتے ہیں اورعلم وفضل اورتقویٰ جو آپؑ کو حاصل ہے وہ آپؑ کے خاندان کے بزرگان سلف کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں اور نہ اب ہے۔

اوراسی طرح امامؑ کی بہت مدح کی۔تب حضرت علی بن الحسین علیہما السلام نے فرمایا:

جو کچھ تو نے فضل اورتائید وتوفیق خدا کے بارے میں ہمارے متعلق کہا: ان نعمتوں کا شکر کیسے ادا ہوسکتا ہے اے امیر المومنین؟

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں قیام کرتے تھے تو آپؐ کے پیروں میں ورم آجاتا تھا اورروزہ کی حالت میں آپؐ کا دہن پیاس سے خشک ہو جاتا تھا۔آنحضرتؐ سے لوگوں نے کہا: اے رسول خداؐ! کیا خدا نے آپؐ کے اگلے پچھلے سب گناہ نہیں بخش دئے ہیں؟ (سورۂ فتح کی آیت ۲، کی طرف اشارہ)۔

آپؐ نے ارشادفرمایا: کیا مجھے شکرگزار بندہ نہیں ہونا چاہئے؟

اس خدا کے لئے حمد ہے اس انعام پر جو اس نے عطا فرمایا ہے اور ہم کو اس سے آزمایا ہے اورسب تعریف اسی کے لئے ہے دنیا و آخرت میں۔ خدا کی قسم! اگر میرے بدن کے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اورمیری آنکھیں نکل کر میرے سینے پر آپڑیں، تاکہ اس کی ان نعمتوں میں سے ایک نعمت کے دسویں حصہ کا شکریہ ادا کروں، جن کو تمام شمار کرنے والے مل کر بھی شمار نہیں کر سکتے اور تمام حمد کرنے والوں کی حمد ان میں سے ایک نعمت کا شکریہ کا حق بھی ادا نہیں کرسکتی تو بخدا اس کا کامل شکر ادا نہیں ہوسکتا۔سوائے اس کے کہ خدا مجھے اس حال میں دیکھے کہ شب و روز، خلوت وجلوت میں کوئی چیز مجھے اس کے ذکر وشکر سے روک نہیں رہی ہے۔

اوراگر میرے خاندان والوں کا مجھ پر حق نہ ہوتا اور دوسروں کے بھی مجھ پر حق نہ ہوتے جن کو بقدر طاقت ادا کرنا ناگزیر ہے تو میں اپنی آنکھ آسمان پر جمائے رہتا اوراپنا دل خدا سے لگائے رہتا اورآنکھوں اوردل کو نہ ہٹاتا یہاں تک کہ خدا میری جان لے لیتا اور وہ بہترین حاکم ہے۔

اس کے بعد حضرتؑ رونے لگے اورعبدالملک بھی رونے لگا۔

باب چہارم

آداب قرائت و اسرار قرائت کا بیان

اس باب میں سورۂ مبارکہ (حمد) کی تفسیر ہے، کچھ سورۂ مبارکہ (توحید)
اور سورۂ مبارکہ (قدر) کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔
یہ باب اس رسالہ کا عزیز ترین باب ہے
اور اس میں چند مصباح ہیں۔

وَ قَالَ الْجَوَادُ علیہ السلام:

اَلْعِفَافُ زِيْنَةُ الْفَقْرِ ، وَ الشُّكْرُ زِيْنَةُ الْغِنٰى، وَ الصَّبْرُ زِيْنَةُ الْبَلَآءِ، وَ التَّوَاضُعُ زِيْنَةُ الْحَسَبِ، وَ الْفَصَاحَةُ زِيْنَةُ الْكَلَامِ، وَ الْحِفْظُ زِيْنَةُ الرِّوَايَةِ ، وَ خَفْضُ الْجَنَاحِ زِيْنَةُ الْعِلْمِ ، وَ حُسْنُ الْاَدَبِ زِيْنَةُ الْعَقْلِ، وَ بَسْطُ الْوَجْهِ زِيْنَةُ الْكَرَمِ ، وَ تَرْكُ الْمَنِّ زِيْنَةُ الْمَعْرُوْفِ ، وَ الْخُشُوْعُ زِيْنَةُ الصَّلٰوةِ ، وَ التَّنَفُّلُ زِيْنَةُ الْقَنَاعَةِ، وَ تَرْكُ مَا يُعْنٰى زِيْنَةُ الْوَرَعِ۔ [1]

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے فرمایا:

فقر کی زینت، پاکدامنی ہے۔ بے نیازی کی زینت، شکر ہے۔ بلا و مصیبت کی زینت، صبر ہے۔ حسب ونسب کی زینت، تواضع ہے۔ کلام و گفتگو کی زینت، فصاحت ہے۔ روایت کی زینت، حفظ (زبانی یاد کرنا، از بر کرنا) ہے۔ علم کی زینت، انکساری ہے۔ عقل کی زینت، ادب ہے۔ کرم و بخشش کی زینت، خوشروئی ہے۔ نیکو کاری کی زینت، احسان نہ جتانا ہے۔ نماز کی زینت، خشوع (قلبی توجہ) ہے۔ قناعت کی زینت، اپنے وظیفہ سے زیادہ انفاق کرنا ہے۔ ورع و پرہیزگاری کی زینت، مطلوبہ وپسندیدہ چیزوں کا ترک کرنا ہے۔

---

[1] الفصول المہمۃ: ص ۲۷۴، ۲۷۵

مصباح اول

قرآن شریف کی قرائت آداب

اس میں چند فصلیں ہیں۔

فصل اول

کتاب الٰہی کی قرائت کے آداب

کتاب الٰہی کی قرائت کے آداب میں سے ایک، جس میں عارف و عامی سب ہی شریک ہیں اور اس سے اچھے نتائج حاصل ہوئے ہیں اورنوارنیت قلب وحیات باطن کا سبب ہوتا ہے (تعظیم) ہے اور یہ خدا کی عظمت و بزرگی اور جلالت و کبریائی کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ یہ معنی اگرچہ حقیقت میں بیان کے حدود سے خارج اور طاقت بشر سے باہر ہیں، کیونکہ ہر چیز کی عظمت کا سمجھنا اس کی حقیقت کے سمجھنے پر موقوف ہے اور منازل خلقی میں اترنے اور فعلیت کے مختلف اطوار واحوال سے گزرنے سے قبل حقیقت قرآن الٰہی حضرت واحدیت کے شئون ذاتیہ میں سے ایک شان اور اس کے حقائق علمیہ میں سے ایک حقیقت ہے اور وہ حقیقت (کلام نفسی) ہے جو اسماء کے حضور میں ذاتی مقارعہ ہے اور یہ حقیقت نہ کسی کو علوم رسمیہ سے حاصل ہوسکتی ہے نہ معارف قلبیہ سے اور نہ مکاشفہ غیبیہ سے حاصل ہوسکتی ہے تو بس محفل انس (قاب قوسین) میں بلکہ خلوت گاہ سر مقام (اوادنیٰ) میں حضرت ختمی مرتبتؐ کی ذات مبارک کے لئے مکاشفہ تامہ الٰہیہ کے ذریعہ! آپؐ کے علاوہ نوع بشر میں کسی بھی فرد کا دست امید وہاں پہنچنے سے قاصر ہے، سوائے اولیائے خالصین کے جو انوار معنویہ اور حقائق الٰہیہ کے مطابق اس ذات مقدس (حضرت ختمی مرتبتؐ) کی روحانیت میں مشترک ہیں اور تبعیت تامہ کے واسطہ سے آنحضرتؐ میں فانی ہیں کہ علوم مکاشفہ کو وراثت کے طور پر آنحضرتؐ سے سیکھتے ہیں اور حقیقت قرآن جس نورانیت وکمال کے ساتھ آنحضرتؐ کے قلب مبارک پر تجلی کرتی ہے۔ اسی نورانیت وکمال کے ساتھ ان کے دلوں پر منعکس ہوتی ہے بغیر اس کے کہ کسی منازل میں اترے اور مختلف احوال واطوار سے گزرے۔ یہ وہ قرآن ہے جو تحریف وتغیر سے پاک ہے اور کتاب وحی الٰہی ہے جو شخص (بعد رسولؐ) اس قرآن کا تحمل کرسکتا ہے وہ ولی اللہ المطلق حضرت علی

بن ابی طالب علیہما السلام کی ذات مبارک ہے۔

باقی سب لوگ اس حقیقت کو تب تک اخذ نہیں کر سکتے جب تک وہ مقام غیب اور منزل شہادت سے نہ اتر آئیں، مختلف احوال و اطوار ملکیہ سے نہ گزر جانے اور الفاظ وحروف دنیاوی کا لباس نہ پہن لے۔ تحریف کے معانی میں سے یہ ایک معنی ہیں جو تمام کتاب الٰہی اور قرآن شریف میں واقع ہوئی ہے اور تمام آیات شریفہ، تحریف بلکہ تحریفات کے ساتھ، ان منازل و مراحل کے مطابق جو حضرت اسماء سے عوالم شہادت و ملک تک طے ہوئی ہیں، انسانی دسترس میں دی گئی ہیں۔ تحریف کے مراتب کی تعداد بطون قرآن کے مراتب کی تعداد کے مطابق ہے (طابق النعل بالنعل) مگر یہ فرق ضرور ہے کہ تحریف، مراتب عوالم کے مطابق غیب مطلق سے شہود مطلق میں نزول ہے اور بطون، شہود مطلق سے غیب مطلق کی طرف رجوع ہے۔ لہٰذا مبدا تحریف اور مبدا بطون ایک دوسرے کے برعکس ہیں اور سالک الی اللہ مراتب بطون میں سے جس مرتبہ کو بھی پاتا جائے گا، تحریف کے ایک مرتبہ سے خالص ہوتا جائے گا۔ یہاں تک کہ جب بطن مطلق تک، جو ساتواں بطن ہے، مراتب کلیہ کے مطابق پہنچ جائے گا تو مطلق طور پر تحریف سے خالص ہو چکا ہوگا۔ اس طرح ممکن ہے کہ قرآن شریف میں کسی شخص کے لئے ہر قسم کی تحریفات موجود ہوں اور کسی کے لئے تحریف کے بعض مراتب موجود ہوں اور کسی کے لئے اصلاً تحریف ہی نہ ہو۔ یہ ممکن ہے کہ ایک ہی شخص کے لئے ایک حال میں محرف نہ ہو اور دوسرے حال میں تحریف کی بعض قسموں کے اعتبار سے محرف ہو۔

اور جیسا کہ معلوم ہو چکا، عظمت قرآن کو سمجھنا ادراک کے دائرہ سے باہر ہے، لیکن اسی نازل شدہ کتاب کی عظمت کی طرف ایک اشارہ، جو تمام انسانوں کی دسترس میں ہے، کثیر فائدے رکھتا ہے (اس لئے ہم اس کو بیان کرتے ہیں)۔

اے عزیز! معلوم رہے کہ ہر کلام اور ہر کتاب کی عظمت یا متکلم اور کاتب کی وجہ سے ہوتی ہے یا اس کے مطالب و مقاصد کی عظمت کی وجہ سے یا اس کے نتائج وثمرات کی وجہ سے یا رسول اللہؐ اور اس کے واسطہ کے عظمت کی وجہ سے یا جس کی طرف اسے بھیجا گیا ہے اور جو اس کا حامل ہے اس کی عظمت کی وجہ سے یا اس کے حافظ ونگہبان کی عظمت کی وجہ سے یا اسکے شارح ومبین کی عظمت کی وجہ سے یا اس کے وقت ارسال اور کیفیت ارسال کی عظمت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ان امور میں سے بعض ذاتی اور جوہری اعتبار سے عظمت میں دخیل ہیں اور بعض عرضاً اور بالواسہ اور بعض کاشف عظمت ہیں۔ یہ تمام مذکورہ امور اس نورانی صحیفہ میں بطور اعلیٰ و اولیٰ موجود ہیں، بلکہ قرآن کے مختصات میں سے ہیں۔ کوئی اور یا تو ان میں اصلاً شریک ہی نہیں یا عظمت کے تمام مراتب میں شریک نہیں۔

قرآن کے متکلم اور اس کے انشاء کرنے والے اور صاحب قرآن کی عظمت یہ ہے کہ وہ ایسا عظیم مطلق ہے کہ

ملک وملکوت میں جتنی عظمتوں کا تصور ہوسکتا ہے اور جتنی قدرتیں عالم غیب وشہادت میں نازل ہوئی ہیں سب اس ذات مقدس کے فعل کی تجلیات عظمت کا ایک قطرہ ہیں اور حق تعالیٰ کا عظمت کی تجلی کے ساتھ کسی کے لئے تجلی کرنا ممکن نہیں ہے۔ وہ تو ہزاروں حجابوں اور پردوں کے پیچھے سے تجلی کرتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

أَنَّ لِلّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى سَبْعِينَ أَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُورٍ وَ ظُلْمَةٍ لَوْ كُشِفَتْ لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ مَا دُونَه.[1]

بے شک خدا کے لئے ستر ہزار نور وظلمت کے حجاب ہیں۔ اگر وہ حجاب ہٹ جائیں تو اس کے رخ کی لطیف وپاکیزہ، تابانیاں، ماسوائی کو جلادیں۔

اور اہل معرفت کے نزدیک یہ کتاب شریف حق تعالیٰ سے تمام شئون ذاتیہ وصفاتیہ وفعلیہ اور تمام تجلیات جلالیہ وجمالیہ کی مبدایت کے ساتھ صدار ہوئی ہیں۔ دوسری آسمانی کتابوں کو یہ مرتبت ومنزلت حاصل نہیں ہے۔

قرآن کی عظمت اس کے مضامین اور مطالب ومقاصد کے اعتبار سے بیان کرنے کے لئے ایک مستقل فصل، بلکہ فصول وابواب اور جداگانہ رسالہ وکتاب کی ضرورت ہے تاکہ اس میں کچھ تھوڑا بہت بیان کیا جاسکے۔ ہم اجمالی طور سے ایک مستقل فصل میں اس کے کلیات کی طرف اشارہ کریں گے اور اسی فصل میں انشاء اللہ نتائج وثمرات کی حیثیت سے بھی اس کی عظمت کی طرف اشارہ کریں گے۔

اور قرآن کی عظمت اس کے فرشتہ وحی اور واسطہ تنزیل کے اعتبار سے، تو وہ جبریل امین اور روح اعظم ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ردائے بشریت سے باہر آنے اور پارہ قلب کا رخ حضرت جبروت کی طرف موڑنے کے بعد مسلسل اسی روح اعظم کے ساتھ رہتے ہیں۔ جبریل دار وجود کے ارکان اربعہ میں سے ایک ہیں، بلکہ سب سے بڑا رکن اور اپنی نوع میں سب سے اعلیٰ واشرف ہیں، کیونکہ وہ نورانی ذات علم وحکمت پر مؤکل ملک اور ارزاق معنوی اور اطعمہ روحانی کا ذمہ دار ہے۔ کتاب خدا اور احادیث شریفہ سے جبریل کی عظمت اور تمام ملائکہ پر ان تقدم ثابت ہے۔[2]

اور قرآن کی عظمت مرسل الیہ اور اس کے حامل کے اعتبار سے، تو اس کا حامل حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پاک وپاکیزہ دل ہے، جس پر حق تعالیٰ نے تمام شئون ذاتی وصفاتی واسمائی وافعالی کے ساتھ تجلی فرمائی اور جو ختم نبوت اور

---

[1] بحار الانوار، ج ۵۵، ص ۴۵، میں یہ حدیث طریق عامہ سے نقل ہوئی ہے۔

[2] سورہ ہائے شعراء، آیت ۱۹۳، نجم: ۵، ۹، تکویر: ۱۹، ۲۴، بحار الانوار، ج ۵۶، ص ۲۵۸، کتاب السماء والعالم، ابواب الملائکہ، باب آخر فی وصف الملائکۃ المقربین، حدیث ۲۳، ۲۴

ولایت مطلقہ کا حامل ہے اور جو خود اکرم مخلوقات، اعظم موجودات، خلاصہ ہستی، جو ہرۂ وجود، عطر دار تحقق، لبنہ اخیرہ، صاحب برزخیّت کبریٰ وخلافت عظمیٰ ہیں۔

قرآن کی عظمت اس کے حافظ ونگہبان کے اعتبار سے یہ ہے کہ اس کی حافظ ونگہبان خود حق تعالیٰ کی ذات مقدس ہے۔ چنانچہ آیۂ کریمہ میں ارشاد ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ.[1]

بے شک ہم نے ہی ذکر (قرآن) اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

قرآن کی عظمت شارح ومبین کے اعتبار سے یہ ہے کہ اس کے شارح ومفسر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر حضرت حجت عجل اللہ ظہورہ تک سب معصوم ذوات مقدسہ ہیں جو مفاتیح وجود، مخازن کبریا، معادن حکمت ووحی و اصول معارف وعوارف اور صاحبان مقام جمع وتفصیل ہیں۔

قرآن کی عظمت وقت نزول کے اعتبار سے یہ ہے کہ وہ شب قدر میں نازل ہوا کہ سب سے عظیم رات (خیر من الف شہر) نورانی ترین خانہ زمانہ اور درحقیقت ولی مطلق ورسول ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کا وقت وصول ہے۔

قرآن کی عظمت کیفیت وحی کے اعتبار سے: اس کا بیان اس رسالہ کی محدود وسعت سے باہر ہے اور جداگانہ فصل کا محتاج ہے اور چونکہ یہ موضوع طولانی ہے اس لئے ہم اس سے صرف نظر کرتے ہیں۔

والحمدللہ علم توفیقہ

---

[1] یقیناً ہم نے ذکر قرآن کو نازل کیا اور یقیناً ہم اس کے محافظ ہیں۔ سورۂ حجر، آیت ۹)

فصل دوم

کتاب الٰہی کے مشتملات اور مقاصد و مطالب

معلوم رہنا چاہئے کہ یہ کتاب شریف، جیسا کہ خود صراحت کی ہے، کتاب ہدایت، راہنمائے سلوک انسانیت، مربی نفوس، شفائے امراض قلبیہ اور نور بخش سیر الی اللہ ہے۔

وبالجملہ، خدائے تعالیٰ نے اس کتاب کو اپنے بندوں پر اپنی رحمت وسیع کرنے کی غرض سے اپنے مقام قرب و قدس سے نازل کیا ہے اور عوالم کے تناسب کے لحاظ سے اتارا ہے۔ یہاں تک کہ اس میں تاریخ عالم اور زندان مادیت تک پہنچی اور الفاظ و حروف کے لباس میں ظاہر ہوئی تا کہ دنیا کے اس تاریک زندان کے اسیروں کو آزاد کرائے اور امیدوں اور آرزوؤں کی زنجیروں میں جکڑے ہوؤں کو رہائی دلائے اور ان کو نقص و ناتوانی و حیوانیت کی پستی سے اوج کمال و قوت و انسانیت تک پہنچائے اور شیطان کی معاشرت سے نکال کر ملکوتیین کی رفاقت میں دے دے، بلکہ ان کی مقام قرب تک رسائی ہو جائے اور لقاء الٰہی کے مرتبہ کو حاصل کر لیں جو اہل اللہ کا سب سے بڑا مقصود و مطلوب ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب، کتاب دعوت حق و سعادت ہے اور اس میں حق و سعادت تک پہنچنے کے طریقے بتائے گئے ہیں اور اس کے مندرجات اجمالاً وہ ہیں جو تو اس سیر و سلوک الٰہی میں دخل رکھتے ہیں یا سالک و مسافر الی اللہ کے مددگار ہیں۔ کلی طور پر ان اہم مقاصد میں ایک مقصد معرفت خدا کی طرف دعوت اور معارف الٰہیہ کا بیان ہے یعنی شئون ذاتی، شئون اسمائی، شئون صفاتی اور شئون افعالی کا بیان اور ان میں سب سے زیادہ توحید ذات، توحید اسماء اور توحید افعال کا بیان ہے جن میں سے بعض کو صراحت کے ساتھ اور بعض کو جامع اشارہ میں بیان کیا گیا ہے۔

معلوم رہنا چاہئے کہ اس جامع الٰہی کتاب میں معرفت ذات سے لے کر معرفت افعال تک یہ تمام معارف اس

طرح مذکور ہیں کہ ہر طبقہ اپنی استعداد کے بقدر ان کا ادراک کرسکتا ہے۔ چنانچہ توحید سے متعلق آیات شریفہ کو خصوصاً توحید افعال سے متعلق آیات کا علمائے ظاہر اور محدثین وفقہاء رضوان اللہ علیہم جس طرح بیان اور تفسیر کرتے ہیں وہ کلیۃً اہل معرفت اور علمائے باطن کے بیان وتفسیر کے خلاف ہے۔ راقم الحروف کی نظر میں دونوں ہی اپنے اپنے مقام پر صحیح کہتے ہیں۔

چنانچہ آیۂ کریمہ

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ [1]

وہی اول ہے اور وہی آخر، وہی ظاہر ہے اور وہی باطن۔

اور آیۂ

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ [2]

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

اور آیۂ

وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ [3]

اور وہ وہی ہے جو آسمان میں بھی خدا ہے اور زمین میں بھی وہی خدا ہے۔

اور آیۂ

هُوَ مَعَكُمْ [4]

وہ تمہارے ساتھ ہے

اور آیۂ

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ [5]

سو تم جدھر بھی رخ کرو ادھر ہی اللہ کی ذات موجود ہے۔

---

[1] سورۂ حدید: ۳

[2] سورۂ نور: ۳۵

[3] سورہ زخرف، آیت ۸۴

[4] سورۂ حدید، آیت ۴

[5] سورۂ بقرہ: ۱۱۵

مذکورہ آیات کریمہ توحید ذات کے بارے میں ہیں اور دوسری آیات کریمہ سورہ حشر وغیرہ کی توحید صفات کے بارے میں اور آیۂ کریمہ

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۚ [1]

وہ سنگریزے تو نے نہیں پھینکے جبکہ تو نے پھینکے بلکہ خدا نے پھینکے۔

اور آیۂ کریمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. [2]

ہر قسم کی تعریف اس اللہ کے لیے جو سب جہانوں کا پروردگار ہے۔

ور آیہ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ. [3]

وہ سب چیزیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اس اللہ کی تسبیح کرتی ہیں۔

توحید افعال میں جن میں سے بعض آیتیں زیادہ دقیق اور باریک رخ سے عرفانی دلالت رکھتی ہیں۔ علمائے ظاہر اور علمائے باطن میں سے ہر ایک طبقہ کے لئے ایک طریقہ سے شفائے امراض ہے اور حالانکہ بعض آیات شریفہ، جیسے سورۂ حدید کی ابتدائی آیات اور سورۂ توحید کا نزول کافی کی حدیث کے مطابق آخری زمانہ کے باریکی اور گہرائی سے سوچنے والوں کے لئے ہوا ہے۔ مگر اہل ظاہر کے لئے بھی اس میں استفادہ کے کافی مواقع ہیں۔ یہ جہاں اس کتاب شریف کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے وہاں اسکی جامعیت کی ایک دلیل بھی ہے۔ [4]

قرآن کے مطالب و مقاصد میں سے ایک مادی آلودگیوں سے باطن کی تطہیر اور نفس کی تہذیب اور تحصیل سعادت کی دعوت ہے اور مختصر لفظوں میں، سیر وسلوک الی اللہ کا طریقہ ہے۔

یہ مطلب دو ہم شعبوں میں تقسیم ہے، ایک تقویٰ، اپنے تمام مراتب کے ساتھ جس میں غیر حق سے پرہیز اور ماسوائے اللہ سے مطلقاً اعراض شامل ہے۔ دوسرے تمام مراتب وشئون پر ایمان جس میں حق کی بارگاہ میں حاضری (اقبال بہ حق) اور اس ذات مقدس کے سامنے توبہ و انابت اور یہ اس کتاب کے اہم مقاصد میں ہے کہ اس کے اکثر

---

[1] جب تم نے تیر پھینکا تو تم نے نہیں پھینکا بلکہ خدا نے پھینکا، سورۂ انفال، آیت ۱۷

[2] سورۂ حمد، آیت ۱

[3] جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ کی تسبیح کرتے ہیں، سورۂ تغابن، آیت ۱

[4] اصول کافی، ج ۱، ص ۱۲۳، کتاب التوحید، باب النسبہ، حدیث ۳

مطالب بالواسطہ یا بلا واسطہ اسی مقصد کے لئے ہیں۔

اس صحیفہ الٰہیہ کے مطالب و مقاصد میں دوسرا مقصد انبیاء، اولیاء اور حکماء کے قصص و حکایات ہیں اور یہ کہ خدا نے ان کی تربیت کس طرح کی اور انہوں نے خلق خدا کی تربیت کس طرح کی۔ ان قصوں میں بے شمار فائدے اور کثیر تعلیمات ہیں۔ ان قصوں میں اس قدر معارف الٰہیہ اور تعلیمات و تربیت ربانی کے تذکرے اور رموز ہیں کہ عقل حیران رہ جائے۔ (سبحان اللہ ولہ الحمد والمنۃ) قصہ آدمؑ ہی میں دیکھ لیجئے۔ خلقت آدمؑ، ملائکہ سجدے کا حکم، تعلیم اسماء، ابلیس و آدمؑ کے قضئے جن کا ذکر کتاب خدا میں بار بار آیا ہے، جس میں اس قدر تعلیم و تربیت اور معارف و معالم ہیں کہ انسان حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ مگر اس شخص کے لئے کہ "لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ"[1] (اس کے لئے جس کے پاس دل ہو یا حضورِ قلب سے کان لگائے)۔

قصص قرآنیہ، جیسے قصہ آدمؑ و موسیٰؑ و ابراہیمؑ اور دیگر انبیاء کے قصے قرآن میں بار بار ذکر کئے جانے میں یہی نکتہ ہے کہ یہ کتاب، کتاب قصہ و تاریخ نہیں ہے، بلکہ کتاب سیر و سلوک الی اللہ اور کتاب توحید و معارف و مواعظ و حکم ہے اور ان امور میں تکرار ہی مطلوب ہے تا کہ سخت اور بے رحم نفسوں میں کسی طرح تو تاثیر پیدا ہو اور دلوں کو ان سے کسی طرح تو نصیحت حاصل ہو۔ دوسرے لفظوں میں جو شخص تعلیم و تربیت اور انذار و تبشیر کرنا چاہتا ہے اس کو چاہئے کہ اپنا مقصد مختلف عبارتوں اور طرح طرح سے، کبھی قصہ و حکایت کے ضمن میں، کبھی تاریخ و نقل کے ذریعہ، کبھی صریح لہجہ میں، کبھی اشارات و کنایات میں اور کبھی امثال و رموز کے سہارے ذہنوں میں اتارے تا کہ مختلف نفوس اور منتشر دل سب اس سے استفادہ کر سکیں۔

اور چونکہ قرآن شریف تمام طبقات اور جملہ انسانی نسلوں کی سعادت کے لئے ہے اور افراد انسانی حالات قلوب، عادات و اخلاق اور زمان و مکان کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ اس لئے ہر ایک کو ایک ہی طرح سے دعوت نہیں دی جاسکتی۔ بہت سے نفوس ایسے ہوتے ہیں جو صاف و صریح لہجہ سے تعلیم حاصل کرنے اور سادہ انداز میں اصل مطلب کی تحصیل کے لئے حاضر نہیں ہوتے اور ان سے متاثر نہیں ہوتے۔ ان کو ان کے دماغ کی ساخت کے مطابق دعوت دی جانی چاہئے اور مقصد سمجھایا جانا چاہئے اور بہت سے نفوس ایسے ہوتے ہیں کہ قصص و حکایات اور تواریخ سے سروکار نہیں رکھتے اور اصل مطلب اور روح مقصد سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو پہلے لوگوں کے ساتھ ایک ہی ترازو میں نہیں تولنا چاہئے۔ بہت سے دل تخویف و انذار سے مناسبت رکھتے ہیں۔ بعض قلوب وعدہ و بشارت سے علاقہ رکھتے ہیں۔

---

[1] سورۂ ق: ۲۷

انہی وجوہ کی بنا پر کتاب الٰہی نے مختلف قسموں، متعدد ہنروں اور طرح طرح سے لوگوں کو دعوت دی ہے اور ایسی کتاب میں تکرار ناگزیر ہے۔ دعوت اور موعظہ تکرار اور تفنن کے بغیر بلاغت کے دائرہ سے خارج ہے اور اس سے جو کچھ امید باندھی گئی ہے کہ نفوس متاثر ہوں گے بغیر تکرار کے پوری نہیں ہوتی۔

اس خوبی کے ساتھ ہی یہ خوبی بھی ہے کہ اس کتاب شریف میں قضایا ایسے شریں انداز میں بیان ہوئے ہیں کہ ان کی تکرار کسالت اور اکتاہٹ پیدا نہیں کرتی، بلکہ جتنی دفعہ اصل مطلب کی تکرار کرو، محسوس ہوتا جاتا ہے کہ جو خصوصیات ولواحق اس میں ذکر کئے گئے ہیں اور کہیں نظر نہیں آتے، بلکہ ہر مرتبہ کوئی اہم عرفانی یا اخلاقی نکتہ مورد نظر بن جاتا ہے اور قضیہ اسی کے اطراف میں گردش کرنے لگتا ہے۔ اس مطلب کا بیان قصص قرآن کے بارے میں مکمل مطالعہ اور محنت چاہتا ہے۔ جس کی گنجائش اس مختصر رسالہ میں نہیں ہے اور نحیف کے دل میں یہ آرزو مستحکم ہے کہ بقدر امکان توفیق الٰہی سے قصص قرآنی اور حل رموز اور ان کے ذریعہ تعلیم وتربیت سے متعلق ایک کتاب مرتب کروں۔ اگرچہ راقم الحروف جیسے انسان کے لئے اس ذمہ داری کو پورا کرنا ایک خیال خام اور آرزوئے محال ہے۔

وبالجملہ، قصص انبیاء علیہم السلام کے تذکرے اور ان کے سیر وسلوک کی کیفیت، بندگان خدا کو ان کی تربیت کے طور طریق، حکم ومواعظ اور ان کے مجادلات حسنہ معارف اور حکمتوں کے عظیم ابواب اور سعادت وتعلیمات کے بلند دروازے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے کھولے ہیں اور جس طرح اصحاب سلوک وریاضت کے لئے ان سے بڑا فائدہ اور کافی فیض حاصل ہوتا ہے دوسرے لوگوں کے لئے بھی بہت کچھ نصیب اور بے حد نفع ہے۔ چنانچہ آیۂ کریمہ "فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ج" [1] (جب ان پر رات کی تاریکی چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ کو دیکھا) سے بطور مثال اہل معرفت ابراہیم علیہ السلام کے سیر وسلوک معنوی کی کیفیت کا ادراک کرتے ہیں اور سلوک الی اللہ اور سیر الی الحق کی راہ معلوم کرتے ہیں اور سیر نفسی اور سلوک معنوی کی حقیقت کو منتہائے ظلمت سے، جس کی تعبیر اس مسلک میں (جن علیہ اللیل) سے کی گئی ہے، انیت وانانیت کو مطلقاً چھوڑ دینے، خود اور خود پرستی کو ترک کرنے، مقام قدس تک پہنچنے اور محفل انس میں داخل ہونے تک، جس کی طرف اس مسلک میں "اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ" [2] (میں ہر طرف سے ہٹ کر اپنا رخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے) سے اشارہ کیا گیا ہے، دریافت کر لیتے ہیں اور دوسرے لوگ اس سے سیر آفاقی اور اپنی امت کو جناب خلیل اللہؑ کی تربیت کا طریقہ

---

[1] سورۂ انعام: ۷۶

[2] سورۂ انعام: ۷۹

معلوم کرتے ہیں۔

اس طرح سارے قصص و حکایات ہیں، جیسے قصۂ آدمؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، یوسفؑ، عیسیٰؑ اور موسیٰؑ و خضرؑ کی ملاقات، جن سے اہل معارف و ریاضات و مجاہدات کے استفادات اور دوسرے لوگوں کے استفادات ایک دوسرے سے فرق رکھتے ہیں اور قصص و حکایات ہی میں شامل ہیں یا مستقل مقصد ہیں۔ ذات مقدس کے حکم و مواعظ، جن کی طرف جہاں جیسا مناسب سمجھا ہے خود زبان قدرت سے یا زبان معارف الٰہیہ و توحید و تنزیہ سے بندوں کو دعوت دی ہے۔ جیسے سورۂ مبارکہ (توحید) اور سورۂ (حشر) کے اواخر اور سورۂ (حدید) کے اوائل اور کتاب الٰہی کے دوسرے مواقع پر۔ اصحاب قلوب اور ارباب سوابق حسنیٰ کے لئے اس حصہ میں بے شمار لطیف و لذیذ باتیں ہیں۔ مثلاً اصحاب معارف آیہ کریمہ "وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ" [1] (اور جو شخص اپنے گھر سے خدا اور رسول (ص) کی طرف ہجرت کے ارادہ سے نکلے پھر اسے موت آجائے، تو اس کا اجر و ثواب اللہ کے ذمہ ہوگیا) سے قرب نافلہ و فریضہ کا استفادہ کرتے ہیں۔ حالانکہ دوسرے حضرات جسم کے ساتھ نکلنا اور ہجرت کرنا مثلاً مکہ سے مدینہ جانا سمجھتے ہیں۔ یا تہذیب نفوس اور ریاضات باطنیہ اور یا دعوت دی ہے جیسے آیۂ کریمہ "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا" [2] (بے شک وہ شخص فلاح پا گیا جس نے اس (نفس) کا تزکیہ کیا۔ اور وہ شخص نامراد ہوا جس نے (گناہ سے آلودہ کر کے) اسے دبا دیا) وغیر ذلک اور یا دعوت عمل صالح دی گئی ہے جیسا کہ معلوم ہے اور یا ان میں سے ہر ایک کے مقابلے سے ڈرایا گیا ہے۔ اس میں حضرت لقمان اور دوسرے بزرگوں اور مومنین کی حکمتیں اور موعظے شامل ہیں جو صحیفہ الٰہیہ میں مختلف مواقع پر مذکور ہیں۔ جیسے اصحاب کہف کے قضیے۔

اس نورانی صحیفہ کے دوسرے مطالب میں سے کافرین و منکرین، مخالفین حق و حقیقت، اور معاندین انبیاء و اولیاء علیہم السلام کے احوال کا بیان ہے۔ نیز ان کے انجام کار اور ان کی ہلاکت و تباہی کی کیفیت کا بیان ہے۔ جیسے فرعون، قارون، نمرود، شداد اور اصحاب فیل اور دوسرے کفار و فجار کے قضئے، جن میں ہر ایک قضیہ مواعظ و حکم، بلکہ اہل معرفت کے لئے معارف کا حامل ہے۔ اسی لئے ابلیس ملعون کے قضئے شامل ہیں اور اسی میں شامل ہیں یا انہیں ایک مستقل قسم کہہ لیجئے۔ غزوات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قضئے۔ ان میں بھی عظیم مطالب ذکر کئے گئے ہیں۔ جن میں سے ایک اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مجاہدات کی کیفیت ہے تاکہ مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کیا جائے اور انہیں اللہ کی راہ میں

---

[1] سورۂ نساء: ۱۰۰

[2] سورۂ شمس: ۹

مجاہدات، کلمہ حق کے نفاذ اور باطل کو ختم کرنے کے لئے آمادہ کیا جائے۔

قرآن شریف کے مطالب میں سے ایک اور مطلب، شریعت کے ان ظاہری قوانین اور آداب وسنن الٰہیہ کا بیان ہے۔ اس کتاب نورانی میں جن کے کلیات ومہمات کا ذکر کیا گیا ہے اور اس قسم میں سب سے عمدہ اصول وضوابط مطالب کی طرف دعوت ہے، جیسے باب صلاۃ، زکات، خمس، حج، صوم جہاد، نکاح، میراث، قصاص، حدود، تجات اور ایسے ہی دوسرے ابواب۔ اور یہ قسم یعنی ظاہر شریعت کا علم، چونکہ عمومی فائدے رکھتی ہے اور تعمیر دنیا وآخرت کی حیثیت سے تمام طبقات کے لئے وضع کی گئی ہے اور انسانوں کے تمام طبقات مقدور بھر اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے کتاب خدا میں اس کی بہت زیادہ دعوت دی گئی ہے اور احادیث واخبار میں بھی اس کی خصوصیات وتفصیلات کثرت سے بیان ہوئے ہیں اور علمائے شریعت کے تصنیفات اس سلسلہ میں تمام قسموں سے بیشتر اور بالاتر ہیں۔

قرآن شریف کے مطالب میں سے ایک اور مطلب، معاد کے احوال اور اس کے اثبات کے لئے ادلہ و براہین، عذاب وعقاب اور جزاء وثواب کی کیفیت، جنت و نار اور سزا وانعام کی تفصیلات کا بیان ہے۔ اس قسم کے ارباب سعادت کے حالات اہل معرفت اور مقربین، اہل ریاضت اور سالکین اور اہل عبادت اور سالکین کے درجات کا بیان اور اسی طرح اہل شقاوت یعنی کفار ومحجوبین، منافقین و جاحدین اور اہل معصیت و فاسقین کے حالات و درجات کا ذکر ہے، لیکن جو چیزیں زیادہ تر عمومی فائدہ رکھتی ہیں ان کا ذکر نسبتاً زیادہ اور صریح لہجہ میں کیا گیا ہے اور جو چیزیں کسی خاص طبقہ کے لئے مفید ہیں وہ مرز واشارہ میں بیان کی گئی ہے۔ جیسے "وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ" [1] (اور اللہ کی خوشنودی سب سے بڑی ہے) اور اسی طبقہ کے لئے لقاء الٰہی سے متعلق آیات۔ اور جیسے "كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ" [2] (ہرگز (ایسا نہیں کہ جزا وسزا نہ ہو) یہ لوگ اس دن اپنے پروردگار (کی رحمت سے) (محجوب اور محروم) رہیں گے) دوسرے گروہ کے لئے۔

اور اس قسم میں یعنی معاد اور اللہ کی طرف بازگشت کی تفصیل میں بے شمار معارف اور بہت باریک اور دشوار اسرار مذکور ہیں۔ جن کی کیفیت پر مطلع ہونا سلوک برہانی یا نور عرفانی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ صحیفہ الٰہی کے مطالب میں سے ایک ان احتجاجات اور براہین کا طریقہ ہے جو حق تعالیٰ نے مطالب حقہ اور معارف الٰہیہ پر یا تو خود قائم کئے ہیں۔ جیسے وجود حق، توحید، تنزیہ، علم و قدرت اور دوسرے اوصاف کمالیہ پر حجت و برہان کا قیام کہ اس قسم میں کبھی دقیق

---

[1] سورۂ توبہ آیت ۷۲

[2] سورۂ مطففین، آیت ۱۵

اور باریک ادلہ و براہین ظاہر ہوتے ہیں، جن سے اہل معرفت ہی پوری طرح استفادہ کرتے ہیں۔ جیسے "شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ"[1] (خدا نے گواہی دی ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں)۔

اور کبھی ایسے ادلہ و براہین سامنے آتے ہیں جن سے حکماء اور اہل علم ایک طرح سے مستفید ہوتے ہیں جیسے آیہ کریمہ "لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا"[2] (اگر خدا کے علاوہ بھی خدا ہوتے تو زمین و آسمان تباہ ہو جاتے)۔

اور جیسے آیہ "اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ"[3] (اس وقت ہر خدا نے جو کچھ خود پیدا کیا ہوتا اس کی طرف رخ کرتا)۔

اور جیسے سورۂ حدید کی ابتدائی آیات اور سورۂ توحید یا جیسے معاد اور روحوں کی بازگشت اور دوسرے عالم کی ایجاد اور ملائکہ اللہ و انبیاءؑ کے اثبات پر حجت و برہان کا قیام جو اس کتاب شریف میں مختلف مقامات پر موجود ہیں۔ یہ خود ذات مقدس کے احتجاجات کے احوال ہوئے اور اثبات معارف پر انبیاءؑ و اہل دانش نے جو براہین قائم کئے اور حق تعالیٰ نے انہیں نقل کیا ہے، ان میں جناب خلیل اللہؑ اور دوسروں کے احتجاجات شامل ہیں۔

یہ ہیں کتاب الٰہی کے اہم مطالب، ورنہ دوسرے متفرق مطالب بھی موجود ہیں، جن کو بیان کرنے کے لئے کافی وقت چاہئے۔

---

[1] سورہ آل عمران، آیت ۱۸

[2] سورہ انبیاء، آیت ۲۲

[3] سورہ مومنون: ۹۱

فصل سوم

کتاب شریف سے استفادہ کرنے کی راہ

اب جب کہ آپ نے صحیفہ الٰہیہ کے مقاصد و مطالب کو جان لیا، تو ایک خاص اور اہم مطلب کو نظر میں رکھئے، جس کی طرف توجہ رکھنے سے کتاب شریف سے استفادہ کرنے کی راہ آپ پر کھل جائے گی اور وہ یہ ہے کہ کتاب شریف الٰہی کو تعلیمی نقطہ نظر سے پڑھئے اور اسے ایسی کتاب سمجھئے جو فائدہ پہنچانے اور تعلیم دینے کے لئے ہے اور خود کو سیکھنے اور فائدہ حاصل کرنے کا ذمہ دار بنایئے۔ تعلیم دینے اور سیکھنے اور فائدہ پہنچانے اور فائدہ حاصل کرنے سے ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ اس سے ادبیات اور نحو وصرف حاصل کیجئے یا فصاحت و بلاغت اور علم بیان و بدیع کے نکات یاد کیجئے یا اس کے قصص و حکایات کو تاریخی معلومات اور زمانہ گزشتہ کے لوگوں کی تہذیب و ثقافت سے واقفیت حاصل کیجئے۔ ان میں سے کوئی ایک مقصد بھی قرآن کے مقاصد میں شامل نہیں ہے اور کتاب الٰہی کے اصلی مقصود سے منزلوں دور ہے۔

یہ جو اس عظیم کتاب سے ہم بہت ہی کم فائدہ اٹھاتے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ یا تو ہم اس کو تعلیم و تعلم کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہی نہیں۔ اور زیادہ تر ہم ایسے ہی ہیں۔ صرف اجر وثواب کے لئے قرآن کی قرائت وتلاوت کرتے ہیں۔ لہٰذا تجوید کے علاوہ قرآن کے کسی رخ کی طرف اعتنا نہیں کرتے۔ ہم چاہتے ہیں کہ قرآن کو صحیح پڑھیں تاکہ ہمیں ثواب حاصل ہو۔ اسی حد پر ٹھہرے ہیں اور ایس پر قناعت کئے ہوئے ہیں۔ لہٰذا چالیس سال قرآن مجید کو پڑھتے ہیں اور تلاوت کے اجر وثواب کے علاوہ کسی قسم کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور اگر تعلیم و تعلم کی نظر سے پڑھتے ہیں تو بیان و بدیع کے نکات اور وجوہ اعجاز قرآن اور ذرا اوپر اٹھے تو وتاریخی حیثیت، آیات کی شان نزول، اوقات نزول، آیات اور سوروں کا مکی و مدنی ہونا، قرائت کے اختلافات، مفسرین عامہ وخاصہ کے اختلافات اور اسی قسم کے دوسرے عرضی امور سے جو

مقصد سے دور اور وہ خود ہی قرآن سے محجوب ہونے اور ذکر الٰہی سے غفلت کا سبب ہیں، سروکار رکھتے ہیں، بلکہ ہمارے بڑے بڑے مفسرین بھی اپنی بہترین کوششیں انہیں جہتوں میں سے کسی ایک یا بیشتر جہات پر صرف کردیتے ہیں اور لوگوں کے سامنے تعلیمات کا دروازہ نہیں کھولتے۔

راقم الحروف کا عقیدہ ہے کہ اب تک قرآن کی تفسیر لکھی ہی نہیں گئی۔ کلی طور پر (تفسیر) کتاب کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس کتاب کے مقاصد کی شرح کی جائے اور اس کا اہم نقطہ نظر صاحب کتاب کے مقصود کو بیان کرنا ہو۔ یہ کتاب جو خدائے تعالیٰ کی گواہی کے مطابق کتاب ہدایت وتعلیم ہے اور سلوک انسانیت کی راہ کی روشنی ہے۔ مفسر کو چاہئے کہ اس کے قصص میں سے ہر قصہ میں، بلکہ اس کی آیتوں میں سے ہر آیت میں عالم غیب کی طرف جانے کی سمت، سعادت کا راہنما ہونے کی حیثیت اور معرفت وانسانیت کا راستہ چلنا سیکھنے والے کو سمجھائے۔ مفسر تب ہی مفسر ہے جب ہمیں (مقصد) نزول سمجھا رہا ہو۔ نہ یہ کہ (سبب) نزول سمجھائے اس طرح جیسا کہ تفسیروں میں ہے۔ اسی آدمؑ وحواؑ کے قصہ میں اور ابلیس کے ساتھ ان کے قضیوں میں ان کی تخلیق کے آغاز سے زمین پر آنے تک، جسے اللہ نے بار بار اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے، کس قدر معارف ومواعظ پوشیدہ ہیں اور ہمیں کس قدر نفس کے معائب، ابلیس کے مکائد اور ان کی انتہا اور آدمی کے معارف سے آگاہی ملتی ہے، لیکن ہم اس سے غافل ہیں۔

وبالجملہ، کتاب خدا، کتاب معرفت واخلاق ہے، کتاب دعوت سعادت وکمال ہے، اس لئے کتاب تفسیر بھی کتاب عرفانی واخلاق اور مبین جہات عرفانی واخلاقی وغیرہ کی حیثیت سے ہونی چاہئے۔ جو مفسر اس جہت سے غفلت کرے یا صرف نظر کرے یا اسے اہمیت نہ دے وہ مقصود قرآن اور انزال کتب وارسال رسل سے غفلت برتتا ہے اور یہ ایک ایسی غلطی ہے جو صدیوں سے ملت کو قرآن کے فوائد وفیوض سے محروم کئے ہوئے ہے اور بندگان خدا پر راہ ہدایت مسدود کئے ہوئے ہے۔ ہمیں چاہئے کہ جہات برہانی عقلی سے، جو خود بھی ہمیں مقصد سمجھا دیتی ہیں، قطع نظر کر کے (براہ راست) کتاب خدا ہی سے کتاب خدا کی تنزیل کا مقصد معلوم کریں۔ مصنف کتاب ہی اپنے مقصود کو بہت سمجھتا ہے۔ (لہٰذا) اب ہم شئون قرآن کے بارے میں اس کے مصنف کے ارشادات کی روشنی میں غور وفکر کرتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ خود فرماتا ہے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ [1]

اس کتاب میں کوئی شک نہیں ہے اور وہ پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے۔

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۲

اس کتاب کو کتاب ہدایت کہا ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ ایک چھوٹے سے سورے میں کئی مرتبہ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ [1]

ہم نے قرآن کو یاددہانی کے لئے آسان بنادیا ہے، ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟

ہم دیکھتے ہیں کہ ارشاد ہوتا ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ. [2]

ہم نے قرآن کو ایک بار تم پر نازل کیا تاکہ جو کچھ (تدریجاً) لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے وہ تم ان کے لئے بیان کرو، شاید وہ لوگ غور کریں۔

فرماتا ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ. [3]

وہ بابرکت کتاب جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی تاکہ اس کی آیات میں تدبر کریں اور صاحبان عقل عبرت حاصل کریں۔

ان کے علاوہ بھی آیات شریفہ ہیں جن کا ذکر طول کا باعث ہوگا۔

وبالجملہ، اس بیان سے ہمارا مقصد تفاسیر کے حدود و اطراف پر تنقید کرنا نہیں ہے، کیونکہ ہر مفسر نے بڑی زحمتیں اٹھائی ہیں اور شدید محنتیں کی ہیں تب ایک کتاب مرتب ہوئی ہے "**فله درهم وعلى الله اجرهم**" بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ قرآن شریف سے فیض حاصل کرنے کی راہ لوگوں کے لئے کھلے، کیونکہ قرآن ہی سلوک الی اللہ، تہذیب نفوس اور آداب وسنن الٰہیہ کو بتانے والی واحد کتاب ہے اور خالق ومخلوق کے درمیان سب سے بڑا رابطہ اور عزت ربوبیت سے تمسک کے لئے عروۃ الوثقیٰ وارحبل المتین (مضبوط رسی) ہے۔علماء ومفسرین فارسی وعربی میں مفسیر یں لکھیں۔ ان کا مقصد عرفانی و اخلاقی تعلیمات و دستورات، مخلوق کے خالق سے رابطہ کی کیفیت اور دار الغرور سے دارالسرور والخلود کی طرف ہجرت کا اس طرح بیان ہونا چاہئے، جس طرح خود کتاب شریف میں ودیعت کیا گیا ہے۔ اس عظیم کتاب کا مصنف سکاکی اور شیخ نہیں کہ اس کا مقصد فصاحت و بلاغت کی جہتیں بیان کرنا ہو۔سیبویہ اور خلیل نہیں

---

[1] سورۂ قمر، آیت ۱۷

[2] سورۂ نحل آیت ۴۴

[3] سورۂ صٓ: ۲۹

کہ اس کا مطمع نظر نحو وصرف کی جہتیں تحریر کرنا ہو۔ مسعودی اور ابن خلکان نہیں کہ اطراف تاریخ سے بحث کرے۔ یہ کتاب آنحضرتؐ کا عصائے موسیٰؑ اور ید بیضا نہیں یا دم عیسیٰؑ نہیں جو مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے کہ خالی معجزہ دکھانے اور تصدیق نبی اکرمؐ کے لئے آئی ہو، بلکہ یہ صحیفہ الٰہیہ دلوں کو علوم و معارف الٰہیہ کی ابدی زندگی بخشنے کے لئے نازل ہوئی ہے۔ یہ کتاب خدائے ہے اور شئون الٰہیہ کی طرف دعوت دیتی ہے۔ مفسر کو چاہئے کہ لوگوں کو شئون الٰہیہ کی تعلیم دے اور لوگوں کو چاہئے کہ شئون الٰہیہ کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے مفسرین کی طرف رجوع کی تعلیم دے تاکہ اس سے فائدہ حاصل ہو۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا.[1]

ہم قرآن میں سے جو کچھ مومنین کے لئے شفا اور رحمت ہے نازل کرتے ہیں اور یہ ظالموں کے لئے نقصان کے علاوہ کچھ اضافہ نہیں کرتا۔

اس سے بڑا خسارہ کیا ہوگا کہ تیس چالیس سال ہم کتاب الٰہی کی تلاوت کریں اور تفاسیر کی طرف رجوع کریں اور کتاب کے مقاصد سے پھر بھی محروم رہیں!

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ.[2]

پروردگارا! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا اور اگر تو ہم کو نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں ہو جائیں گے۔

---

[1] سورۂ اسرا، آیت ۸۲

[2] سورۂ اعراف، ۲۳

فصل چہارم

موانع استفادہ کو دور کرنا

اب جب کہ کتاب خدا کی عظمت ہر جہت سے معلوم ہوگئی اور اس سے استفادہ کی رہ کھل گئی تو کتاب خدا کو سیکھنے والے اور اس سے استفادہ کرنے والے کے لئے لازم ہے کہ اہم آداب میں سے ایک اور اہم ادب پر کار بند ہو تا کہ استفادہ ہونے لگے، وہ ادب (موانع استفادہ کو دور کرنا) ہے۔ ہم جن کی تعبیر (مستفید اور قرآن کے درمیان حجابات) سے کرتے ہیں اور ایسے حجابات بہت ہیں۔ ہم ان میں بعض کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

ان حجابوں میں ایک بڑا حجاب (خود بینی) ہے کہ متعلم اس حجاب کی وجہ سے خود کو بے نیاز سمجھ بیٹھتا ہے اور استفادہ کا محتاج نہیں سمجھتا۔ یہ شیطان کے بڑے شاہکاروں میں سے ایک ہے کہ ہمیشہ موہوم کمالات کو انسان کے سامنے چمکا کر پیش کرتا ہے اور انسان اتنے ہی پر راضی و قانع ہو جاتا ہے جتنا اس کے پاس ہے اور اس کے آگے جو کچھ ہے اس کو انسان کی نظروں سے گرا دیتا ہے۔ مثلاً اہل تجوید کو اسی جزئی علم پر قانع کر دیتا ہے اور اس علم کو ان کی نظروں میں اتنا بڑا ھاوا دیتا ہے کہ دوسرے علوم کی ان کی نظر میں کوئی وقعت نہیں رہ جاتی۔ حاملین قرآن کو بھی ان کے سامنے انہیں کے مطابق قرار دیتا ہے اور ان کو اللہ کی نورانی کتاب کے سمجھنے اور اس سے استفادہ کرنے سے محروم کر دیتا ہے۔ اصحاب ادبیت کو اسی بے مغز صورت پر راضی رکھتا ہے اور تمام شئون قرآن کو جو کچھ اور جتنا جس کے پاس ہے اسی میں منحصر قرار دے دیتا ہے اور اہل تفسیر کو بھی پرانے دھڑے پر چلتے رہنے میں سرگرم رکھتا ہے کہ وہ وجوہ قرائات، آراء مختلفہ ارباب لغت، وقت نزول، شان نزول، آیات اور سوروں کے مکی مدنی ہونے، آیات وحروف کی تعداد اور اسی طرح کی باتوں میں لگے رہتے ہیں۔ اہل علوم کو بھی قانع کر دیتا ہے۔ فقط دلالتوں کے فنوں اور احتجاجات کے وجوہ اور اسی قسم کے

امور پر، یہاں تک کہ فلسفی وحکیم و عارف تک کو اصطلاحات و مفاہیم جیسے گہرے اور دبیز پردے میں بند کر دیتا ہے۔ اس لئے قرآن سے استفادہ کی طلب رکھنے والے کو چاہئے کہ ان تمام پردوں کو چاک کر دے اور ان پردوں کے اس پار سے قرآن میں غور وفکر کرے اور ان میں سے کسی ایک حجاب پر بھی نہ ٹھہرے، تاکہ قافلہ سالکان سے بچھڑ نہ جائے اور اللہ کی شیرین وخوشگوار دعوتوں سے محروم رہ جائے۔ خود قرآن شریف سے ایک معین حد پر قانع نہ ہونے اور اس پر نہ ٹھہرنے کا حکم معلوم کرے۔ قصص قرآن میں ان معنی کی طرف بہت اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہؑ نے نبوت کے بلند مقام پر فائز ہونے کے باوجود اس مقام پر قناعت نہیں کی اور اپنے علم کے بلند مقام پر ٹھہرے نہیں رہ گئے، خضرؑ جیسے کامل شخص سے ملاقات ہوتے ہی تواضع وانکساری کے ساتھ ان سے کہا:

هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا.[1]

کیا میں آپ کی پیروی (ہمراہی) کروں تاکہ جو کچھ آپ نے بصیرت وہدایت آپ نے سیکھی ہے مجھے سکھائیں۔

اور ان کی خدمت میں رہنے لگے۔ یہاں تک کہ جو علوم سیکھنا چاہئے تھے، سیکھ لئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایمان کے بڑے مقام پر اور انبیاء علیہم السلام سے مخصوص علم پر قناعت نہیں کی اور عرض کیا:

رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ[2]

پروردگارا! مجھے دکھا تو کیسے مردوں کو زندہ کرتا ہے۔

ایمان قلبی سے اور اوپر اٹھنا چاہا اور مقام اطمینان شہودی تک پہنچنا چاہا۔ اس سے بالاتر یہ کہ خدائے تبارک و تعالیٰ حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو علی الاطلاق عارف ترین مخلوق ہیں، آیہ کریمہ میں حکم دیتا ہے:

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا.[3]

اور کہو، پروردگارا! میرے علم میں اضافہ کر۔

کتاب الٰہی کے یہ دستورات، یہ قصص انبیاءؑ کا ذکر سب اس لئے ہے کہ ہم ان کے ذریعے بیدار ہوں اور خواب غفلت سے چونک اٹھیں۔

---

[1] سورۂ کہف، آیت ٦٦

[2] سورۂ بقرہ: ٢٦٠

[3] سورہ طٰہٰ، آیت ١١٤

ایک اور حجاب آراء فاسدہ اور مسالک و مذاہب باطلہ کا حجاب ہے جو کبھی خود انسان ہی کی سوء استعداد سے اور زیادہ تر پیروی و تقلید سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ ایسے حجابوں میں سے ایک ہے جس نے خاص کر معارف قرآن سے ہمیں محجوب کیا ہے۔ مثلاً اگر کوئی فاسد اعتقاد صرف ماں باپ سے سن لینے کی وجہ سے یا بعض جاہل اہل منبر سے سن کر، ہمارے دل میں راسخ ہو گیا ہو تو یہ فاسد اعتقاد ہمارے اور آیات الٰہیہ کے درمیان حاجب بن جائے گا۔ چاہے ہزاروں آیات و روایات بھی وارد ہو جائیں جو اس کے خلاف ہوں۔ اب یا تو اس کے ظاہر سے اعراض کریں یا اس کو سنجیدہ نظر سے ہی نہ دیکھیں۔ عقائد و معارف سے متعلق (اس طرح کی) بہت مثالیں ہیں، لیکن ہم ان کو شمار کرنے سے، صرف نظر کرتے ہیں، کیونکہ معلوم ہے کہ ہمارے ایسے لوگوں کے کہنے سے یہ حجاب نہیں ہٹ سکتا۔ لیکن نمونہ کے طور پر ایک عقیدہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو دوسرے عقائد سے زیادہ سہل الماخذ ہے۔ یہ تمام آیتیں جو لقائے الٰہی اور معرفت الٰہی کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اور یہ روایتیں جو اس موضوع پر ہیں اور یہ تمام اشارات و کنایات اور صراحتیں جو ائمہ علیہم السلام کی دعاؤں اور مناجاتوں میں موجود ہیں۔ صرف اس عقیدہ کی بنا پر جو اس میدان سے بالکل اجنبی اور عامی اشخاص کے ذریعہ پیدا ہوا اور پھیلا ہے کہ معرفت خدا کی راہ کلی طور پر بند ہے اور اسی عقیدہ کی وجہ سے ذات خدا میں تفکر کر کے اس کی معرفت حاصل کرنے اور مشاہدہ جمال سے ممنوع، بلکہ محال قرار دے دیا ہے۔ (آیات و روایات کی) یا تو توجیہ و تاویل کرتے ہیں اور یا اس میدان میں وارد ہی نہیں ہوتے (مباحثہ ہی نہیں کرنا چاہتے) اور خود کو معارف سے جو انبیاء و اولیاءؑ کی خنکی چشم ہیں، آشنائی کرنے پر تیار نہیں ہوتے۔ بڑے افسوس کی بات ہے اہل اللہ کے لئے کہ معرفت کا ایک باب، جسے بعثت انبیاءؑ کی غرض و غایت اور اولیاء کا منتہائے مطلوب کہا جا سکتا ہے۔ لوگوں پر اس طرح بند کر دیا ہے کہ اس کے بارے میں بات کرنا کفر محض اور زندقہ قرار دے دیا ہے ان لوگوں نے انبیاء و اولیاءؑ کے معارف کو بالخصوص ذات و اسماء و صفات حق کے بارے میں عام لوگوں اور عورتوں کے معارف کے برابر سمجھ لیا ہے، بلکہ کبھی تو اس سے بھی آگے چلے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں: ''فلاں، اچھے عامیانہ عقائد رکھتا ہے، کاش ہم بھی وہی عامیانہ عقیدہ رکھتے ہوتے''، بات تو ٹھیک ہی ہے، کیونکہ اس بے چارہ نے جو ایسی باتیں منہ سے نکالتا ہے، عامیانہ عقیدہ تو ہاتھ دے ہی رکھا ہے اور دوسرے معارف کو بھی جو خواص و اہل اللہ کے معارف ہیں، باطل سمجھ لیا ہے۔ یہ آرزو ٹھیک کفار کی آرزو جیسی ہے جو آیۂ کریمہ میں نقل ہوئی ہے:

وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا.[1]

---

[1] سورۂ نباء، آیت ۴۰

اور کافر کہے گا کہ کاش میں مٹی ہوتا۔

ہم اگر بقائے الٰہی کے بارے میں آیات و اخبار کو تفصیل سے بیان کرنا چاہیں، تاکہ اس فاسد عقیدہ کی رسوائی واضح ہو جائے جو جہل اور غرور شیطانی کی پیداوار ہے تو ایک جداگانہ کتاب کی تالیف کی ضرورت ہے، چہ جائیکہ ہم یہ چاہیں کہ وہ معارف بیان کریں جو اس غلیظ شیطانی حجاب سے پیدا ہوئے اور پوس پردۂ نسیان رہ گئے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ قرآن سے مہجور ہونے اور قرآن کو مہجور چھوڑنے کا ایک مرتبہ، جو شاید سب سے زیادہ افسوس ناک ہے، یہی ہے۔ چنانچہ آیۂ کریمہ کہتی ہے:

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا. [1]

اور رسولؐ کہیں گے اے میرے پروردگار! میری قوم (امت) نے اس قرآن کو بالکل چھوڑ دیا تھا۔

قرآن کو مہجور چھوڑنے کے بے شمار مراتب و مراحل ہیں جن میں سب سے بڑے مرتبہ پر شاید ہم ہی ہوں۔ ہم اگر اس صحیفہ الٰہیہ کی مثلاً پاکیزہ اور قیمتی جلد بنوالیں اور تلاوت یا استخارہ کے وقت چوم لیا کریں اور آنکھوں سے لگالیا کریں تو کیا ہم نے قرآن کو مہجور نہیں چھوڑا؟

اگر ہم نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ قرآن کی تجوید، علوم لغت و بیان اور بدیع کی جہتوں میں صرف کر دیا تو کیا اس کتاب عظیم کی مہجوریت کے ذمے داری سے باہر آگئے؟ اگر ہم نے قراءات مختلفہ اور ان جیسی اور چیزوں کو یاد کرلیا تو کیا ہجران قرآن کی ذلت سے چھوٹ گئے؟ اگر ہم نے وجوہ اعجاز قرآن اور اس کے محسنات (لفظی و معنوی) کے فنون سیکھ لئے تو کیا رسول خداؐ کی شکایت سے نجات پاگئے؟ افسوس! کہ ان میں سے کوئی ایک چیز بھی قرآن اور اس کو نازل کرنے والے کے منظور نظر نہیں۔ قرآن کتاب الٰہی ہے اور اس میں شئون الٰہیت ہیں۔ قرآن خالق و مخلوق کے درمیان رشتہ اتصال ہے اور اس کی تعلیمات کے وسیلہ سے معنوی رابطہ اور غیبی ارتباط خدا اور بندگان خدا کے درمیان پیدا ہونا چاہئے۔ قرآن سے علوم الٰہی اور معارف لدنی حاصل کئے جانے چاہئیں۔

کافی شریف کی روایت کے مطابق جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّمَا الْعُلُومُ ثَلَاثَةٌ- آيَةٌ مُحْكَمَةٌ، وَفَرِيضَةٌ عَادِلَةٌ، وَسُنَّةٌ قَائِمَةٌ. [2]

---

[1] سورۂ فرقان، آیت ۳۰

[2] اصول کافی، ج ۱، ص ۳۷، کتاب فضل العلم، باب صفۃ العلم وفضلہ، حدیث ۱

علم کی بس تین قسمیں ہیں: آیت محکم، فریضہ عادلہ، اور سنت قائمہ۔

قرآن شریف ان علوم کا حامل ہے کہ اگر ہم قرآن سے یہ علوم حاصل کرلیں تو ہم نے اس کو مہجور نہیں چھوڑا۔ اگر ہم نے قرآن کی دعوت قبول کر لی اور قصص انبیاء علیہم السلام سے جو مواعظ و معارف اور حکمتوں پر مشتمل ہیں تعلیم حاصل کی، اگر ہم نے خدائے تعالیٰ اور انبیاءؑ کے مواعظ سے قرآن میں مذکور ہیں نصیحت حاصل کی، تو ہم نے قرآن کو مہجور نہیں چھوڑا۔ ورنہ قرآن کی ظاہری صورت ہی میں غور وفکر کئے جانا بھی "اخلاد الی الارض" ہمیشہ زمین ہی کی طرف توجہ کئے رہنا ہے اور ایک شیطانی وسوسہ ہے جس سے اللہ کی پناہ مانگنا چاہئے

قرآن جیسے نورانی صحیفہ سے استفادہ کے موانع میں ایک مانو یہ اعتقاد ہے کہ مفسرین جو کچھ لکھ اور سمجھ چکے ہیں اس سے ہٹ کے کسی کو قرآن سے استفادہ کا حق نہیں ہے اور آیات شریفہ میں تدبر اور تفکر کو تفسیر بالرائے سے جو ممنوع ہے، اشتباہ دیتے ہیں اور اس فاسد رائے اور باطل عقیدہ کے وسیلہ سے قرآن شریف کو استفادہ کے تمام فنون سے خالی قرار دے دیا ہے اور اس کو کلی طور پر مہجور کر دیا ہے۔ حالانکہ اخلاقی، ایمانی اور عرفانی استفادات کا تفسیر سے کوئی ربط نہیں ہے کہ تفسیر بالرائے کا سوال پیدا ہو، مثلاً اگر کوئی شخص حضرت موسیٰؑ کے حضرت خضرؑ کے ساتھ مذاکرات کی کیفیت اور ان کی معاشرت کی کیفیت، حضرت موسیٰؑ کا مقام نبوت کی اس عظمت کے باوجود اس علم کو سیکھنے کے لئے سفر کرنا جو ان کے پاس نہ تھا اور اپنی حاجت حضرت خضرؑ کے سامنے پیش کرنے کی کیفیت اس طرح جیسا کہ آیۂ کریمہ "هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا"[1] (کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں بشرطیکہ رشد و ہدایت کا وہ خصوصی علم جو آپ کو سکھایا گیا ہے اس میں سے کچھ مجھے بھی سکھا دیں) میں مذکور ہے اور حضرت خضرؑ کے جواب کا انداز اور حضرت موسیٰؑ کی معذرتوں سے مقام علم کی عظمت اور طالب علم کے استاد کے ساتھ آداب سلوک کا کہ شاید بیس (۲۰) ادب اس میں ہیں۔ استفادہ کرے تو اس استفادہ کو تفسیر سے کیا علاقہ ہے کہ تفسیر بالرائے کا سوال پیدا ہو؟!

قرآن سے کثیر استفادات یوں ہی کئے جاتے ہیں اور معارف میں مثلاً اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے قول "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" (ہر قسم کی تعریف اس اللہ کے لیے جو سب جہانوں کا پروردگار ہے) سے کہ تمام محامد کا حصر اور تمام ثناؤں کا اختصاص حق تعالیٰ سے ہے۔ توحید افعالی کا استفادہ کرے اور کہے کہ آیۂ شریفہ سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ ہر کمال و جمال اور ہر عزت و جلال جو عالم میں ہے چشم احوال اور قلب محجوب جن کو موجودات کی طرف منسوب کرتا ہے وہ سب حق تعالیٰ کا ہے اور کسی موجود کے پاس اس کی اپنی کوئی چیز نہیں ہے۔ اس لئے حمد و ثنا حق تعالیٰ کے لئے خاص ہے

---

[1] سورۂ کہف:۶۶

اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے، تو یہ استفادہ تفسیر سے کیا ربط رکھتا ہے کہ اس کا نام تفسیر بالرائے رکھا جائے یا نہ رکھا جائے؟!

اس کے علاوہ اور بھی امور ہیں جن کا استفادہ لوازم کلام سے ہوتا ہے اور جو تفسیر سے کسی طرح کا کوئی ربط نہیں رکھتے اس کے علاوہ خود تفسیر بالرائے میں بھی کلام ہے کہ شاید تفسیر کا تعلق آیات معارف وعلوم عقلیہ سے برہانی میزان کے موافق ہے اور آیات اخلاقیہ سے ہو، جن میں عقل کو دخل ہے، کیونکہ اس طرح کی آیات کی تفسیر مستحکم عقلی برہان یا واضح عقلی اعتبارات کے مطابق ہے کہ اگر کوئی ظاہر ان ''برہان و اعتبار عقلی'' کے خلاف ہو تو لازم ہے کہ اس کو ظاہر سے ہٹا دیا جائے۔ مثلاً آیۂ کریمہ:

وَّجَآءَ رَبُّكَ.[1] (اور تمہارا پروردگار آیا)

اور

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى.[2] (وہ خدائے رحمن ہے جس کا عرش پر اقتدار قائم ہے)

میں فہم عرفی برہان کے مخالف ہے۔ تو اس ظاہر کو رد کرنا اور برہان کے مطابق تفسیر کرنا تفسیر بالرائے نہیں ہے اور کسی بھی ممنوع نہیں ہوسکتا۔

لہٰذا احتمال، بلکہ ظن یہ ہے کہ تفسیر بالرائے کا تعلق آیات احکام سے ہو کہ آراء وعقول کا ہاتھ وہاں پہنچنے سے قاصر ہے اور صرف خزینہ داران وحی اور مہبط ملائکۃ اللہ کی بندگی پیروی سے انہیں حاصل کرنا چاہئے۔ چنانچہ اکثر روایات شریفہ اس بارے میں ان فقہائے عامہ کے مقابل وارد ہوئی ہیں جو دین خدا کو اپنی عقلوں اور قیاسات سے سمجھنا چاہتے ہیں اور یہ جو بعض روایات شریفہ میں ہے کہ:

لَيْسَ شَيْءٌ أَبْعَدَ مِنْ عُقُولِ الرِّجَالِ مِنْ تَفْسِيرِ الْقُرْآنِ.[3]

عقل؛ تفسیر قرآن سے سب سے زیادہ دور ہے۔

اسی طرح دوسری روایت میں یوں ہے:

دِينَ اللّٰهِ لَا يُصَابُ بِالْعُقُولِ.[4]

---

[1] سورۂ فجر، آیت ۲۲

[2] خدائے رحمٰن عرش پر مسلط ہوگیا، سورۂ طٰہٰ، آیت ۵

[3] بحار الانوار، ج ۸۹، ص ۹۵، کتاب القرآن، باب ۸، حدیث ۲۸، از تفسیر عیاشی، ج ۱، ص ۱۲

[4] بحار الانوار، ج ۲، ص ۳۰۳، کتاب العلم، حدیث ۴۱، از کمال الدین

دین خدا کو عقل سے نہیں پا سکتے۔

یہ اس بات کی گواہ ہے کہ (دین اللہ) سے مراد دین کے تعبدی احکام ہیں، ورنہ اثبات صانع، توحید و تقدیس، اثبات معاد و نبوت میں، بلکہ مطلقاً تمام معارف میں عقل کو آزاد رہنے کا حق ہے اور یہ امور عقل کے مختصات میں سے ہیں اور اگر بعض محدثین عالی مقام کے کلام میں وارد ہوا ہے کہ اثبات توحید میں دلیل نقلی پر اعتماد کرنا ہے تو یہ شاذ و نادر اور غرائب امور میں ہے، بلکہ ایسی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت ہے، جس سے خدائے تعالیٰ کی پناہ مانگنا چاہئے اور یہ کلام توہین و تحقیر کا محتاج نہیں ہے۔ "وَإِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكَى" [1]

قرآن مجید کو سمجھنے اور اس آسمانی کتاب کے معارف و مواعظ سے استفادہ میں مانع حجابوں میں سے ایک اور حجاب، ان گناہوں اور کدورتوں کا حجاب ہے جو پروردگار عالم کے ساحت قدس میں سرکشی و نافرمانی سے پیدا ہوتے ہیں اور جو ادراک حقائق اور دل کے بیچ حجاب بن جاتے ہیں اور معلوم رہے کہ جس طرح نیک و بدعمل کی علام ملکوت میں اس عمل سے مناسبت رکھنے والی ایک صورت ہوتی اسی طرح ملکوت نفس میں بھی ایک صورت ہوتی ہے جس کی وجہ سے یا تو باطن نفس میں نورانیت پیدا ہوتی ہے، جس سے قلب پاکیزہ اور نوارنی ہو جاتا ہے۔ باطن نفس میں یہ صورت صقیل کئے ہوئے آئینہ کی طرح صاف ہوتی ہے اور اس لائق ہوتی ہے کہ اس میں غیبی تجلیات اور حقائق و معارف کا ظہور ہو اور یا ملکوت نفس تاریک اور پلید ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں قلب زنگ آلود آئینہ کی طرح میلا ہو جاتا ہے، جس میں معارف الٰہیہ اور حقائق غیبیہ اپنا عکس نہیں ڈالتے اور چونکہ ایسی صورت میں قلب شیطانی تسلط کے تحت واقع ہوتا ہے اور مملکت روح ابلیس کا تصرف ہوتا ہے اس لئے آنکھ، کان اور دوسری تمام قوتیں اسی ملعون کے زیر تصرف آجاتی ہیں۔ لہٰذا کان معارف و مواعظ الٰہی کے سننے سے بہرے ہو جاتے ہیں اور آنکھیں واضح و روشن الٰہی آیات کو دیکھنے سے اندھی ہو جاتی ہیں۔ حق اور آثار و آیات حق کو نہیں دیکھ پاتیں۔ دل دینی فقہ نہیں حاصل کرتا اور آیات و بینات اور حق و اسماء و صفات کو یاد کرنے کے قابل نہیں رہ جاتا۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ [2]

ان کے دل ایسے ہیں جن سے سمجھتے نہیں، اور آنکھیں ایسی ہیں جن سے دیکھتے نہیں، اور کان

---

[1] بحار الانوار (ط۔ بیروت)/ ج 45 / 160 / باب 39 ص: 107

[2] سورۂ اعراف، آیت ۱۷۹

ایسے ہیں جن سے سنتے نہیں، یہ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

عالم پر ان کی نظر ایسی ہی ہو جاتی ہے جیسی چوپایوں اور حیوانوں کی جو نہ عبرت حاصل کر سکتی ہیں نہ تدبر کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ ان کے دل جانوروں کے دلوں کی طرح ہو جاتے ہیں جو تفکر تذکر سے بے بہر ہوتے ہیں، بلکہ آیات میں نظر و فکر اور معارف و مواعظ سننے سے ان کی غفلت اور استکبار میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ حیوانات سے بھی زیادہ پست اور گمراہ ہیں۔

قرآن مجید کو سمجھنے سے مانع و غلیظ حجابوں میں سے ایک حجاب جو ہمارے اور معارف و مواعظ قرآن کے درمیان ایک دبیز پردہ ہے۔ وہ ہے محبت دنیا کا حجاب جس کی وجہ سے قلب کا تمام تر میلان دنیا کی طرف ہو جاتا ہے۔ قلب کا رخ پوری طرح دنیاوی ہو جاتا ہے اور وہ اس محبت کی وجہ سے ذکر خدا سے غافل اور ذکر و مذکور سے روگرداں ہو جاتا ہے اور جیسے جیسے دنیا اور اس کے طور طریق سے تعلق بڑھتا جاتا ہے ویسے ویسے قلب پر حجاب اور بھی دبیز اور غلیظ ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دنیا سے علاقہ قلب پر اس قدر غلبہ کر لیتا ہے اور حب جاہ شرف کا تسلط اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ فطرت الٰہی کا نور کلی طور پر خاموش ہو جاتا ہے اور انسان کے لئے سعادت کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور شاید قلب پر پڑے ہوئے جن تالوں کا ذکر آیۂ کریمہ: "اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا" [1] (کیا وہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟) میں ہے وہ یہی دنیاوی تعلقات کے بندھن ہوں۔ لہٰذا جو شخص معارف قرآن سے استفادہ کرنا چاہتا ہے اور مواعظ الٰہیہ سے فائدہ اٹھانے کا خواہشمند ہے اسے چاہئے کہ اپنے قلب کو ان نجاستوں سے پاک کرے اور قلبی گناہوں کی آلودگیوں کو جو غیر خدا سے اشتغال و دل بستگی ہے، دل سے نکال کے باہر پھینک دے، کیونکہ جو پاک نہ ہو وہ ان اسرار کا محرم نہیں ہو سکتا۔

ارشاد رب العزت ہے:

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ. [2]

بے شک یہ قرآن کریم ہے، ایک محفوظ و مستور کتاب میں جسے پاکیزہ لوگ ہی لمس کرتے ہیں۔

جس طرح اس کتاب کے ظاہر سے اور اس کو ظاہری عالم میں مس کرنے سے ہر اس شخص کو روکا گیا ہے جو

---

[1] سورۂ محمد، آیت ۲۴

[2] سورۂ واقعہ، آیت ۷۷ تا ۷۹

ظاہری طور سے پاک نہ ہو تشریعی طور پر بھی اور تکلیفی طور پر بھی۔ اسی طرح اس کے معارف ومواعظ اور اس کے سر و باطن سے ہر اس شخص کو روک دیا گیا ہے، جس کا قلب دنیاوی نجاستوں سے آلودہ ہو۔

ارشاد رب العزت ہے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ. [1]

یہ (قرآن) وہ کتاب ہے جس (کے کلام اللہ ہونے) میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ (یہ) ہدایت ہے ان پرہیزگاروں کے لیے۔

غیر متقی اور غیر مومن تو عام ایمان وتقویٰ کے اعتبار سے اس کے صوری مواعظ اور سچے عقائد کی روشنی سے محروم ہے ہی وہ شخص بھی جو غیر متقی مگر مومن ہو وہ تقویٰ کے دوسرے مراتب کے اعتبار سے، تقوائے خاص، تقوائے خاص الخاص، اور تقوائے اخص الخواص، مواعظ وعقائد قرآنی کے دوسرے مراتب سے محروم ہے۔ اس کی تفصیل اور دوسری آیات کا ذکر جو ہمارے مقصود پر دلالت کرتی ہیں، طول بیان کا سبب ہے، لیکن ہم اس فصل کو ایک آیۂ شریفہ الٰہیہ کے ذکر پر تمام کرتے ہیں جو بیدار مغز حضرات کے لئے کافی ہے بشرطیکہ اس کے بارے میں تدبر سے کام لیں۔

ارشاد رب العزت ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ. [2]

خدا کی جانب سے تمھارے لئے ایک نور اور ایک کتاب مبین آئی ہے، خدا جس کے وسیلہ سے ہر شخص کو جو اس کی رضا چاہے ہدایت کے محفوظ راستوں کی ہدایت کرتا ہے اور اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لاتا ہے اور ان کو سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے۔

آیۂ مبارکہ کی بہت خصوصیات ہیں اور اس کے نکات کے اطراف کو بیان کرنا ایک علیحدہ رسالہ کی تالیف چاہتا ہے جس کا اس وقت موقع نہیں ہے۔

---

[1] سورۂ بقرہ: ۲

[2] سورۂ مائدہ، آیت ۱۵

فصل پنجم

تفکر

قرآن کی قرائت کے آداب میں ایک ادب (حضور قلب) ہے جس کا ذکر عبادات کے عام آداب کے ذیل میں ہم کر چکے اور اس کی تکرار غیر ضروری ہے۔

قرائت کے اہم آداب میں ایک (تفکر) ہے۔ تفکر کا مطلب یہ ہے کہ آیات شریفہ میں مقصد اور مقصود کی جستجو کرے اور چونکہ قرآن کا مقصد، جیسا کہ قرآن نے خود بتایا ہے۔ ہدایت ''سبل السلام'' (سلامتی کے راستوں) کی طرف راہنمائی، اور تاریکی کے تمام درجات سے نکال کر عالم نور کی طرف لانا اور صراط مستقیم کی ہدایت کرنا ہے۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ آیات شریفہ میں تفکر کر کے سلامتی کے مراتب کو ان کے ابتدائی اور نچلے مرتبہ سے لے کر، جس کا تعلق ملکی قوتوں سے ہے، اعلیٰ اور آخری مرتبہ تک، جو قلب سلیم کی حقیقت ہے (اس تفسیر کے مطابق جو اہل بیت علیہم السلام سے وارد ہوئی ہے کہ حق تعالیٰ سے اس طرح ملاقات کرے کہ دل میں حق کے علاوہ کچھ نہ ہو)[1] حاصل کرے۔ ملکی اور ملکوتی قوتوں کی سلامتی قاری قرآن کی گم شدہ چیز ہے جو اس کتاب آسمانی میں موجود ہے اور تفکر کے ذریعہ اسے ڈھونڈ نکالنا چاہئے ہے

---

[1] امام خمینیؒ نے جن احادیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے کتاب میں ان کا حوالہ موجود نہیں ہے۔ جب میں نے احادیث دیکھنا چاہیں تو اس موضوع پر مختلف کتب میں احادیث بھری ہوئی ہیں یہاں مثال کے طور پر ایک حدیث ذکر کی جاتی ہے:

لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ مُسْتَكْمِلًا لِإِيمَانِهِ وَ هُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ. (الکافی (ط-الاسلامیۃ)/ ج 2 / 37 / باب ص: 33)

مجاہد حسین حرؔ

جب انسانی قوتیں تصرف شیطانی سے محفوظ ہو گئیں، سلامتی کا راستہ مل گیا اور اس پر چلنا بھی شروع کر دیا تو سلامتی کے جس مرتبہ کو حاصل کرتا جائے گا ایک ظلمت سے نجات پاتا جائے گا اور قہری طور سے اللہ کے نور درخشاں کی تجلی حاصل ہوگی۔ یہاں تک کہ اگر ظلمتوں کی تمام انواع و اقسام سے خالص ہو گیا، جن میں پہلی ظلمت عالم مادیات کی ظلمت ہے مادیت کے تمام احوال و شئون کے ساتھ اور آخری ظلمت کثرت کی طرف توجہ ہے کثرت کے تمام احوال و شئون کے ساتھ، تو نور مطلق اس کے قلب پر تجلی کرے گا اور انسانیت کے صراط مستقیم کی طرف جو اس مقام پر صراط رب ہے، انسان کی رہبری کرے گا۔

اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ.[1]

یقیناً میرا رب راہ راست پر موجود ہے۔

قرآن کریم میں تفکر کی دعوت کے ساتھ اس کی بہت تعریف و تحسین کی گئی ہے۔

ارشاد رب العزت ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ﴿۴۴﴾[2]

آپ لوگوں کے لئے (وہ معارف و احکام) کھول کر بیان کریں جو ان کی طرف نازل کئے گئے ہیں تا کہ وہ غور و فکر کریں۔

اس آیۂ کریمہ میں تفکر کی بہت بڑی مدح ہے، کیونکہ اس عظیم آسمانی کتاب اور نورانی صحیفہ کے نازل کرنے کی غرض و غایت (احتمال تفکر) کو قرار دیا گیا ہے اور یہ اس بات کی طرف شدید توجہ کی دلیل ہے کہ صرف (بندوں کے) تفکر کا احتمال قرآن جیسی ایک عظیم کرامت کا سبب ہوا ہے۔

اور دوسری آیت میں ارشاد ہے:

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ.[3]

پس داستانیں بیان کرو ہوسکتا ہے سوچیں۔

اس طرح کی یا اس سے قریب بہت آیتیں ہیں اور روایتیں بھی تفکر کے بارے میں بہت ہیں۔ حضرت ختمی

---

[1] سورۂ ہود:۵۶

[2] سورۂ نحل:۴۴

[3] سورۂ اعراف:۱۷۶

مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے جب یہ آیت نازل ہوئی جس میں ارشاد ہے:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ۝۱۹۰ [1]

بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کی ادل بدل میں صاحبانِ عقل کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔

تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَیْلٌ لِمَنْ قَرَأَها وَلَمْ یَتَفَکَّرْ فِیْهَا. [2]

وائے ہو اس شخص پر جس نے اسے پڑھا اور اس پر غور نہیں کیا۔

اس باب میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ انسان سمجھے کہ کون سا تفکر ممدوح اور پسندیدہ ہے؟ ورنہ قرآن وحدیث میں تفکر تو بے شک ممدوح ہے۔ اس (تفکر ممدوح) کی بہترین تعبیر وہ ہے جو خواجہ عبداللہ انصاری نے کی ہے:

اعلم ان التفکر تلمس البصیرة لاستدراك البغیة. [3]

یعنی تفکر وہ (بصیرت) تلاش کرنا ہے جو دل کی آنکھ ہے، مقصود اور نتیجہ تک پہنچنے کے لئے جو غایت کمال ہے اور معلوم ہے کہ (انسان کا) مقصد ومقصود وسعادت مطلقہ ہے جو کمال علمی وعملی سے حاصل ہوتا ہے۔

لہٰذا انسان کو چاہئے کہ کتاب الٰہی کی آیات شریفہ سے اور اس کے قصص و حکایت میں مقصود ونتیجہ انسانیت، یعنی سعادت حاصل کرے اور چونکہ سعادت سے مراد سلامت مطلقہ، عالم نور اور صراط مستقیم تک پہنچنا ہے۔ لہٰذا قرآن شریف سے سبل سلامت، معدن نور مطلق اور صراط مستقیم طلب کرے، جیسا کہ سابقہ آیۂ مبارکہ میں ارشاد ہوا۔ جب شخص قاری نے مقصد کو سمجھ لیا تو اس کو حاصل کرنے کے اسے بینائی مل گئی، قرآن شریف سے استفادہ کی راہ کھل گئی، رحمت حق کے در کھل گئے اور اب اپنی مختصر عمر عزیز کو اور اپنے سرمایہ تحصیل سعادت کو ایسے امور میں صرف نہ کرے گا جو رسالت کا مقصد نہیں ہیں اور ایسے اہم امر میں فضول بحث وگفتگو سے کنارہ کش ہو جائے گا۔

جب ایک عرصہ تک دل کی آنکھوں کو اسی مقصود پر لگائے رہے گا اور دوسری تمام چیزوں سے صرف نظر کئے

---

[1] سورۂ آل عمران: ۱۹۰

[2] فضائل الثقلین، الشافعی الایجی 82 سورۃ آل عمران..... ص: 77

[3] منازل السائرین، قسم البدایات، باب التفکر

رہے گا تو دل کی آنکھیں روشن اور تیز ہو جائیں گی اور نفس کو قرآن میں تفکر کی عادت پڑ جائے گی اور استفادہ کی راہیں کھل جائیں گی اور ایسے دروازے اس پر وا ہو جائیں گے جواب تک بند تھے اور ایسے مطالب و معارف قرآن سے حاصل کرے گا جو اب تک حاصل نہیں کئے تھے۔ اس وقت سمجھ میں آئے گا کہ قرآن قلبی امراض کیلئے شفا ہے اور آیۂ کریمہ: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا.[1] (اور ہم تنزیلِ قرآن کے سلسلہ میں وہ کچھ نازل کر رہے ہیں جو اہلِ ایمان کے لئے شفاء اور رحمت ہے اور ظالموں کے لئے خسارہ کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا) کا مفاد اور قول امیر المومنین علیہ السلام: تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ رَبِيعُ الْقُلُوبِ وَ اسْتَشْفُوا بِنُورِهِ فَإِنَّهُ شِفَاءُ الصُّدُورِ.[2] (قرآن سیکھو، کیونکہ وہ دلوں کی بہار ہے اور اس کے نور سے شفاء حاصل کرو، کیونکہ وہ سینوں کے لئے شفاء ہے) کے معنی کا ادراک کرے گا اور قرآن شریف سے جسمانی امراض ہی کے لئے شفا طلب نہ کرے گا، بلکہ سب سے اعلیٰ مقصد روحانی امراض سے شفا کو جو مقصد قرآن ہے، قرار دے گا۔

اگرچہ جسمانی امراض کو بھی اس سے شفا حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام بھی جسمانی شفاء کے لئے نہیں آئے تھے۔ اگرچہ شفا دیتے تھے وہ نفوس کے اطباء اور ارواح وقلوب کو شفاء بخشنے والے ہیں۔

یا شافی

---

[1] سورۂ اسرا: ۸۲

[2] نہج البلاغہ، فیض الاسلام، ص ۳۳۰، خطبہ ۱۰

فصل ششم

تطبیق

قرائت قرآن کے اہم آداب میں سے ایک (تطبیق) ہے جس سے انسان کو کثیر نتائج اور بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ تطبیق کا مطلب یہ ہے کہ آیات شریفہ میں سے جس آیت میں بھی تفکر کر رہا ہے اس کے مفاد کو اپنے حال پر منطبق کرے اور جو کجی نظر آئے اسے آیت شریفہ کے ذریعے دور کرے اور اپنی بیماریوں سے اس کے وسیلہ سے شفا حاصل کرے۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ میں دیکھئے کہ تمام طولانی سجدوں اور عبادتوں کے باوجود شیطان کے بارگاہ ایزدی سے دور کئے جانے کا سبب کیا تھا اور خود کو اس سے پاک کرے، کیوں مقام قرب الٰہی پاک لوگوں کا مقام ہے۔ شیطانی اوصاف و اخلاق کے ہوتے ہوئے اس بارگاہ میں قدم نہیں رکھ سکتے۔ آیات شریفہ سے استفادہ ہوتا ہے کہ ابلیس کے سجدہ نہ کرنے کا سبب خود بینی و خود پسندی تھی کہ اس نے "اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۖ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ" [1] (میں اس (آدمؑ) سے بہتر ہوں (کیونکہ) تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے گیلی مٹی سے پیدا کیا ہے۔) کا نقارہ بجایا اور یہی خود بینی، خواہی و خود فروشی کا جو استکبار ہے، سبب بن گئی اور استکبار خود رائی کا جو خود کو مستقل و آزاد سمجھنا اور حکم سے مہر تابی ہے، سبب بن گئی۔ لہٰذا درگاہ الٰہی سے نکال دیا گیا۔ ہم اول عمر سے شیطان کو ملعون و مردود کہتے آئے ہیں۔ حالانکہ خود ہم میں اس کی خبیث صفتیں پائی جاتی ہیں اور کبھی یہ نہیں سوچا کہ درگاہ قدس سے مردود قرار پانے کا سبب جس میں بھی پایا جائے وہ مردود ہے۔ اس میں شیطان کی کوئی تخصیص نہیں جس بات نے اس کو درگاہ تقرب

---

[1] سورۂ اعراف، آیت ۱۲

سے دور کیا، وہ بات ہم کو بھی اس درگاہ سے دور کئے بغیر نہیں چھوڑے گی۔ خطرہ ہے کہ جو لعنتیں ہم شیطان پر بھیجتے ہیں کہیں خود بھی ان میں شریک نہ ہوں۔

ہمیں یہ تفکر کرنا چاہئے کہ اسی قصہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے ملائکۃ اللہ سے ممتاز اور برتر ہونے کا سبب تھا (کوشش کریں کہ) خود بھی بقدر طاقت اس سے متصف ہوں۔ ہم دیکھتے ہیں اس امتیاز اور برتری کا سبب (تعلیم اسماء) تھا۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

وعلم آدم الاسماء کلها [1]

اور تمام اسماء آدمؑ کو سکھا دیئے۔

تعلیم اسماء کا بلند مرتبہ مقام اسماء اللہ کا تحقق ہے۔

چنانچہ احصائے اسماء کا بلند مرتبہ، جو روایت میں بتایا گیا ہے کہ:

إِنَّ لِلَّهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ [2]

یقیناً خدا کے ننانوے نام ہیں جو انہیں یاد کر لے وہ جنت میں داخل ہوگا۔

وہ حقیقت اسماء کا تحقق ہی ہے جو انسان کو جنت اسمائی تک پہنچاتا ہے۔

انسان قلبی ریاضتوں سے اسماء اللہ کا مظہر اور اللہ کی آیت کبریٰ بن سکتا ہے اس کا وجود، وجود ربانی ہوسکتا ہے اور اس کی مملکت میں دست جمال و جلال الٰہی متصرف ہوسکتا ہے۔ حدیث میں تقریباً یہی معنی موجود ہیں کہ (یقیناً روح مومن کا اتصال خدا سے اس سے زیادہ مستحکم ہے جتنا شعاع آفتاب کا اتصال آفتاب سے یا نور آفتاب سے ہوتا ہے، [3]

حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے کہ

بندہ جب نافلہ کے ذریعے مجھ سے نزدیک ہوتا ہے تو میں اسے دوست رکھتا ہوں اور جب میں اسے دوست رکھتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے اور اس کا ہاتھ

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۳۱

[2] ، بحار الانوار، ج ۴، ص ۱۸۶، ۱۸۷

[3] البرہان فی تفسیر القرآن/ ج 5 / 349 / [سورۃ الحشر (59): الآیات 22 الی 24]..... ص: 347

ہو جاتا ہوں جس سے وہ اخذ کرتا ہے۔[1]

حدیث میں ہے کہ

علیؑ عین اللہ ویداللہ۔[2]

اس طرح کی اور بھی حدیثیں ہیں۔ حدیث میں ہے کہ

نَحْنُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى.[3]

ہم ہیں خدا کے اسمائے حسنیٰ۔

وبالجملہ جو شخص چاہتا ہے کہ قرآن مجید سے کثیر فائدہ اور کافی لطف اٹھائے۔ اس کو چاہئے کہ آیات شریفہ کی اپنے حالات پر تطبیق کرے تاکہ پورا استفادہ کر سکے۔

مثلاً سورۂ (انفال) کی آیہ شریفہ میں ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ

---

[1] اصول کافی، ج ۴، ص ۵۳، کتاب الایمان والکفر، باب من اذیٰ المسلمین واحتقرھم، حدیث ۷)

[2] امام خمینی کا یہ جملہ اشارہ ان احادیث کی طرف:

(۱) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْحُسَيْنِ قَالَ أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ بِشْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا حَسَّانُ الْجَمَّالِ قَالَ حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ أَبِي عَمَّارٍ قَالَ سَمِعْتُ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ عليه السلام يَقُولُ أَنَا عَيْنُ اللَّهِ وَ أَنَا يَدُ اللَّهِ وَ أَنَا جَنْبُ اللَّهِ وَ أَنَا بَابُ اللَّهِ. (بصائر الدرجات فی فضائل آل محمد صلی اللہ علیہم / ج1/61/3 باب فی الأئمة أنهم حجة الله و باب الله و ولاة أمر الله و وجه الله الذی یؤتی منه و جنب الله و عین الله و خزنة علمه جل جلاله و عم نواله..... ص: 61)

(۲) مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحُسَيْنِ عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي نَصْرٍ عَنْ حَسَّانَ الْجَمَّالِ قَالَ حَدَّثَنِي هَاشِمُ بْنُ أَبِي عُمَارَةَ الْجَنْبِيُّ قَالَ سَمِعْتُ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ع يَقُولُ أَنَا عَيْنُ اللَّهِ وَ أَنَا يَدُ اللَّهِ وَ أَنَا جَنْبُ اللَّهِ- وَ أَنَا بَابُ اللَّهِ. (الکافی (ط - الإسلامية) / ج1/145/ باب النوادر ..... ص: 143)

مجاہد حسین حرؔ

[3] اصول کافی، ج ۱، ص ۱۹۶، کتاب التوحید، باب النوادر، حدیث ۴۔ مکمل حدیث کا متن یہ ہے:

الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْأَشْعَرِيُّ وَ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى جَمِيعاً، عَنْ أَحْمَدَ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ سَعْدَانَ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ عَمَّارٍ: عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عليه السلام فِي قَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَ جَلَّ: وَ لِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنى فَادْعُوهُ بِها قَالَ: نَحْنُ- وَ اللَّهِ- الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى الَّتِي لَا يَقْبَلُ اللَّهُ مِنَ الْعِبَادِ عَمَلًا إِلَّا بِمَعْرِفَتِنَا.

زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَّعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ.[1]

مومن وہ لوگ ہیں جن کے سامنے نام خدا لیا جاتا ہے تو ان کے دل خائف ہو جاتے ہیں اور جب آیات خدا کی تلاوت ان کے سامنے کی جاتی ہے تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوجاتا ہے اور وہ اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں۔

سالک کو چاہئے کہ ان تینوں اوصاف کو دیکھے کہ اس پر منطبق ہیں یا نہیں؟

یا جب ذکر خدا ہوتا ہے تو اس کے دل میں اضطراب اور خوف پیدا ہوتا ہے یا نہیں؟

اور جس وقت آیات الٰہی اسکے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو نور ایمان اس کے دل میں بڑھ جاتا ہے یا نہیں؟

اس کا اعتماد اور بھروسہ اللہ پر ہے یا نہیں؟

کہیں وہ ان مراتب میں ہر ایک مرتبہ سے پیدل اور ان خواص میں سے ہر ایک سے محروم تو نہیں ہے؟

اگر یہ سمجھنا چاہے کہ اللہ سے خائف ہے یا نہیں اور اسکا دل خوف خدا سے مضطرب ہوتا ہے یا نہیں تو اپنے اعمال پر نظر ڈالے۔ خوف خدا رکھنے والا محضر کبریائی میں جسارت نہیں کرتا اور حق تعالیٰ کے حضور میں اس کے احکام کی توہین نہیں کرتا۔ اگر آیات الٰہیہ پر ایمان قوی چاہئے تو نور ایمان ظاہری مملکت میں سرایت کر جائے۔

یہ ممکن ہے کہ دل تو نورانی ہو اور زبان وکلام، چشم ونظر، کان اور سماعت نورانی نہ ہوں۔ نوارنی بشر وہ ہے، جس کی تمام ملکی اور ملکوتی قوتیں نور بانٹتی ہوں، نہ صرف اپنی ذات کو سعادت اور صراط مستقیم کی ہدایت کرے، بلکہ دوسروں پر بھی نور برسائے اور ان کو راہ انسانیت بتائے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص خدا پر توکل و اعتماد کرتا ہوگا تو دوسروں کے ہاتھ کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے نہیں دیکھے گا اور اپنی ضروریات اور حاجات کا بارغنی مطلق ہی کے در پر ڈالے گا اور دوسروں کو جو اسی کی طرح بے نوا اور محتاج ہیں، اپنا مشکل کشا نہ سمجھے گا۔

لہٰذا سالک الی اللہ کی ذمہ داری یہ ہے کہ خود کو قرآن شریف کے سامنے پیش کرے اور جس طرح حدیث کے صحیح ہونے یا غلط ہونے اور معتبر ہونے یا غیر معتبر ہونے کی میزان یہ ہے کہ اسے کتاب خدا پر پیش کریں۔ جو کتاب خدا کے مخالف نظر آئے اسے باطل اور بے بنیاد سمجھیں۔

اسی طرح راستی اور کجی اور سعادت وشقاوت کی میزان بھی یہی ہے کہ کتاب اللہ کی میزان پر پوری اترے تو راستی اور سعادت ہے۔ (ورنہ کجی اور شقاوت ہے) اور جس طرح خلق حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن ہے، اپنے خلق

---

[1] سورۂ انفال، آیت ۲

کو قرآن کے موافق بنانا چاہئے، تاکہ ولیٔ کامل کے خلق سے بھی مطابقت پیدا ہوجائے اور جو خلق کتاب اللہ کے مخالف ہو وہ باطل اور رنگ و روغن ہے۔ اسی طرح اپنے تمام معارف و احوال قلوب اور اعمال باطن کی کتاب خدا سے تطبیق کرے اور سامنے رکھے، تاکہ حقیقت قرآن کے ساتھ متحقق ہوجائے اور قرآن ہی اس عمل کی صورت باطنی ہوجائے۔

وَ أَنْتَ الْكِتَابُ الْمُبِينُ الَّذِي
بِأَحْرُفِهِ يَظْهَرُ الْمُضْمَرُ [1]

تو ایک روشن کتاب ہے جس کے حرفوں سے پنہاں آشکار ہوجاتا ہے۔
خدا کی بھیجی ہوئی وہ کھلی کتاب ہے تو کہ جس کے حرفوں سے کھلتے ہیں سینکڑوں اسرار

اس مقام پر کچھ اور آداب ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ ہم اس رسالہ کے شروع میں مطلق عبادات کے آداب کے ذیل میں کر چکے اور بعض انہی آداب میں مندرج ہوئے اور کچھ اور آداب ہیں جن کا ذکر طوالت کا سبب ہوگا، اس لئے ان سے صرف نظر کرتے ہیں،

واللہ العالم۔

---

[1] حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی جانب منسوب اشعار میں سے ہے، جن کا پہلا شعر یہ ہے:

اتحسب انك جرم صغير
وفيك انطوى العالم الاكبر

خاتمہ

چند روایات شریفہ کا ترجمہ، فائدہ کی تکمیل اور کلام عترت طاہرہ علیہم السلام سے حصول برکت کے لئے کافی شریف میں سعد تک اسناد پہنچاتے ہوئے روایت ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

اے سعد! قرآن سیکھو! کیونکہ قیامت کے روز قرآن بہترین صورت میں آئے گا) اس کے بعد آپؑ نے جو کچھ فرمایا اس کے معنی قریب قریب یہ تھے اور مومنین، شہداء، انبیاء اور ملائکۃ اللہ کی صفوں سے ہو کر گزرے گا اور وہ سب کہیں گے کہ یہ تو ہم سب سے زیادہ نورانی ہے، یہاں تک حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا تعارف کرائیں گے۔۔۔۔۔۔الیٰ آخر الحدیث [1]

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ

خدائے تعالیٰ جب اولین و آخرین کو جمع کرے گا تو اچانک وہ سب ایک شخص کو دیکھیں گے جو سامنے سے آرہا ہوگا جس سے بہتر صورت انہوں نے اب تک نہ دیکھی ہوگی [2]

اس مضمون کی حدیثیں بہت ہیں اور اہل معرفت کے قول کی واضح دلیل ہیں کہ موجودات عالم کے لئے عالم آخرت میں دوسری صورتیں ہوں گی۔

اس بات کی حدیثوں سے اعمال اخروی کی صورت بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ کافی شریف میں باسناد حضرت امام محمد باقر العلوم علیہ السلام سے روایت ہے، آپؑ نے فرمایا:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں کتاب خدا اور میرے اہل بیتؑ پہلے لوگ ہوں گے جو عزیز و جبار کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ ہمارے بعد ہماری امت کے لوگ وارد ہوں گے۔ تب میں

---

[1] اصول کافی، ج ۴، ص ۳۹۴، کتاب فضل القرآن، باب ۱، حدیث ۱

[2] اصول کافی، ج ۴، ص ۳۹۴، کتاب فضل القرآن، باب ۱، حدیث ۱

ان سے پوچھوں گا کہ تم نے خدا کی کتاب اور میرے اہلبیتؑ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ [1]

دوسری حدیث میں ہے کہ خداوند جبار عزوجل، قرآن سے کہے گا:

میری عزت وجلال اور بلندی مقام کی قسم! میں اس کا اکرام کروں گا جس نے تیرا اکرام کیا اور اس کی اہانت کروں گا جس نے تیری اہانت کی۔ [2]

معلوم رہے کہ اگر ہم عمل کے ذریعے احکام و معارف قرآن کو زندہ نہ کریں گے اور اس کی حقیقت کو متحقق نہ کریں گے تو اس روز رسول خداؐ کو جواب نہ دے سکیں گے۔ کون سی اہانت اس سے بڑی ہوسکتی ہے کہ اس کے مقاصد اور اس کی دعوت کو پیروں تلے روند دیا جائے؟! قرآن اور اہل قرآن یعنی اہل بیت عصمتؑ کا احترام فقط اس کی جلد اور ان کی ضریحوں کو چومنے سے نہیں ہوتا یہ تو اکرام و احترام کا ایک کمزور درجہ ہے۔ اگر ہم نے اس کے قوانین اور ان کے فرامین کے مطابق عمل کی ہے تو مقبول ہے۔ ورنہ استہزاء اور بازیچہ ہے اور احادیث میں ایسے قاری قرآن سے بچنے کے لئے سخت تاکید آئی ہے جو اس پر عمل نہ کرتا ہو۔

(عقاب الاعمال) شیخ صدوق (رضوان اللہ علیہ) میں انہیں کی اسناد کے ساتھ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے ایک حدیث میں فرمایا:

جو شخص قرآن سیکھے اور اس پر عمل نہ کرے اور حب دنیا اور زینت دنیا کو قرآن پر عمل کے مقابلہ میں ترجیح دے اور پسند کرے وہ غضب خدا کا مستحق ہوتا ہے اور یہود ونصاریٰ کے درجہ میں ہو گا، جنہوں نے کتاب خدا کو پس پشت ڈال دیا اور جو شخص قرآن پڑھے ارواس سے ''سمعہ'' [3] اور دکھاوا اور دنیا تک پہنچنا مقصود ہو تو خدا سے اس طرح ملاقات کرے گا کہ اس کا چہرہ ہڈی کا ہو گا، جس پر گوشت نہ ہوگا اور قرآن اس کی گدی پر مارے گا تاکہ جہنم میں داخل ہو اور جہنم میں ان لوگوں کے پاس جاکے گرے گا جو پہلے سے گرے پڑے ہوں گے اور جو شخص قرائت قرآن کرے اور اس پر عمل نہ کرے، قیامت کے روز خدا اسے اندھا محشور کرے گا تو وہ کہے گا: پروردگارا! مجھے اندھا کیوں محشور کیا ہے؟ میں تو ٹھیک تھا، ارشاد ہوگا: کل جب ہماری آیتیں تجھ تک پہنچیں تو انہیں تو

---

[1] اصول کافی، ج ۴، ص ۴۰۰، کتاب فضل القرآن، باب ۱، حدیث ۴

[2] اصول کافی، ج ۴، ص ۴۰۰، کتاب فضل القرآن، باب ۱، حدیث ۱۴

[3] سمعہ، ریا کی ایک قسم ہے۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ اپنی عبادت کو لوگوں کے کانوں تک پہنچائے تاکہ ان کے دل اس کی طرف جھکیں۔

نے بھلا دیا تھا اسی طرح آج تجھے بھلا دیا گیا،[1] اس کے بعد حکم ہوگا کہ اسے جہنم میں ڈال دیں اور جو شخص قرآن پڑھتا ہے رضائے خدا کے لئے اور معالم دین یاد کرنے کے لئے تو اس کو اتنا ثواب عطا کیا جائے گا، جتنا ملائکہ اور انبیاء و مرسلینؑ کو عطا ہوا ہوگا۔

اور جو شخص قرآن سیکھے اور اس کا مقصد ریا و سمعہ ہو تا کہ اس کے ذریعہ سے نادانوں اور بے وقوفوں سے مجادلہ کرے اور علماء کے مقابلہ میں فخر و مباہات کرے اور اس سے دنیا حاصل کرے، خدا قیامت کے روز اس کی ہڈیوں کو الگ الگ کردے گا اور جہنم میں اس سے زیادہ سخت عذاب کسی پر نہ ہوگا اور عذاب کی کوئی قسم ایسی نہ ہوگی جس میں اسے عذاب نہ دیا جائے، کیونکہ خدا اس سے شدید غضبناک ہوگا۔

اور جو شخص قرآن سیکھے اور تواضع و خاکساری اختیار کرے اور بندگان خدا کو تعلیم دے اور اس سے ثواب کا طلبگار ہو جو اللہ کے پاس ہے، تو جنت میں کوئی ایسا نہ ہوگا جس کو اس سے بڑا ثواب ملا ہو اور جنت میں کوئی بلند منزل اور نفیس درجہ ایسا نہ ہوگا جس میں اس کا حصہ زیادہ تر اور بزرگ تر نہ ہو،[2]

معانی قرآن میں تفکر اور اس سے نصیحت حاصل کرنے اور اس سے اثر قبول کرنے کے بارے میں بھی کثیر روایتیں وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ کافی شریف میں باسناد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا:

یقیناً یہ قرآن نور و ہدایت کا محل اور اندھیری راتوں کا مینارہ ہے۔ لہٰذا گردش دینے والا اپنی آنکھوں کو گردش دے اور روشنی حاصل کرنے کے لئے اپنی نظریں کھلی رکھے۔ اس لئے کہ تفکر قلب بینا کی زندگی ہے۔ چنانچہ طالب نور، نور کے ذریعہ ہی اندھیروں میں راستہ چلتا ہے،[3]

امام علیہ السلام کا مقصود یہ ہے کہ جس طرح انسان کو نور ظاہری سے اندھیروں میں راہ چلنا چاہئے تا کہ گڑھے میں گرنے کے خطرے سے محفوظ رہے اسی طرح سیر الی الاخرۃ و سیر الی اللہ کی تاریک راہوں کو قرآن کی روشنی میں طے کرنا چاہئے جو ہدایت کی روشنی اور راہ عرفان و ایمان کا روشن چراغ ہے تا کہ مہلک گڑھوں میں گرنے سے محفوظ رہے۔

معانی الاخبار کی ایک حدیث میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ فرماتے ہیں:

حقیقی فقیہ وہ ہے جو بے پروائی کی وجہ سے قرآن کو ترک نہ کرے اور قرآن سے ہٹ کے

---

[1] سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۲۶

[2] عقاب الاعمال، ص ۳۳۲، ۳۳۷، ۳۳۴

[3] اصول کافی، ج ۴، ص ۴۰۰، کتاب فضل القرآن، باب ۱، حدیث ۵

کسی چیز کی طرف توجہ نہ کرے۔ آگاہ رہو کہ اس علم میں کوئی خیر نہیں جس کو سمجھا نہ جا سکے اور اس قرائت میں کوئی خیر نہیں جس میں تدبر نہ ہو اور اس عبادت میں کوئی خیر نہیں جس میں غور وفکر نہ ہو۔ [1]

خصال اور معانی الاخبار میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث ہے، آپؐ نے فرمایا:

حملہ قرآن عرفا و اہل بہشت ہوں گے، [2]

اور ظاہر ہے کہ اس حمل سے مراد معارف وعلوم قرآن کا حمل ہے جس کا نتیجہ آخرت میں یہ ہوگا کہ انہیں اہل معرفت اور اہل قلوب میں شمار کیا گیا ہے۔ چنانچہ اگر اس کے مواعظ سے نصیحت حاصل کئے بغیر، اس کے معارف وحکم کا تحمل کئے بغیر اور اس کے احکام وسنن پر عمل کئے بغیر صرف صورت قرآن کو اٹھائے پھرے تو اس کی مثال ویسی ہی ہے جیسے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ [3]

ان لوگوں کی مثال جنہوں نے توریت کو اٹھا تو لیا مگر اس پر عمل نہیں کیا، اس گدھے کی مثال ہے جو کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے۔

قرآن کریم کی شان اور اس کے آداب کے بارے میں احادیث اس رسالہ کی گنجائش سے بہت زیادہ ہیں۔ والسلام علیٰ محمد وآلہ۔

---

[1] معانی الاخبار، ص ۲۲۶، باب معنی الفقیہ حقا، حدیث ۱

[2] معانی الاخبار، ص ۳۲۳، باب معنی عرفاء اہل الجنۃ، حدیث ۱: الخصال، ج ۱، ص ۲۸، باب الواحد، حدیث ۱۰۰

[3] سورۂ جمعہ، آیت ۵

قَالَ علیہ السلام:

لَيْسَتِ الْعِبَادَةُ كَثْرَةُ الصِّيَامِ وَ الصَّلَاةِ، وَ إِنَّمَا الْعِبَادَةُ كَثْرَةُ التَّفَكُّرِ فِيْ أَمْرِ اللهِ.[1]

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا:

عبادت کی زیادتی یہ نہیں کہ نماز و روزہ زیادہ ہو

بلکہ عبادت کی زیادتی تو صرف یہ ہے کہ امور خدا میں زیادہ سے زیادہ غور و فکر کیا جائے۔

---

[1] تحف العقول، ص ۵۱۸

مصباح دوم

نماز کے ساتھ مخصوص قرائت وآداب

اس میں چند فصلیں ہیں۔

فصل اول

قرائت نماز کے آداب

اس سفر روحانی اورمعراج الٰہی میں قرائت کے مدارج و مراتب ہیں۔ہم اس رسالہ کی مناسبت سے ان میں سے بعض کے تذکرہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

پہلا مرتبہ یہ ہے کہ قاری تجوید قرائت اور تحسین عبارت کے علاوہ اور کسی چیز کی طرف توجہ نہ کرے اوراس کا قصد محض ان کلمات کا تلفظ اورمخارج حروف کی تصحیح ہوتا کہ ایک تکلیف ادا ہو جائے اورایک ذمہ داری پوری ہو جائے اورظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے تکلیف ذمہ داریاں،کلفت و زحمت کا سبب ہوتی ہیں اور ان کا دل ان سے اکتا ہٹ محسوس کرتا ہے اوران کا باطن قلب ان تکالیف سے منحرف ہوتا ہے۔ان لوگوں کوعبادت میں کوئی لطف نہیں آتا سوائے اس کے کہ ایک ایسے عمل کوترک کرتے جس کے ترک کا نتیجہ عقاب ہے۔مگر یہ کہ خزائن غیب سے فضل وکرم ہو اور اسی زبانی ادائیگی پر احسان و اکرام کے حقدار قرار پاجائیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ کبھی کبھی جن کی زبان تو ذکر خدا میں مشغول ہوتی ہے مگر ان کا دل کلی طور سے عاری و خالی اور کثرات دنیویہ اورمشاغل ملکیہ میں لگا رہتا ہے۔ یہ گروہ صورت کے اعتبار سے تو نماز میں داخل ہوتا ہے مگر درحقیقت دنیا، کاروبار دنیا اور خواہشات دنیا میں مشغول ہوتا ہے۔کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کا دل بھی صورت نماز کی تصحیح کی فکر میں مشغول ہوتا ہے۔اس صورت میں یہ لوگ قلب و زبان دونوں کے مطابق صورت نماز میں وارد ہوتے ہیں اور یہ صورت ان لوگوں سے مقبول اور پسندیدہ ہے۔

دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو اس حد پر قانع نہیں اورنماز کو ذکر و یاد حق کا وسیلہ سمجھتے ہیں اورقرائت کوحمد وثنا ئے الٰہی میں شمار کرتے ہیں۔اس گروہ کے بہت مدارج و مراتب ہیں جن کا ذکر طول کا سبب ہو اورشاید اسی گروہ کی

طرف یہ حدیث قدسی اشارہ کرتی ہے:

قَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عليه السلام: فَاتِحَةُ الْكِتَابِ أَعْطَاهَا مُحَمَّداً ص وَ أُمَّتَهُ بَدَأَ فِيهَا بِالْحَمْدِ وَ الثَّنَاءِ عَلَيْهِ ثُمَّ ثَنَّى بِالدُّعَاءِ لِلَّهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ لَقَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وآله يَقُولُ:

قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ قَسَمْتُ الْحَمْدَ بَيْنِي وَ بَيْنَ عَبْدِي فَنِصْفُهَا لِي وَ نِصْفُهَا لِعَبْدِي وَلِعَبْدِي

مَا سَأَلَ إِذَا قَالَ الْعَبْدُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمنِ الرَّحِيمِ

قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ بَدَأَ عَبْدِي بِاسْمِي حَقٌّ عَلَيَّ أَنْ أُتَمِّمَ لَهُ أُمُورَهُ وَ أُبَارِكَ لَهُ فِي أَحْوَالِهِ

فَإِذَا قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعالَمِينَ

قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ حَمِدَنِي عَبْدِي وَ عَلِمَ أَنَّ النِّعَمَ الَّتِي لَهُ مِنْ عِنْدِي وَ الْبَلَايَا الَّتِي انْدَفَعَتْ عَنْهُ بِتَطَوُّلِي أُشْهِدُكُمْ أَنِّي أُضِيفُ لَهُ نِعَمَ الدُّنْيَا إِلَى نَعِيمِ الْآخِرَةِ وَ أَدْفَعُ عَنْهُ بَلَايَا الْآخِرَةِ كَمَا دَفَعْتُ عَنْهُ بَلَايَا الدُّنْيَا

فَإِذَا قَالَ الرَّحْمنِ الرَّحِيمِ

قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ شَهِدَ لِي بِأَنِّي الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ أُشْهِدُكُمْ لَأُوَفِّرَنَّ مِنْ رَحْمَتِي حَظَّهُ وَ لَأُجْزِلَنَّ مِنْ عَطَائِي نَصِيبَهُ

فَإِذَا قَالَ مالِكِ يَوْمِ الدِّينِ

قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ أُشْهِدُكُمْ كَمَا اعْتَرَفَ بِأَنِّي أَنَا الْمَالِكُ لِيَوْمِ الدِّينِ لَأُسَهِّلَنَّ يَوْمَ الْحِسَابِ حِسَابَهُ وَ لَأَتَقَبَّلَنَّ حَسَنَاتِهِ وَ لَأَتَجَاوَزَنَّ عَنْ سَيِّئَاتِهِ

فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ إِيَّاكَ نَعْبُدُ

قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ صَدَقَ عَبْدِي إِيَّايَ يَعْبُدُ لَأُثِيبَنَّهُ عَلَى عِبَادَتِهِ ثَوَاباً يَغْبِطُهُ كُلُّ مَنْ خَالَفَهُ فِي عِبَادَتِهِ لِي

فَإِذَا قَالَ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ

قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ بِيَ اسْتَعَانَ وَ إِلَيَّ الْتَجَأَ أُشْهِدُكُمْ لَأُعِينَنَّهُ عَلَى أَمْرِهِ وَ

لَأُغِيثَنَّهُ فِي شَدَائِدِهِ وَلَأُخَذَنَّ بِيَدِهِ يَوْمَ (الْقِيَامَةِ عِنْدَ) نَوَائِبِهِ
وَإِذَا قَالَ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ إِلَى آخِرِهَا
قَالَ اللَّهُ هَذَا لِعَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ. [1]

میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندہ کے درمیان تقسیم کردیا ہے، آدھی میری ہے اور آدھی میرے بندے کی۔

جب بندہ کہتا ہے: بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، تو خدا کہتا ہے: میرے بندہ نے مجھے یاد کیا،

اور جب بندہ کہتا ہے: الحمد للہ، تو خدا کہتا ہے: میرے بندے نے میری حمد وثنا کی، یہی۔ سمع اللہ لمن حمدہ کے معنی ہیں

اور جب بندہ کہتا ہے: الرحمٰن الرحیم، تو خدا کہتا ہے: میرے بندے نے میری عظمت کا اقرار کیا۔

اور جب بندہ کہتا ہے: مالک یوم الدین، تو خدا کہتا ہے: میرے بندے نے میری بزرگی کا اعلان کیا

اور دوسری روایت میں ہے: اپنے امور کو میرے سپرد کیا،

اور جب بندہ کہتا ہے: ایاک نعبد وایاک نستعین، تو خدا فرماتا ہے: یہ میرے بندے کے درمیان ہے

اور جب بندہ کہتا ہے: اھدنا الصراط المستقیم، تو خدا فرماتا ہے: یہ میرے بندہ کا حصہ اور میرا بندہ جو کچھ مانگے وہ اس کا ہے۔

اور جب نماز اس حدیث شریف کے مطابق حق اور عبد کے درمیان تقسیم شدہ ہے تو بندہ کو چاہئے کہ جہاں تک مولا کا حق ہے وہاں تک اس کا حق ادا کرے اور ادب عبادت کا جو اس حدیث شریف میں بتایا گیا ہے۔ لحاظ رکھے تاکہ حق تعالیٰ ربوبیت کے الطاف اور رحمتوں کے ساتھ اس سے معاملہ کرے۔ جیسا کہ فرماتا ہے:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ [2]

---

[1] الحجۃ البیضاء، ج۱، ص ۳۸۸، بحار الانوار، ج ۹۲، ص ۲۲۶، صحیح مسلم، ج ۲، ص ۹۲، عبارت میں کچھ فرق کے ساتھ

[2] سورۂ بقرہ ۴۰

میرا عہد پورا کرو تا کہ میں تمہارا عہد پورا کروں۔

خدائے تعالیٰ نے قرائت میں عبودیت کو چار ارکان پر قائم کیا ہے۔

رکن اول ''تذکر'' ہے جو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ میں حاصل ہو جانا چاہئے اور بندۂ سالک کو تمام دار تحقق کو نظر اسمی سے، جو مسمیٰ میں فانی ہو جانا ہے، دیکھنا چاہئے اور قلب کو عادت ڈالنا چاہئے کہ تمام ذرات ممکنات میں حق کی جستجو اور حق کی طلب کرتا رہے اور تعلیم اسمائی کی فطرت کو جو اس کے خمیر میں ثبت ہے، جامعیت نشئہ اور اللہ کے اسم اعظم کے حضور سے ظہور میں آنے کے تقاضے کی بنا پر جس کی طرف قول خدا ''وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّہَا''[1] (اور اس (اللہ) نے آدمؑ کو (تمام چیزوں کے) نام سکھائے) میں اشارہ ہے مرتبہ فعلیت وظہور میں لائے۔ یہ مقام حق کے خلوت اور شئون الٰہیہ میں تذکر وتفکر کی شدت سے حاصل ہوتا ہے، یہاں تک رسائی ہو جاتی ہے جہاں قلب عبد حقانی ہو جاتا ہے اور اس کے کسی گوشے میں حق کے سوا کوئی نام باقی نہیں رہتا۔

یہ الٰہیت میں فنا کا ایک مرتبہ ہے جس کا انکار منکرین کے معکوس اور سخت دل اس بیان کے بعد نہیں کر سکتے جو ہم نے پیش کیا ہے۔ سوائے اس کے ان کا انکار ابلیسی انکار ہو۔ کیونکہ ایسے دل پناہ بخدا، حق کے ذکر اور نام ہی سے طبعی طور پر متنفر ہیں اور اگر معارف الٰہیہ سے متعلق ایک حرف یا اسماء اللہ کا ذرا ذکر آ جائے تو پیچ وتاب کھانے لگتے ہیں اور شکم وشرمگاہ کی خواہشات کے علاوہ کسی چیز کے دیکھنے کے لئے دل کی آنکھوں کو نہیں کھولتے۔ اس گروہ میں ایسے لوگ بھی ہیں جو انبیاء واولیا علیہم السلام تک کے لئے سوائے مقامات جسمانی وبہشت جسمانی جس میں صرف حیوانیت کی قضائے حاجت ہو کسی روحانی وباطنی مقام کے قائل نہیں اور آخرت کے مقامات کی عظمت کو دنیاوی عظمت کی طرح وسیع باغات، بہتی ہوئی نہروں اور حور وغلمان وقصور کی فراوانی سمجھتے ہیں اور اگر الٰہی عشق ومحبت اور جذبہ کے بارے میں کوئی بات سنتے ہیں تو رکیک الفاظ اور قبیح کلمات سے دوستداران خدا پر حملہ کرتے ہیں!! ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے انہیں کوئی ناسزا بات کہہ دی گئی ہے، جس کو برابر کر رہے ہیں۔ یہ لوگ طریق انسانیت کی رکاوٹ، معرفت الٰہی کی راہ کا کانٹا اور آدم کو فریب دینے والے شیطان ہیں اور بندگان خدا کے گروہوں کے گروہوں کو حق واسماء وصفات حق اور اس کے ذکر اور اس کی یاد سے روکتے ہیں اور ان کا رخ حیوانی مقاصد اور شکم وشرمگاہ کی خواہشات کی طرف موڑتے ہیں۔ یہ شیطان کے کارندے ہیں جو آیۂ کریمہ ''لَاَقۡعُدَنَّ لَہُمۡ صِرَاطَکَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ''[2] (تیرے صراط مستقیم پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا) کے مقتضا کے

---

[1] سورۂ بقرہ:۳۱

[2] سورہ اعراف، آیت ۱۶

مطابق سر راہ مستقیم بیٹھے ہوئے ہیں اور کسی کو نہیں چھوڑتے کہ اپنے خدا سے انس حاصل کرے اور شہوات حیوانی سے علاقہ مندی کی تاریکیوں سے جن میں حور وقصور سے علاقہ مندی بھی شامل ہے، رہائی حاصل کرے۔ یہ لوگ ممکن ہے کہ انبیاء واہل بیت علیہم السلام کی دعاؤں سے شواہد پیش کریں کہ وہ بھی خدا سے حور وقصور طلب کرتے تھے، یہ اس گروہ کی سمجھ کا قصور ہو گا کہ کرامت الٰہیہ سے محبت جو محبوب حقیقی کی طرف سے بخشش اور عزت افزائی ہے اور جو خود محبت وعنایت ہے اور محض حور وقصور اور ایسی ہی چیزوں کی استقلالی محبت وشہوات حیوانی کا خمیر ہے، فرق نہیں کرتے۔ اللہ کی کرامت اور عزت افزائی سے محبت، اللہ کی محبت ہے جو تبعاً کرامت وعنایت میں بھی سرایت کرتی ہے۔

عاشقم برہمہ عالم کہ ہمہ عالم از دست [1]

و ما حبّ الدّیار شغفن قلبی

و لکن حبّ من سکن الدّیارا [2]

زمین یار کی محبت نے میرے دل کو فریفتہ نہیں کیا ہے، بلکہ اس کی محبت نے فریفتہ کیا ہے جو وہاں رہتا ہے۔

اسیر کر نہ سکا میرے دل کو عشق دیار ہے

بس یہ بات کہ رہتا ہے اس دیار میں یار

ورنہ حضرت علی بن ابی طالب علیہما السلام کو حور وقصور سے کیا سروکار ہے؟ اس سید وسردار کو ہوائے نفسانی اور خواہشات حیوانی سے کیا نسبت؟ جس کی عبادت آزادوں کی عبادت ہو اس کی جزا تاجروں کی ایسی جزا نہیں ہوسکتی۔ عنان قلم ہاتھ سے چھوٹ گئی اور میں مطلب سے دور نکل گیا۔

وبالجملہ جو شخص کتاب تکوین وتدوین الٰہی کے اسماء وآیات کی قرائت کی عادت ڈال لے گا رفتہ رفتہ اس کا دل کسی ذکر اور کسی آیت کی صورت خود بن جائے گا اور باطن ذات ذکر اللہ، اسم اللہ اور آیۃ اللہ کے ساتھ محقق ہو جائے گا۔

---

[1] بہ جہاں خرم از آنم کہ جہاں خرم ازدست
عاشقم برہمہ عالم کہ ہمہ ازاوست
(سعدی)
میں طرب میں ہوں کہ عالم میں طرب اس کا ہے
سارے عالم پہ میں عاشق ہوں کہ سب اس کا ہے

[2] مجنون عامری، جامع الشواھد، ص ۲۲۰، باب الواو مع المیم

چنانچہ (ذکر) کی تفسیر وتطبیق حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی بن ابی طالب علیہما السلام سے اسماء حسنیٰ، کی تفسیر وتطبیق ائمہ ھدیٰ علیہم السلام سے اور آیۃ اللہ، کی تفسیر وتطبیق بھی انہیں حضراتؑ سے کی گئی ہے۔ یہ حضراتؑ آیات الٰہیہ، اسماء اللہ الحسنیٰ اور ذکر اللہ الاکبر ہیں۔ مقام ذکر بہت اعلیٰ و ارفع مقامات میں سے ہے، جس کی تفصیل بیان کے حوصلہ اور تقریر وتحریر کے احاطہ سے باہر ہے۔ اہل معرفت، اصحاب جذبہ الٰہیہ اور ارباب عشق ومحبت کے لئے وہ آیۂ شریفہ ہی کافی ہے، جس میں ارشاد ہے:

فَاذْكُرُونِيٓ أَذْكُرْكُمْ.[1]

مجھے یاد کرو تاکہ میں تمہیں یاد کروں۔

اور خدائے تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا:

انَا جَلِيسُ مَنْ ذَكَرَنِي.[2]

میں اس کا ہم نشین ہوں جو مجھے یاد کرے۔

اور کافی کی روایت میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ أَكْثَرَ ذِكْرَ اللَّهِ أَحَبَّهُ اللَّهُ.[3]

جو شخص خدا کو یاد کرے گا خدا اسے دوست رکھے گا۔

اور وسائل میں بہ اسناد حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی گئی ہے آپؐ نے فرمایا:

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ابْنَ آدَمَ اذْكُرْنِي فِي نَفْسِكَ أَذْكُرْكَ فِي نَفْسِي ابْنَ آدَمَ اذْكُرْنِي فِي خَلَاءٍ أَذْكُرْكَ فِي خَلَاءٍ ابْنَ آدَمَ اذْكُرْنِي فِي مَلَإٍ أَذْكُرْكَ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْ مَلَائِكَ وَ قَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ يَذْكُرُ اللَّهَ فِي مَلَإٍ مِنَ النَّاسِ إِلَّا ذَكَرَهُ اللَّهُ فِي مَلَإٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ.[4]

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: خدائے عزوجل نے فرمایا: اے فرزند آدم! اپنے سامنے مجھے یاد کرتا کہ میں تجھے اپنے سامنے یاد کروں، اے فرزند آدم مجھے خلوت میں یاد کرتا کہ میں تجھے

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۱۵۲

[2] اصول کافی، ج ۴، ص ۲۵۵، کتاب الدعاء، باب مایجب من ذکر اللہ۔۔۔حدیث ۴

[3] اصول کافی، ج ۴، ص ۲۵۵، کتاب الدعاء، باب مایجب من ذکر اللہ، حدیث ۳

[4] وسائل الشیعہ، ج ۴، ص ۱۱۸۵، کتاب الصلاۃ، ابواب الذکر، باب ۷، حدیث ۴

خلوت میں یاد کروں، اے فرزند آدم! مجمع میں مجھے یاد کرتا کہ میں تجھے تیرے مجمع سے بہتر مجمع میں یاد کروں۔ اسی طرح آنحضرتؐ نے فرمایا: کوئی بندہ مجمع میں خدا کو یاد نہیں کرتا ہے مگر یہ کہ خدا ملائکہ کے مجمع میں اسے یاد کرتا ہے۔

قرائت نماز کے آداب کا دوسرا رکن ''تحمید'' ہے جو نماز گزار کے "الحمد لله رب العالمين" کہنے سے حاصل ہوتا ہے۔

معلوم ہوا کہ جب نماز گزار مقام ''ذکر'' میں متحقق ہو چکا اور کائنات کے ذرے ذرے اور موجودات میں ہر بلند و پست کو اسمائے الٰہیہ سمجھ لیا۔ استقلال اپنی مستقل حیثیت اور بے نیازی کو دل سے باہر نکال دیا اور استقلال رحمت خدا کے سائے کی آرزو، کی نظر سے عالم غیب وشہود کے موجودات کو دیکھا تو اس کو ''تحمید'' کا مرتبہ حاصل ہو جائے گا اور اس کا دل اعتراف کرے گا کہ تمام حمد وثنا ذات واحد واحد کے ساتھ مختص امور میں ہے اور دوسرے موجودات اس میں شریک نہیں ہیں، کیونکہ وہ اپنا کوئی ذاتی کمال نہیں رکھتے کہ حمد وثناء کے مستحق ہو سکیں۔ سورۂ حمد کی تفسیر میں اس لطف الٰہی کا تفصیلی بیان آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

قرائت نماز کے آداب کا تیسرا رکن ''تعظیم'' ہے جو ''الرحمٰن الرحیم'' کہنے سے حاصل ہوتا ہے۔ جب سالک الی اللہ نے رکن ''تحمید'' میں حمد کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں منحصر کر دیا اور کثرات وجودی سے کمال وتحمید کو سلب کیا تو افق وحدت سے نزدیک ہو گیا اور کثرت بینی کی آنکھ آہستہ آہستہ نابینا ہونے لگی تو رحمانیت کی صورت جو وجود کا پھیلاؤ ہے اور رحیمیت کی صورت جو کمال وجود کا پھیلاؤ ہے۔ اس کے دل پر تجلی کرے گی اور حق تعالیٰ کی دو اور جامع ناموں کے ساتھ جن میں ہر طرح کی کثرت فنا ہو جاتی ہے۔ توصیف کرے گا اور تب جلوۂ کمال کے واسطہ سے قلب میں جمال سے حاصل ہونے والی ہیبت پیدا ہو گی اور عظمت حق دل میں جاگزین ہو جائے گی۔

یہ حال جب دل میں متمکن ہو جائے گا تو رکن چہارم کی طرف منتقل ہو جائے گا جو مقام ''تقدیس'' اور حقیقت ''تحمید'' ہے۔ دوسرے لفظوں میں تفویض امر الی اللہ اپنے کاموں کو اللہ کے حوالہ کر دینا ہے، جس سے مراد مالکیت و قاہریت حق کے مقام پر نظر رکھنا، کثرت کے گرد وغبار کو صاف کرنا، کعبہ دل میں رکھے ہوئے بتوں کو توڑ ڈالنا، بیت قلب کے مالک کا ظہور اور کسی قسم کی شیطانی مزاحمت کے بغیر قلب پر اس کا تصرف ہے۔ جب یہ حال پیدا ہو جائے تو سالک مقام خلوت تک پہنچ جاتا ہے اور بندہ حق کے درمیان کوئی حجاب باقی نہیں رہتا اور "اياك نعبدو اياك نستعين" اس خلوت خاص اور مقام انس میں واقع ہوتا ہے۔

اسی لئے فرمایا: "هٰذَا بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِيْ اور جب عنایت ازلی اس کے شامل حال ہو جاتی ہے اوراس کو بے خودی سے خودی میں لے آتی ہے تو اسی مقام پر استقامت اوراس محضر میں ہی رہنے کی قدرت وصلاحیت کا خواہاں ہوتا ہے اور کہتا ہے

"اهدنا الصراط المستقيم" اسی لئے "اهدنا" کی تفسیر "الزمنا و ادمنا و ثبتنا" ہمیں لازم رکھ، ہمیں ہمیشہ رکھ اور ہمیں ثابت رکھ، سے کی گئی ہے۔ یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو حجاب سے نکل چکے ہوں اور مطلوب ازل تک پہنچ چکے ہوں، لیکن ہم جیسے اہل حجاب کو چاہئے کہ حق تعالیٰ سے اپنے انہیں معنی میں ہدایت طلب کریں۔ شاید اس مطلب کا بقیہ سورۂ حمد کی تفسیر میں آئے گا۔

انشاء اللہ تعالیٰ

تکمیل

حدیث قدسی [1] سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ تمام نماز بندہ اور خدا کے درمیان تقسیم کی گئی ہے اور فقط حمد کو نمونہ اور مثال کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اس بناء پر ہم کہتے ہیں مثلاً تکبیرات نماز چاہے تکبیرات افتتاح ہوں یا دوسری تکبیریں جو نماز کے احوال کے بدلنے اور ایک جز سے دوسرے جز کی طرف منتقل ہونے کے درمیان کہی جاتی ہیں، سب ربوبیت کا حق اور ذات مقدس کے لئے خاص ہیں اور اگر سالک الی اللہ نے اس وظیفہ بندگی کو پورا کرلیا اور حق ربوبیت کو اپنی وسعت و طاقت کے مطابق ادا کر دیا تو حق تعالیٰ بھی بندہ کا حق اپنے خاص ازلی الطاف و افضال سے ادا کرے گا، یعنی مکاشفہ و مرادت کا دروازہ کھول دے گا۔

چنانچہ مصباح الشریعہ میں منقول حدیث میں اسی کی طرف اشارہ ہے جہاں ارشاد ہے:

جب تم تکبیر کہو تو حق کی کبریائی کے سامنے تمام موجودات کو معمولی سمجھو۔ [2]

یہاں تک کہ فرماتے ہیں:

نماز پڑھتے وقت اپنے دل سے عبرت حاصل کرو۔ اگر دل میں نماز کی شرینی محسوس کرو اور اس نفس کو مسرت اور تازگی محسوس ہو رہی ہو اور تمہارا دل مناجات حق سے مسرور اور اس سے مخاطبہ کرنے میں لذت پا رہا ہے تو جان لو کہ جب تم نے تکبیرات کہیں تو خدا نے تمہاری تصدیق کی ہے۔ ورنہ مناجات کی لذت کے معدوم اور عبادت کی شیرنی سے محروم ہونے کو دلیل سمجھو کہ خدا نے

---

[1] بحار الانوار، ج ۹۲، ص ۲۲۶

[2] مصباح الشریعۃ/ 87 / الباب التاسع والثلاثون فی افتتاح الصلاۃ

تمہاری تکذیب کی ہے اور تم اس کی درگاہ سے رد کر دیئے گئے ہو،[1]

اسی معیار کے مطابق نماز کے تمام احوال و افعال میں خدائے تعالیٰ کا حق ہے، جس کی ادائیگی بندہ کو کرنا چاہئے، کیونکہ وہ اس منزل پر آداب عبودیت یہی ہے اور بندہ کا بھی ایک حق اور ایک حصہ ہے جو عبودیت کے آداب کی ذمہ داری، بندہ کی طرف سے، پوری ہونے کے بعد حق تعالیٰ اپنے لطف خفی اور اپنی رحمت جلی سے ادا فرماتا ہے۔ اگر نماز گزاران الٰہی میقاتوں میں خود کو عنایات خاصہ سے محروم پائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ عبودیت کے آداب کی ادائیگی نہیں ہوئی اور درمیانی درجہ کے لوگوں کے لئے اس کی علامت یہ ہے کہ قلب کو مناجات کی لذت اور عبادات کی شیرینی محسوس نہیں ہوتی اور تازگی و مسرت اور انقطاع الی الحق سے محروم رہتا ہے اور جو عبادت لذت و حلاوت سے خالی ہو وہ عبادت بے روح ہے اور قلب کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

لہٰذا اے عزیز! قلب کو آداب عبودیت سے مانوس کیجئے اور روح کے کام و دہن کو ذکر خدا کی حلاوت سے آشنا بنایئے۔ یہ لطف الٰہی ابتدائے امر میں شدید تذکر اور ذکر حق سے انس کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے، لیکن ذکر کے عالم میں قلب مردہ نہ ہو اور اس پر غفلت مسلط نہ ہو۔ جب آپ قلب کو ذکر سے مانوس کر لیں گے تو رفتہ رفتہ ازلی عنایات آپ کے شامل حال ہونے لگیں گی اور آپ کے دل پر عالم ملکوت کے دروازے کھلنا شروع ہو جائیں گے، جس کی علامت دار غرور دنیا سے دوری، دار خلود و آخرت کی طرف واپسی اور موت آنے سے پہلے موت کے لئے تیاری ہے۔

---

[1] مصباح الشریعۃ/ 87 / الباب التاسع والثلاثون فی افتتاح الصلاۃ

حدیث شریف کی عربی عبارت یہ ہے:

قَالَ الصَّادِقُ عليه السلام إِذَا اسْتَقْبَلْتَ الْقِبْلَةَ فَآيِسْ مِنَ الدُّنْيَا وَ مَا فِيهَا وَ الْخَلْقِ وَ مَا هُمْ فِيهِ وَ فَرِّغْ قَلْبَكَ عَنْ كُلِّ شَاغِلٍ يَشْغَلُكَ عَنِ اللَّهِ تَعَالَى وَ عَايِنْ بِسِرِّكَ عَظَمَةَ اللَّهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ اذْكُرْ وُقُوفَكَ بَيْنَ يَدَيْهِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى هُنَالِكَ تَبْلُوا كُلُّ نَفْسٍ ما أَسْلَفَتْ وَ رُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلاهُمُ الْحَقِّ وَ قِفْ عَلَى قَدَمِ الْخَوْفِ وَ الرَّجَاءِ فَإِذَا كَبَّرْتَ فَاسْتَصْغِرْ مَا بَيْنَ السَّمَاوَاتِ الْعُلَى وَ الثَّرَى دُونَ كِبْرِيَائِهِ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى إِذَا اطَّلَعَ عَلَى قَلْبِ الْعَبْدِ وَ هُوَ يُكَبِّرُ وَ فِي قَلْبِهِ عَارِضٌ عَنْ حَقِيقَةِ تَكْبِيرِهِ- فَقَالَ يَا كَذَّابُ أَ تَخْدَعُنِي وَ عِزَّتِي وَ جَلَالِي لَأَحْرِمَنَّكَ حَلَاوَةَ ذِكْرِي وَ لَأَحْجُبَنَّكَ عَنْ قُرْبِي وَ الْمَسَرَّةِ بِمُنَاجَاتِي وَ اعْلَمْ أَنَّهُ تَعَالَى غَيْرُ مُحْتَاجٍ إِلَى خِدْمَتِكَ وَ هُوَ غَنِيٌّ عَنْكَ وَ عَنْ عِبَادَتِكَ وَ دُعَائِكَ وَ إِنَّمَا دَعَاكَ بِفَضْلِهِ لِيَرْحَمَكَ وَ يُبْعِدَكَ عَنْ عُقُوبَتِهِ وَ يَنْشُرَ عَلَيْكَ مِنْ بَرَكَاتِ حَنَانِيَّتِهِ وَ يَهْدِيَكَ إِلَى سَبِيلِ رِضَاهُ وَ يَفْتَحَ عَلَيْكَ بَابَ مَغْفِرَتِهِ فَلَوْ خَلَقَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ عَلَى ضِعْفِ مَا خَلَقَ مِنَ الْعَوَالِمِ أَضْعَافاً مُضَاعَفَةً عَلَى سَرْمَدِ الْأَبَدِ لَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ سَوَاءٌ كَفَرُوا بِهِ بِأَجْمَعِهِمْ أَوْ وَحَّدُوهُ فَلَيْسَ لَهُ مِنْ عِبَادَةِ الْخَلْقِ إِلَّا إِظْهَارُ الْكَرَمِ وَ الْقُدْرَةِ فَاجْعَلِ الْحَيَاءَ رِدَاءً وَ الْعَجْزَ إِزَاراً وَ ادْخُلْ تَحْتَ سَرِيرِ سُلْطَانِ اللَّهِ تَعَالَى تَغْتَنِمْ فَوَائِدَ رُبُوبِيَّتِهِ مُسْتَعِيناً بِهِ مُسْتَغِيثاً إِلَيْهِ.

بارالہا! ہمیں مناجات کی لذت اور اپنے مخاطبین کی حلاوت نصیب فرما اور ہم کو ذاکرین کے زمرہ میں شامل کر اور ساری دنیا سے کٹ کر تیرے عز قدس سے لولگانے والوں کی فہرست میں شمار کر اور ہمارے مردہ دلوں کو حیات جاوداں عنایت فرما۔ دوسروں سے منقطع اور اپنی طرف متوجہ کر۔

انك ولی الفضل والانعام

فصل دوم

استعاذہ کے بعض آداب

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ.[۱]

جب تم قرآن پڑھنا چاہو تو شیطان سے خدا کی پناہ مانگو۔ یقیناً اس کو ان لوگوں پر جو ایمان لائے ہیں اور اللہ پر توکل کئے ہیں کوئی قابو نہیں۔ شیطان ان لوگوں پر حکمرانی کرتا ہے جنہوں نے اسے اپنا دوست بنایا ہے اور جنہوں نے خدا کے بارے میں شریک کیا ہے۔

قرائت، خصوصاً نماز میں قرائت کے اہم آداب میں جو اللہ کی طرف روحانی سفر حقیقی معراج اور اللہ تک پہنچنے کا زینہ ہے شیطان رجیم سے اللہ کی بارگاہ میں (استعاذہ) ہے شیطان رجیم جو طریق معرفت کا کانٹا ہے اور سیر وسلوک الی اللہ سے روکتا ہے۔ چنانچہ خداوند عالم سورہ (اعراف) میں اس کے قول کی خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے:

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ.[۲]

---

[۱] سورہ نحل، آیت ۹۸، ۱۰۰

[۲] سورہ اعراف: ۱۶

جب تو نے مجھے راہ سے ہٹا دیا تو میں بھی ترے راستے کے سرے پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا۔

قسم کھائی کہ راہ مستقیم جہاں سے شروع ہوتی ہے وہیں پر قبضہ کر لے گا اور اولاد آدمؑ کو وہیں سے واپس کر دے گا۔ لہٰذا نماز میں جو انسانیت کا صراط مستقیم اور وصول الی اللہ کی معراج ہے، اس راہزن سے خدا کی پناہ میں رہے بغیر وجود میں نہیں آتی اور اس کے شر سے الوہیت کے مضبوط قلعہ میں پناہ لئے بغیر امان نہیں ملتی اور یہ ''استعاذہ'' اور پناہ گیر صرف زبان کی ادائیگی، بے روح صورت اور آخرت کے تصور سے خالی دنیا کے ذریعہ وجود میں نہیں آتی۔ چنانچہ مشاہدہ بتاتا ہے کہ ایسے بھی لوگ ہیں جو اس لفظ کو چالیس پچاس سال تک دہراتے رہنے کے باوجود اس راہزن کے شر سے نجات نہ حاصل کر سکے اور اخلاق و اعمال، بلکہ عقائد قلبی میں بھی شیطان کی پیروی اور تقلید کرتے ہیں۔ اگر اس پلید کے شر سے ہم نے ٹھیک طرح پناہ حاصل کی ہوتی تو حق تعالیٰ کی ذات پاک جو فیاض مطلق، صاحب رحمت واسعہ اور مالک قدرت کاملہ اور جس کا علم محیط اور کرم بسیط ہے، ہم کو پناہ دے دیتی اور ہمارے ایمان اخلاق اور اعمال کی اصلاح ہو جاتی۔ لہٰذا معلوم ہونا چاہئے کہ جس قدر ہم اس سیر ملکوتی اور سلوک الٰہی میں پیچھے رہ گئے ہیں اس کا سبب شیطانی اغوا اور سلطنت شیطانیہ کی ماتحتی ہے، چاہے غلطی سے یہ کوتاہی ہوئی یا ہم نے جان کے تقصیر کی ہو کہ آداب قلبیہ اور شرائط معنویہ کو عمل میں نہیں لائے ہوں۔ چنانچہ تمام ہی عبادات اور اذکار و اوراد میں اہم جو روحانی نتائج اور ظاہری و باطنی آثار سے محروم رہ جاتے ہیں، اس کی یہی باریک وجہ ہے، قرآن کی آیات شریفہ اور معصومین علیہم السلام کی احادیث مبارکہ سے کثیر آداب کا پتہ چلتا ہے جن کو شمار کرنا مکمل جستجو اور طول کلام کا سبب ہوگا۔ ہم ان میں سے بعض کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

''استعاذہ'' کے اہم آداب میں سے ایک ادب (خلوص) ہے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ نے شیطان کا قول نقل کیا ہے کہ اس نے کہا:

فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٨٢﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿٨٣﴾ [1]

ابلیس نے کہا تیری عزت کی قسم! میں سب لوگوں کو گمراہ کروں گا۔ سوائے تیرے منتخب اور برگزیدہ بندوں کے۔

یہ اخلاص آیہ شریفہ کے ظاہر کے مطابق عملی اخلاص سے بالاتر ہے۔ اگر اخلاص عملی مقصود ہوتا تو صیغہ اسم فاعل سے اس کی تعبیر نہ کی جاتی۔ لہٰذا اس اخلاص سے مراد، وجود انسانی کی شئون عینی و ظاہری سے خالص ہونا ہے اور اخلاق

---

[1] سورۂ ص: ۸۲، ۸۳

عملی ایسا اخلاص کا ایک قطرہ ہے اگر چہ سلوک کے آغاز میں یہ حقیقت اور یہ لطف الٰہی حاصل نہیں ہوتا، لیکن شدید عملی ریاضتوں، خصوصاً قلبی ریاضتوں سے جو حقیقی اور اصلی ریاضت ہے اور اس کی طرف اس مشہور حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں:

مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰهِ اَرْبَعِينَ صَبَاحاً ظَهَرَتْ يَنَابِيعُ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهِ عَلَى لِسَانِه.

[1]

جو شخص چالیس صبح، طینت آدم کا خمیر تیار ہونے کی مقدار جو چالیس صبحیں تھیں، اور ان دونوں کا ایک دوسرے سے رابطہ اہل معرفت اور اصحاب قلوب جانتے ہیں۔ خود کو اللہ کے لئے خالص رکھے۔ نیز اپنے قلبی اور قالبی اعمال کو اللہ کے لئے خاص رکھے، اس کا قلب الٰہی ہو جائے گا اور قلب الٰہی سے چشمہ ہائے حکمت کے علاوہ کچھ ظاہر نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس کی زبان بھی جو قلب کی سب سے بڑی ترجمان ہے۔ حکمت کے ساتھ گویا ہوگی۔

اس طرح پہلے اخلاص عمل خلوص قلب کا سبب ہوتا ہے پھر جب قلب خالص ہو گیا تو انوار جلال و جمال جو دست قدرت نے انسان کے خمیر اور طینت میں ودیعت کئے ہیں، درک کے آئینے میں ظاہر ہوں گے اور چمکیں گے اور باطن قلب سے ظاہر ملک بدن میں سرایت کریں گے۔

وبالجملہ جو خلوص سلطنت شیطانیہ کی ماتحتی سے نکلنے کا وسیلہ ہے۔ وہ روح کی پاکیزگی اور باطن قلب کا خدا تعالیٰ کے لئے خالص ہونا ہے مناجات شعبانیہ میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے خلوص کے اسی مرتبہ کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِلٰهِي هَبْ لِي كَمَالَ الِانْقِطَاعِ اِلَيْكَ [2]

اور قلب جب اخلاص کے اس مرتبہ تک پہنچ جائے اور ذات خدا کے علاوہ ہر شے سے یکسر منقطع ہو جائے اور اس کے وجود کی مملکت میں حق کے علاوہ کوئی چیز راہ نہ پا سکے تو شیطان کو جو راہ حق کے علاوہ دوسری راہ سے انسان تک آنے کی کوشش کرتا ہے اسے س راہ نہ ملے گی اور حق تعالیٰ اس کو اپنی پناہ میں لے لے گا اور وہ الوہیت کے مضبوط قلعہ میں داخل ہو جائیگا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

كَلِمَةُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حِصْنِي فَمَنْ دَخَلَ حِصْنِي اَمِنَ مِنْ عَذَابِي [3]

---

[1] جامع الاخبار (للشعیری)/ 94 / الفصل الثانی والخمسون فی اللسان

[2] اقبال الاعمال (ط۔القدیمۃ)/ ج2 / 687 /فصل فیما نذکرہ من [عن] الدعاء فی شعبان مروی عن ابن خالویہ..... ص:685

[3] التوحید، ص ۲۵، بحار الانوار، ج ۳، ص ۱۳، وج ۹۰، ص ۱۹۲

کلمہ لا الہ الا اللہ، میرا قلعہ ہے اور جو شخص میرے قلعہ میں آجائے وہ میرے عذاب سے امان میں ہے۔

قلعہ لا الہ الا اللہ، میں داخل ہونے کے مراتب ہیں، جس طرح عذاب سے امان کے مراتب ہیں۔ لہٰذا جو شخص باطن وظاہر اور قلب وقالب ہر اعتبار سے قلعہ حق میں داخل ہو جائے اور اس کی پناہ میں چلا جائے وہ عذاب کے ان تمام مراتبہ سے محفوظ ومامون ہو جائے گا جن میں سب سے بڑا عذاب جمال حق سے محجوبی اور وصال محبوب عزوجل کا فراق ہے۔ حضرت علی علیہ السلام دعائے کمیل میں فرماتے ہیں:

وَ هَبْنِي يَا اِلٰهِي وَ سَيِّدِي وَ رَبِّي صَبَرْتُ عَلَى عَذَابِكَ فَكَيْفَ اَصْبِرُ عَلَى فِرَاقِكَ.

ہمارا ہاتھ اس مرتبہ تک پہنچنے سے قاصر ہے جس کو یہ مقام ہاتھ آجائے وہی اللہ کا حقیقی بندہ ہے، وہ ربوبیت کی سرپرستی میں آجائے گا، حق تعالیٰ اس کی مملکت میں متصرف ہوگا اور وہ طاغوت کی ماتحتی سے نکل آئے گا۔ یہ مقام اولیاء کے باعزت ترین مقامات اور اصفیاء کے مخصوص ترین مدارج میں سے ہے۔ دوسرے لوگوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں، بلکہ شاید منکرین کے سخت دل اور مجادلین کے شدت پسند نفوس جو اس مرحلہ سے منزلوں دور ہیں، ان مقامات کا انکار کریں اور ان کے اطراف وجوانب کے متعلق گفتگو کو بھی باطل خیال کریں۔ بلکہ (العیاذ باللہ) ان امور کو جو اولیاء اللہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں اور کتاب وسنت ان سے مملو ہے، صوفیوں کی من گھڑت اور حشویہ کے فضولیات سے نسبت دیں اور ہم بھی ان مقامات کا ذکر جو اور اصل اولیائے کاملین کے مقامات ہیں، اس لئے نہیں کر رہے ہیں کہ ہم خود ان میں سے کوئی مقام رکھتے ہیں یا چشم طمع ادھر لگائے ہوئے ہیں۔ بلکہ اس لئے پیش کر رہے ہیں کہ ہم انکار مقامات کو بھی جائز نہیں سمجھتے اور ان کے مقامات کو قلوب کے تصفیہ اور اس کی تخلیص وتعمیر میں دخیل بھی سمجھتے ہیں، کیونکہ اصحاب ولایت ومحبت کا ذکر خیر محبت، مواصلت اور مناسب کا باعث ہوتا ہے اور یہ مناسبت جس کا ظاہر جہل کی تاریکیوں سے لوگوں کو نکالنا اور نور ہدایت وعلم تک پہنچانا اور اس کا باطن عالم آخرت میں ظہور شفاعت ہے، کیونکہ شفاعت کرنے والوں کی شفاعت، باطنی جذب وتناسب کے بغیر مقصود نہیں ہوتی اور بے وجہ اور باطل نہیں ہوگی۔

وبالجملہ، اگر اس کامل مرتبہ کی تخلیص اولیاء اصفیائے کاملین علیہم السلام کے علاوہ دوسروں کے لئے تصور میں نہیں آتی، بلکہ اس مرتبہ کا مقام کمال اصلی طور پر نبی ختمی مرتبت حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تبعاً ان کے کامل اور خالص اہل بیتؑ کے خالص نورانی قلب کے مختصات میں ہے، لیکن مومنین ومخلصین کو بھی اس کے تمام مراتب سے چشم پوشی نہ کرنا چاہئے اور صوری عملی اخلاص اور ظاہری فقہی خلوص پر قانع نہ رہنا چاہئے، کیونکہ منازل پر رک جانا ابلیس کے شاہکاروں میں سے

ایک ہے جو انسان اورانسانیت کے راستہ میں بیٹھا ہے اوراسے جس ہتھکنڈے سے ممکن ہونا ہے کمالات کی طرف بلند ہونے اور مدارج تک پہنچنے سے روکتا ہے۔ لہٰذا ہمت بلند کئے رہے اور ارادہ کوقوت دیتا رہے، بلکہ اس نورالٰہی اورفیض ربانی کوصورت سے باطن میں اورملک سے ملکوت میں نافذ کرے۔ اخلاص کے جس مرتبہ تک انسان پہنچتا ہے اسی کی نسبت سے حق کی پناہ میں پہنچ جاتا ہے اوراسی قدر استعاذہ کی حقیقت وجود میں آجاتی ہے اور شیطان ملعون کا دست تصرف انسان سے دور ہوتا جاتا ہے۔

تواگرتم نے انسانیت کی ملکی صورت کوخدا کے لئے خالص کردیا اورنفس کے ظاہری دنیاوی لشکروں کوجن سے مراد ملک بدن میں پھیلی ہوئی قوتیں ہیں،حق کی پناہ میں دے دیا اور ہفت اقلیم زمین،یعنی آنکھ، زبان،شکم،شرمگاہ، ہاتھ اور پیر کی گناہوں کی نجاستوں سے پاک کرلیا اورالٰہی لشکروں یعنی ملائکہ اللہ کے اختیار وتصرف میں دے دیا تو رفتہ رفتہ یہ اقالیم سبعہ حقنی ہوجائیں گے اورحق کے تصرف کی طرف پلٹ جائیں گے۔ یہاں تک کہ یہ خودبھی ملائکہ اللہ ہوجائیں یا ملائکہ کی طرح "لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ"[1] (جوکچھ خدا انہیں حکم دیتا ہے اس کے سلسلہ میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے اورجوحکم دیتا ہے اسے بجالاتے ہیں) بن جائیں گے اورپھر استعاذہ کا پہلا مرتبہ وجود میں آجائے گا اور شیطان اورشیطانی لشکرمملکت ظاہر کوچھوڑ کر چلے جائیں گے اورباطن کا رخ کریں گے اورنفس کی ملکوتی قوتوں پرحملہ آورہوں گے۔ اس طرح سالک کا کام اورزیادہ مشکل اوراس کا سلوک زیادہ باریک ہوجائے گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ قدم سیرقوی اوراسکی نگرانی اورزیادہ سخت ہواورنفسانی ہلاکت گاہوں یعنی خود پسندی، ریاکاری، کبرونخود و غیرہ سے خدائے تعالیٰ کی پناہ مانگے اوررفتہ رفتہ معنوی کدروتوں اورباطنی آلودگیوں سے نفس کا تصفیہ کرنے میں مشغول ہوجائے۔

اس مقام میں، بلکہ تمام مقامات میں توحید فعلی حق کی طرف اورقلب کو یہ نکتہ الٰہی اورمائدہ آسمانی یاددلانے کی طرف پوری توجہ سلوک کے مہمات اورعروج کے ارکان میں ہے۔قلب کوسماوات وارض، باطن وظاہراور ملک وملکوت پر مالکیت حق تعالیٰ کے ذائقہ سے آشنا کرنا چاہئے کہ قلب توحید الٰہیت اورتصرف میں کسی بھی شریک کی نفی کی ریاضت کر کے فطرت الٰہی میں ڈھل جائے اورتوحید کے زیراثر تربیت حاصل کرلے۔ اس صورت میں قلب حق کے سوانہ کہیں پناہ گاہ اورداد گاہ تلاش کرے گا نہ کسی کوفریادرس اورمددگار سمجھے گا

اور اطاعت کرتے اورحقیقت سمجھتے ہوئے حق اورمقام قدس الوہیت ہی سے استعاذہ کرے گا اورجب تک

---

[1] سورۂ تحریم، آیت ٦

دل کو دوسروں کے تصرف سے نکال نہ لے گا اور تمام موجودات سے چشم امید ہٹا نہ لے گا اس وقت تک حق کی حقیقی پناہ میں نہیں آ سکتا۔ اس کا دعوائے استعاذہ غلط ہوگا اور اہل معرفت کی نگاہ میں اس کا شمار زمرۂ منافقین میں ہوگا اور دھوکہ باز اور فریب کار سمجھا جائے گا۔

اس ہولناک وادی اور خطرناک گہرے سمندر میں کسی حکیم ربانی اور عارف نورانی سے جس کے علم کا رشتہ اولیائے کاملین سے متصل ہو، علمی طور پر توحیدات ثلاثہ (توحید ذات، توحید صفات، توحید افعال) کی تعلیم حاصل کرنا باطن قلب کے لئے اچھی اور مناسب اعانت ہے۔ لیکن استعاذہ کی شرط یہ ہے کہ آیت و علامت اور سیر وسلوک الی اللہ کی نظر سے اس میں اشتعال پیدا کرے۔ ورنہ خود ہی راستہ کا کانٹا اور حجاب چہرۂ جاناں بن جائے گا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کافی کی حدیث کے مطابق اس علم کو آیۂ محکمہ، کا لقب دیا ہے،[1]

وبالجملہ، جب قلب میں توحید فعلی حق کی بنیاد مستحکم ہوگئی اور آب علم کے ساتھ ایسے عمل لطیف کے ذریعہ آبیاری ہوگئی جو باب قلب پر دستک دے تو اس سے جو نتیجہ حاصل ہوگا وہ تذکر مقام الوہیت، ہوگا اور قلب رفتہ رفتہ تجلی فعلی حق کے لئے شفاف ہو جائے گا اور جب خانہ خیانت کار سے اور آشیانہ بیگانہ سے خالی ہو گیا تو صاحب خانہ اس پر متصرف ہو جائے گا اور ولایت حق کا ہاتھ ملکوت باطن وقلب سے لے کر ملک اور ظاہر بدن تک ملکی وملکوتی قوتوں کو اپنے زیر تصرف و حکم لے آئے گا اور شیاطین اس مرحلہ سے بھی نکل بھاگیں گے اور مملکت باطن اپنے اس استقلال کی طرف پلٹ جائے گی جو صرف حق کے لئے استظلال ہے اور یہ استعاذہ کے ربانی لطیف نکتہ کا دوسرا مرتبہ ہے۔ اس مقام کے بعد استعاذۂ روح، استعاذۂ سر اور استعاذہ کے اور دوسرے مراتب ہیں جو اوراق سے مناسبت نہیں رکھتے۔ اس قدر بھی بندہ کا قلم بے قابو ہو جانے یا مالک جل وعلا کے قلم کے اجراء سے قلمبند ہو گیا۔ (والیہ الفزع)

استعاذہ کے آداب وشرائط میں سے ایک ادب اور ایک شرط وہ ہے جس کی طرف اس آیۂ شریفہ میں اشارہ کیا گیا ہے جو اس فصل کے شروع میں مذکور ہوئی اور وہ ہے (ایمان) یہ ایمان علم کے علاوہ ہے، چاہے فلسفیانہ برہان سے حاصل ہوا ہو، کیونکہ:

---

[1] الکافی (ط-الاسلامیۃ)/ ج1 / 32 / باب صفۃ العلم وفضلہ وفضل العلماء..... ص: 32

پای استدلا لیاں چوبین بود [1]

ایمان قلب کا حصہ اور حق ہے جو شدید تذکر و تفکر اور حق کے ساتھ انس اور خلوت سے حاصل ہوتا ہے۔ شیطان حالانکہ بنص قرآن مبدا و معاد کا علم رکھتا ہے مگر کفار کے زمرہ میں شمار ہوا۔ اگر ایمان اسی علم برہانی کا نام ہے تو لوگ یہ علم رکھتے ہیں ان کو شیطان کے تصرف سے محفوظ ہونا چاہئے اور ہدایت قرآن کا نور ان میں تاباں ہونا چاہئے۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایمان برہانی سے یہ آثار نہیں پیدا ہوتے۔ لہٰذا اگر ہم شیطانی تصرف سے نکلنا چاہتے ہیں اور حق تعالیٰ کی پناہ میں آنے کے خواہشمند ہیں تو سخت قلبی ریاضت اور مستقل توجہ یا کثرت ریاضت و توجہ اور شدت مراودت و خلوت کے ذریعہ حقائق ایمانی لقلب تک پہنچائیں تا کہ قلب الٰہی ہو جائے اور جب قلب الٰہی ہو جائے گا تو تصرف شیطان سے خالی ہو جائے گا۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ کا ارشاد:

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ [2]

وہ انہیں (گمراہی کے) اندھیروں سے (ہدایت کی) روشنی کی طرف نکالتا ہے۔

لہٰذا مومنین جن کے ظاہر و باطن اور سر و علن اللہ متصرف و متولی ہے۔ تصرف شیطان سے خالص اور سلطنت رحمٰن میں داخل ہیں اور خدا انہیں تاریکیوں کے تمام مراتب سے نور مطلق کی طرف نکال لاتا ہے اور وہ معصیت و سرکشی کی تاریکی سے اخلاق رذیلہ کی تاریکی سے جہل و کفر و شرک اور خود بینی و خود خواہی و خود پسندی کی تاریکی سے نکال کر اطاعت و عبادت کے نور اخلاق فاضلہ کے نور، علم و کمال ایمان و توحید اور خدا بینی و خدا خواہی و خدا دوستی کے نور کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ استعاذہ کے آداب میں ایک ادب (توکل) ہے۔ یہ بھی ایمان کا ایک شعبہ اور ایمانی نکتہ کا ایک حقیقی نور ہے۔ اس کا مطلب ہے، اپنے امور کو خدا پر چھوڑ دینا، یہ توحید فعلی پر قلب کے ایمان سے حاصل ہوتا ہے۔ اس تفصیل اس رسالہ کے حدود سے خارج ہے۔

جب بندۂ سالک نے غیر حق تعالیٰ کو پناہ گاہ اور داد رس نہیں سمجھا اور جملہ امور میں ہر طرح کا تصرف ذات

---

[1] پای استدلا لیاں چوبین بود
پای چوبین سخت بی تمکین بود، (مولوی)
پاؤں اہل عقل کے لکڑی کے ہیں
کب تلک چل پائیں گے لکڑی کے پاؤں پر

[2] سورۂ بقرہ: ۲۵۷

مقدس حق کو جان لیا تو غیر حق سے انقطاع اور اللہ کی طرف پناہ اور اسی پر بھروسہ کی حالت قلب میں پیدا ہو جائے گی اور اس کا استعاذہ حقیقت پیدا کرلے گا اور جب حقیقی طور پر ربوبیت کے حصن حصین میں پناہ مانگے گا تو قہری طور پر پناہ ملے گی اسی کی رحمت کریمانہ اور وسیع فضل سے۔

انہ ذوفضل عظیم

تتمیم ونتیجہ

فصل سابق کے مطالب سے معلوم ہوگیا کہ حقیقت استعاذہ اس نفسانی حالت و کیفیت سے عبارت ہے جو توحید فعلی حق کے مقام کے بارے میں کامل برہانی علم اور اس مقام پر ایمان سے حاصل ہوتی ہے۔ جب عقل روشن کے طریقہ کے مطابق حکمت کے محکم برہان اور قرآن کے نصوص اور کتاب الٰہی کے اشارات و بدائع اور احادیث شریفہ سے حاصل کئے ہوئے شواہد نقلیہ سے سمجھ میں آ گیا کہ سلطنت تخلیقیہ اور تاثیر وتصرف میں استقلال، بلکہ اصل تاثیر وتصرف ذات الٰہی میں محدود ومنحصر ہے اور دیگر موجودات اس میں شریک نہیں ہیں۔ جبکہ اپنے محل پر یہ بات ثابت ہو چکی ہے تو اب دل کو اس سے آگاہ کرنا چاہئے اور عقل کے قلم سے صفحۂ قلب پر "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا مُؤَثِّرٌ فِي الْوُجُوْدِ اِلَّا اللّٰهُ" لکھ دینا چاہئے اور قلب جب اس ایمانی نکتہ اور برہانی حقیقت پر ایمان لے آئے تو اس میں انقطاع (ماسوائے اللہ سے اعراض اور اللہ کی طرف توجہ) اور التجاء (اللہ کی پناہ میں آنے کی جستجو) پیدا ہوگی اور جب شیطان کو راہ انسانیت کا لٹیرا اور اپنا طاقتور دشمن سمجھ لے تو ایک اضطراری حالت پیدا ہوگی۔

قلب کی یہی اضطراری حالت ''استعاذہ'' کی حقیقت ہے اور چونکہ زبان قلب کی ترجمان ہے اس قلبی حالت کا کمال اضطرار واحتیاج کے ساتھ اظہار کرے گا اور بطور حقیقت "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ" کہے گی اور اگر قلب میں ان حقائق کا کوئی نام ونشان نہ ہوا اور شیطان قلب اور ساری مملکت وجود پر متصرف ہوا تو استعاذہ بھی شیطانی تدبیر وتصرف کے مطابق ہوگا۔ لفظی طور پر تو "اِسْتِعَاذَةُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ" کہہ رہا ہوگا، لیکن درحقیقت چونکہ تصرف شیطانی ہے لہٰذا استعاذہ شیطان من للہ واقع ہوگا "اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ" اور خود استعاذہ ہی مراد ومقصود کے برعکس حقیقت کو وجود میں لائے گا اور شیطان استعاذہ کرنے والے کا مذاق اڑائے گا۔ اس مذاق کا نتیجہ اس وقت معلوم ہوگا جب حجاب ہٹیں گے اور مادیت کے پردے چاک ہوں گے۔ ایسے شخص کی مثال جو صرف زبانی استعاذہ کرتا ہے اس شخص کی ہے جو کسی سخت دشمن سے بچنے کے لئے مضبوط قلعہ میں پناہ لینا چاہتا ہو، لیکن قلعہ کی طرف دوڑنے کے بجائے دشمن ہی کی طرف بھاگ رہا ہو اور زبان سے کہتا جا رہا ہو کہ اس دشمن کے شر سے اس قلعہ میں پناہ لینے جا رہا ہوں! ایسا شخص نہ صرف دشمن کے شر میں گرفتار ہوگا، بلکہ دشمن کے مذاق کا موضوع بھی بنے گا۔ (یاھادی)

فصل سوم

ارکان استعاذہ چار ہیں

اول: مستعیذ، یعنی پناہ ڈھونڈنے والا۔
دوسرے: مستعاذ منہ، یعنی جس سے بچنے کے لئے پناہ ڈھونڈے۔
تیسرے: مستعاذ بہ، یعنی جس کی پناہ ڈھونڈے۔
چوتھے: مستعاذ لاجلہ، یعنی جس وجہ سے پناہ ڈھونڈے۔
ان ارکان کی بڑی تفصیل ہے جو ان اوراق میں بیان نہیں ہوسکتی۔ ہم اختصار پر اکتفاء کرتے ہیں۔

رکن اول (مستعیذ):

یعنی سلوک الی اللہ کی منزل اول سے فنائے ذاتی کی آخری انتہا تک انسانی حقیقت

واذا تمّ الفناء المطلق، هلك الشّيطان وتمّ الاستعاذة.

جب فنائے مطلق حاصل ہوگئی تو شیطان ہلاک ہوگیا اور استعاذہ وجود میں آ گیا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان جب تک بیت نفس اور دار مادیت میں رہ رہا ہے اور سفر روحانی اور سلوک الی اللہ میں مشغول نہیں ہوا اس وقت تک تمام شئون و مراتب کے ساتھ وہ شیطان کے زیر تسلط ہے۔ اس نے حقیقت استعاذہ کا لباس نہیں پہنا اور اس کی زبانی ادائیگی بے فائدہ، بلکہ اگر تفضّل وعنایت الٰہی نہ ہوتو اس سے سلطنت شیطانی

اورزیادہ محکم اور استوار ہوتی ہے اور جب سیر وسلوک الی اللہ کا لباس پہن لیا اور سفر روحانی شروع کر دیا تو جب تک سیر و سلوک میں ہے اور منزل فنائے مطلق تک نہیں پہنچا، اس وقت تک اس سفر کی رکاوٹ اور راستہ کا کانٹا شیطان ہی ہے۔ چاہے یہ شیطان خود اس کی کوئی روحانی شیطانی قوت ہو یا جن و انس میں سے کوئی ہو، کیونکہ جن و انس بھی اگر سفر کی رکاوٹ اور راستہ کا کانٹا بنتے ہیں تو شیطان ہی کی مدد اور اسی کے تصرف کی وجہ سے بنتے ہیں۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ نے سورۃ الناس میں اسی کی طرف یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے:

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

(شیطانی) وسوسہ کی برائی سے جو (خدا کے نام سے) پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کرتا ہے۔ جنات میں سے ہو خواہ آدمیوں میں سے۔

اور شیطان اگر جن ہو تو آیہ شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وسواس خناس جو شیطان ہے وہ جن ہے اور انسان بھی ایک اصلی طور پر اور دوسرا اس کے اتباع کی وجہ سے۔ اور اگر شیطان اس کے علاوہ کوئی اور حقیقت ہے جو جن سے ملتی جلتی ہے تو آیہ شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوع جن و انس بھی شیطان کی تمثیلیں اور اس کے مظاہر اور آئینے ہیں۔ دوسری آیت میں اسی معنی کی طرف اشارہ فرمایا ہے جہاں ارشاد ہے:

شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ۔ [1]

اس سورہ مبارکہ میں استعاذہ کے ارکان کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا اور جیسا کہ ظاہر ہے۔

وبالجملہ انسان سلوک و سیر الی اللہ شروع کرنے سے پہلے (مستعیذ) نہیں ہے اور جب سیر مکمل ہوگئی اور عبودیت کا کوئی اثر باقی نہ رہا یعنی فنائے ذاتی مطلق تک پہنچ گیا تو استعاذہ مستعاذ منہ اور مستعیذ کا کوئی نشان باقی نہ رہا۔ اب قلب عارف میں سوائے حق اور سلطنت الٰہیہ کے کوئی چیز نہیں۔ نہ اسے اپنی کچھ خبر ہے نہ اپنے قلب کی اور اَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ [2] بھی اس مقام پر نہیں ہے اور جب صحو (غفلت سے ہوش میں آنے)، انس اور اللہ کی طرف رجوع کی حالت ظاہر ہوگئی تو پھر استعاذہ کی ایک اور حقیقت وہ گی، لیکن ویسی نہیں جیسی سالک کے استعاذہ کی ہوتی ہے اور اسی لئے حضرت رسول ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی استعاذہ کا حکم ہوا ہے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے:

---

[1] سورۂ انعام، آیت ۱۱۲

[2] الکافی (ط-الاسلامیۃ)/ ج3 / 469 / باب صلاۃ فاطمۃ ع وغیرہا من صلاۃ الترغیب..... ص:468

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ [1]

(اے رسولؐ) تم کہہ دو کہ میں صبح کے مالک کی۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ [2]

(اے رسولؐ) تم کہو کہ میں پناہ مانگتا ہوں لوگوں کے پروردگار کی۔

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝ [3]

اور (وہ بھی) دُعا کرو کہ اے میرے پالنے والے میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔اور اے میرے پروردگار اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ شیاطین میرے پاس آئیں۔

اس طرح انسان دو مقام میں مستعیذ نہیں ہے۔ایک سلوک سے پہلے جو حجاب ہی حجاب ہے اور اس پر شیطان کا تصرف وتسلط قائم ہے۔اور دوسرا سلوک کے تمام ہونے کے بعد جہاں فنائے مطلق حاصل ہوتی ہے اور وہاں پہنچ کر انسان مستعیذ، مستعاذ منہ، مستعاذ لہ اور استعاذہ سب سے بے خبر ہو جاتا ہے اور دوسرے مقام میں مستعیذ ہے۔ایک سلوک الی اللہ کے حال میں جہاں راہ وصول کے ان کانٹوں سے استعاذہ کرتا ہے جو انسانیت کے صراط مستقیم پر بیٹھے ہوئے ہیں۔جیسا کہ خداوند عالم شیطان کے قول کی حکایت کرتا ہے:

فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ. [4]

اور دوسرے فنائے مطلق سے خودی میں آنے اور اس سے واپسی کے حال میں جہاں حجابات تلوینیہ اور دوسرے حجابات سے استعاذہ کرتا ہے۔

دوسرا رکن؛ مستعاذ منہ:

دوسرے رکن میں ہے اور وہ ابلیس لعین اور شیطان رجیم ہے جو طرح طرح کے جال پھیلا کر انسان کو

---

[1] سورۃ الفلق:۱

[2] سورۃ الناس:۱

[3] سورہ مومنون، آیات ۹۷، ۹۸

[4] سورۂ اعراف:۱۶

پھانستا ہے اور مقصد تک پہنچنے اور مقصود کو حاصل کرنے سے روکتا ہے۔ اور بعض اکابر اہل معرفت نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ حقیقت شیطان (جمیع عالم بہ جنبہ سوائیہ (استثناء کے رخ کے ساتھ) ہے۔ یہ تعریف راقم الحروف کے نزدیک مکمل نہیں ہے، کیوں جنبہ سوائی ایک موہوم اور حقیقت سے عاری اور تحقق و واقعیت سے خالی تصور ہے۔ ابلیس کا ایک جال ہے جو انسان کو اسی میں مشغول رکھتا ہے اور شاید اسی مفہوم کی طرف خدا تعالیٰ کے اس ارشاد میں اشارہ ہے:

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ﴿۱﴾ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ؕ﴿۲﴾ [1]

تمہیں زیادہ مال کی طلب نے غافل کر دیا ہے، قبرستان پہنچنے کے وقت تک۔

ورنہ خود ابلیس ایک حقیقت کا نام ہے جو تجرد مثالی رکھتی ہے، اس کی مثال نہیں دی جاسکتی ہے، اور ابلیسیت کی حقیقت کلیہ جو رئیس الابلیس یعنی ابلیسوں کا ابلیس، ہے وہم ابلیس الکل ہے جس طرح عقل مجرد کی حقیقت کلیہ جو آدم اول ہے، عقل الکل ہے۔ جزئی اور ملکی واہمے اسی ''وھم الکل'' کے شئون و مظاہر اور افراد ہیں جیسے جزئی عقلیں عقل کلی کے شئون و مظاہر اور افراد ہیں۔ اس مقام کی تفصیل و تحقق اس رسالہ کے حوصلہ سے باہر ہے۔

وبالجملہ، جو کچھ اس سلوک الٰہی اور سیر الی اللہ میں سیر سے مانع ہے وہ شیطان یا اس کے مظاہر ہیں کہ ان کے اعمال بھی اعمال شیطانی ہیں اور عوالم غیب و شہود، نفس میں پیدا ہونے والے عوارض اور اس کے مختلف حالات میں سے جو بھی کچھ روئے جاناں کے لئے حجاب بنتا ہے، چاہے عوالم ملکیہ دنیاویہ سے ہوں جیسے فقر، غنا، صحت، مرض، قدرت، عجز، علم، جہل اور آفات و عیوب وغیرہ یا عوالم غیبیہ مجردیہ ومثالیہ سے ہوں جیسے بہشت، جہنم، ان کے بارے میں علم، یہاں تک کہ علوم عقلیہ جو برہان سے حاصل ہوتے ہیں اور جو توحید و تقدس حق کی طرف پلٹتے ہیں، وہ سب کے سب ابلیسی جال ہیں جو انسان کو حق اور حق کے ساتھ انس و خلوت سے روکتے ہیں اور انہیں عوالم دنیا اور عوالم غیبیہ میں سرگرم کر دیتے ہیں، یہاں تک کہ مقامات معنوی میں سرگرمی اور مدارج روحانی میں ٹھہرا رہنا جو بظاہر صراط انسانیت میں ٹھہرنا اور درحقیقت صراط حق میں آگے بڑھنے کے بجائے، ٹھہرا رہنا ہے جو فراق و بعد کے جہنم پر قائم ایک روحانی پل ہے اور جنت لقاء پر جاکے منتہی ہوتا ہے اور یہ پل اہل معرفت اور اصحاب قلوب کے ایک مختصر گروہ کے لئے مخصوص ہے۔ ابلیس الابالیسہ کے بڑے جالوں میں سے ایک جال ہے جس سے ذات مقدس حق کی پناہ لینا چاہئے۔

اور بالجملہ جو کچھ تمہیں راہ حق پر ملنے سے روکے اور جمال جمیل محبوب سے محجوب کرے وہی تمہارا شیطان ہے، چاہے وہ انسان کی شکل میں ہو یا جن ہو اور جو چیزیں اس وسیلہ سے تمہیں مقصد اور مقصود تک پہنچنے سے روکیں وہ

---

[1] سورۂ تکاثر، آیت ۱، ۲

شیطانی جال ہیں چاہے اصل مقامات و مدارج ہوں یا علوم وکمالات یا صنعتیں اورحرفتیں یا عیش و راحت یا رنج و ذلت یا ان کے علاوہ کچھ اور۔ یہی وہ دنیا ہے جس کی مذمت کی گئی ہے۔ دوسرے لفظوں میں غیر حق سے دل کا علاقہ اس کی دنیا ہے اور یہ قابل مذمت ہے اور شیطان کا جال ہے اوراس سے استعاذہ کرنا چاہئے اوروہ جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ فرماتے ہیں:

اَعُوذُ بِنُورِ وَجْهِ اللّٰهِ وَ كَلِمَاتِهِ التَّامَّاتِ الَّتِي لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَ لَا فَاجِرٌ مِنْ شَرِّ مَا ذَرَاَ فِي الْاَرْضِ وَ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَ مِنْ شَرِّ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَ مَا يَعْرُجُ فِيهَا وَ مِنْ شَرِّ فِتَنِ اللَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ مِنْ شَرِّ طَوَارِقِ اللَّيْلِ وَ النَّهَارِ اِلَّا طَارِقاً يَطْرُقُ بِخَيْرٍ. [1]

اس سے شاید یہی معنی مراد ہیں۔

واللہ اور کلمات اللہ سے استعاذہ بحر جمال وجلال میں مستغرق ہونا ہے اور جو بھی کچھ انسان کو اس سے روکے وہ شر ہے اوراس کا رابطہ عالم شیطان اوراس کی فریب کاریوں سے ہے اوراس سے وجہ اللہ کی پناہ مانگنا چاہئے۔ چاہئے وہ آسمانی حقائق کاملہ میں سے ہو یا زمینی حقائق ناقصہ میں سے۔مگر یہ کہ طارق خیر نیکی کے ساتھ رات میں وارد ہونے والا ہو، کیونکہ وطارق الٰہی ہے جو خیر مطلق یعنی حق تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہے۔

استعاذہ کا تیسرا رکن مستعاذ بہ:

معلوم رہے کہ چونکہ استعاذہ کی حقیقت سالک الی اللہ میں متحقق اورسیر وسلوک الی اللہ میں حاصل ہوتی ہے، یعنی استعاذہ مراتب سلوک میں سالک کے ساتھ مختص ہے۔لہٰذا ارباب سیر کے مراتب و مقامات اوراہل سلوک کے مدارج ومنازل کے مطابق حقیقت (استعاذہ، ومستعیذ، مستعاذ منہ، مستعاذ بہ، فرق ہو جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ سورۂ ناس میں اسی فرق کی طرف اشارہ ہو جس میں ارشاد ہے:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿۱﴾ مَلِكِ النَّاسِ ﴿۲﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ﴿۳﴾

(اے رسولؐ) تم کہو کہ میں پناہ مانگتا ہوں لوگوں کے پروردگار۔

---

[1] بحار الانوار، ج۹۱، ص ۲۱۵

مبادی سلوک سے لے کر مقام قلب تک سالک مقام ربوبیت کی پناہ چاہتا ہے اور ممکن ہے کہ یہاں ربوبیت سے ربوبیت فعلی مراد ہو جو (اعوذ بکلمات اللہ التامات) کے مطابق ہو جائے اور جب سالک کی سیر مقام قلب تک پہنچ جاتی ہے تو قلب میں مقام سلطنت الٰہیہ کا ظہور ہوتا ہے اور اس مقام پر ابلیس کے قلبی تصرفات اور اس کی ظالمانہ باطنی سلطنت کے شر سے مقام ملک الناس کی پناہ مانگتا ہے۔ جیسا کہ مقام اول میں اس کے صدری تصرفات کے شر سے پناہ مانگتا ہے اور شاید یہ جو فرمایا ہے:

الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝

جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کرتا ہے۔

حالانکہ وسوسہ قلوب وارواح میں بھی پیدا ہو تو خناس ہے، شاید اس لئے ہو کہ مقام تعریف میں مناسب یہ ہوتا ہے کہ شان عمومی کے ساتھ اور ایسی صفت کے ساتھ تعریف کی جائے جو سب پر ظاہر ہو اور جب سالک مقام قلب سے آگے بڑھ کے مقام روح تک پہنچ گیا جو ایک نفحہ الٰہیہ ہے اور اس کا اتصال حق تعالیٰ سے شعاع آفتاب کے آفتاب کے ساتھ اتصال سے بھی زیادہ ہے اور اس مقام میں حیرت، وقار، جذبہ، عشق اور شوق کے مبادیات شروع ہوتے ہیں اور اسی مقام الہ الناس کی پناہ مانگتا ہے اور جب اس مقام سے بھی بلند ہو جاتا ہے اور وہ ذات نصب العین ہو جاتی ہے۔ جس کی شان کا عکس کوئی آئینہ نہیں اٹھا سکتا۔ دوسرے لفظوں میں مقام حقیقت تک پہنچ جاتا ہے تو اَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ [1] کی حقیقت اس کے مناسب ہے۔ ان مقامات میں ایک تفصیل ہے جو اس مقالہ سے مناسبت نہیں رکھتی اس لئے اسے ترک کیا جاتا ہے۔

اور معلوم رہے کہ اسم (اللہ) کے ذریعہ استعاذہ اپنی جامعیت کے لحاظ سے تمام مقامات سے مناسبت رکھتا ہے اور یہی اصل میں استعاذہ مطلقہ ہے جبکہ دوسرے استعاذے مقید ہیں۔

استعاذہ کا چوتھا رکن مستعاذہ لہ:

یعنی استعاذہ کی غرض و غایت معلوم رہے کہ انسان مستعیذ کے لئے جو کچھ بالذات مطلوب ہے وہ دراصل کمال وسعادت اور خیر ہے اور یہ مراتب ومقامات اہل سلوک کے لحاظ سے بہت تفاوت رکھتا ہے۔ چنانچہ سالک جب تک بیت نفس اور حجاب مادیت میں ہے اس وقت تک اس کی سیر کی غرض و غایت نفسانی کمالات اور مادی ادنیٰ سعادتوں

---

[1] الکافی (ط-الاسلامیۃ)/ ج 3/469/باب صلاۃ فاطمۃ ع وغیرھا من صلاۃ الترغیب..... ص: 468

کا حصول ہے اور یہ سلوک کے مبادیات میں سے ہے اور جب بیت نفس سے باہر آجاتا ہے اور مقامات روحانیہ وکمالات تجردی (غیر مادی) سے ذوق پیدا کر لیتا ہے تو اس کا مقصد زیادہ بلند اور اس کا مقصود زیادہ کامل ہو جاتا ہے اور مقامات نفسانیہ کو ٹھوکر لگاتا ہے اور اس کا قبلہ مقصود کمالات قلبیہ اور سعادات باطنیہ کا حصول ہو جاتا ہے اور جب اس منزل سے بھی آگے بڑھ گیا اور سیر روحی کی منزل تک پہنچ گیا تو اس باطن میں تجلیات الٰہیہ کے مبادیات ظاہر ہوتے ہیں اور اس کے باطن کی زبان پہلی مرتبہ: (وجھت وجھی لوجہ اللہ) اور اس کے بعد (وجھت وجھی لاسماء اللہ، او، للہ) اور اس کے بعد (وجھت وجھی لہ) ہو جاتی ہے اور شاید ''وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ''[1] فاطریت سے مناسبت کی وجہ سے مقام اول سے متعلق ہو۔

بالجملہ سالک کی حقیقی غرض و غایت ہر مقام میں بالذات حصول کمال و سعادت ہے اور چونکہ سعادت و کمال کے ساتھ ہر مقام ایک شیطان اور اس کے جالوں میں سے کوئی نہ کوئی جال حصول کمال و سعادت سے روکنے کے لئے موجود ہے اس لئے سالک کا اللہ کی پناہ مانگنا ناگزیر ہے اس شیطان اور اس کی طرح طرح کے شر اور جالوں سے تاکہ مقصود اصلی اور منظور ذاتی حاصل ہو۔ پس درحقیقت سالک کے لئے استعاذہ کی غرض و غایت اسی متوقع کمال اور اسی مطلوبہ سعادت کا حاصل کرنا ہے اور تمام غایتوں کی غایت اور آرزوؤں کا منتہی حق تعالیٰ جلت عظمتہ، کی ذات ہے۔ اس مقام میں یا اس کے بعد حق تعالیٰ کے علاوہ ہر شے محو ہو جاتی ہے اور بالتبع اور خودی و ہوش میں شیطان سے استعاذہ وجود میں آتا ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا

---

[1] سورۂ انعام: ۷۹

فصل چہارم

تسمیہ کے کچھ آداب

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ بْنِ اِسْحَاقَ الطَّالَقَانِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ اَخْبَرَنَا اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سَعِيدٍ مَوْلَى بَنِي هَاشِمٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ فَضَّالٍ عَنْ اَبِيهِ قَالَ: سَاَلْتُ الرِّضَا عَلِيَّ بْنَ مُوسَى عليه السلام عَنْ بِسْمِ اللَّهِ قَالَ مَعْنَى قَوْلِ الْقَائِلِ بِسْمِ اللَّهِ اَيْ اَسِمُ عَلَى نَفْسِي سِمَةً مِنْ سِمَاتِ اللَّهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ هِيَ الْعِبَادَةُ قَالَ فَقُلْتُ لَهُ مَا السِّمَةُ فَقَالَ الْعَلَامَةُ.[1]

حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ جب آپؑ سے بسم اللہ کی تفسیر دریافت کی گئی تو آپؑ نے فرمایا: کہنے والے کے ''بسم اللہ'' کہنے سے یہ مراد ہے کہ میں اپنے اوپر اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی لگا رہا ہوں اور وہ نشانی عبادت ہے۔

روای کہتا ہے کہ میں نے پوچھا: سمہ کیا ہے؟

فرمایا: نشان ہے۔

معلوم رہے کہ "جلعك الله ويانا من المتسمين بسمات الله" خدا تمہیں اور ہمیں اللہ کی علامتوں سے اپنی پہچان بنانے والوں میں قرار دے کہ سالک کے لئے منزل ''تسمیہ'' میں داخل ہونا آسان نہیں ہے جب تک کہ

---

[1] التوحید، ص ۲۲۹، باب ۳۱، حدیث ۱، معانی الاخبار، ۳

منزل استعاذہ میں داخل نہ ہوجائے اوراس منزل کے حقوق ادا نہ کر دے جب تک انسان شیطان کے تصرف میں ہے اور اس کے زیر سلطنت جبر وقہر سے دوچار ہے اس وقت تک شیطانی علامتیں اس کی پہچان ہیں اور اگر شیطان نے اس کے ظاہر و باطن پر مکمل طور سے غلبہ کرلیا تو انسان خود شیطان کی آیت وعلامت بن جائے گا اور اس عالم میں اگر تسمیہ کہے گا تو شیطانی ارادہ وقوت اور زبان سے کہے گا اوراس استعاذہ اور تسمیہ سے شیطانی سلطنت کے مزید استحکام کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا اور اگر توفیق الٰہی شامل حال ہوگئی اور خواب غفلت سے بیدار ہوگیا اور بیداری کی حالت میں سیر وسلوک کے لازم ہونے کو فطرت الٰہیہ کے نور اور تعلیمات قرآنیہ اور ہادیان دین کی سیرت وسنت کی روشنی میں توحید تک پہنچنے کا راستہ سمجھ لیا اور موانع سیر کو قلب نے دریافت کرلیا تو رفتہ رفتہ حال استعاذہ حاصل ہوجائے گا اوراس کے بعد توفیق ربانی سے منزل استعاذہ میں وارد ہوجائے گا اور جب شیطانی آلودگیوں سے پاک ہوگیا تو باطن وظاہر کی پاکیزگی کے مطابق اس سے انوار الٰہیہ، بہ حسب تناسب، آئینہ سالک میں جلوہ گر ہوں گے اور اول امر میں ان انوار میں ظلمت کا شائبہ ہوگا، بلکہ ظلمت ہی غالب ہوگی۔

خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ [1]

انہوں نے نیک اور بدعمل خلط ملط کر دیے ہیں۔

اورآہستہ آہستہ جتنا جتنا سلوک قوی ہوتا جائے گا نور بڑھتا جائے گا اور ظلمت پر غالب آتا جائے گا اور سمات ربوبیت (آیات الٰہی) سالک میں پیدا ہوجائیں گی اور پھر اس کا تسمیہ ایک حد تک حقیقت پیدا کر لے گا اور رفتہ رفتہ شیطانی علامتیں جو ظاہر میں مدینہ فاضلہ کے نظام کی مخالفت، باطن میں خود پسندی واستکباری اور ایسے ہی صفات رذیلہ ہیں اور باطن باطن میں خود بینی وخودخواہی اور ایسے ہی اخلاق ذمیمہ ہیں، سالک کی مملکت ظاہر و باطن سے نکل بھاگیں گے اوران کی جگہ سمات اللہ، جو ظاہر میں مدینہ فاضلہ کے نظام کی حفاظت باطن میں عبودیت و ذلت نفس اور باطن باطن میں خداخواہی و خدابینی ہیں، جاگزیں ہوجائیں گے اور جب مملکت، ملک الٰہی ہوگئی اور شیاطین جن وانس سے خالی ہوگئی اوراس میں سمات الٰہیہ پیدا ہوگئیں تو خود سالک ہی کے لئے مقام اسمیت متحقق ہوجائے گا۔

پس ابتدا میں سالک کے تسمیہ کے معنی ''سمات وعلامات الٰہیہ سے متصف ہونا'' ہیں۔ اس کے بعد یہ مرتبہ ترقی کرتا ہے اور خود سالک مقام اسمیت پر پہنچ جاتا ہے۔ یہ قرب نافلہ کے اوائل ہیں اور جب قرب نافلہ میں متحقق ہوگیا تو تمام اسمیت کو پا گیا۔ اب اس کے بعد عبد اور عبودیت میں سے کچھ باقی نہ رہا اور اگر کوئی اس مقام تک پہنچ جائے تو

---

[1] نیک عمل کو برے عمل میں ملا دیا، (سورہ توبہ، آیت ۱۰۲)

اس کی ساری نماز لسان اللہ کے ذریعے ادا ہوگی اور یہ شخص کچھ کچھ اولیاء میں شامل ہو جائے گا۔

درمیانی مرتبہ کے لوگوں اور ہم جیسے ناقص لوگوں کے لئے ادب یہ ہے کہ عبودیت کا نشان (تسمیہ) کے وقت اپنے دل پر لگائیں۔۔۔۔اور قلب کو سمات اللہ اور آیات و علامات الٰہیہ سے باخبر کریں اور محض زبان کی ادائیگی کو کافی نہ سمجھیں۔ممکن ہے کہ تھوڑی بہت عنایات ازلیہ ہمارے شامل ہوں اور تلافی مافات ہو جائے اور اسماء سیکھنے کی راہ ہمارے قلب پر کھل جائے اور مقصود کو پالینے کا راستہ مل جائے۔

ہوسکتا ہے کہ اس حدیث شریف میں (سمۃ من سمات اللہ) اللہ کے نشانوں میں سے کوئی نشان) سے مراد رحمت (رحمانیہ) اور رحمت (رحیمیہ) کی علامت ہو اور چونکہ یہ دونوں نام اسمائے محیط میں سے ہیں کہ یہ تمام دار تحقق و وجود انہیں دونوں ناموں کے زیر سایہ اپنے اصل و وجود و کمال کو پہنچا ہے اور پہنچتا ہے اور رحمت رحمانیہ و رحیمیہ تمام دار وجود کو شامل ہے۔ یہاں تک رحمت رحیمیہ بھی جس کے جلوؤں میں یادیان طریق توحید کی تمام ہدایت شامل ہے۔سب کو شامل ہے،مگر یہ کہ فطرت مستقیم خارج لوگ اپنے غلط اختیار و انتخاب کی وجہ سے اس سے محروم ہیں۔ یہ بات نہیں کہ یہ رحمت ان کے شامل حال ہی نہ ہو یہاں تک کہ عالم آخرت میں بھی جو عمل کی اچھی بری فصل کاٹنے کا دن ہے، جنہوں نے برے عمل کی کاشت کی وہ خود ہی قاصر و خطا وار ہیں کہ رحمت رحیمیہ سے استفادہ نہیں کیا۔

بالجملہ، جو سالک چاہتا ہے کہ اس کا تسمیہ حقیقت پیدا کرے اس کو چاہئے کہ اللہ کی رحمتوں کو اپنے قلب تک پہنچائے اور رحمت رحمانیہ و رحیمیہ کے ساتھ متحقق ہو جائے۔قلب میں اس کو کوئی نمود حاصل ہو جانے کی علامت یہ ہے کہ بندگان خدا پر لطف و عنایت سے نظر کرے اور سب کے لئے خیر و صلاح کا خواہشمند ہو۔ یہ نظر انبیائے کرام اور اولیائے کاملین علیہم السلام کی ہوتی ہے۔منتہیٰ یہ کہ ان کی دو نظریں ہوتی ہیں۔ایک سماج اور خاندان اور مدینہ فاضلہ کی سعادت پر نظر، اور دوسری فرد کی سعادت پر نظر۔ان دونوں سعادتوں سے انہیں کامل طور پر تعلق خاطر ہوتا ہے جو قوانین الٰہیہ ان کے ہاتھوں بنتے، نافذ ہوتے اور جاری ہوتے ہیں،ان میں ان دونوں سعادتوں کی پوری مراعات محفوظ رکھتے ہیں یہاں تک کہ قصاص اور حدود و تعزیرات وغیرہ کے اجراء میں بھی نظر آتا ہے کہ نظام مدینہ فاضلہ کے لحاظ سے قوانین بنائے گئے ہیں۔دونوں سعادتیں پیش نظر ہیں، کیونکہ یہ امور روح کی تربیت اور اسے سعادت تک پہنچانے میں پوری طرح دخیل ہیں یہاں تک کہ جو لوگ ایمان و سعادت کی روشنی ہی نہیں رکھتے اور جہاد میں یا اسی قسم کے کسی اور سبب سے قتل کئے جاتے ہیں، جیسے بنی قریظہ کے یہودی، خود ان کے لئے بھی یہ قتل صلاح و اصلاح کا سبب ہوتا ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ نبی ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کاملہ سے ان کا قتل واقع ہوا۔کیونکہ اس دنیا میں رہ کر اپنے لئے روزانہ طرح طرح کے عذاب جمع کئے جاتے تھے کہ یہاں تک کہ ساری زندگی وہاں کے ایک دن کے عذابوں اور سختیوں کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ یہ

بات ان لوگوں کے لئے جو آخرت کے عذاب وعقاب اور وہاں کے اسباب ومسببات کو جانتے ہیں، اچھی طرح واضح ہے۔ لہٰذا وہ تلوار جو بنی قریظہ کے یہودیوں اور ان جیسوں کی گردن پر چلی وہ افق غیظ وغضب کی بہ نسبت افق رحمت سے زیادہ نزدیک تھی اور ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا باب بھی رحمت رحیمیہ ہی کا ایک رخ ہے۔ لہٰذا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ اپنے قلب کو تھوڑی رحمت رحیمیہ کا ذائقہ چکھائے اور امر ونہی میں اس کی نظر خود نمائی، خود فروشی اور اپنے امر ونہی کو لوگوں پر تھوپنا نہ ہو۔ کیونکہ اگر اس طرح چلے گا تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مقصد یعنی بندوں کے لئے سعادت کا حصول اور احکام الٰہی کا ملک میں اجراء نہ ہو سکے گا۔ بلکہ کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اس طرح کے امر بالمعروف سے جاہل انسان پر الٹا اثر ہو اور ایک جاہلانہ امر ونہی کی وجہ سے اس قدر سرکش ومنحرف ہو جائے جو خواہش نفسانی اور تصرف شیطانی کے زیر اثر واقع ہوئی ہو۔ لیکن اگر رحمت وشفقت کے احساس اور حق نوع بشری واخوت انسانی کو جاہلوں کی ہدایت اور غافلوں کو بیدار کرنے کے لئے کام میں لایا جائے تو بیان وارشاد کی کیفیت جو ایک قلب رحیمانہ کی پھوار ہے، ایسی ہو جائے گی کہ قہری طور پر قبولیت کی صلاحیت رکھنے والوں پر اس کا مثبت اثر ہوگا اور سخت دلوں کا استکبار وغرور بھی اس سے دب جائے گا۔ افسوس یہ ہے کہ قرآن سے کچھ نہیں سیکھتے اور اللہ کی اس کتاب کریم پر تدبر وتحصیل کی نظر نہیں ڈالتے اور ہمارا استفادہ اس ذکر حکیم سے نہ ہونے کے برابر ہے۔ اب دیکھئے کہ آیہ شریفہ: اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۳﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾ [1] میں تفکر انسان کے دل پر معرفت کی راہیں اور امید ورجاء کے دروازے کس طرح کھول دیتا ہے۔

فرعون، جس کی سرکشی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى [2] کہنے لگا اور اس کا تکبر اور فساد اس قدر بڑھ گیا تھا کہ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ [3] اس کے بارے میں نازل ہوا ہے اور محض ایک خواب دیکھنے کی وجہ سے اور کاہنوں اور جادوگروں کے خبر دینے کی وجہ سے کہ موسیٰ بن عمران پیدا ہونے والے ہیں۔ عورتوں کو مردوں سے الگ کر دیا اور بے گناہ بچوں کو ذبح کر دیا اور تمام فساد پھیلایا۔ خداوند رحمٰن نے اپنی رحمت رحیمیہ سے ساری زمین پر نظر ڈالی اور نوع بشر میں سب سے زیادہ خاکسار اور سب سے زیادہ باکمال یعنی حضرت موسیٰ بن عمران علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ

---

[1] فرعون کی طرف جاؤ، کیونکہ اس نے سرکشی کی ہے اور اس سے نرمی سے بات کرنا شاید تذکر حاصل کرے یا ڈرے۔ (سورۂ طٰہٰ، آیات، ۴۳، ۴۴)

[2] میں تمہارا بڑا پروردگار ہوں، (سورہ نازعات، آیت ۲۴)

[3] ان کے لڑکوں کو قتل کر دیتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا، (سورۂ قصص، آیت ۴)

السلام جیسے نبی عظیم الشان اور رسول عالی مقام و صاحب کرامت کا انتخاب کیا اور اپنے دست تربیت پر انہیں تعلیم و تربیت دی۔ چنانچہ فرماتا ہے:

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ [1]

ان کی پیٹھ کو ان کے ہارون علیہ السلام جیسے عالی مرتبت بھائی سے مضبوط کیا اور ان دونوں بزرگواروں کو جو عالم انسانیت کے گل سرسید تھے، خدائے تعالیٰ نے منتخب کیا۔ چنانچہ فرماتا ہے:

وَاَنَا اخْتَرْتُكَ [2]

اور فرماتا ہے:

وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِىْ. [3]

اور فرماتا ہے:

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِىْ ﴿۴۱﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِىْ وَلَا تَنِيَا فِىْ ذِكْرِىْ ﴿۴۲﴾ [4]

ان کے علاوہ اور دوسری آیتیں ہیں جو حوصلہ بیان سے باہر ہیں اور قلب عارف کو ان سے کیا کچھ نصیب ہوتا ہے، بتایا نہیں جاسکتا۔ خاص طور پر سے ان دو عظیم لفظوں سے ''وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِىْ'' اور ''وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِىْ''۔ آپ بھی اگر دل کی آنکھیں کھولیں تو ایک ایسا لطیف روحانی نغمہ سنائی دے گا جس سے آپ کے گوش ہائے دل اور سراسر وجود سر توحید سے معمور ہو جائیں گے۔

بالجملہ تمام عزت افزائیوں کے ساتھ خدائے تعالیٰ نے یہ اہتمام کیا اور اپنے کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو روحانی ورزشوں میں مشغول کر دیا۔ چنانچہ فرماتا ہے:

---

[1] جب جوانی کے سن کو پہنچے اور طاقتور ہو گئے تو ہم نے ان کو حکم اور علم عطا کیا اور ہم نیکوکاروں کو یوں ہی جزا دیتے ہیں، (سورۂ قصص، آیت ۱۴)

[2] میں نے تمہیں منتخب کیا، (سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۳)

[3] اور تاکہ میری نظروں کے سامنے تمہاری تربیت ہو، (سورہ طٰہٰ: ۳۹)

[4] میں نے تم کو اپنے لئے بنایا۔ تم اور تمہارے بھائی میری نشانیوں کے ساتھ جاؤ اور مجھے یاد کرنے میں سستی نہ کرو، (سورۂ طٰہٰ، آیت ۴۱، ۴۲)

وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا.[1]

اور برسوں کے لئے بوڑھے حضرت شعیبؑ مرعی راہ ہدایات، شائستہ عالم انسانیت کی خدمت میں ان کو بھیجا۔ چنانچہ فرماتا ہے:

فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰي قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۝[2]

اس کے بعد ان کو آزمانے اور بالاتری کا ہنر سیکھنے کے لئے شام کی راہ کے بیابان میں بھیج دیا۔ وہ راستہ بھول گئے اور بارش بھی آ گئی۔ تاریکی نے ان کو گھیر لیا اور انکی بیوی کو دریوزہ عارض ہوا اور جب مادیت کے تمام دروازے ان پر بند ہو گئے اور ان کا قلب شریف کثرات سے تنگ آ گیا اور سف جبلت اور شفاف فطرت سے وہ سب سے قطع تعلق کر کے حق تعالیٰ کے ہو رہے اور الٰہی روحانی سفر اس تاریک اور بے کراں بیابان میں تمام ہوا۔

اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝[3]

تو (اندھیری رات جاڑوں کے دن راہ بھول گئے اور بیوی صفورا کو دردِزہ شروع ہوا اتنے میں) کوہ طور کی طرف سے آگ دکھائی دی تو اپنے لڑکے بالوں سے کہا تم لوگ ٹھہرو میں نے یقیناً آگ دیکھی ہے (میں وہاں جاتا ہوں) کیا عجب ہے میں وہاں سے (رستہ کی) کچھ خبر لاؤں یا آگ کی کوئی چنگاری (لیتا آؤں) تاکہ تم لوگ تاپو۔ غرض جب موسیٰؑ آگ کے پاس آئے تو میدان کے داہنے کنارے سے اس مبارک جگہ میں ایک درخت سے اُنہیں آواز آئی کہ اے موسیٰؑ اس میں شک نہیں کہ میں ہی اللہ سارے جہان کا پالنے والا ہوں۔

ان تمام امتحانات اور روحانی تربیت کے بعد کس کام کے لئے اللہ نے انہیں تیار کیا؟ دعوت و ہدایت و ارشاد اور ایک سرکش و منحرف کو نجات دلانے کے لئے جو ''اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى'' کا نقارہ بجا لا رہا تھا اور وہ سب فساد زمین میں پھیلا رہا تھا۔ ممکن تھا کہ خدا اسے اپنے غضب کی بجلی گرا کر خاکستر کر دیتا، لیکن رحمت رحیمیہ نے اس کے لئے دو عظیم پیغمبر بھیجے

---

[1] ہم نے تمہاری سخت آزمائش کی، (سورہ طٰہٰ: ۴۰)

[2] برسوں تم مدائن والوں کے درمیان رہے پھر معین مدت کے بعد واپس آئے اے موسیٰؑ، (سورہ طٰہٰ، آیت ۴۰، ۴۱)

[3] سورۂ قصص، آیت ۲۹، ۳۰

اوراس حالت میں ان دونوں سے اس کی سفارش بھی فرماتا ہے کہ اس سے ذرا ملائم لہجہ میں گفتگو کرنا۔ ہوسکتا ہے خدا کو یاد کرنے لگے اوراپنے کرتوتوں اوران کے انجام سے ڈرے۔ یہ ہے امر ونہی کا قانون! یہ فرعون جیسے طاغوت کو ہدایت کرنے کا طریقہ ہے۔

اب اگر آپ بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا اور خلق خدا کی ہدایت کرنا چاہتے ہیں تو ان آیات شریفہ الٰہیہ سے جو تذکر وتعلم کے لئے نازل کی گئی ہیں، تذکر حاصل کریں اور سیکھیں۔ محبت سے بھرے قلب اور مہربان دل کے ساتھ بندگان خدا سے ملاقات کریں اوردل کی گہرائی سے ان کی خیر خواہی کریں اور جب اپنے دل کو رحمانی اور رحیمی پائیں تب امر ونہی کے لئے اٹھ کھڑے ہوں تاکہ سخت دلوں کو آپ کے عاطفہ قلب کی برق نرم کردے اوردلوں کا لوہا موعظت ونصیحت سے مخلوط ہوکر آپ کی محبت کی گرمی سے پگھل جائے۔

یہ وادی، وادی بغض فی اللہ اورحب فی اللہ کے علاوہ ہے کہ انسان کو چاہئے کہ خدا کے دشمنوں کو دشمن رکھے اورخدا کے دوستوں سے دوستی رکھے جیسا کہ قرآن کریم اورروایات شریفہ میں وارد ہے اوروہ اپنی جگہ پر صحیح ہے اور یہ اپنی جگہ پر صحیح ہے اوراب اس کے بیان کا موقع نہیں ہے۔

فصل پنجم

سورہ ''حمد'' کی اجمالی تفسیر اور تمجید وقرائت کے چند آداب

''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' کی، ب، کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ ہر ایک نے اپنے علم و عرفان کے مسلک کے مطابق اس کے متعلق کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ علمائے ادب نے ''ابتداء'' یا ''استعانت'' کے مادہ سے مثلاً اس کے متعلق کا، اشتقاق قرار دیا ہے اور اسی کو تقدیر عبارت ہے بتایا ہے اور یہ جو بعض روایات میں بھی وارد ہو اہے کہ (بسم اللہ) اے استعین، یا تو مذاق عامہ کے موافق ہے، چنانچہ بہت سی روایتوں میں (مذاق عامہ کی موافقت) شائع ہے اور بہت سی احادیث کے اختلاف کو اسی پر محمول کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اسی (مذاق عامہ کی موافقت کے) باب میں ''بسم اللہ'' کے بارے میں حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

اَیْ اُسَمِّ نَفْسِی بِسِمَةٍ مِنْ سِمَاتِ اللّٰہ [1]

اور یا یہ کہ (استعانت) سے مقصود اس سے زیادہ لطیف کوئی نکتہ ہے جس کا عامہ ادراک کرتے ہیں، جس میں سر توحید انتہائی باریکی کے ساتھ مضمر ہے۔

بعض اہل معرفت نے اس کو ''ظہر'' سے لیا ہے اور کہا ہے کہ:

ای ظهر الوجود ببسم الله. [2]

---

[1] بحار الانوار (ط۔ بیروت)/ ج 89، ص: 223

[2] وجود بسم اللہ (الرحمٰن الرحیم) سے ظہور میں آیا، یہ وجہ، بسلمہ، کے معنی میں محی الدین ابن عربی نے کتاب، الفتوحات المکیہ، ج ا، ص ۱۰۲، میں لکھی ہے۔

یہ اہل معرفت اوراصحاب سلوک وعرفان کے مسلک کے مطابق ہے جو تمام موجودات اورذرات کائنات اور عوالم غیب وشہادت کا ظہور اللہ کے جامع اسم یعنی ''اسم اعظم'' کی تجلی سے جانتے ہیں اس بنا پر،اسم، جونشان اور علامت کے معنی ہیں اور یا علو وارتفاع کے معنی میں ہے، تجلی فعلی انبساطی حق (حق تعالیٰ کی اس کے فعل سے پھیلنے والی تجلی) سے عبارت ہے جسے،فیض منبسط ،اور افاضہ اشراقیہ، کہتے ہیں۔ کیونکہ اس مسلک کے اعتبار سے یہ تمام داروجود،عقول مجردہ سے لے کر وجود کے آخری مرتبہ تک، اسی فیض کے تعینات اور اسی لطیف رمز کے تنزلات (کا مجموعہ) ہے۔ آیات شریفہ الٰہی اوراحادیث مبارکہ معصومین علیہم السلام میں اس مسلک کی تائیدات بہت ہیں۔ چنانچہ کافی کی حدیث شریف میں ارشاد ہے: خداوند عالم نے ،مشیت،کواس کی ذاتی حیثیت سے خلق کیا، اسکے بعد مشیت سے تمام اشیاء کوخلق کیا، [1]

اس حدیث کی ہر شخص نے اپنے مسلک کے مطابق توجیہ کی ہے۔جن میں سب سے ظاہر وہ ہے جواس عرفانی مسلک سے مطابقت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ،مشیت سے مراد مشیت فعلیہ ہے جس کی تعبیر،فیض منبسط ، ہے اوراشیاء سے مراد مراتب وجود ہیں جو اس لطیف نکتہ کے تعینات وتنزلات ہیں۔ لہٰذا حدیث کے معنی یہ نکلے کہ خدائے تعالیٰ نے مشیت فعلیہ کو جومشیت ذاتیہ قدیمہ کا ظل،سایہ اورعکس، ہے۔ بنفسہا اور بلا کسی واسطہ کے خلق کیا اور عالم غیب وشہادت کے دوسرے موجودات کواس کی تبعیت میں خلق کیا اور سید محقق داماد (قدس سرہ) نے اس مقام تحقیق وتدقیق کے باوجود جوان کوحاصل ہے، اس حدیث شریف کی عجیب توجیہ کی ہے [2]

اسی طرح مرحوم ملافیض کاشانی کی توجیہ بھی بعید ازصواب ہے۔

بالجملہ ''اسم'' سے مراد نفس تجلی فعلی ہے جس سے تمام داروجود وتحقق موجود ومتحقق ہے اوراسم کا اطلاق امورغیبیہ پر زبان خدا اور زبان رسولؐ وزبان اہل بیتؑ پر بہت آیا ہے۔ جیسے،اسمائے حسنیٰ، کے لئے فرمایا ہے کہ ہم ہیں۔

اورادعیہ شریفہ میں ''بِاسْمِکَ الَّذِی تَجَلَّیْتَ بِہِ علی فلان'' بہت آیا ہے، [3]

احتمال ہے کہ ''بسم اللہ'' ہرسورہ میں اسی سورہ سے متعلق ہو، مثلاً سورۂ حمد کی بسم اللہ حمد سے متعلق ہے۔ یہ بات ذوق عرفانی اورمسلک اہل معرفت سے مطابقت رکھتی ہے۔ اس لئے اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ حمد کرنے والوں کی حمد او رثنا کرنے والوں کی ثنا بھی اسم ''اللہ'' کی قیومیت سے ہے۔ اس بنا پر تسمیہ اورتمام اقوال واعمال کا مقدمہ جومستحبات شرعیہ میں سے ایک ہے۔ اس تذکر کے لئے ہے کہ ہروہ قول وعمل جو انسان سے صادر ہوتا ہے وہ اسم الٰہی کی قیومیت

---

[1] اصول کافی، ج۱،ص ۱۴۹، کتاب التوحید، باب الارادۃ انہا من صفات الفعل، حدیث ۴، بحار الانوار، ج ۴،ص ۱۴۵

[2] مرآۃ العقول، ج ۲، ۱۹

[3] مصباح المتہجد ،ص ۳۷۶، بحار الانوار (ط - بیروت)/ ج 87. ص: 28

سے ہے، کیونکہ تمام ذرات وجود، اسم اللہ، کا تعین اور ایک اعتبار سے وہ خود، اسماء اللہ، ہیں۔ اس احتمال کی بنا پر، بسم اللہ کے معنی کثرت کے نقطہ نظر سے، ہر سورہ اور ہر قول وفعل میں الگ الگ ہیں۔ چنانچہ فقہاء کا کہنا ہے کہ بسم اللہ ہر سورہ کے لئے الگ الگ معین ہونا چاہئے۔ اگر ایک سورہ کے لئے بسم اللہ کہی گئی تو وہ دوسرے سورہ کے لئے کافی نہیں اور دوسرا سورہ بغیر بسم اللہ کے شروع نہیں کیا جاسکتا اور یہ بات فقہی مسلک کے مطابق بھی بلا وجہ نہیں ہے اور اس مدلل تحقیق کے مطابق ہے، جو ہم نے عرفانی نقطہ نظر سے بیان کی) اور اللہ کے اسم اعظم کے حضور میں کثرات کے فانی اور مضمحل ہونے کے نقطہ نظر سے ہر بسم اللہ کے ایک ہی معنی ہیں۔

چنانچہ یہی دو نظر مراتب وجود اور منازل غیب وشہود میں بھی ہیں، کثرت و رویت تعینات، کثرت کو قبول کرنے والے موجودات، مراتب وجود اور تعینات عالم کی نظر سے مختلف رحمانی و رحیمی، اور قہری ولطفی اسماء ہیں اور فیض مقدس کے ازلی نور میں کثرات کے فانی و مضمحل ہونے اور انوار وجودی کے محو ہونے کے اعتبار سے، فیض مقدس اور اسم جامع الٰہی ''اللہ'' کے سوا اور کسی چیز کے بارے میں کسی خبر واثر کا پتہ نہیں۔

اسماء وصفات الٰہیہ میں بھی یہی دو نظر ہیں۔ نظر اول کے لحاظ سے حضرت واحدیت مقام کثرت اسماء وصفات ہے اور تمام کثرات اسی کے حضور سے ہیں اور نظر دوم کے لحاظ سے حضرت اسم اللہ الاعظم کے سوا اور کچھ نام ونشان نہیں ہے۔ یہ دو نظر حکیمانہ اور فکری ہیں اور اگر عارفانہ نظر ہو تو سلوک اور ریاضات قلبیہ کے قدموں سے دل کے دروازوں کے کھلنے کے بعد حق تعالیٰ فعلی، اسمی اور ذاتی تجلیات سے کبھی کثرت کی صفت کے ساتھ اور کبھی وحدت کی صفت کے ساتھ، اصحاب معرفت کے دلوں میں تجلی کرتا ہے۔ ان تجلیات کی طرف قرآن میں اشارہ موجود ہے۔ کہیں صراحتاً جیسے:

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا [1]

اور کہیں اشارتاً جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشاہدات جو سورۂ انعام اور سورۂ نجم، کی آیات شریفہ میں مذکور ہیں اور اخبار وادعیہ معصومین علیہم السلام میں ان کی طرف بہت اشارے موجود ہیں۔ خصوصاً دعائے عظیم الشان، سمات، میں جس کے متن یا سند سے انکار کی مخالفین کو جرات نہیں ہوسکتی اور عوام وخواص اور عارف و عامی سب میں مقبول ہے۔ اس دیئے شریف میں اعلیٰ مضامین ومعارف بہت ہیں۔ جن کی خوشبو قلب عارف کو بے خود بنادیتی ہے اور اس نفحہ الٰہی کی نسیم روح سالک کو تازگی بخشتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

---

[1] تو جب ان کے پروردگار نے پہاڑ پر تجلی دکھائی تو پہاڑ کے پرخچے اڑادئے اور موسیٰ بے ہوش ہوکر گر پڑے، (سورہ اعراف، آیت ۱۴۳)

وَ بِنُورِ وَجْهِكَ الَّذِي تَجَلَّيْتَ بِهِ لِلْجَبَلِ فَجَعَلْتَهُ دَكًّا وَ خَرَّ مُوسى صَعِقاً وَ بِمَجْدِكَ الَّذِي ظَهَرَ عَلَى طُورِ سَيْنَاءَ فَكَلَّمْتَ بِهِ عَبْدَكَ وَ رَسُولَكَ مُوسَى بْنَ عِمْرَانَ وَ بِطَلْعَتِكَ فِي سَاعِيرَ وَ ظُهُورِكَ فِي جَبَلِ فَارَانَ. [1]

تیری ذات کے اس نور کے جس کا جلوہ تو نے پہاڑ پر ظاہر کیا تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور موسیٰؑ بے ہوش ہو کر گر پڑے سوالی ہوں بواسطہ تیری اس بزرگی کے جو طور سینا پر ظاہر ہوئی تو، تو اپنے بندے اور اپنے رسول موسیٰؑ بن عمران سے ہم کلام ہوا سوالی ہوں تیری نورانیت کے ذریعے جناب عیسیٰ کی مناجات کی جگہ میں اور تیرے نور کے ظہور کے ذریعے کوہ فاران میں۔

بالجملہ، سالک الی اللہ کو چاہئے کہ، تسمیہ، میں اپنے قلب کو سمجھائے کہ تمام موجودات ظاہر ہے و باطنہ اور تمام عوالم غیب وشہادت اسماء اللہ کے زیر تربیت، بلکہ ظہور اسماء اللہ سے ظاہر ہوئے ہیں اور اس قلب کی تمام حرکات وسکنات اور تمام عالم اسم اللہ الاعظم کی قیومیت سے ہے۔

پس اس کی تمام حمد وثنا حق کے لئے اور اس کے تمام عبادات و اطاعات اور توحید و اخلاص اسم اللہ کی قیومیت سے ہیں اور جب یہ مقام اور لطیف الٰہی رمز اس کے دل میں محکم ومستقر ہو جائے شدید تذکر کے وسیلہ سے ہو عبادات کی غرض و غایت ہے جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے خلوت انس ومحفل قدس میں اپنے کلیم حضرت موسیٰ بن عمران سے فرمایا:

اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ. [2]

یقیناً میں خدائے واحد ہوں میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔لہٰذا میری عبادت کرو اور نماز میرے ذکر کے لئے قائم کرو۔

نماز کے قائم کرنے غرض و غایت اپنے ذکر کو برقرار دیا۔لہٰذا تذکر شدید کے بعد معارف کی دوسری راہ قلب عارف پر کھل جائے گی اور وہ عالم وحدت میں جذب ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ اس کی زبان حال اور اس کا قلب ایسا ہو جائے گا کہ:

بِاللّٰهِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ. [3]

---

[1] دعائے سمات: مصباح المتہجد، ص ۳۷۶

[2] سورہ طٰہٰ، آیت ۱۴

[3] مکارم الاخلاق/ 248، ص: 247

اس کی حمد اسی طرف سے ہے۔

اور

اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ.[1]

اور

اَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ.[2]

یہ بسم اللہ کی ''ب'' سے متعلق راز کا ایک اجمال اور اس سے حاصل ہونے والے معارف میں سے تھوڑا سا بیان ہے،لیکن،ب، اورنقطہ تحت الباء کے اسرار جو مقام ولایت علویؑ کے باطن میں مضمر ہیں اور مقام جمع الجمع قرآنی ہے۔اس کے بیان کے لئے ایک وسیع میدان چاہئے۔

رہی حقیقت الاسم تو اس کے لئے مقام غیبی اورغیب الغیبی اورسری وسرالسری ہے اور مقام ظہور وظہور الظہوری اور چونکہ اسم علامت حق ہے اورذات مقدس میں فانی ہے۔لہٰذا ہر وہ اسم جو افق وحدت سے نزدیک تر اور افق کثرت سے دورتر ہو وہ اسمیت میں کامل تر ہے اور اتم الاسماء وہ اسم ہے جو کثرات سے، یہاں تک کہ کثرت علمی سے بھی مبرّا ہو اوروہ اتم الاسماء مقام،فیض اقدس، پرحضور ذات میں تجلی غیبی احدی احمدی ہے کہ شاید جس کی طرف آیہ کریمہ ''اوادنٰی''[3] اشارہ ہو اور اس کے بعد حضور واحدیت میں حضرت اسم اللہ الاعظم کے ذریعہ تجلی ہے۔اس کے بعد،فیض مقدس کے ذریعہ تجلی ہے اوراس کے بعد صفت کثرت کے ذریعہ اعیان میں تجلی ہے آخر دار تحقق تک۔

راقم الحروف نے رسالہ مصباح الہدایۃ، اور رسالہ شرح دعائے سحر[4]، میں اس اجمال کی تفصیل بیان کی ہے۔

اور ''اللہ'' مقام ظہور بہ ''فیض مقدس'' ہے۔اگر ''اسم'' سے مراد تعینات وجودیہ ہوں اور لفظ ''اللہ'' کا اطلاق اسم پر اتحاد ظاہر کی جہت،مظہر ہونے کے اعتبار سے اور اسم کے مسمی میں فانی ہونے کے لحاظ سے کوئی اشکال نہیں رکھتا

---

[1] مصباح الشریعۃ/ 56 / الباب الرابع والعشر ون فی الذکر

[2] الکافی (ط-الاسلامیۃ)/ ج3 / 324 / باب السجو دوالتسبیح والدعاءص:321

[3] فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى.پس نزدیک ہوئے اتنا کہ ان کا فاصلہ اس سے دوکمال کے بقدر یا اس سے بھی قریب تھا، (سورہ نجم، آیت ۹)

[4] (شرح دعائے سحر حضرت امام خمینیؒ کے قلم مبارک کے رشحات میں ہے جو عربی زبان میں ہے جس کے لکھنے کی غرض اس کے مقدمہ میں جناب مؤلفؒ کی تعبیر کے مطابق اس دعائے شریف کے کچھ وجوہ کی شرح کرنا ہے جو دعائے، مباہلہ، کے نام سے مشہور ہے۔(دعائے وقت سحر جو ائمہ اطہار علیہم السلام سے مروی ہے) اس کتاب کی تالیف، ۱۳۴۹ھ ق میں انجام پائی)

اورشاید آیہ کریمہ ''اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ''(خدا تو سارے آسمان اور زمین کا نور ہے) [1] اور آیہ کریمہ ''وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ''(اور آسمان میں بھی اسی کی عبادت کی جاتی ہے اور (وہی) زمین میں بھی معبود ہے)[2] اسی مقام کی طرف اشارہ اور اسی اطلاق کی شاہد ہو اور مقام واحدیت وجمع اسماء یا بالفاظ دیگر، مقام اسم اعظم ہے، اگر اسم سے مراد مقام تجلی بہ ''فیض مقدس'' ہو اور شاید یہی احتمال تمام احتمالات سے ظاہر تر ہے اور مقام ذات یا مقام ''فیض اقدس'' ہے اگر اسم سے مراد اسم اعظم ہو اور مقام رحمٰن و رحیم مذکورہ احتمالات کی بنا پر اس سے فرق رکھتا ہے، جیسا کہ واضح ہے۔

اور ''رحمٰن'' و ''رحیم'' ہوسکتا ہے اسم کی صفت ہوں اور ہوسکتا ہے لفظ ''اللہ'' کی صفت ہوں، لیکن ان دونوں میں زیادہ مناسب یہ ہے کہ اسم کی صفت ہوں کیونکہ یہ دونوں تحمید میں اللہ کی صفت ہیں۔ لہٰذا تسمیہ میں اس کی صفت قرار دینے سے تکرار کا احتمال باقی نہیں رہتا۔ اگر چہ لفظ ''اللہ'' کی صفت قرار دیئے جائیں تب بھی توجیہ کی جاسکتی ہے اور تکرار میں بھی بلاغت کا ایک نکتہ ہے اور اگر ہم اسم کی صفت فرض کریں تو یہ اس بات کی تائید ہوگی کہ اسم سے مراد اسمائے عینیہ ہیں کیونکہ صفات، رحمانیہ ورحیمیہ سے اسمائے عینیہ ہی متصف ہیں۔

پس اگر ''اسم'' سے مراد اسم ذاتی اور مقام جمعی کے ساتھ تجلی ہو تو ''رحمانیت'' و ''رحیمیت'' صفات ذاتیہ میں ہیں جو حضرت ''اسم اللہ'' کے لئے مقام واحدیت پر تجلیات میں ثابت ہیں اور رحمت رحمانیہ ورحیمیہ فعلیہ ان صفات ذاتیہ کے تنزلات ومظاہر میں سے ہے اور اگر اسم سے مراد تجلی جمعی فعلی ہو جو مقام مشیت ہے، تو رحمانیت و رحیمیت صفات افعال میں ہیں۔ اس لحاظ سے رحمت رحمانیہ اصل وجود کا بسط و امتداد ہے اور یہ تمام موجودات کے لئے عام ہے مگر حق تعالیٰ کے صفات خاصہ میں ہے، کیونکہ اصل وجود کے بسط پھیلاؤ میں حق تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ دیگر موجودات کا ہاتھ رحمت ایجادی تک پہنچنے سے قاصر ہے۔

ولا مُؤَثِّرَ فی الْوُجُوْدِ اِلّا اللّٰہ ولا الٰہَ فی دارِ التَّحَقُّقِ اِلّا اللّٰہ. [3]

لیکن رحمت ''رحیمیہ'' جس کے فیضان کا ایک حصہ ہادیان طریق کی ہدایت ہے وہ اگر چہ اہل سعادت اور علیین کی فطرت وسرشت کے ساتھ مختص ہے۔ سابق میں بھی اشارہ کیا جاچکا ہے کہ رحمت رحیمیہ بھی ان رحمتوں میں سے ہے جو سب کے لئے عام ہیں اور اہل شقاوت اپنے نقص کی وجہ سے اس سے دور ہوجاتے ہیں ورنہ خود رحمت رحیمیہ محدود نہیں

---

[1] سورۂ نور: ۳۵

[2] سورۂ زخرف: ۸۴

[3] تفسیر سورہ حمد (مؤلفہ امام خمینیؒ) 22 در بیان اجمالی از تفسیر سورہ مبارکہ ''حمد'' ص: 15

ہے۔ اسی لئے دعوت و ہدایت تمام نوع بشر کے لئے عام ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف اس پر دلالت کرتا ہے۔ ایک لحاظ سے رحمت رحیمیہ حق تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے کوئی اور اس میں شریک نہیں۔ روایات شریفہ میں نظر و اعتبار کے فرق کے مطابق رحمت رحیمیہ کا مختلف انداز سے ذکر کیا گیا ہے۔ کبھی فرمایا ہے:

الرَّحمن اسمٌ خاصٌّ لصفَةٍ عامَّةٍ و الرَّحِيمُ اسمٌ عامٌّ لصفَةٍ خاصَّةٍ.. [1]

رحمٰن ایک اسم خاص ہے صفت عام کے لئے اور رحیم ایک اسم عام ہے صفت خاص کے لئے۔

اور کبھی یہ ارشاد ہوا ہے:

الرَّحْمَنُ بِجَمِيعِ خَلْقِهِ وَ الرَّحِيمُ بِالْمُؤْمِنِينَ خَاصَّةً. [2]

تمام مخلوق پر بہت زیادہ مہربان اور مومنین پر خاص طور پر رحم کرنے والے۔

اور کبھی یہ فرمایا ہے:

يَا رَحْمَانَ الدُّنْيَا وَ رَحِيمَ الْآخِرَةِ. [3]

اے رحمٰن دنیا و آخرت اور رحیم دنیا و آخرت میں۔

اور یہ بھی ارشاد ہے:

يَا رَحْمَانَ الدُّنْيَا وَ الاخِرَةِ وَ رَحِيمَهُمَا. [4]

تحقیق عرفانی

علمائے ادب کا کہنا ہے کہ، رحمٰن، اور رحیم، رحمت سے مشتق ہیں اور دونوں مبالغہ کے لئے ہیں۔ البتہ رحمٰن میں رحیم سے زیادہ مبالغہ ہے اور اس بنا پر قیام کا تقاضا یہ تھا کہ رحیم کو رحمٰن پر مقدم رکھا جاتا، لیکن چونکہ رحمٰن بمنزلہ علم شخصی ہے اور دوسرے موجودات پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ لہٰذا اسی کو مقدم رکھا گیا۔ بعض علماء نے دونوں کو ایک ہی معنی میں فرض

---

[1] تاج العروس من جواہر القاموس/ ج 16 / 278 / [رحم]:..... ص:274

[2] معانی الاخبار/ النص/ 3 / باب معنی بسم اللہ الرحمن الرحیم ص:3

[3] ثواب الاعمال وعقاب الاعمال/ النص/ 75 / ثواب التطوع لیلۃ العید..... ص:75

[4] الاقبال بالاعمال الحسنۃ (ط-الحدیثۃ)/ ج 2 / 85 /فصل (22) فیما نذکرہ من ادعیۃ یوم عرفۃ ص:70

کیا ہے اوران کی تکرار کومحض تاکید قرار دیا ہے اور ذوق عرفانی،جس کے اعلیٰ مراتب کے ساتھ قرآن نازل ہوا ہے۔ یہ تقاضا کرتا ہے کہ رحمٰن ہی رحیم پر مقدم رہے جیسا کہ ہے کیونکہ قرآن شریف اصحاب قلوب کے نزدیک تجلیات الٰہی سے نازل ہوا اور وہ اسمائے حسنیٰ کی مکتوبی صورت ہے اور چونکہ اسم رحمٰن اسم اعظم کے بعد محیط ترین اسمائے الٰہیہ ہے اوراصحاب معرفت کے نزدیک محقق ہے کہ اسمائے محاطہ کے ساتھ تجلی پر اسمائے محیطہ کے ساتھ تجلی مقدم ہے اور اسم جتنا زیادہ محیط ہے اس کے ساتھ تجلی بھی اتنی ہی مقدم ہے۔اس جہت سے حضرت واحدیت میں پہلی تجلی اسم اللہ الاعظم کے ساتھ تجلی ہے اس کے بعد مقام رحمانیت کے ساتھ تجلی رحیمیت کے ساتھ تجلی رحمانیت کے ساتھ تجلی کے بعد ہے۔اسی طرح تجلی ظہور فعلی میں بھی مقام مشیت کے ساتھ تجلی جو اس منزل میں اسم اعظم ہے اور اسم اعظم کا ظہور ذاتی ہے۔تمام تجلیات پر مقدم ہے اور مقام رحمانیت کے ساتھ تجلی، جو تمام موجودات عالم غیب وشہادت پر احاطہ کئے ہوئے ہے اور اسی کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے: رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ. [1] (میری رحمت تمام موجودات پر وسیع ہے) سائر تجلیات پر مقدم ہے اسی کی طرف اشارہ ہے:سَبَقَتْ رَحْمَتُهُ غَضَبَهُ [2] (اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت رکھتی ہے) بعض وجوہ سے۔

چونکہ ''بسم اللہ'' باطن و روح کے اعتبار سے تجلیات فعلیہ کی صورت ہے اور سر اور سرالسر کے اعتبار سے تجلیات اسمائیہ، بلکہ تجلیات ذاتیہ کی صورت ہے اور تجلیات مذکورہ مقام اللہ کے ساتھ پہلے اور مقام الرحمٰن کے سات اس کے بعد اور مقام الرحیم کے ساتھ اس کے بھی بعد ہیں۔لہٰذا ان کی لفظی اور مکتوبی صورت بی اسی ترتیب کے ساتھ ہونا چاہئے تاکہ نظام الٰہی و ربانی کے مطابق رہے۔لیکن رحمٰن و رحیم سورہ حمد میں رب العالمین سے مؤخر ہے۔ یہ فرق شاید اس لئے ہے کہ بسم اللہ میں غیب وجود کے بواطن سے ظہور وجود کا اعتبار کیا گیا ہے اور سورۂ مبارکہ میں ظہور وجود سے رجوع و بطون کا لیکن اس احتمال میں اشکال ہے اور ہوسکتا ہے کہ اس فرق سے احاطہ رحمت، رحمانیہ ورحیمیہ کی طرف اشارہ مقصود ہو یا شاید اس میں کوئی اور نکتہ مضمر ہو۔ بہرصورت جو نکتہ بسم اللہ کے سلسلہ میں بیان ہوا وہ اس لائق ہے کہ سچ مانا جائے اور شاید یہ ناچیز راقم الحروف کے دل پر نازل ہونے والی رحمت رحیمیہ کی برکتوں میں سے ایک برکت ہے۔

وَلَهُ الْحَمْدُ عَلٰى مَآ اَنْعَمَ

---

[1] سورۂ اعراف، ۱۵۶

[2] بحارالانوار (ط۔بیروت)/ ج91 / 386 / باب 52۔ص:372

تفصیلی بحث

علمائے ظاہر کا کہنا ہے کہ رحمٰن و رحیم، رحمت سے مشتق ہیں اوران میں عطوفت و رقت ماخوذ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

هُمَا اسْمَانِ رَفِيقَانِ اَحَدُهُمَا اَرْفَقُ مِنَ الآخَرِ ، فَالرَّحْمٰنُ اَلرَّقِيْقُ وَ الرَّحِيْمُ اَلْعَاطِفُ عَلٰى خَلْقِهٖ بِالرِّزْقِ. [1]

یہ دو رحمن و رحیم دو لطف (لطف کے معنی پر مشتمل) نام ہیں جن میں سے ایک دوسرے سے لطیف تر ہے۔ رحمن کے معنی لطف کرنے والا اور رحیم کے معنی مہربانی کرنے والا اپنے بندوں پر رزق ونعمت عطا کرکے۔

اور چونکہ عطوفت و رقت کے لئے اثر قبول کرنا لازم ہے اور ذات مقدس ہر شے میں موثر ہے اور کسی قسم کا اثر قبول کرنے کا اس کے لئے سوال نہیں اٹھتا، لہٰذا اس ذات مقدس پر عطوفت و رقت کے اطلاق کی تاویل وتوجیہ کی گئی ہے اور اسے مجاز مانا گیا ہے۔

چند لوگوں نے اس طرح کے اوصاف کو مطلق طور پر ''خذ الغایات واترک المبادی'' [2] کی قبیل سے قرار دیا ہے کہ حق تعالیٰ پر ان کا اطلاق آثار و افعال کے لحاظ سے ہے۔ مبادی و اوصاف کے اعتبار سے نہیں، لہٰذا حق تعالیٰ کے لئے ''رحیم'' اور ''رحمٰن'' کے معنی یہ ہیں کہ وہ بندوں کے ساتھ رحمت کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔ بلکہ معتزلہ تو حق تعالیٰ کے تمام اوصاف کو ایسا یا تقریباً ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ اس بنا پر حق تعالیٰ کے لئے ان تمام اوصاف کا اطلاق بھی مجاز ہے اور بہر صورت، مجاز ہونا بعید ہے۔ خصوصاً ''رحمٰن'' میں، کیونکہ ایسا مان لینے سے ایک عجیب امر لازم آتا ہے۔ وہ عجیب امر یہ ہے کہ کلمہ اس معنی کے لئے وضع ہوا ہے جس میں اس کا استعمال جائز نہیں ہے اور نہ ہوسکتا ہے اور درحقیقت یہ ایسا مجاز ہے

---

[1] الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، جلال الدین سیوطی، ج ۱، ص ۹، نقل از بیہقی در اسماء وصفات

[2] (مقاصد کو لے لو اور مقدمات کو ترک کردو، از (خذ الغایات ودع المبادی) بولی جانے والی کہاوتوں میں سے ہے، (اسرار الحکم سبزواری، ص ۵۲)

جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔مقام غور وفکر ہے۔

اہل تحقیق نے اس کے جواب میں اس طرح کے اشکالات بیان کئے ہیں کہ یہ الفاظ معانی عامہ اور حقائق مطلقہ کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔لہٰذا اس بنا پر عطوفت ورقت کی قید لفظ رحمت کے موضوع لہ میں شامل نہیں ہے اور یہ قید عام لوگوں کے ذہن کی تراشی ہوئی ہے۔ورنہ اصل وضع میں اس کا کوئی دخل نہیں ہے۔یہ مطلب ظاہر کے لحاظ سے تحقیق سے بعید ہے۔کیونکہ معلوم ہے کہ واضع بھی انہیں معمولی اشخاص میں سے تھا اور اس کی نظر میں معانی مجردہ اور حقائق مطلقہ ان الفاظ کو وضع کرتے وقت نہیں تھے۔ہاں! اگر واضع حق تعالیٰ ہو یا وحی والہام الٰہی سے یہ الفاظ انبیاء کرام نے وضع کئے ہوں تو اس مطلب کے لئے یہ ایک وجہ ہوگی۔لیکن یہ بھی ثابت نہیں ہے۔

ظاہراً یہ کلام خدشہ سے خالی نہیں ہے،لیکن یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ اہل تحقیق کی مراد یہ ظاہر ہی ہے، بلکہ ان کے مراد کی وضاحت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ واضع لغات نے اگرچہ وضع کرتے وقت معانی مجردہ کو نظر میں نہیں رکھا۔لیکن الفاظ کے مقابل جو کچھ وضع ہوا وہ وہی معانی مجردہ مطلقہ ہیں۔مثلاً لفظ (نور) کو واضع نے وضع کرنا چاہا تو واضع کی نظر میں جو انوار آئے وہ یہی حسی اور عرضی انوار تھے۔کیونکہ وہ ان انوار کے علاوہ کسی نور کو جانتا ہی نہ تھا۔لیکن لفظ ''نور'' جس کے مقابل واقع ہوا وہ اس کے نور ہونے کی جہت ہی تھی نور کے ظلمت سے اختلاط کی جہت نہیں تھی کہ اگر اس سے سوال کیا جاتا کہ یہ عرضی محدود انوار نور صرف نہیں ہیں۔بلکہ ظلمت وفتور سے مخلوط نور ہیں تو یہ جو تم نے لفظ نور کو وضع کیا ہے وہ جہت نوریت کے مقابل ہے یا نوریت اور اس میں مخلوط اس کی ظلمانیت دونوں کے لئے؟ تو بداہتہ اس کا جواب یہی ہوتا کہ جہت نوریت کے مقابل میں ہے اور جہت ظلمت کسی رخ سے بھی موضوع لہ میں دخیل نہیں ہے۔چنانچہ ہم سب جانتے ہیں کہ جس واضع نے لفظ ''نار'' وضع کیا ہے اس کے پیش نظر وضع کے وقت نار دنیاوی کے علاوہ کوئی نار نہ تھی اور اس وضع کے اس حقیقت کی طرف منتقل ہونے کے جو بھی کچھ اسباب ہیں وہ یہی نار ہائے دنیائی ہیں۔وہ نار آخرت اور ''نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ''[1] (خدا کی آگ وہ بھڑکتی ہوئی آگ جس کا شعلہ دلوں تک پہنچتا ہے) سے غافل تھا۔

خصوصاً اگر واضع دوسرے عالم کا عقیدہ نہ رکھتا رہا ہو تب تو یہ وسیلہ انتقال حقیقت میں قید کا سبب ہو ہی نہیں سکتا، بلکہ،نار، اسی جہت ناریت کے مقابل واقع ہوا ہے (جو واضع کے پیش نظر تھی) ہم یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ خود واضع نے معانی مجردہ مراد لئے تھے کہ کوئی عجیب وغریب اور فہم سے بعید بات معلوم ہو، بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ الفاظ معانی کی

---

[1] سورۂ ہمزہ، آیت ۶، ۷

انہیں جہتوں میں یعنی کوئی قید لگائے بغیر واقع ہوئے ہیں اوراس بنا پر کسی جہت استبعادی کا دخل نہیں رہتا اور معنی جس قدر غرابت اور اجنبیت سے خالی ہوتے ہیں اسی قدر حقیقت سے قریب اور مجازیت کے شائبہ سے دور ہوتے ہیں، مثلاً کلمہ نور جو بالذات جہت ظاہریت کے لئے اور للغیر جہت مظہریت کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس کا اطلاق ان عرضی دنیاوی انور پر حقیقت سے خالی نہیں ہے، کیونکہ ان پر اطلاق سے مقصود محدودیت اور ظلمات سے مخلوط ہونا نہیں ہے، بلکہ ظہور ذاتی اور مظہریت ہی پیش نظر ہے، لیکن اس کا اطلاق انوار ملکوتیہ پر جن کا ظہور کامل تر اور افق ذاتیت سے قریب تر ہے اور ان کی مظہریت کم وکیف دونوں اعتبار سے بیش تر ہے اوران کا ظلمت سے اختلاط اور نقص کمتر ہے، حقیقت سے زیادہ قریب ہے اور اس کا اطلاق ذات مقدس حق تعالیٰ پر جو نور الانوار وتمام جہات ظلمت سے خالص اور محض نور ونور محض ہے، حقیقت محض ومحض حقیقت ہے، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر نور کی وضع (ظاہر بذاتہ اور مظہر لغیرہ) کے لئے ہوئی ہو تو حق تعالیٰ کے علاوہ کسی پر اس کا اطلاق عقول جزئیہ کے نزدیک حقیقت ہوسکتا ہے، لیکن اہل معرفت اور عقول مؤیدہ کی نظر میں مجاز ہے اور صرف حق تعالیٰ پر اس کا اطلاق حقیقت ہے۔ اسی طرح تمام وہ الفاظ جو معانی کمالیہ یعنی ان امور کے لئے وضع ہوئے ہیں جو اصل وجود وکمال سے ہیں، یہی حکم رکھتے ہیں۔

اس بناء پر ہم کہتے ہیں کہ رحمٰن، رحیم، عطوف، رؤف اوران جیسے اسماء میں ایک جہت کمال وتمام کی ہے اور ایک جہت انفعال ونقص کی اور یہ الفاظ جہت کمالیہ کے مقابل وضع کئے گئے ہیں جو ان کی اصل حقیقت ہے، رہیں جہات انفعالیہ جو نشو ونما کے لوازم اور حقیقت کے غیر اور اجنبی ہیں ہیں جو ان حقیقتوں سے اس وقت متلازم ہوئیں جب یہ حقیقتیں صفحات امکان اور عوالم دنیا میں اتریں جس طرح ظلمت، اماکن کے پست عالم میں نور سے مخلوط ہوئی ہے تو وہ معنی موضوع کہ میں کوئی دخل نہیں رکھتیں۔ لہٰذا ان کا اطلاق اس موجود پر جس میں صرف جہت کمال ہے اور جہات انفعال ونقص سے مطلقاً مبرا ہے، صرف حقیقت اور حقیقت صرف ہے اور یہ مطلب اس بیان کے ساتھ نہ صرف اہل معرفت کے ذوق سے نزدیک ہے، بلکہ اہل ظاہر کے وجدان سے بھی مناسبت رکھتا ہے۔

اس بنا پر معلوم ہوا کہ اس طرح کے اوصاف کمال جو بعض نشو ونمائی منازل میں تنزل کی وجہ سے کسی دوسرے ایسے امر سے مخلوط ہو گئے ہیں جس سے حق تعالیٰ کی ذات مقدس مبرا ہے۔ حق تعالیٰ کے لئے ان کا اطلاق مجاز نہیں ہے۔ واللہ الھادی۔

قولہ: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ.....

یعنی حمد وستائش کی تمام انواع واقسام ذات مقدس الوہیت کے ساتھ خاص ہیں۔ اے عزیز! یہ سمجھ لو کہ اس کلمہ شریفہ کی تہ میں سر توحید خاص، بلکہ اخص خواص ہے اور تمام حمد وستائش کرنے والوں کی حمد وستائش کا حق تعالیٰ کے

ساتھ خاص ہونا، برہان کے مطابق اصحاب حکمت اورائمہ فلسفہ عالیہ کے نزدیک واضح وآشکار ہے، کیونکہ برہان سے یہ بات ثابت ہے کہ تمام دارتحقق حضرت حق تعالیٰ کا ظل منبسط (پھیلا ہوا سایہ) اورفیض مبسوط (وسیع فیض) ہے اور تمام ظاہری و باطنی نعمتیں، وہ بظاہر اورعام نظروں میں کسی بھی منعم کی طرف سے ہوں، حق تعالیٰ کی جانب سے ہیں اورموجودات میں کوئی بھی ان میں شریک نہیں ہے، یہاں تک کہ اعداد کی شرکت بھی اہل فلسفہ عامیہ کے نزدیک تو ہے مگر اہل فلسفہ عالیہ کے نزدیک وہ بھی نہیں۔ پس حمد چونکہ نعمت اور انعام و احسان کے مقابل میں ہے اورحق تعالیٰ کے علاوہ دارتحقق میں کوئی منعم نہیں ہے۔لہٰذا تمام حمد وستائش اسی کے ساتھ مختص ہے اورکوئی جمال وجمیل اس کے جمال اوراس کے علاوہ نہیں۔لہٰذا تمام حمد وستائش کا مرجع وہی ہے۔

دوسرے لفظوں میں ہرحمد کرنے والے کی حمد اور ہر مدح کرنے والے کی مدح جہت نعمت وکمال کے مقابل میں ہے اورکمال ونعمت کا محل ومورد جس کی تنقیص وتحدید کی ہے،کسی طرح بھی ثنا وستائش میں دخیل نہیں ہے، بلکہ وہ ثناو ستائش کے منافی ومتضاد ہے۔لہٰذا تمام حمد وستائش اورمدح وثنا ربوبیت ہی کا حق، جوکمال و جمال ہے،قرار پاتی ہے۔ نہ مخلوق کا حق، جو ناقص اورمحدود ہے۔

یہ بیان دیگر، فطرت الٰہیہ کا ایک تقاضا جس پر تمام مخلوقات خلق ہوئے ہیں ثنائے کامل اورشکر وحمد منعم ہے اورفطرت الٰہیہ ہی کا ایک تقاضا نقص، ناقص اورنعمت کی منفعت کرنے والے سے تنفر ہے اور چونکہ نعمت مطلقہ جو ہر نقص سے مبرا ہو اور جمال کامل اور کمال تام جو ہر نقص سے مبرا ہو وہ حق تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے اوردوسرے موجودات نعمات مطلقہ اور جمال مطلق کی تنقیص وتحدید کرتے ہیں تزئید وتائید نہیں کرتے۔ اس لئے تمام لوگوں کی فطرتیں اسی کی ذات مقدس کی ثناء جواورستائش گوہیں اوردوسرے موجودات سے متنفر ہیں۔ علاوہ ان ہستیوں کے جومما لک کمال اورشہر ہائے عشق میں سیر کے مطابق ذات ذوالجلال میں فانی ہوجاتی ہیں، ان سے عشق اوران سے محبت اوران کی ثنا وستائش عین عشق حق اورثنا وستائش حق ہے۔

حب خاصان خدا حب خدا است
عشق خاصان خدا، عشق خدا[1]

یہاں تک بھی جو کچھ ذکر کیا گیاوہ درمیانی درجہ رکھنے والوں کے مقامات کے مطابق ہے جو ان مقامات تک پہنچے ہیں مگر پھر بھی حجاب کثرت میں ہیں اورشرک خفی واخفی کے تمام مراتب سے مبرا نہیں ہوئے اورمراتب خلوص واخلاص

---

[1] اللہ کے خاص ومحبوب بندوں سے محبت خود اللہ سے محبت ہے اوران سے عق اللہ سے عشق ہے۔

کے کمال تک نہیں پہنچے ہیں۔

لیکن ان لوگوں کے عرفان کے مطابق جن کے قلوب بعض خاص حالات میں فانی ہو جاتے ہیں، تمام نعمتیں اور تمام کمال و جمال وجلال صورت تجلی ذاتی ہے اور تمام محامد و مدائح ذات مقدس حق تعالیٰ سے مربوط ہیں، بلکہ مدح وحمد خود اس سے اسی کے لئے ہے۔ چنانچہ ''بسم اللہ'' کا ''الحمد للہ'' سے تعلق اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔

اور معلوم ہو کہ سالک الی اللہ اور مجاہد فی سبیل اللہ کو ان معارف کی علمی حد پر قناعت نہیں کئے رہنا چاہئے اور ساری زندگی استدلال ہی میں صرف نہ کر دینا چاہئے، کیونکہ یہ حجاب، بلکہ حجاب اعظم ہے۔ یہ مرحلہ لکڑی کے پیروں [1] بلکہ مرغ سلیمان [2] سے بھی طے نہیں کیا جاسکتا۔ یہ وادی، مقدسین کی وادی ہے اور یہ مرحلہ خالصین کا مرحلہ ہے جب تک حب جاہ وشرف اور حب زن وفرزند کی نعلین نہ اتار دی جائیں اور غیر پر اعتماد اور اس کی طرف توجہ کا عصا ہاتھ سے پھینک نہ دیا جائے، وادیٔ مقدس میں قدم رکھنا ممکن نہیں، کیونکہ یہ وادی جائیگاہ مخلصین اور منزل گاہ مقدسین ہے۔ اگر سالک نے حقائق اخلاص کے ساتھ اس وادی میں قدم رکھا اور کثرات اور دنیا کو ٹھوکر مار دی، جو خیال اندر خیال سے زیادہ کچھ نہیں، ہے تو اگر انانیت سے کچھ باقی بھی رہ گیا ہوگا تو عالم غیب سے اس کی دستگیری ہوگی اور تجلیات الٰہیہ سے اس کی انیت کا پہاڑ شکستہ ہو جائے گا اور حال ''صعق'' و ''فنا'' اسے حاصل ہو جائے گا۔ یہ مقامات اس سخت دلوں کو بہت ناگوار ہوتے ہیں اور انہیں اوہام کی من گھڑت قرار دیتے ہیں جن کو دنیا اور لذات دنیا کے علاوہ کچھ معلوم نہیں اور غرور شیطانی کے علاوہ کسی چیز سے آشنا نہیں۔ حالانکہ جس فنا کا ادعا اصحاب عرفان وسلوک کرتے ہیں اس سے کئی گنا عجیب و غریب تو یہ فنا ہے جو ہم اب مادیت اور اس دنیا میں رکھتے ہیں، جس کی وجہ سے ہم ان تمام عوالم غیب سے غافل ہیں جو ہر جہت اور ہر حیثیت سے اس عالم سے زیادہ ظاہر ہیں۔ بلکہ حق تعالیٰ کی ذات وصفات تک سے غافل ہیں جس کی ذات سے ظہور مختص ہے اور ان عوالم اور حق تعالیٰ کی ذات مقدس کے اثبات کے لئے ہم برہان و استدلال کے دامن میں پناہ

---

[1] اشارہ ہے مولانا رومؒ کی اس بیت کی طرف:

پای استدلالیان چوبین بود
پای چوبین سخت بے تمکین بود

[2] اشارہ ہے حافظؒ کے اس شعر کی طرف:

من بہ سر منزل عنقا نہ بہ خود بردم
راہ قطع این مرحلہ بامرغ سلیمان کردم

کب گیا تھا میں سر منزل عنقا خود سے لے گیا ساتھ وہاں مرغ سلیمان مجھ سے۔

ڈھونڈتے ہیں۔

حیرت اندر آید زین قصص
بی ہشی خاصگان اندر اخس[1]
کتنی حیرت خیز ہے یہ داستان
اتنی عام اور بے ہشی خاصگان

''اخص'' اگر ''صاد'' سے ہوتو اس قدر حیرت کی بات نہیں، کیونکہ ناقص کا کامل میں فنا ہونا ایک طبعی امر ہے اورسنت الٰہیہ کے مطابق ہے۔ لہٰذا حیرت اس صورت میں ہے جب ''اخس'' ''سین'' سے ہو۔ چنانچہ ہم سب کے لئے اس دنیا میں اس طرح کی بے ہوشی او رفنا موجود ہے اور ہمارے کان اور ہماری آنکھیں مادیت میں اس طرح غرق اورفانی ہیں کہ عالم غیب کے غلغلوں اور ہنگاموں کی ہمیں کچھ بھی خبر نہیں ہے۔

نقل وتحقیق

علمائے ادب وظاہر کہتے ہیں کہ (حمد، فعل جمیل اختیاری پرزبان سے مدح وثنا) کا نام ہے اور چونکہ یہ لوگ اس گوشت کے ٹکڑے سے بنی ہوئی زبان کے علاوہ دوسری تمام زبانوں سے بے خبر ہیں، اس لئے حق تعالیٰ کی تسبیح وتحمید، بلکہ کلام ذات مقدس کو مطلقاً مجازی نوعیت پر محمول کرتے ہیں۔ لہٰذا حق تعالیٰ کے تکلم کو ایجاد کلام سے تعبیر کرتے ہیں اور دوسرے موجودات کی تسبیح وتحمید کو ذاتی اورتکوینی سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں نے درحقیقت نطق کو اپنی نوع میں منحصر سمجھا ہے اورذات مقدس حق تعالیٰ اوردیگر موجودات کوغیر ناطق بلکہ (پناہ بخدا) گونگا سمجھ رکھا ہے ان کے گمان میں یہ ''تنزیہ ذات مقدس'' ہے حالانکہ یہ تحدید بلکہ تعطیل ہے اورحق ایسی تنزیہ سے منزہ ہے۔ جیسا کہ عامہ اکثریت تنزیہات، تحدید وتشبیہ ہیں۔

ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ الفاظ معانی عامہ مطلقہ کے لئے کئے وضع ہوئے اوراب یہ کہتے ہیں کہ: ہم

---

[1] (بعض نسخوں میں یوں تحریر ہے:

حیرت اندر حیرت آمد این قصص
بی ہشی خاصگان اندر اخص،

مولویؒ

کو وضع کی پابندی کی اس قدر ضرورت نہیں ہے کہ ان الٰہی حقائق میں بھی صدق لغوی یا حقیقت لغویہ بھی بیان سابق کے مطابق ثابت ہے۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ زبان، تکلم وکلام، کتابت و کتاب اور حمد ومدح کے نشو ونمائے وجودیہ کے اعتبار سے مراتب ہیں۔ جن میں ہر ایک کسی نشو ونمائی مرحلہ اور مرتبہ سے مناسبت رکھتا ہے۔ اور چونکہ حمد ہر مورد میں کسی فعل جمیل پر اور مدح ہر جمال وکمال پر ہوتی ہے۔ لہٰذا جب حق تعالیٰ نے اپنے علم ذاتی کے مطابق، غیب ہویت کے حضور میں اپنے جمال جمیل کا علم وشہود کے کامل ترین مرتبہ کے ساتھ مشاہدہ کیا تو خوشنودی ورضا کے اشد مراتب کے ساتھ اپنی ذات جمیل سے راضی وخوشنود تھا۔ پس تجلیات کے اعلیٰ مراتب کے ساتھ اپنی ذات کے لئے اپنی ذات کے حضور میں تجلی ازلی کے ساتھ تجلی فرمائی۔ یہی تجلی اور مکنون غیبی میں جو کچھ بھی تھا اس کا اظہار اور مقارعہ ذاتیہ کلام ذاتی ہے جو لسان ذات سے حضور غیب میں واقع ہوا اور اس تجلی کلامی کا مشاہدہ، سماعت ذاتی، ہے اور ذات حق کے لئے یہ ثنائے ذات ہی، ثنائے حق ہے جس کے ادراک سے دوسرے موجودات عاجز ہیں، چنانچہ خود اقرب کلام ذاتی جو لسان ذات سے حضور غیب میں واقع ہوا اور اس تجلی کلامی مشاہدہ سماعت ذاتی ہے اور ذات حق کے لئے ثنائے ذات ہی ثنائے حق ہے جس کے ادراک سے دوسرے موجودات عاجز ہیں۔ یہاں تک کہ اقرب و اشرف موجودات حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اعتراف عجز فرمایا۔ فرماتے ہیں:

لَا اُحْصِی ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ.[1]

میں تیری ستائش نہیں کرسکتا تو ویسا ہے جیسی تو نے خود اپنی ستائش کی ہے

اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ احصاء ثنا معرفت کمال و جمال کی فرع ہے اور جب جمال مطلق کی کامل مغفرت ہو ہی نہیں سکتی تو اس کی ثنائے حقیقی بھی نہیں ہوسکتی اور اصحاب معرفت کی غایت معرفت یہ ہے کہ اپنے عجز کا عرفان حاصل کرلیں۔

اول: لسان ذات من حیث ہی۔

دوسرے: لسان احدیت غیب۔

تیسرے: لسان واحدیت جمعیہ۔

چوتھے: لسان اسمائے تفصیلیہ۔

پانچویں: لسان اعیان۔

---

[1] مصباح الشریعہ، باب ۵، غوالی اللئالی، ج ۱، ص ۳۸۹

یہ زبانیں لسان ظہور کے علاوہ ہیں جن میں پہلی لسان مشیت ہے۔ مراتب تعینات کے آخر تک کہ لسان کثرت وجود یہ ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ تمام موجودات کے لئے عالم غیب سے جو حیات محض ہے، حق بلکہ حقوق ہیں اور حیات تمام دار وجود میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ یہ مطلب ارباب فلسفہ عالیہ کے نزدیک برہان سے اور اصحاب قلوب و معرفت کے نزدیک مشاہدہ وعیان سے ثابت ہے اور آیات شریفہ الٰہیہ اور احادیث اولیائے وحی علیہم السلام اس پر واضح طور سے دلالت کرتی ہیں اور اہل معرفت عامیہ اور اہل ظاہر میں سے جو لوگ محجوب ہیں اور موجودات کے نطق کا ادارک نہیں کر سکے ہیں، وہ توجیہ و تاویل میں لگ گئے ہیں اور تعجب کی بات یہ ہے کہ اہل ظاہر جو اہل فلسفہ پر یہ طعن کرتے ہیں کہ وہ کتاب خدا کی اپنی عقل کے مطابق تاویل کرتے ہیں۔ وہ خود (اہل فلسفہ ہی کی طرح) ان تمام آیات صریحۃ، اور احادیث صحیحہ کی تاویل کرتے ہیں اور صرف اس لئے کہ موجودات کے نطق کا ادارک نہیں کر سکے ہیں۔ حالانکہ اس تاویل کے لئے ان کے پاس کوئی دلیل اور کوئی برہان نہیں ہے۔ لہٰذا قرآن کی تاویل برہان کے بغیر، محض استبعاد کے ذریعہ کرتے ہیں۔

دار وجود اصل حیات او رحقیقت علم و شعور ہے اور تسبیح موجودات تسبیح نطقی شعوری ارادی ہے، تکوینی ذاتی نہیں، جیسا کہ محجوبین کہتے ہیں اور تمام موجودات، وجود کا جس قدر بھی حق ونصیب ان کو ملا ہے اسی قدر مقام باری تعالیٰ کی معرفت رکھتے ہیں اور چونکہ مادیت میں اشتغال اور کثرت میں استغراق تمام موجودات کے درمیان سب سے زیادہ انسان رکھتا ہے۔ لہٰذا یہ تمام موجودات کے مقابلہ میں سب سے زیادہ محجوب ہے۔ ہاں! اگر بشریت کے لبادہ سے نکل آئے اور کثرت وغیریت کے حجابوں کو چاک کردے تو بے حجاب مشاہدہ جمال جمیل کر سکتے ہے۔ اس وقت اس کی حمد و مدح ہر موجود کی حمد و مدح سے جامع تر ہوگی اور وہ تمام شئون الٰہیہ اور تمام اسماء و صفات کے ساتھ ستائش و عبادت حق کرے گا۔

تتمیم

مذکورہ بیان کے مطابق کلمہ شریفہ ''الحمد للہ'' ان جامع کلمات میں سے ہے کہ اگر کوئی اس کے لطائف وحقائق کے ساتھ تحمید کرے تو بشری طاقت کے بقدر اس نے حمد کا حق ادا کر دیا۔ اسی لئے احادیث شریفہ میں اس کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت امام باقر العلوم علیہ السلام کسی مکان سے نکلے تو دیکھا کہ مرکب (سواری کا جانور) نظر نہیں آرہا ہے۔

فرمایا: اگر میری سواری مل گئی تو خدائے تعالیٰ کی اس طرح حمد کروں گا جو حمد کرنے کا حق ہے۔

جب سواری مل گئی تو سوار ہوئے اور اپنے لباس کو درست کیا اور فرمایا: الحمد للہ، [1]

اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

''لا الہ الا اللہ'' نصف میزان ہے اور الحمد للہ، میزان کو پر کر دیتی ہے، [2]

اور یہ اس لئے ہے کہ اس بیان کے مطابق جو ہم کر چکے، الحمد للہ جامع توحید بھی ہے۔

اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے:

بندہ کا الحمد للہ کہنا اس کا میزان میں ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں سے زیادہ وزن رکھتا ہے، [3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے منقول ہے کہ:

اگر خداوند عالم اپنے بندوں میں سے کسی بندہ کو ساری دنیا عطا کر دے اس کے بعد وہ بندہ کہے، الحمد للہ، تو جو اس نے کہا وہ اس سے افضل ہے جو اس کو عطا ہوا، [4]

یہ حدیث بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے مروی ہے کہ: اللہ کے نزدیک کوئی چیز الحمد للہ کہنے والے کے اس کہنے سے زیادہ محبوب نہیں ہے اور اسی لئے خدا نے خود اپنی ثنا اسی کلمہ سے کی ہے۔ اس سلسلہ میں بہت حدیثیں ہیں۔

قولہ تعالیٰ: رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ①

''رب'' اگر متعالی، ثابت اور سید کے معنی میں ہو تو اسمائے ذاتیہ میں ہے اور اگر مالک، صاحب غالب اور قاہر کے معنی میں ہو تو اسمائے صفتیہ میں ہے اور اگر مربی، منعم اور متمم کے معنی میں ہو تو اسمائے افعالیہ میں ہے۔

اور ''عالم'' سے اگر ماسوائے اللہ مراد ہو، جو وجود کے تمام مراتب اور غیب وشہود کی تمام منازل کو شامل ہے تو ''رب'' کو اسمائے صفات میں فرض کرنا چاہئے اور اگر، عالم ملک، مراد ہے جو تدریجاً حاصل ہوتا ہے اور تدریجاً کمال کو پہنچتا ہے تو ''رب'' کو اسمائے افعال میں ماننا چاہئے۔

---

[1] اصول کافی، ج ۳، ص ۱۵۲، کتاب الایمان والکفر، باب الشکر، حدیث ۱۸

[2] بحار الانوار، ج ۹۰، ص ۲۱۰، امالی طوسی، ج ۱، ص ۱۸ سے نقل کیا

[3] مستدرک الوسائل، چاپ مؤسسہ آل البیتؑ، ج ۵، ص ۳۱۴

[4] مکارم الاخلاق، ص ۳۰۷، الباب العاشر، الفصل الثالث فی الحمید

بہر حال؛ یہاں اسم ذات مراد نہیں ہے اور شاید ایک نکتہ کی بنا پر عالمین سے مراد یہی علوم ملکیہ ہوں جو الٰہی تربیت ومشیت کے تحت اپنے مناسب کمال تک پہنچتے ہیں اور ''رب'' سے مراد مربی ہو جو اسمائے افعال میں ہے۔

اور معلوم رہے کہ ہم اس رسالہ میں آیات کی ترکیبی، لغوی اور ادبی جہتوں سے صرف نظر کر رہے ہیں، کیونکہ ان سے اکثر لوگوں نے بحث کی ہے۔ بعض امور جن سے یا تو اصلاً تعرض ہی نہیں کیا گیا یا کم ذکر کیا گیا، یہاں ہم انہیں کا ذکر کر رہے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ اسمائے، ذات، صفات اور افعال، جن کی طرف اشارہ کیا گیا ارباب معفرت کی اصطلاح کے مطابق استعمال کیا گیا ہے۔ بعض مشائخ اہل معرفت نے کتاب انشاء الدوائر میں اسماء کو، اسمائے ذات، اسمائے صفات اور اسمائے افعال، میں تقسیم کیا ہے اور فرمایا ہے:

واسماء الذات هو:

الله، الرب، الملك، القدوس، السلام، المؤمن، المهيمن، العزيز، الجبار، المتكبر، العلي، العظيم، الظاهر، الباطن، الاول، الاخر، الكبير، الجليل، المجيد، الحق، المبين، الواجد، الماجد، الصمد، المتعالى، الغنى، النور، الوارث، ذوالجلال، الرقيب)

واسماء الصفات هي:

الحي، الشكور، القهار، القاهر، المقتدر، القوى، القادر، الرحمٰن، الرحيم، الكريم، الغفار، الغفور، الودود، الرؤوف، الحليم، الصبور، البر، العليم، الخير، المحصى، الحكيم، الشهيد، السميع، البصير)۔

واسماء الافعال هو:

المبدى، الوكيل، الباعث، المجيب، الواسع، الحسيب، المقيت، الحفيظ، الخالق، البارء، المصور، الوهاب، الرزاق، الفتاح، القابض، الباسط، الخافض، الرافع، المعز، المذل، الحكيم، العدل، اللطيف، المعيد، المحى، المميت، الوالى، التواب، المنتقم، المقسط، الجامع، المغنى، المانع، الضار، النافع،

الهادی البدیع، الرشید.[1] انتهیٰ

اس تقسیم کی میزان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اگر چہ تمام اسماء ذات ہیں لیکن ظہور ذات کے اعتبار سے، اسماء ذات کہتے ہیں۔ظہور صفات کے اعتبار سے، اسمائے صفات اور ظہور افعال کے اعتبار سے، اسمائے افعال کہتے ہیں، یعنی جو اعتبار جس اسم میں زیادہ ظاہر ہوا، اسم اس کے تابع ہو گیا۔اس طرح کبھی بعض اسماء میں دو یا تین اعتبار جمع ہو جاتے ہیں اور اس جہت سے اسماء، ذاتی، صفاتی اور افعالی ہو جاتے ہیں یا ان تینوں میں سے کوئی دو۔ جیسے رب، جیسا کہ ذکر ہو چکا،لیکن یہ مطلب راقم الحروف کی نظر میں درست نہیں ہے اور ذوق عرفانی سے مطابقت نہیں رکھتا، بلکہ اس تقسیم میں جو بات نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ میزان ان اسماء میں یہ ہے کہ سالک مغفرت کے قدموں سے بڑھتا ہے تو اس کو فنائے فعلی حاصل ہونے کے بعد حق تعالیٰ جو تجلیات اس کے قلب پر ظاہر کرتا ہے وہ اسمائے افعال کی تجلیات ہیں اور جب فنائے صفاتی حاصل کر لیتا ہے تو اسمائے صفات کی تجلیات ظاہر ہوتی ہیں اور جب فنائے ذاتی حاصل کر لیتا ہے تو اسمائے ذات کی تجلیات ظاہر ہوتی ہیں اور اگر اس کے قلب میں صحو (بے خودی کے بعد خودی) کے بعد حفظ کی قدرت ہوئی تو جو مشاہدات افعالی کی خبر دیں وہ اسمائے افعال ہیں اور جو مشاہدات صفاتیہ کی خبر دیں وہ اسمائے صفات ہیں اور جو مشاہدات ذاتیہ کی خبر دیں وہ اسمائے ذات ہیں۔

اس مقام کی ایک تفصیل ہے جو ان اوراق کے مناسب نہیں ہے اور انشاء الدوائر میں جو کچھ مذکور ہوا ہے وہ اس میزان کے مطابق بھی صحیح نہیں ہے جو صاحب کتاب نے خود معین کی ہے۔جیسا کہ اسماء پر نظر کرنے سے واضح ہے۔

اور کہا جا سکتا ہے کہ (اسمائے ثلاثہ) کی اس تقسیم کی طرف قرآن شریف میں بھی اشارہ کیا گیا ہے اور وہ سورۂ حشر کی آخری آیتیں ہیں:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ؕ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۴﴾ ۧ [2]

وہ ہی خدا ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا وہی بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ وہ

---

[1] انشاء الدوائر، ص ۲۸

[2] سورہ حشر: ۲۲ تا ۲۴

وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں (حقیقی) بادشاہ، پاک ذات، (ہر عیب سے) بَری، امن دینے والا، نگہبان، غالب، زبردست بڑائی والا یہ لوگ جس کو (اس کا) شریک ٹھہراتے ہیں اس سے پاک ہے۔ وہی خدا (تمام چیزوں کا) خالق، موجد، صورتوں کا بنانے والا ہے اسی کے اچھے اچھے نام ہیں جو چیزیں سارے آسمان و زمین میں ہیں سب اسی کی تسبیح کرتی ہیں۔ اور وہی غالب حکمت والا ہے۔

ان آیات شریفہ میں شاید پہلی آیت اسمائے ذاتیہ کی طرف، دوسری آیت اسمائے صفاتیہ کی طرف اور تیسری آیت اسمائے افعالیہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور اسمائے ذاتیہ کا ذکر اسمائے صفاتیہ سے پہلے اور اسمائے صفاتیہ کا ذکر اسمائے افعالیہ سے پہلے حقائق وجودیہ اور تجلیات الٰہیہ کی ترتیب کے اعتبار سے ہے۔ اصحاب مشاہدہ کے مشاہدات اور ارباب قلوب کے قلوب پر تجلیات کی ترتیب کے مطابق نہیں اور معلوم رہنا چاہئے کہ آیات شریفہ میں اور بھی رموز ہیں جن کا ذکر اس رسالہ کے مناسب نہیں۔ یہ بات کی آیہ دوم اسمائے صفاتیہ اور آیت سوم اسمائے افعالیہ ہیں، واضح ہے۔ لیکن "عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ" اور رحمٰن و رحیم، کا اسمائے ذاتیہ ہونا اس بات پر مبنی ہے کہ ''غیب و شہادت'' سے مراد اسمائے باطنہ و ظاہرہوں اور ''رحمانیت و رحیمیت'' تجلیات ''فیض اقدس'' سے ہوں اور نہ تجلیات ''فیض مقدس'' سے اور انہیں اسماء کے ذکر کو یہاں پر مختص کرنا، حالانکہ ''حی و ثابت و رب'' اور ان جیسے اور اسماء، اسمائے ذاتیہ سے زیادہ نزدیک معلوم ہوتے ہیں، شاید ان کے احاطہ کے لئے ہوں کیونکہ یہ امہات اسماء ذاتیہ میں سے ہیں۔ واللہ العالم۔

تنبیہ

لفظ ''عالمین'' اور اس کے اشتقاق اور معنی میں اختلاف عظیم واقع ہوا ہے۔ چنانچہ بعض نے کہا ہے کہ ''عالمین'' جمع ہے اور تمام اصناف خلق کو شامل ہے، چاہے وہ مادی ہوں یا مجرد اور ہر صفت خود بھی ایک عالم ہے اور یہ جمع اپنی جنس سے کوئی مفرد نہیں رکھتی ہے۔ یہ ایک مشہور قول ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ: عالَم بفتح لام، اسم مفعول اور عالِم بکسر لام اسم فاعل ہے اور عالمین، معلومین کے معنی میں ہے۔ یہ قول علاوہ اس کے دعوائے بے دلیل اور بعید ہے ''رب المعلومین'' کا اطلاق بہت ہی سرد اور بے موقع ہے۔

بعض نے اس کا اشتقاق ''علامت'' سے قرار دیا ہے۔ اس صورت میں اس کا اطلاق تمام موجودات پر ہوسکتا ہے کیونکہ سب ہی ذات مقدس کی علامت، نشانی اور آیت ہیں اور ''واؤ'' اور ''نون'' کا استعمال اس میں ذوی العقول کے شامل ہونے اور دوسرے موجودات پر ان کی اغلبیت کی وجہ سے ہے۔

بعض اس کو ''علم'' سے مشتق جانتے ہیں۔ ہر صورت میں جمیع موجودات پر اس کا اطلاق صحیح ہے، جیسا کہ ذوی العقول پر اطلاق بھی وجہ رکھتا ہے، لیکن ''عالم'' کا اطلاق ماسوائے اللہ پر ہوتا ہے اور کبھی ہر صنف اور ہر فرد پر بھی ہوتا ہے اور اگر وہ شخص جو ''عالم'' کا ہر صنف اور ہر فرد پر اطلاق کرے اہل عرف اور اہل لغت میں سے ہو تو یہ اطلاق اس اعتبار سے ہوگا کہ ہر فرد ذات باری کی علامت ہے۔ "وفی کل شیٔ لہ آیۃ"[1]

اگر عارف الٰہی ہر صنف اور ہر فرد پر اطلاق کر رہا ہو تو وہ اس اعتبار سے ہوگا کہ ہر موجود، احدیت جمع اور سر وجود کے ظہور کے اعتبار سے اسم جامع کا ظہور ہے اور تمام حقائق کو شامل ہے۔ اس جہت سے تمام عالم اور اس کی ہر جزئی کو مقام احدیت پر اسم اعظم سمجھا جا سکتا ہے (و الأسماءُ کُلُّها فی الکُلِّ وَ کذا الآیات)

یہ جو کچھ بیان ہوا اس کی بنا پر فیلسوف عظیم الشان صدر الملت والدین قدس سرہ کا اعتراض جو انہوں نے بیضاوی جیسے لوگوں پر کیا ہے، صحیح ہے، کیوں ان لوگوں کو مسلک عرفان سے کوئی ذوق نہ تھا، لیکن اہل عرفان کے مسلک کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے اور چونکہ اس مقام پر بیضاوی کا کلام اور فیلسوف مذکور کا کلام طولانی ہے، اس لئے اس کا ذکر نہیں کیا گیا جو چاہے فیلسوف مذکور کی تحریر فرمودہ تفسیر سورۂ فاتحہ کا مطالعہ کر سکتا ہے۔

اور ''رب'' اگر اسمائے صفات اور ''مالک'' و ''صاحب'' اور ان جیسے معنی میں ہے تو ''عالمین'' سے مراد جمیع ماسوائے اللہ ہو سکتے ہیں، چاہے عالم ملک کے موجودات ہوں یا موجودات مجردۂ غیبیہ ہوں اور اگر اسمائے افعال سے ہے اور شاید یہی ظاہر تر ہے تو عالمین سے مراد فقط عالم ملک ہوگا، کیونکہ رب، اس صورت میں مربی کے معنی میں قرار پائے گا اور اس معنی کے لئے تدریج ضروری ہے جب کہ عوالم مجردہ تدریج زمانی سے منزہ ہیں۔ اگر چہ راقم الحروف کے نزدیک ایک معنی میں روح، تدریج، عالم، دہر، میں متحقق ہے اور انہیں معنی میں ہم نے عوالم مجردہ میں بھی حدوث زمانی، بمعنی روح زمان و دہریت تدریج کو ثابت کیا ہے اور مسلک عرفانی میں بھی ہم حدوث زمانی کو تمام عوالم کے لئے ثابت مانتے ہیں، لیکن اس طرح نہیں کہ متکلمین اور اصحاب حدیث کی سمجھ میں آ سکے۔

---

[1] و فی کل شیٔ لہ آیۃ
تدل علی انہ واحد
ہر شے میں ہے اس کی نشانی
کہتی ہے، نہیں ہے اس کا ثانی
کشف الاسرار ''یبدی'' ج ۱، ص ۴۳۶، کچھ لوگوں کے نزدیک یہ شعر ابو العتاھیہ کا ہے۔

ایک اور تنبیہ

معلوم ہو کہ ''حمد'' چونکہ فعل ''جمیل'' کے مقابل میں ہے اور آیہ شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حمد و ستائش اسم اعظم کے لے ثابت ہے جو اسم جامع ہے اور مقام ربوبیت عالمین اور مقام رحمت، رحمانیہ و رحیمیہ، و مالک یوم الدین، کا حامل ہے، لہٰذا ان اسمائے شریفہ یعنی رب، رحمٰن، رحیم اور مالک کو تحمید میں مناسب دخل ہونا چاہئے۔ ہم بعد میں قول خدا تعالیٰ: "مالك يوم الدين" کے ذیل میں تفصیل کے ساتھ اس پر گفتگو کریں گے۔

اب ''تحمید'' کے ساتھ مقام ربوبیت عالمین کے تناسب کے متعلق گفتگو کرتے ہیں۔ یہ تناسب دو جہتیں رکھتا ہے۔

ایک جہت یہ ہے کہ چونکہ حمد کرنے والا خود عالمین میں سے، بلکہ خود ہی کبھی مستقل عالم قرار پاتا ہے، بلکہ اہل معرفت کی نظر میں موجودات عالم میں سے ہر موجود ایک مستقل عالم ہے، اس لئے وہ حمد کرتا ہے کہ حق تعالیٰ اس کو مقام ربوبیت کے دست تربیت سے، ضعف و نقص اور عدم کی ہیولانی وحشت و ظلمت سے نکال کر عالم عالم انسانیت کی قوت وکمال اور طمانینت و نورانیت تک پہنچایا اور جسمی و عصری اور معدنی و نباتی اور حیوانی منزلوں سے آگے حرکات ذاتیہ و جوہریہ اور فطری و جبلی محبتوں سے گزارا اور منزل گاہ انسانیت پر جو موجودات کی سب سے اعلیٰ و اشرف منزل ہے، پہنچایا اور اس کے بعد بھی تربیت کئے جا رہا ہے کہ (آنچہ در وہم تو ناید آن شوم) ملے بار مجھ کو وہاں، جہاں ترے وہم میں بھی نہ آسکوں۔

پس عدم گردم عدم چون ارغنون
گویدم انا الیہ راجعون،[1]
پھر عم بعد عدم ہونا ہے مثل ارغنوں
آتی ہے مجھ کو صدا انا الیہ راجعون

---

[1] بار دیگر از ملک قربان شوم
آنچہ اندر وہم ناید آن شوم،
مولویؒ
وہ دن آئے پھر کہ ملک کی بزم میں راہ پھر سے میں پاسکوں
ملے بار مجھ کو وہاں، جہاں ترے وہی میں بھی نہ آسکوں

دوسری جہت یہ ہے کہ چونکہ عالم ملک، یعنی فلکیات، عنصریات، جوہریات اوران کے عرضیات کے نظام کی تربیت، انسان کامل کے وجود کا مقدمہ ہے اورانسان کامل ہی حقیقت میں عالم تحقق کی روح کا عطر اور عالمیان کی آخری غرض و غایت ہے اوراسی لئے وہ آخری مولود ہے اور چونکہ عالم ملک اپنی ذاتی جوہری حرکت کے ساتھ متحرک ہے اور یہ حرکت ذاتی واستکمالی ہے، جہاں منتہی ہوجائے وہی غایت خلقت اورنہایت سیر ہے اور جب ہم کلی طور پر جسم کل، طبع کل، نبات کل، حیوان کل اور انسان کل پر نظر ڈالتے ہیں تو انسان ہی وہ آخری مولود نظر آتا ہے جو عالم کی ذاتی و جوہری حرکات کے بعد وجود میں آیا ہے اور وہی منتہی قرار پاتا ہے۔ اسی لئے حق تعالیٰ کا دست تربیت تمام دار تحقق میں انسان کی تربیت میں لگا ہوا ہے (والانسان هو الاول والاخر)۔

یہ جو کچھ ذکر ہوا، افعال جزئیہ کے بارے میں ہے اورمراتب وجود کے اعتبار سے ہے ورنہ فعل مطلق کے مطابق حق تعالیٰ کے کسی بھی فعل کی غایت خود اسی کی ذات مقدس ہے اور کچھ نہیں۔ جیسا کہ یہ بات اپنے محل پر برہان سے ثابت ہے۔ افعال جزئیہ پر بھی جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو غایت خلقت انسان عالم غیب مطلق ہے نظر آتا ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہے:

يَابنَ آدَمَ، خَلَقتُ الاَشياءَ لِاَجلِكَ وخَلَقتُكَ لِاَجلي.[1]

اے فرزند آدم! میں نے ہر چیز کو تیرے لئے اور تجھ کو اپنے لئے پیدا کیا ہے۔

اور قرآن شریف میں حضرت موسیٰ بن عمران علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام سے خطاب فرمایا ہے:

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ.[2]

اور میں نے تم کو اپنی رسالت کے واسطے چن لیا۔

اور یہ بھی فرمایا ہے:

وَاَنَا اخْتَرْتُكَ.[3]

---

[1] علم اليقين، ج۱، ص ۳۸۱، شرح الاسماء الحسنى : ۱۳۹، رسائل الكركى :جلد۳ ص ۹۶۲ وفيه "يا انسان. .."، وفى مصابيح القلوب :۴۵۸ "خلقت جميع العالم لكم وخلقتكم لى"، المواعظ العددية :۴۲۰ وفيه "خلقت الاشياء كلّها لاجلك وخلقتك لاجلى وانت تفرّ منّى"، عبدى ..... الجواهر السنية فى الاحاديث القدسية (كليات حديث قدسى) ص۷۱۰، باب ما لم يتصل بامام معين منهم عليهم السلام

[2] سورۂ طٰہٰ:۴۱

[3] سورۂ طٰہٰ:۱۳

اور میں نے تم کو (پیغمبری کے واسطے) منتخب کیا ہے۔

لہٰذا انسان مخلوق (لاجل اللہ) ہے اور اسی کی مقدس ذات کے لئے بنایا گیا ہے اور موجودات کے درمیان وہی مصطفی اور مختار (منتخب اور چنا ہوا) ہے۔ اس کی سیر انتہا باب اللہ، فنافی ذات اللہ اور عکوف فی فناء اللہ ہے۔ اس کی باز گشت الی اللہ، من اللہ، فی اللہ، اور باللہ (اللہ کی طرف، اللہ سے، اللہ میں اور اللہ کے وسیلہ سے ہے) جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ.[1]

یقیناً ان کی بازگشت ہماری طرف ہے۔

دوسرے موجودات کی بازگشت انسان کے واسطہ سے اللہ کی طرف ہے، بلکہ ان کا مرجع و معاد انسان کی طرف ہے۔ چنانچہ زیارت جامعہ میں مقامات ولایت کا کچھ تذکرہ فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:

وَاِيَابُ الْخَلْقِ اِلَيْكُمْ وَحِسَابُهُمْ عَلَيْكُمْ.[2]

مخلوقات کی بازگشت آپ کی طرف اور ان کا محاسبہ آپ پر ہے۔

اور فرماتے ہیں:

بِكُمْ يَفْتَحُ اللهُ وَبِكُمْ يَخْتِمُ.[3]

خدا نے آپ کے سبب سے خلقت کا آغاز کیا اور آپ ہی پر ختم کرے گا۔

اور یہ جو آیہ شریفہ میں حق تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ.[4]

بے شک ان کو ہماری طرف لوٹا کر آنا ہے۔ پھر ان کا حساب ہمارے ذمہ ہے۔

اور زیارت جامعہ میں امامؑ فرماتے ہیں:

وَاِيَابُ الْخَلْقِ اِلَيْكُمْ وَحِسَابُهُمْ عَلَيْكُمْ.

لوگوں کی واپسی آپؑ کی طرف اور ان کا حساب آپ کو لینا ہے۔

---

[1] سورہ غاشیہ: ۲۵

[2] زیارت جامعہ کبیر از مفاتیح الجنان

[3] عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۲۷۲، زیارت جامعہ کبیرہ

[4] سورہ غاشیہ: ۲۵، ۲۶

یہ اسرار توحید میں سے ایک راز ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کامل کی طرف رجوع، اللہ ہی کی طرف رجوع ہے، کیوں انسان کامل فانی مطلق ببقاء اللہ ہوتا ہے۔ وہ خود اپنا کوئی تعین، انیت اور انانیت نہیں رکھتا، بلکہ وہ خود اسماء حسنیٰ میں سے ہے اور خود اسم اعظم ہے۔ چنانچہ اس کی طرف قرآن واحادیث میں بہت اشارہ کیا گیا ہے۔

قرآن شریف توحید کے اس قدر لطائف وحقائق اور سرائر و دقائق (نکات، سچائیوں، رموز اور باریکیوں) کا جامع ہے کہ اہل معرفت کی عقلیں حیران رہ جاتی ہیں اور یہ اس نوارنی آسمانی صحیفہ کا ایک عظیم اعجاز ہے۔ نہ صرف حسن ترکیب، لطف بیان، غایت فصاحت، نہایت بلاغت، کیفیت دعوت، اخبار غیب، احکام احکام، اتقان تنظیم عائلہ بشری اوران جیسے بے شمار حقائق کے اعتبار سے، جن میں سے ہر ایک مستقل اعجاز ہے جو طاقت بشری سے بالا تر اور خارق عادت ہے۔، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن جو اپنی فصاحت کے لئے مشہور ہوا اور تمام معجزار کے درمیان اس اعجاز نے آفاقی شہرت حاصل کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ صدر اول کے اہل عرب کو فصاحت میں تخصص حاصل تھا اور وہ اعجاز کے اسی رخ کو سمجھ سکے، لیکن اعجاز قرآن کی چونکہ اس سے زیادہ اہم جہتیں ہیں، جو اس میں موجود ہیں اوران کا اعجازی رخ بالا تر ہے اور ان کے ادراک کے لئے زیادہ بلند علمی وعقلی سطح کی ضرورت تھی۔ لہٰذا ان کا ادراک اس زمانے کے اہل عرب نہ کر سکے اور اب بھی وہ لوگ جن کی علمی وفکری سطح اسی زمانے کے اہل عرب کی علمی وفکری سطح کے برابر ہے، وہ سوائے ترکیبات لفظیہ اور محسنات بدیعیہ و بیانیہ کے اس لطیفہ الٰہیہ سے کچھ بھی نہیں سمجھ پاتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو معارف کے اسرار و دقائق سے آشنا ہیں اور توحید وتجرید کے باریک نکتوں کو سمجھتے ہیں، ان کا سطح نظر اس کتاب الٰہی کے بارے میں اوران کا قبلہ امید اس وحی سماوی کے متعلق وہی معارف ہیں۔ وہ دوسری جہتوں کی طرف زیادہ توجہ نہیں کرتے اور جو شخص بھی عرفان قرآن اور ان عرفائے اسلام کی طرف نظر کرے جنہوں نے قرآن سے معارف حاصل کئے ہیں اور ان کے اور تمام مذاہب کے علماء اوران کی تصنیفات و معارف کے درمیان موازنہ کرے تو معارف اسلام وقرآن کی وہ عظمت سمجھ میں آئے گی جو دین و دیانت کی اصل بنیاد اور بعثت رسل اور ارسال کتب کی آخری غرض و غایت ہے اور اس بات کی تصدیق کہ یہ کتاب وحی الٰہی ہے اور یہ معارف، معارف الٰہیہ ہیں اس کے لئے کچھ مشکل نہ ہوگی۔

ایمانی بیداری

معلوم ہو کہ عالمین کے لئے حق تعالیٰ کی ربوبیت کی دو قسمیں ہیں:

ایک ربوبیت عامہ جس میں تمام موجودات عالم شریک ہیں اور ربوبیت عامہ وہ تکوینی تربیتیں ہیں جو ہر موجود کو

حد نقص سے نکال کر ربوبیت کے زیر تصرف لاتی اور اس کے لائق کمال تک پہنچاتی ہیں۔ جس کے بعد اس کی تمام طبیعی و جوہری ترقیاں اور ذاتی و عرضی حرکات اور تبدیلیاں ربوبیت کے تصرفات کے تحت ہوتی ہے۔

وبالجملہ، مادۃ المواد اور ہیولائے اولی سے لے کر منزل حیوانیت اور جسمانی قوتوں اور روحانی و حیوانی قوتوں کے حصول تک، تربیت تکوینی (کا نام ربوبیت عامہ ہے جس کے بعد) ہر قوت گواہی دیتی ہے کہ (الله جل جلاله ربی)۔ ربوبیت کا دوسرا مرتبہ (ربوبیت تشریعی) ہے جو نوع انسانی کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرے موجودات کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ یہ تربیت طریق نجات کی ہدایت، سعادت و انسانیت کی طرف راہنمائی اور منافیات سے بچانے کا نام ہے۔ جس کا اظہار انبیاء علیہم السلام کے واسطہ سے فرمایا ہے اور اگر کوئی اپنے اختیار سے خود کو رب العالمین کے زیر تربیت و تصرف لے آئے اور اس طرح تربیت حاصل کر لے کہ اس کے اعضاء اور ظاہری و باطنی قوتوں کے تصرفات نفسانی نہ ہوں۔ بلکہ تصرفات الٰہیہ و ربوبیہ ہو جائیں تو کمال انسانیت کے اس مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے۔ جو نوع انسانی کے ساتھ مختص ہے۔

انسان جب تک حیوانیت کی منزل میں ہوتا ہے اس وقت تک تمام حیوانوں کے ساتھ ہم قدم رہتا ہے اور اس منزل سعادت کی طرف جاتا ہے جو رب العالمین کا صراط المستقیم ہے۔

اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ.[1]

اس میں تو شک ہی نہیں کہ میرا پروردگار (انصاف کی) سیدھی راہ پر ہے۔

اور ایک راستہ منزل شقاوت کی طرف جاتا ہے جو شیطان کا ٹیڑھا راستہ ہے۔ اگر اپنی مملکت کے اعضاء اور قوتوں کو رب العالمین کے تصرف میں دے دیا تو اس کا تربیت یافتہ ہو جائے گا۔ اس وقت لسان غیبی، جو ظل قلبی (دل کی ترجمان) ہے کہہ سکتی ہے: "الله جل جلا له ربی" عالم قبر کے ملائکہ کے سوال "من ربك؟" کے جواب میں اور چونکہ ایسے شخص نے لازمی طور پر اطاعت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اقتدائے ائمہ ہدیٰ علیہم السلام اور عمل بہ کتاب الٰہی کیا ہوتا ہے تو اس کی زبان گویا ہوتی ہے کہ "محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی، وعلیّ واولاده المعصومین ائمتی، والقرآن کتابی"[2] اور اگر دل کو الٰہی اور ربوبی نہیں بنایا ہوگا اور نقش (لا اله الا الله، محمد رسول الله، علی ولی الله،) لوح دل پر نقش اور باطن نفس کی صورت نہیں بنا ہوگا اور قرآن شریف پر عمل اور اس پر تفکر، تذکر اور تدبر کے ذریعہ، قرآن اس کی طرف

---

[1] سورۂ ہود: ۵۶

[2] یہ جملہ اشارہ روایت کی طرف جس میں مردے کو چند چیزوں کی تلقین کی جاتی ہے۔

منسوب اوراس کوقرآن سے معنوی و روحانی ربط نہ پیدا ہوا ہوگا تو جاں کنی، مرض الموت کی سختیوں اورخود موت میں جو ایک عظیم مصیبت ہے،تمام معارف اس کے دل سے محو ہو جائیں گے۔

عزیزم! انسان ایک ٹائیفائڈ کے مرض اور دماغی قوتوں کی کمزوری سے تمام معلومات کو بھول جاتا ہے سوائے ان چیزوں کے جو شدید تذکر اورانس کی وجہ سے اس کی فطرت ثانیہ کا ایک حصہ بن گئی ہوں اورایک بڑا حادثہ اورکوئی خوفناک واقعہ درپیش ہو جائے تو انسان اپنے بہت سے امور سے غافل ہو جاتا ہے اوراس کی معلومات پر نسیان کی لکیر کھینچ جاتی ہے تو موت کی ہولناکیوں،شدتوں اورسکرات میں کیا حال ہوگا؟ اوراگر گوش دل بند ہوں گے اوردل سننے کی قوت نہ رکھتا ہوگا تو موت کے وقت اورموت کے بعد عقائد کی تلقین سے اس کو کیا نتیجہ حاصل ہوگا؟ تلقین ان کے لئے مفید ہے جن کے دل عقائد حقہ کو جانتے ہیں اوران کے دل کے کان کھلے ہوئے ہیں اوران سکرات وشداید میں کچھ غفلت پیدا ہو گئی ہو تو یہ (عقائد حقہ سے واقفیت اورگوش دل کا کھلا ہونا) وسیلہ بن جائے گا کہ ملائکہ اللہ (اس وسیلہ سے) اس کے کانوں تک پہنچائیں،لیکن اگرانسان بہرا ہو اورعالم برزخ وقبر میں کام آنے والے کان نہ رکھتا ہو تو وہ ہرگز تلقین کو نہیں سنتا اوراس کے حال پر تلقین کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ احادیث شریفہ میں مذکورہ باتوں میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

قوله تعالیٰ: الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲.....

حق تعالیٰ کے تمام اسماء وصفات کے بطور کلی دومقام اورمراتب ہیں:

ایک مقام اسماء وصفات ذاتیہ کہ جوحضرت واحدیت میں ثابت ہے۔ جیسے عالم ذاتی جوتجلیات وشئون ذاتیہ میں ہے اورقدرت وارادۂ ذاتیہ اوردوسرے شئون ذاتیہ۔

دوسرا مقام اسماء وصفات فعلیہ ہے جو (فیض مقدس) کے ساتھ تجلی سے حق کے لئے ثابت ہے۔ چونکہ علم فعلی اشراقیین کے نزدیک ثابت ہے اورعلم تفصیلی کو بھی اسی پر معلق سمجھتے ہیں اور جناب افضل الحکماء خواجہ نصیر الدین طوسی (نضر اللہ وجہہ) نے انہیں کے مسلک پر برہان قائم کیا ہے اور اس معنی میں کہ (علم تفصیلی) کی میزان (علم فعلی) ہے،اشراقیین کی پیروی کی ہے،[1]

اوریہ بات اگرچہ خلاف تحقیق ہے، بلکہ علم تفصیلی مرتبہ ذات میں ثابت ہے اورعلم ذاتی کا کشف اوراسکی تفصیلی علم فعلی سے بالاتر اوربیشتر ہے۔ جیسا کہ اپنے مقام پر یہ بات برہان سے ثابت ومحقق ہے،لیکن اصل مطلب کہ نظام و

---

[1] مصارالمصارع،خواجہ نصیرالدین طوسی،تصحیح معزی،ص ۱۴۱

جودحق تعالیٰ کا علم فعلی تفصیلی ہے۔ سنت برہان ومشرب عرفان دونوں میں ثابت ومحقق ہے، اگرچہ اعلیٰ عرفانی مسلک اورزیادہ دشیریں عرفانی ذوق کے لئے ان طریقوں کے علاوہ بھی ایک طریقہ ہے۔

مذہب عاشق زمذہبھا جدا است

وبالجملہ، رحمت (رحمانیہ ورحیمیہ) کے دومرتبے اوردوتجلیاں ہیں۔

ایک جلوہ گاہ ذات میں واحدیت کے حضور، فیض اقدس کی تجلی اوردوسرے اعیان وجودیہ کی جلوہ گاہ میں فیض مقدس کی تجلی اورسورہ مبارکہ میں ''رحمٰن ورحیم'' اگرصفات ذاتیہ سے ہوں، جیسا کہ ظاہر ترہے، تو آیہ شریفہ ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' میں ان دونوں صفتوں کو اسم کا تابع، صفت، سمجھا جاسکتا ہے تاکہ صفات فعلیہ میں شمار کیا جاسکے۔ اس بناپر کسی تکرار کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ کہا جاسکے کہ تاکید ومبالغہ کے لئے ہے۔ اس احتمال سے ''اَلۡعِلۡمُ عِنۡدَ اللّٰہِ'' (علم تو بس خدا ہی کو ہے)[1] آیات شریفہ کے معنی یہ ہوجائیں گے ''بمشیۃ الرحمانیۃ والرحیمیۃ الحمد للہ لذاتہ الرحمانی والرحیمیۃ'' اورجس طرح مقام، مشیت، جلوہ ذات مقدس ہے، مقام رحمانیت ورحیمیت، جومقام مشیت کے تعینات میں سے ہے، جلوہ رحمانیت ورحیمیت ذاتیہ ہے اوربھی احتمالات ہیں جنہیں ہم نے ترک کردیا، کیونکہ جس احتمال کا ذکر کیا وہ زیادہ ظاہر تھا۔

قولہ تعالیٰ: مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ ۝۴

بہت سے قاریوں نے، ملک، کی میم کے فتحہ اورلام کے کسرہ کے ساتھ قرائت کی ہے اوران دونوں قرائتوں میں سے ہرایک کے لئے ادبی ترجیحات کا ذکر کیا ہے، یہاں تک کہ بعض علماء نے ''مالک'' پر، ملک کی ترجیح ثابت کرنے کے لئے رسالے لکھے ہیں، لیکن جو باتیں طرفین نے کہی ہیں وہ ایسی نہیں ہیں جن سے اطمینان پیدا ہوسکے۔

جو بات راقم الحروف کی نظر میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ ''مالک'' راجح بلکہ متعین ہے، کیونکہ یہ سورہ مبارکہ اورسورہ توحید دوسرے سوروں کی طرح نہیں ہیں، بلکہ ان سوروں کو چونکہ لوگ نماز فرائض ونوافل میں پڑھتے ہیں اور ہرزمانے میں مسلمانوں کی سینکڑوں ملین کی جمعیتیں سینکڑوں ملین کی جمعیتوں سے سنتی آئی ہیں اورانہوں نے سینکڑوں ملین سابقین سے یوں ہی سنا ہے۔ یہ دوسورے جس طرح پڑھتے ہیں، ایک حرف کی کمی زیادتی یا تقدم وتاخر کے بغیر اسی طرح ائمہ ہدیٰ اورپیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے اور اس کے باوجود کہ اکثر قاریوں نے ''مَلِكِ'' پڑھا ہے اور کثیر علماء نے ''ملک'' کو ترجیح دی ہے۔ اس کے باوجود ان تمام باتوں نے اس ثابت، بدیہی، متواتر اورقطعی امر کو ذرا بھی ضرر نہیں

---

[1] سورۂ ملک: ۲۶

پہنچایا اور کسی نے ان (قاریین اور علماء) کی متابعت نہیں کی اور اس کے باوجود کہ علماء قراء میں سے ہر ایک کی پیروی کو جائز سمجھتے ہیں، کسی ایک نے بھی، سوائے شاذ و نادر کے جس کا قول قابل اعتناء نہیں ہے۔ اس بداہت کے مقابل اپنی نمازوں میں ''ملک'' نہیں پڑھا اور اگر کسی نے ملک پڑھا تو بر بنائے احتیاط پڑھا ہے اور ساتھ ہی ''مالک'' بھی پڑھا ہے۔ چنانچہ عوالم نقلیہ میں ہمارے شیخ علامہ حاج شیخ عبدالکریم حائر یزدی، قدس سرہ، اپنے معاصر علمائے اعلام میں سے ایک کی خواہش پر ''ملک'' بھی کہتے تھے، لیکن یہ احتیاط بہت کمزور ہے۔ بلکہ راقم الحروف کے عقیدہ میں مقطوع الخلاف ہے، یعنی ملک نہ پڑھا جانا قطعی ہے)۔

یہ جو بیان ہوا، اس سے اس مطلب کا ضعف معلوم ہو گیا جو کہا گیا ہے کہ خط کوفی میں ''ملک'' اور ''مالک'' باہم مشتبہ ہو گئے، کیونکہ یہ دعویٰ ان سوروں کے لئے تو شاید کیا جا سکے جو کثرت سے زبانوں پر متداول نہیں ہیں۔ وہ بھی بہ اشکال، لیکن ان جیسے سوروں کے بارے میں جو تسامع اور قرائت سے ثابت ہیں، جیسا کہ اچھی طرح واضح ہے، بہت بے مغز اور بے اعتبار بات ہے۔

یہ کلام جو ذکر ہوا (کفواً) میں بھی جاری ہے، کیونکہ ''واؤ'' مفتوحہ اور فائے مضمومہ کے ساتھ قرائت، حالانکہ یہ صرف عاصم (قاریوں میں سے ایک قاری) کی قرائت ہے، اس کے باوجود بھی تسامع سے بداہتہً ثابت ہے اور دوسری قرائتیں اس بداہت سے معارض بھی نہیں۔ اگرچہ بعض لوگ اپنے خیال میں احتیاط کرتے ہیں اور قراء کی اکثریت کے مطابق، جو ضم، فاء، اور، ہمزہ، ہے، قرائت کرتے ہیں، لیکن یہ احتیاط بے جا ہے۔

اگر ہم ان روایات کے مطابق قرائت کریں، جن میں لوگوں کی قرائت کے مطابق قرائت کرنے کا حکم [1] ہے تو مناقشہ پیدا ہوتا ہے اور مناقشہ کا محل بھی ہے، لیکن ظن یہ پیدا ہوتا ہے کہ روایتوں کی مراد یہ ہو کہ جس طرح لوگوں کے درمیان متداول ہے اسی طرح قرائت کرو۔ نہ یہ کہ اختیار ہے کہ قراءات سبع میں سے مثلاً کسی کے مطابق قرائت کرو۔ اس صورت میں ''ملک'' اور کفواً، کی قرائت اس طریقہ کے علاوہ جو مسلمانوں کے درمیان مشہور اور قرآن میں مسطور ہے، غلط ہو جاتی ہے۔ اور ہر صورت میں احتیاط کی ایک ہی صورت رہ جاتی ہے کہ جس طور پر لوگوں کے درمیان متداول ہے اور زبانوں میں مشہور اور قرآن میں مسطور ہے۔ اسی طور پر قرائت کریں کیونکہ اس طرح قرائت ہر مسلک کے مطابق

---

[1] ان روایتوں میں کچھ یہ ہیں:

قُلْتُ كَيْفَ يَقْرَأُهَا قَالَ كَمَا يَقْرَأُهَا النَّاس (الکافی (ط-الاسلامیۃ)/ ج۱، ص۹۱)

وَاقْرَؤُوا كَمَا تَعَلَّمْتُم. (وسائل الشیعۃ/ ج۶؛..... ص:۱۶۲)

صحیح ہے۔ واللہ العالم،[1]

حکیمانہ تحقیق

معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی مالکیت اس طرح کی مالکیت نہیں ہے جیسی مالکیت بندوں کو اپنی مملوکات پر حاصل ہوتی ہے اور ویسی مالکیت بھی نہیں ہے جیسی سلاطین کی ملکیت اپنی مملکت پر ہوتی ہے، کیونکہ یہ مالکیتیں اضافی اور اعتباری ہیں اور حق کی نسبت و اضافت خلق سے ایسی نہیں ہے۔ اگر چہ علمائے فقہ کے نزدیک حق تعالیٰ کے لئے اس طور کی ملکیت طولاً ثابت ہے اور وہ بھی ہمارے ملحوظ نظر اور بیان مذکور کے منافی نہیں ہے۔ حق تعالیٰ کی مالکیت ویسی بھی نہیں ہے جیسی انسان کی مالکیت اپنے اعضاء و جوارح پر ہوتی ہے اور ویسی بھی نہیں ہے جیسی انسان مالکیت اپنی ظاہری و باطنی قوتوں پر ہوتی ہے۔ اگر چہ یہ مالکیت، حق تعالیٰ کی مالکیت سے سابق میں مذکور تمام مالکیتوں کی بہ نسبت نزدیک تر ہے۔ حق تعالیٰ کی مالکیت ویسی بھی نہیں ہے جیسی نفس کو اپنے ان افعال ذاتی پر حاصل ہوتی ہے جو نفس کی شان سے ہیں، جیسے ایجاد صور ذہنیہ جن کو کم کرنا اور پھیلا نا ایک حد تک نفس کے ارادہ تحت ہے۔ حق تعالیٰ کی مالکیت ویسی بھی نہیں ہے جیسی عوالم عقلیہ کی مالکیت اپنے ماسوا پر ہوتی ہے۔ اگر چہ وہ ان عوالم میں اعدام وایجاد کے ساتھ متصرف ہیں، کیونکہ تمام دار تحقق امکانی، جن کی پیشانی پر ذلت کا نشان ثبت ہے، حدود میں محدود اور قدر (مقدار) میں مقدر ہیں، چاہے ماہیت ہی کی حد تک ہوں اور جو حد میں محدود ہوتا ہے وہ اپنی محدودیت کے مطابق اپنے فعل کے ساتھ تباین عزلی رکھتا ہے، یعنی ایک وقت اس فعل کو انجام دے سکتا ہو اور دوسرے وقت اس کی انجام دہی سے معزول ہو جائے، اور حق تعالیٰ کی طرح احاطہ قیومیت نہیں رکھتا ہے۔ پس تمام اشیاء اپنی ذات کے مرتبہ کے مطابق اپنے افعال سے متبائن اور متقابل ہوتی ہیں۔ اسی جہت سے احاطہ ذاتیہ، قیومیہ، نہیں رکھتیں۔

لیکن حق تعالیٰ کی مالکیت جو اضافہ اشراقیہ اور احاطہ قیومیہ سے ہے، مالکیت ذاتیہ، حقیقیہ حقہ ہے جو اپنے موجودات میں سے کسی بھی موجود کے ساتھ ذات وصفات میں تباین عزلی کا کسی رخ سے شائبہ نہیں رکھتی اور اس ذات مقدس کی مالکیت تمام عوالم پر برابر ہے بغیر اس کے کہ موجودات میں سے کسی موجود کسی جہت سے بھی تفاوت ہو یا عوالم غیب و مجردات پر دوسرے عوالم کی بہ نسبت زیادہ محیط اور زیادہ نزدیک ہو، کیوں یہی، کمی وبیشی، محدودیت اور تباین عزلی کا سبب ہوتی ہے اور احتیاط وامکان کا لازمہ ہے۔

---

[1] اگر چہ قرائت کا جواز قراء کی قراءات میں سے کسی ایک کے مطابق علی الظاہر اجماعی ہے۔

تَعَالَى عَنْ ذَالِكَ عُلُوّاً كَبِيْرًا.[1]

چنانچہ ممکن ہے کہ قول خدائے تعالیٰ میں اسی معنی کی طرف اشارہ ہو:

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ [2]

ہم تم سے زیادہ اس سے نزدیک ہیں۔

اور

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ.[3]

اور ہم تو اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

اور

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط [4]

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

اور

وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ط [5]

وہ وہ ذات ہے آسمان بھی اسی کے لئے ہیں اور زمین بھی اسی کا ہے۔

اور

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ.[6]

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔

اور قول رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

---

[1] توحید المفضل / 179 / الشمس و اختلاف الفلاسفة فی وضعها و شکلها و مقدارها .... ص: 178

[2] سورۂ واقعہ: ۸۵

[3] سورہ ق: ۱۶

[4] سورۂ نور: ۳۵

[5] سورۂ زخرف: ۸۴

[6] سورہ بقرہ: ۱۰۷

لَوْ دُلِّيْتُمْ بِحَبْلٍ اِلَى الْاَرْضِيْنَ السُّفْلٰى لَهَبَطْتُمْ عَلَى اللهِ.[1]

اور کافی کی روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا قول:

فَلا يَخْلُو مِنْهُ مَكانٌ، وَلا يَشْتَغِلُ بِهِ مَكانٌ، وَلا يَكُونُ الى مَكانٍ اَقْرَبُ مِنْهُ الى مَكانٍ.[2]

کوئی جگہ اس سے خالی نہیں ہے اور کوئی جگہ اس کا احاطہ نہیں کرتی اور وہ ایسی جگہ نہیں جو دوسری جگہ سے زیادہ نزدیک ہو۔

اور حضرت امام علی نقی علیہ السلام کا قول:

وَ اعْلَمْ، اَنَّهُ اذا كانَ فِي السَّماءِ الدُّنْيا فَهُوَ كَما هُوَ عَلى الْعَرْشِ، وَ الْاَشْياءُ كُلُّها لَهُ سَواءٌ عِلْماً وَ قُدْرَةً وَ مُلْكاً وَ احاطَةً.[3]

اور جان لو کہ جب وہ آسمان دنیا میں ہے تو ایسا ہی ہے جیسے عرش پر ہے تمام چیزیں اس کے علم، قدرت، مالکیت اور احاطہ میں برابر ہیں۔

اس کے باوجود کہ اس کی ذات مقدس کی مالکیت تمام اشیاء اور تمام عالم پر علی السواء، برابر، ہے اس کے ساتھ آیہ شریفہ میں ارشاد ہے: (مالک یوم الدین) یہ اختصاص ممکن ہے اس لئے ہو کہ (یوم الدین) یعنی یوم الجمع کا مالک، دوسرے ایام کا مالک بھی ہے، جو متفرق ہیں۔

وَ الْمُتَفَرِّقاتُ فِي النَّشْئَةِ الْمُلْكِيَّةِ مُجْتَمِعاتٌ فِي النَّشْئَةِ الْمَلَكُوتِيَّةِ.[4]

عالم ملک کے متفرقات عالم ملکوت میں جمع ہوتے ہیں۔

اور یہ اختصاص اس لئے بھی ہوسکتا ہے کہ حق تعالیٰ کی مالکیت و قاہریت کا ظہور (یوم الجمع) میں ہیں جو ممکنات کے باب الٰہی کی طرف رجوع اور موجودات کے فناء اللہ کی طرف صعود کا دن ہے۔

اس جمال کی، اس رسالہ کے مناسب تفصیل یہ ہے کہ جب تک نور وجود اور آفتاب حقیقت سیر تنزلی اور عالم غیب سے عالم شہود کی طرف نزول میں ہے، تب تک وہ احتجاب و عنبیت کی طرف جارہا ہے۔ دوسرے لفظوں میں، ہر

---

[1] تفسیر سورہ حمد (امام خمینیؒ) ۱۷۷ جلسہ پنجم ..... ص: ۱۷۳

[2] اصول کافی، ج۱، ص ۱۷۰، کتاب التوحید، باب الحرکۃ والانتقال، حدیث ۳

[3] اصول کافی، ج۱، ص ۱۷۰، کتاب التوحید، باب الحرکۃ والانتقال، حدیث ۴

[4] تفسیر سورہ حمد (امام خمینیؒ) ۵۲، تحقیق حکمی ..... ص: ۵۰

تنزل میں ایک تعین ہے اور ہر تعین او رقید ایک حجاب ہے اور چونکہ انسا ن میں تمام تعینات و قیود جمع ہیں، اس لئے وہ سات ظلمت کے پردوں میں اور سات نو رکے پردوں میں محجوب ہے۔ یہ پردے تاویل کے اعتبار سے سات زمینوں (ارضین سبع) اور سات آسمانوں (سمٰوات سبع) کے پردے ہیں اور شاید ''اسفل السافلین'' کی طرف پلٹنا بھی ہر قسم کے حجابات میں محجوب ہونا ہو۔ اس شمس وجود اور نور صرف کے افق تعینات میں محجوب ہونے کی تعبیر ''لیل'' اور ''لیلہ القدر'' سے کی جاسکتی ہے اور جب تک انسان ان حجابوں میں ہے اس وقت تک جمال ازل اور نور اول کے مشاہدہ سے محجوب ہے اور جب پستی سے بلندی کی طرف سیر میں، تمام موجودات، عالم مادیات کی پست منزلوں سے، طبیعی حرکات کے ذریعہ جو ان کی جبلت میں فطرت الٰہی کی قوت جاذبہ کے نور سے (فیض اقدس) کی تقدیر کے مطابق، حضور علمی میں ودیعت کی گئی ہیں، اپنے اصلی وطن اور حقیقی وعدہ گاہ کی طرف پلٹتے ہیں۔ جیسا کہ آیات میں اس کی طرف بہت اشارہ کیا گیا ہے تو نورانی اور ظلمات حجابوں سے دوبارہ باہر آتے ہیں اور حق تعالیٰ کی مالکیت وقاہر یت جلو ہ کرتی ہے اور حق، وحدت و قہاریت کے ساتھ تجلی کرتا ہے اور اس جگہ جہاں آخر اول کی طرف رجوع کرتا ہے اور ظاہر باطن سے متصل ہوتا ہے اور ظاہر کی حکم رانی ساقط اور باطن کی حکومت جلوہ کرتی ہے، مالک علی الاطلاق کے حضور سے خطاب آتا ہے اور مخاطب ذات مقدس کے علاوہ کوئی نہیں ہوتا ''لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ'' اور چونکہ کوئی جواب دینے والا نہیں ہے تو خود فرماتا ہے ''لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ''.[1]

اور یہ یوم مطلق جو افق تعینات کے حجاب سے آفتاب حقیقت کے نکلنے کا دن ہے، ایک معنی میں ''یوم دین'' ہے کیونکہ موجودات میں سے ہر موجود اپنے مناسب اسم کے زیر سایہ حق میں فانی ہو جاتا ہے اور جب صور پھونکا جائے گا تو اسی اسم سے ظہور کرے گا اور اس اسم کے توابع سے قریب ہو جائے گا ''فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ'' (ایک گروہ جنت میں ہے اور ایک گروہ جہنم میں).[2]

اور انسان کامل اس عالم میں سلوک الی اللہ اور اس کی طرف ہجرت کے مطابق، ان حجابوں سے نکل آئے گا اور قیامت، ساعت اور یوم الدین کے احکام اس کے لئے ثابت ہو جائیں گے، حق اپنی مالکیت کے ساتھ اس معراج صلواتی میں اس کے قلب، پر ظہور کرے گا اور اس کی زبان بن جائے گا۔ یہ ہے ''یوم الدین'' کے ساتھ مالکیت کے اختصاص کے اسرار سے ایک راز!

---

[1] آج ملک کس کا ہے؟ اس خدائے یگانہ قہار کا ہے، (سورہ غافر، آیت ۱۶)

[2] سورہ شوریٰ: ۷

الہام عرشی

معلوم ہو کہ ''عرشی'' اور حملہ عرشی کے بارے میں اختلاف ہے اور اخبار شریفہ کے ظواہر میں بھی اختلاف ہے۔ اگرچہ باطن کے اعتبار سے اختلاف کا کوئی کام نہیں، کیونکہ نظر عرفانی اور طریق برہانی میں عرش کا اطلاق بہت سے معانی پر ہوتا ہے۔

ان میں سے ایک معنی جو میں نے قوم کی زبان میں نہیں دیکھے حضرت ''واحدیت'' ہے جو ''فیض اقدس'' کا مستویٰ (مقام تمکن) ہے اور اس کے حاملین چار اسم ہیں امہات اسماء میں سے، اول، آخر، ظاہر اور باطن۔

دوسرے معنی جو میں نے قوم کی زبان میں نہیں دیکھے ''فیض مقدس'' ہے جو اسم اعظم کا مستویٰ ہے۔ اس کے حاملین، رحمان، رحیم، رب اور مالک، ہیں۔

اور تیسرے معنی جملہ ''ماسوی اللہ'' ہیں۔ اس کے حاملین، اسرافیل، جبرائیل، میکائیل اور عزرائیل، ہیں۔

چوتھے معنی ''جسم کل'' ہیں، جس کے حامل چار ملک ہیں جو ''ارباب انواع'' کی صورتیں ہیں اور کافی کی روایت میں ان کی طرف اشارہ وارد ہوا ہے،[1]

عرش کا اطلاق کبھی ''علم'' پر بھی ہوا ہے کہ شاید علم سے مراد ''علم فعلی'' حق ہو جو مقام ولایت کبریٰ ہے۔ اس کے حاملین اولیائے کاملین میں سے چار نفر ہیں۔ سابقہ امتوں میں سے نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہم السلام اور چار نفر کاملین میں سے ہیں اس امت سے رسول ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امیر المومنین علیہ السلام، امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام۔

جب یہ مقدمہ جان لیا گیا تو معلوم ہونا چاہئے کہ سورۂ حمد میں اسم ''اللہ'' کے بعد جو ذات کی طرف اشارہ ہے، یہ چار اسم شریف یعنی رب، رحمٰن، رحیم اور مالک کے ذکر کو مختص کیا گیا ہے، ممکن ہے یہ اس لئے ہو کہ یہ چار اسم شریف باطن کے اعتبار سے حامل عرش، وحدانیت، ہیں اور انکے مظہر حق تعالیٰ کے چار ملائکہ مقربین ہیں جو عرش، تحقق، کے حامل ہیں۔ لہٰذا اسم مبارک ''رب'' میکائیل کا باطن ہے جو مظہریت رب کے ساتھ موکل ارزاق اور مربی دار وجود ہے اور اسم شریف، رحمٰن، اسرافیل کا باطن ہے جو منشی ارواح، نافخ صور اور باسط ارواح وصور ہے۔ چنانچہ بسط و جود یعنی وجود کا پھیلاؤ، بھی اسم ''رحمٰن'' سے ہے اور اسم شریف، رحیم، جبرائیل کا باطن ہے جو تعلیم و تکمیل موجودات پر موکل ہے اور اسم

---

[1] اصول کافی، ج۱، ص ۱۳۱، ۱۳۲

شریف، مالک، عزرائیل، کا باطن ہے جو قبض ارواح وصور اور ظاہر کو باطن کی طرف پلٹانے پر موکل ہے۔ پس سورۂ شریفہ ''مالک یوم الدین'' تک، عرش وحدانیت اور عرش تحقق پر مشتمل ہے اور ان کے حاملین کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اس ئے پورا دائرہ وجود اور تجلیات غیب وشہود، جن کی قرآن مجید ترجمانی کر رہا ہے سورہ مذکورہ کے اسی مقام ''مالک یوم الدین'' تک ہے۔ یہی معنی جمعاً ''بسم اللہ'' میں موجود ہیں جو اسم اعظم ہے اور ''ب'' میں بھی موجود ہیں جو مقام سببیت ہے اور حضرت علی علیہ السلام سر ولایت وسببیت ہیں۔ لہٰذا وہی نقطہ تحت الباء[1] یعنی ترجمان سر ولایت ہیں۔ تامل، وجہ تامل ایک اشکال ہے جو حدیث کے بارے میں ہے۔ واللہ العالم۔

تنبیہ عرفانی

''رب'' کو مقدم کرنے اور رحمٰن ورحیم، کو اس کے بعد ذکر کرنے اور ''مالک'' کو آخر میں بیان کرنے میں شاید نشئہ ملکیہ دنیاویہ سے فنائے کل تک یا مالک الملک کے محضر میں حاضری تک، سلوک انسانی کی کیفیت کی طرف ایک لطیف اشارہ کیا گیا ہے۔ پس سالک جب تک مبادی سیر میں ہے تب تک رب ''العالمین'' کی تدریجی تربیت کے تحت ہے، کیونکہ وہ خود بھی عالمیان میں شامل ہے۔ اور اس کا سلوک زمان وتدریج کے زیر تصرف ہے اور جب سلوک کے قدموں سے عالم طبیعت سے جدا ہو گیا تو اسمائے محیطہ کا مرتبہ عالم سے جن میں سوائیت (برابری) کا جنبہ غالب ہے۔ فقط تعلق ہی نہیں رکھے گا بلکہ اس کے قلب میں تجلی کرے گا اور چونکہ اسم شریف ''رحمٰن'' کو تمام اسمائے محیطہ کے درمیان ایک مزید اختصاص ہے، اس لئے اس کو ذکر کیا گیا اور چونکہ ''رحمٰن'' ظہور رحمت اور مرتبہ بسط مطلق ہے اس لئے ''رحیم'' پر مقدم ہوا جو افق بطون سے نزدیک تر ہے۔ پس سلوک عرفانی میں پہلے اسمائے ظاہرہ تجلی کرتے ہیں اس کے بعد اسمائے باطنہ اور چونکہ سالک کی سیر ''من الکثرۃ الی الوحدۃ'' کثرت سے وحدت کی طرف ہوتی ہے، یہاں تک کہ اسمائے باطنہ محضہ پر جن میں سے ایک اسم ''مالک'' ہے، منتہی ہوتا ہے۔ لہٰذا مالکیت کے ساتھ تجلی میں عالم غیب وشہادت کے کثرات فانی ومضمحل ہو جاتے ہیں اور فنائے کلی اور حضور مطلق حاصل ہوتا ہے اور جب کثرت کے حجابات سے چھٹکارا حاصل کر کے مقام ظہور وحدت وسلطنت الٰہیہ کو پالیا اور مشاہدہ حضور تک رسائی ہو گئی تو مخاطبہ حضوریہ کرتا ہے اور کہتا ہے "ایاك نعبد".

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم مادیت کے آخری حجاب کے اٹھنے سے لے کر حجابات ظلمانی ونورانی کے اٹھنے اور

---

[1] الاسفار الاربعہ، ج ۷، ص ۳۲، اسرار الحکم، ص ۵۵۹

حضور مطلق کے حاصل ہونے تک اہل سیر کا پورا دائرہ سیر اس سورہ مبارکہ میں موجود ہے۔ یہ حضور مطلق سالک کی قیامت کبریٰ اور اس کا قیام ساعت ہے اور شاید آیہ شریفہ:

فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ [1]

جو لوگ آسمانوں میں ہیں اور جو لوگ زمین میں ہیں (موت سے) بیہوش ہو کر گر پڑیں گے مگر (ہاں) جس کو خدا چاہے (وہ البتہ بچ جائے گا)۔

اس آیت میں ''مستثنیٰ'' سے مقصود اہل سلوک کی یہی نوع ہو جن کو نفخ صور کلی سے پہلے ہی صعق و محو حاصل ہو چکا اور شاید قول رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ''اَنَا وَ السَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ'' [2] (میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں) اور اپنی دو انگلیوں یعنی انگشت شہادت اور اس کے برابر والی انگلی کو ملایا کے یہی معنی ہوں۔

تنبیہ ادبی

متداول تفسیریں جو ہم نے دیکھی ہیں یا ان سے جو کچھ نقل ہوا ہے ان میں ''دین'' کو جزا و حساب کے معنی میں قرار دیا گیا ہے اور کتب لغت میں بھی یہی معنی مذکور ہیں اور شعرائے عرب کے قول سے بھی یہ استشہاد ہوتا ہے، جیسے شاعر کا قول:

واعلم بانك ماتدين تدان، [3]

اور سہل بن ربیعہ کی طرف منسوب قول:

ولم يبق سوى العدوان دناهم كما دانو، [4]

اور کہا کہ ''دیان'' کے بھی جو اسمائے الٰہیہ میں ہے یہی معنی ہیں اور شاید، دین، سے مراد شریعت حقہ ہو اور

---

[1] سورۂ زمر: ۶۸

[2] الاشعثیات، ص ۲۱۲، باب مایوجب الصبر، بحار الانوار، ج ۳، ص ۳۹، کتاب العلم، حدیث ۷۲، از مجالس خمسہ

[3] جان لو کہ جیسا کرو گے ویسی جزا پاؤ گے۔

[4] سہل بن شیبان، جامع الشواہد، باب الفاء مع اللام، ص ۱۸۵

فلما اصبح الشر و امسیٰ وهو عريان
ولم يبق سو ى العدوان دناهم كما دانوا،

اور دشمنی کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔ ہم نے اس کو ویسا ہی بدل دیا جیسے انہوں نے جزا دی تھی۔

چونکہ روز قیامت دین کے آثار ظاہر ہوں گے اور دین کے حقائق بے پردہ ہوکر سامنے آئیں گے اس لئے اس روز کو روز دین کہنا ہی چاہئے جس طرح آج روز ''دنیا'' ہے کیونکہ آثار دنیا کے ظاہر ہونے کے دن ہیں اور دین کی صورت ظاہر نہیں ہے اور یہ بات اللہ کے اس قول جیسی ہے جس میں فرماتا ہے: ''وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ'' [1] (اللہ کے دنوں کو انہیں یاد دلاؤ)۔

اور یہ وہ ایام ہیں جن میں حق تعالیٰ ایک قوم کے ساتھ اپنے قہر وسلطنت سے سلوک کرلے گا اور قیامت کا روز ''یوم اللہ'' بھی ہے اور ''یوم الدین'' بھی، کیونکہ وہ سلطنت الٰہیہ کے ظہور اور دین خدا کی حقیقت کے سامنے آنے کا دن ہے۔

قوله تعالیٰ: اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ ...

اے عزیز! جب بندہ سالک نے طریق معرفت میں تمام حمد و ستائش کو ذات مقدس حق سے مختص جان لیا اور وجود کے سکڑنے اور پھیلنے کو اسی سے سمجھ لیا اور توحید ذات و صفات نے اس کے قلب میں تجلی کی تو وہ ذات حق میں عبادت و استعانت کو منحصر قرار دے گا اور تمام دار تحقق کو طوعاً وکرہاً ذات مقدس کے سامنے خاضع و عاجز دیکھے گا اور اس کے سوا دار تحقق میں اسے کوئی صاحب قدرت نظر نہ آئے گا تاکہ اسکی طرف اعانت کی نسبت دے سکے اور یہ جو بعض اہل ظاہر نے کہا ہے کہ حصر عبادت حقیقی ہے اور حصر استعانت حقیقی نہیں ہے۔ کیونکہ استعانت غیر حق سے بھی ہوتی ہے اور قرآن میں بھی ارشاد ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى [2]

نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔

اور یہ بھی ارشاد ہے کہ:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ [3]

صبر اور نماز سے مدد مانگو۔

اور بدیہی طور پر یہ معلوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ ھدیٰ علیہم السلام اور ان کے اصحاب اور مسلمین غیر حق سے اکثر مباح امور میں استعانت کیا کرتے تھے جیسے چوپائے، خادم، زوجہ، ساتھی اور مزدور وغیرہ سے۔ یہ کلام اہل ظاہر کے

---

[1] سورۂ ابراہیم: ۵

[2] سورۂ مائدہ: ۲

[3] سورہ بقرہ: ۴۵

اسلوب کلام کے مطابق ہے، لیکن جو شخص حق تعالیٰ کی توحید فعلی کی اطلاع رکھتا ہے اور نظام وجود فاعلیہ حق تعالیٰ کی صورت سمجھتا ہے اور "وَ لَا مُؤَثِّرَ فِی الْوُجُوْدِ اِلَّا اللّٰہ"[1] کو برہان یا مشاہدہ سے دریافت کر چکا ہے وہ چشم بصیرت اور قلب نورانی کے ساتھ حصر استعانت کو بھی حصر حقیقی سمجھتا ہے اور دوسرے موجودات کی اعانت کو اعانت حق کی صورت جانتا ہے اور ان کے کہنے کی بنا پر، حمد و ستائش کے اللہ تعالیٰ سے اختصاص کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے، کیونکہ دوسرے موجودات کے لئے اس مسلک کی بنا پر، تصرفات و اختیارات اور جمال و کمال ہے جس کی وجہ سے وہ لائق حمد و ستائش ہیں، بلکہ زندگی دنیا، موت دنیا، رزق دنیا اور خلق کرنا بھی حق اور خلق کے درمیان مشترک امور ہیں اور یہ امور اہل اللہ کی نظر میں شرک ہیں اور روایات میں ان امور کو شرک خفی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ کسی چیز کے یاد رہ جانے کے لئے انگشتری کو گردش دینا، شرک خفی میں محسوب کیا گیا ہے۔[2]

وبالجملہ، "اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ" الحمد للہ کے فروع میں سے ہے جو توحید حقیقی کی طرف اشارہ ہے اور جس کے قلب میں حقیقت توحید نے جلوہ نہیں کیا اس نے اپنے قلب کو مطلق شرک سے پاک نہیں کیا ہے۔ اس کا "اِیَّاكَ نَعْبُدُ" کہنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور وہ عبادت و استعانت کو حق کے لئے منحصر نہیں کرسکتا۔ توحید کا جلوہ قلب میں جس قدر ہوگا اسی قدر موجودات سے روگردان اور حق تعالیٰ کے عزو قدس سے مربوط ہوگا، یہاں تک کہ مشاہدہ کرے گا کہ اسم اللہ کے ساتھ "اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ" واقع ہو رہا ہے اور "اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ"[3] کے بعض حقائق اس کے قلب میں تجلی کر رہے ہیں۔

تنبیہ اشراقی

اس رسالہ کے بیانات سے (غیبت سے خطاب کی طرف عدول) کا نکتہ معلوم ہو چکا ہے اور یہ اگرچہ کو محسنات کلام اور امتیازات بلاغت میں سے ہے جو فصحاء و بلغاء کے کلام میں آیا ہے اور حسن کلام کا سبب ہوتا ہے اور خود

---

[1] تفسیر سورہ حمد (مؤلفہ امام خمینیؒ) ص: ۱۵

[2] قَالَ اَبُو عَبْدِ اللّٰہِ علیہ السلام: اِنَّ الشِّرْكَ اَخْفٰی مِنْ دَبِیْبِ النَّمْلِ وَ قَالَ: مِنْهُ تَحْوِیْلُ الْخَاتَمِ لِیَذْكُرَ الْحَاجَةَ وَ شِبْهُ هٰذَا. (باب نوادر المعانی، حدیث ۱، بحار الانوار، ج ۴۹، ص ۹۶)

[3] تفسیر سورہ حمد (مؤلفہ امام خمینیؒ) 9 در اشارہ اجمالیہ بہ بعض اسرار سورہ حمد..... ص: 3

(التفات) ایک حال سے دوسرے حال کی طرف، مخاطب کی اکتاہٹ کو دور کرتا ہے اور اس کی روح میں ایک نشاط تازہ پیدا کرتا ہے، لیکن نماز چونکہ حضور قدس میں پہنچنے کی معراج اور مقام انس کے حصول کا زینہ ہے۔ لہٰذا اس سورہ میں اس روحانی ارتقاء اور عرفانی سفر کا دستور بتایا گیا ہے اور بندہ چونکہ سلوک الی اللہ کے آغاز میں عالم مادیت کے تاریک حجابات اور عالم غیب کے نورانی پردوں میں محجوب ومحبوس ہے اور سفر الی اللہ کا مطلب سلوک معنوی کے قدموں سے انہیں، دونوں طرح کے، پردوں سے باہر آنا ہے اور مہاجرت الی اللہ درحقیقت بیت نفس اور بیت خلق سے اللہ کی طرف واپسی، کثرات کا ترک غیریت کے غبار سے دوری، توحیدات ثلاثہ، کو حاصل کرنا، خلق سے غیبت اور محضر رب میں حاضری کا نام ہے اور جب آیہ شریفہ "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" میں کثرات کو مالکیت قاہریت کے نور کی درخشندگی کے تحت غائب دیکھا تو کثرت سے محو اور محضر حق میں حضور کی حالت پیدا ہوگی اور مخاطبہ حضور یہ اور مشاہدہ جمال وجلال کے ساتھ اپنی بندگی کو پیش کرے گا اور اپنی خدا خواہی وخدا بینی کو محفل قدس ومحفل انس تک پہنچا دے گا۔

اور شاید "اياك" کی ضمیر کے ساتھ اس مقصد کو ادا کرنے میں یہ نکتہ مضمر ہو کہ یہ ضمیر ذات کی طرف پلٹتی ہے، جس میں کثرات مضمحل اور فانی ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا سالک کے لی ممکن ہے اس مقام میں توحید ذاتی کی حالت پیدا ہو اور کثرت اسماء وصفات سے بھی منصرف ہو جائے اور قلب کا رخ ذات کے حضور کثرات کے حجابات کے بغیر ہو جائے اور یہی وہ کمال توحید ہے جس کے بارے میں امام موحدین، سرحلقہ عارفین، پیشوائے عاشقان، سرسلسلہ مجذوبان ومحبوبان حضرت امیر المومنین صلوات اللہ علیہ واولادہ المعصومین فرماتے ہیں:

وَ كَمالُ التَّوْحيدِ نَفْيُ الصِّفاتِ عَنْهُ.[1]

کمال توحید اس سے صفات کی نفی ہے۔

کیونکہ صفت میں غیریت اور کثرت کا رخ پایا جاتا ہے اور کثرت کی طرف یہ توجہ، چاہے وہ کثرت اسماء ہو، اسرار توحید اور حقائق توحید سے بعید ہے۔ اسی لئے خطائے آدم علیہ السلام کا راز کثرت اسماء ہی کی طرف توجہ ہے جو شجرۂ ممنوعہ کی روح ہے۔

تحقیق عرفانی

معلوم ہو کہ اہل ظاہر نے "نعبد" اور "نستعین" کو صیغہ متکلم مع الغیر (جمع متکلم) کے ساتھ ذکر کئے جانے میں

---

[1] اصول کافی، ج۱، ص۱۹۱، کتاب التوحید، باب جوامع التوحید، حدیث ۶

جبکہ عبادت گزار واحد ہے (فرادیٰ نماز پڑھ رہا ہو، یا محض سورہ کی تلاوت کر رہا ہو) بہت سے نکات بیان کئے ہیں۔

ان میں ایک نکتہ یہ ہے کہ عبادت گزار کی نظر میں ایک حیلہ شرعیہ رہے، جس کے وسیلہ سے اس کی عبادت درگاہ حق تعالیٰ میں مقبول ہو جائے وہ حیلہ شرعیہ یہ ہے کہ اپنی عبادت کو تمام مخلوقات کی عبادت کے ضمن میں، جن میں ان اولیائے کاملین کی عبادتیں بھی شامل ہیں جو یقیناً مقبول ہیں، بارگاہ قدس دوست گاہ رحمت میں پیش کرے تا کہ ان عبادتوں کے وسیلہ سے اس کی عبادت بھی ضمناً قبول ہو جائے، کیونکہ تبعض صفقہ (کچھ مال خریدنا اور کچھ چھوڑ دینا) کریم کی عادت نہیں ہوتی۔

ان میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ اول امر میں نماز جماعت ہی سے ادا کی جاتی تھی اس لئے صیغہ جمع استعمال ہوا۔

ہم اذان و اقامت کا مجموعی راز بیان کرتے ہوئے ایک نکتہ بیان کر چکے ہیں، جس سے ایک حد تک اس راز کا انکشاف ہوتا ہے۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ اذان سالک کی قوائے ملکیہ و ملکوتیہ کا اعلان ہے کہ وہ محضر میں حاضر ہو رہا ہے اور اقامہ یہ اعلان ہے کہ وہ حاضر ہو گیا اور جب سالک نے اپنی ملکی اور ملکوتی قوتوں کو محضر میں حاضر کر دیا اور قلب نے جو ان قوتوں کا پیشوا اور امام ہے ان کی امامت کے لئے قدم آگے بڑھایا "فَقَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ وَ الْمُؤْمِنُ وَحْدَهُ جَمَاعَةٌ"[1] (مومن اپنے مقام پر انتہا ایک جماعت ہے)۔

لہٰذا، نعبد، اور نستعین، اور اھدنا، جمع کے صیغے سب محضر قدس میں حاضر قوتوں کی اس جمعیت کے لئے ہے۔ اہل بیت عصمت و طہارت کی روایات اور ادعیہ ماثورہ جو عرفان و شہود کا سرچشمہ ہیں، اس مفہوم کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

ایک اور وجہ جو راقم الحروف کی نظر میں آتی ہے یہ ہے کہ جب سالک نے "الحمد للہ" میں ملک و ملکوت میں ہر حمد و ثنا کرنے والے کی ہر حمد و ثنا کو ذات مقدس حق سے مقصود و مخصوص قرار دیا اور ائمہ برہان کے مدارک میں اور اہل عرفان کے قلوب میں یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ تمام دائرہ وجود (اپنے ملک و ملکوت اور قض و قضیض کے ساتھ) "بِمُلْكِهَا وَ مَلَكُوْتِهَا وَ قَضِّهَا وَ قَضِيْضِهَا"[2] حیات شعوری ادارکی حیوانی، بلکہ انسانی رکھتے ہیں اور شعور و ادراک کے ساتھ حق تعالیٰ کی حمد و تسبیح کرتے ہیں اور تمام موجودات بالخصوص نوع انسان کی فطرت میں کامل و جمیل علی الاطلاق کی بارگاہ میں خاکساری و عاجزی ثبت ہے اور ان کی پیشانی حق تعالیٰ کے آستانہ پر سجدہ ریز، جیسا کہ قرآن مجید کا ارشاد ہے:

"وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ"[3]

---

[1] وسائل الشیعہ، ج۵، ص ۳۷۹، کتاب الصلاۃ، ابواب صلاۃ الجماعہ، باب ۴، حدیث ۲، ۵

[2] تفسیر سورہ حمد (مؤلفہ: امام خمینیؒ) تحقیق عرفانی..... ص: ۶۱

[3] سورۂ اسراء: ۴۴

کوئی چیز نہیں جو اس کی حمد کی تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔

اور دوسری آیات شریفہ اور روایات معصومین علیہم السلام جو اس الٰہی نکتہ پر مشتمل ہیں، اس مستحکم حکیمانہ برہان کی تائید کرتی ہیں۔ پس جب سالک الی اللہ نے استدلال برہانی سے یا ذوق ایمانی سے یا مشاہدہ عرفانی سے اس حقیقت کو دریافت کرلیا تو وہ جس مقام میں بھی ہے، ادراک کرلے گا تمام ذرات وجود اور ساکنان غیب وشہود، معبود مطلق کے عبادت گزار اور اپنے آشکار کرنے والے کے طلبگار ہیں اور اسی لئے صیغہ جمع کے ساتھ اظہار کرتا ہے کہ تمام موجودات اپنی تمام حرکات وسکنات کے ساتھ حق تعالیٰ کی ذات مقدس کی عبادت کرتے ہیں اور اس سے مدد مانگتے ہیں۔

ایک تنبیہ، ایک نکتہ

معلوم ہو کہ ''ایاک نعبد'' کو ''ایاک نستعین'' پر مقدم کرنے کی توجیہ، حالانکہ قاعدے کے مطابق ''استعانت'' کو عبادت میں خود عبادت پر بھی مقدم ہونا چاہئے۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ عبادت ''استعانت'' (مدد مانگنے) پر مقدم ہے۔ ''اعانت'' (مدد کرنا) پر نہیں اور مدد کبھی مدد مانگے جانے کے بغیر بھی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ چونکہ یہ دونوں ''استعانت'' و ''عبادت'' ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ لہٰذا تقدیم وتاخیر سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

كَمَا يُقَالُ: قَضَيْتَ حَقِّيْ فَأَحْسَنْتَ إِلَيَّ

جیسا کہ کہا جاتا ہے: تم نے میرا حق دیا تو مجھ پر احسان کیا۔

اور

اَحْسَنْتَ اِلَيَّ فَقَضَيْتَ حَقِّيْ [1]

مجھ پر احسان کیا کہ میرا حق ادا کردیا۔

نیز استعانت اس عبادت کے لئے نہیں ہے جو ہو رہی ہے، بلکہ اس عبادت کے لئے جو اس کے بعد نئے سرے سے ہوگی۔ یہ وجوہ کس قدر سرد ہیں، ارباب ذوق ہی سمجھ سکتے ہیں۔

اور شاید نکتہ یہ ہو کہ حق تعالیٰ سے استعانت کا حصر سلوک الی اللہ کے مقام کے اعتبار سے حصر عبادت سے مؤخر ہے۔ جیسا کہ واضح ہے کہ بہت سے لوگ عبادت کے سلسلے میں موحد ہیں یعنی عبادت کا حصر ذات حق کے لئے مانتے ہیں۔ مگر استعانت کے معاملہ میں مشرک ہیں، یعنی استعانت کا حصر ذات حق میں نہیں مانتے جیسا کہ ہم نے بعض مفسرین

---

[1] تفسیر سورہ حمد (مؤلفہ: امام خمینیؒ) تنبیہ ونکتہ..... ص: ۶۳

کے بارے میں نقل کیا جو کہتے ہیں کہ حصر اعانت حقیقی نہیں ہے۔ لہٰذا عبادت میں حصر بمعنی متعارف، موحدین کے اوائل مقدمات میں ہے اور حصر استعانت کا مطلب مطلقاً ترک غیر حق ہے۔

مخفی نہ رہے کہ، استعانت، سے فقط عبادت میں استعانت مراد نہیں ہے، بلکہ مطلق امور میں استعانت مراد ہے اور یہ اس وقت حاصل ہوتی ہے جب اسباب سے دوری، کثرات کا ترک اور اقبال تام علی اللہ (محضر الٰہی میں پوری طرح حاضری) پیدا ہوجائے۔ دوسرے لفظوں میں حصر عبادت کا مطلب حق خواہی وحق طلبی اور ترک طلب غیر ہے اور حصر استعانت کا مطلب حق بینی اور ترک رویت غیر مقامات عارفین اور منازل سالکین میں ترک طلب غیر سے مؤخر ہے۔

ایک عرفانی فائدہ

اے بندۂ سالک! حق تعالیٰ کی ذات میں (عبادت و استعانت) کا حصر بھی موحدین کے مقامات اور سالکین کے مدارج کاملہ میں نہیں ہے، کیونکہ اس میں ایک ایسا دعویٰ ہے جو توحید و تجرید کے منافی ہے، بلکہ عبادت، عابد، معبود، مستعین، مستعان اور استعانت کو دیکھنا بھی منافی توحید ہے اور توحید حقیقی میں، جو قلب سالک پر جلوہ کرتی ہے، یہ کثرات مستہلک اور ان امور کی رویت مضمحل و فانی ہوجاتی ہے۔ ہاں! وہ لوگ جو غیبی جذب و کشش سے ہوش میں آچکے ہیں اور مقام صحو حاصل کر چکے ہیں، ان کے لئے کثرت حجاب نہیں بنتی، کیونکہ لوگوں کے چند گروہ ہوتے ہیں:

ایک گروہ محجوبین کا ہے، جیسے ہم بے چارے مادیات کی ظلمتوں کے حجابوں میں پڑے ہوئے۔

ایک گروہ سالکین کا ہے، جو اللہ کی طرف سفر اور بارگاہ قدس کی طرف سفر کر رہے ہیں۔

ایک گروہ واصلین کا ہے جو کثرت کے حجابات سے باہر آچکے ہیں اور مشغول حق ہیں اور خلق سے غافل و محجوب ہیں اور ان کے صعق کلی، پوری طرح بے خودی و بے ہوشی، اور محو مطلق حاصل ہو چکا ہے۔

ایک گروہ راجعین الی الخلق کا ہے۔ یہ وہ حضرات ہیں جن میں تکمیل، کمال تک پہنچانے، اور ہدایت، راہنمائی، کی جہت پائی جاتی ہے۔ جیسے انبیاء اور ان کے اوصیاء علیہم السلام۔ یہ گروہ حالانکہ کثرت کے درمیان رہتا ہے اور ارشاد و ہدایت خلق میں مشغول ہوتا ہے مگر کثرت ان کے لئے حجاب نہیں بنتی اور ان کو مقام برزخیت (بندوں اور معبود کے درمیان واسطہ) حاصل ہے۔

اس بنا پر "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" میں مذکورہ گروہوں کے حالات کے مطابق فرق ہو جاتا ہے۔

چنانچہ محجوبوں کی طرف سے صرف دعویٰ اورصورت ہے۔ اب اگر اپنے حجاب کی طرف متنبہ ہو جائیں اوراپنی کمی کو سمجھ لیں تو جس قدر اپنی کمی سے مطلع ہوتے جائیں گے اسی قدر ہماری عبادت میں نورانیت پیدا ہوتی جائے گی اورحق تعالیٰ کی عنایت حاصل ہوتی جائے گی۔

سالکین کا گروہ اپنے قدم سلوک کے بقدر حقیقت سے قریب ہے اورواصلین کا گروہ رویت حق کے تناسب سے حقیقت سے نزدیک ہے اورروبت کثرت کے تناسب سے صرف صورت اوراپنی عادت پر ہے اورکاملین کا گروہ صرف حقیقت (حقیقت ہی حقیقت) ہے۔لہٰذا وہ نہ حجاب حقی رکھتے ہیں نہ حجاب خلقی۔

ایمانی بیداری

اے عزیز! یہ بات یاد رکھو! کہ ہم جب تک عالم مادیت کے غلیظ و دبیز پردوں میں رہیں گے اورتعمیر دنیا اورلذائذ دنیا میں وقت کوصرف کرتے رہیں گے اورحق تعالیٰ اوراس کے ذکر وفکر سے غافل رہیں گے اس وقت تک ہماری تمام عبادات، تمام اذکار اورتمام قرائات بے حقیقت رہیں گی۔ نہ ہم الحمد للہ میں تمام حمد و ستائش کو ذات حق میں منحصر کرسکیں گے اورنہ "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" میں حقیقت کی راہ طے کرسکیں گے۔ بلکہ ان بے مغز و دعوؤں سے محضر حق میں اورملائکہ مقربین و انبیائے مرسلین اور واولیائے معصومین علیہم السلام کی نظر میں رسوا اورشرمندہ ہوں گے۔جس شخص کی زبان حال وقال اہل دنیا کی مدح میں مصروف ہو وہ کیسے الحمد للہ کہے گا؟ اورجس کے قلب کا رخ مادی ہے اور اس میں بوئے الٰہیت نہیں ہے اوراس کا اعتماد اورتوکل مخلوقات پر ہے وہ کس زبان سے (ایاك نعبد و ایاك نستعین) کہے گا؟

لہٰذا اگراس میدان کے مرد ہوتو کمر ہمت کس لو اورعظمت حق، ذلت وعجز وفقر مخلوق کے بارے میں شدید تذکر وتفکر کے ذریعے، ابتدا ہی میں ان حقائق ولطائف جواس رسالہ میں مذکور ہونے میں اپنے دل تک پہنچا دو اوراپنے دل کو ذکر حق سے زندہ کروتا کہ توحید کی خوشبو تمہارے شامہ قلب تک پہنچے اورغیبی مدد سے اہل معرفت کی نماز کی طرف کوئی راہ پیدا ہو اوراگراس میدان کے مرد نہیں ہوتو کم سے کم اپنے نقص کو نظر میں رکھے رہو اوراپنی ذلت و عاجزی کی طرف توجہ کئے جاؤ اورندامت وشرمساری کے ساتھ قیام امر کرو اور بندگی کے دعوے سے ہاتھ اٹھا لو اوران آیات شریفہ کو جن کے حقائق ولطائف تم میں موجود نہیں ہیں یا کاملین کی زبان سے پڑھو اور یا صرف صورت قرآن ہی کو مطمح نظر رکھو تا کہ کم سے کم دعوائے باطل اورادعائے کاذب تو نہ کرو۔

فرع فقہی

بعض فقہاء نے "ایاك نعبد" اور "ایاك نستعین" جیسے صیغوں میں قصد انشاء کو مثلاً جائز نہیں سمجھا ہے۔ ان کا گمان ہے کہ یہ قرآنیت اور قرائت کے منافی ہے، کیونکہ قرائت کا مطلب دوسرے کے کلام کو نقل کرنا ہے، لیکن فقہاء کے اس کلام کی وجہ نظر آتی۔ اس لئے کہ جس طرح یہ ممکن ہے کہ انسان اپنے کلام سے مثلاً کسی کی مدح کرے اسی طرح یہ بھی ممکن ہے یہ دوسروں کے کلام سے مدح کرے۔ مثلاً اگر حافظ کے شعر سے ہم کسی کی مدح کریں تو یہ بھی صادق آتا ہے کہ ہم نے مدح کی اور یہ بھی صادق آتا ہے کہ ہم نے حافظ کا شعر پڑھا تو اگر "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" سے ہم تمام حمد و ستائش کو حق کے لئے انشاء کریں اور "اِيَّاكَ نَعْبُدُ" سے حق کے لئے حصر عبادت کا انشاء کریں تو یہ بھی صادق آئے گا کہ ہم نے کلام خدا کے ذریعے حمد خدا کی اور یہ بھی کہ کلام خدا سے حصر عبادت کیا، بلکہ اگر کوئی شخص کلام کو معنی انشائی سے مجرد کرے تو اگر ہم یہ نہ کہیں کہ اس کی قرائت باطل ہے تو یہ احتیاط کے مخالف تو ہے ہی۔ ہاں! اگر کوئی اس کے معنی نہیں جانتا تو لازم نہیں ہے کہ یاد کرے، بلکہ قرائت کی صورت ہی "بمالها من المعنی" اس کے جو بھی معنی ہیں ان معنی کے ساتھ کافی ہے

روایات میں اس بات کی طرف اشارہ موجود ہے کہ قاری انشاء کرتا ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ارشاد ہے:

فَاذا قالَ ای الْعَبْدُ فِی صَلاتِهِ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، يَقُولُ اللّٰه: ذَكَرَنِی عَبْدی. وَ اذا قال: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، يَقُولُ اللّٰه، حَمَدَنی عَبْدی... الخ [1]

اور جب تک عبد ہی کی طرف سے انشاء ''تسمیہ'' و ''حمد'' نہ ہو تب تک ''ذکرنی'' اور ''حمدنی'' بے معنی ہے اور احادیث معراج میں ارشاد ہے:

"اَلْآنَ وَصَلْتَ اِلَیَّ فَسَمِّ بِاسْمِی" [2]

اب تم پہنچ گئے میرا نام لئے جاؤ۔

اور وہ حالات جو "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" میں ائمہ علیہم السلام پر طاری ہو جاتے تھے اور بعض ائمہ علیہم السلام کا ان آیات کی

---

[1] بحار الانوار؛ ج 89: کتاب القرآن؛ باب 29، ص 226، ح 3؛ محجۃ البیضاء؛ ج 1، ص 338؛ عیون اخبار الرضا؛ ج 1، باب 28، ص 300، ح 59.

[2] علل الشرائع، ص ۳۱۵، از حدیث صلاۃ معراج

تکرار کرنا بتاتا ہے کہ وہ صرف قرائت نہیں فرماتے تھے، بلکہ انشاء فرماتے تھے اور یہ انشاء ایسا ہوتا تھا جیسے

اِسْمَاعِیلُ یَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ.[1]

اور اہل اللہ کی نماز کے مراتب کے مختلف ہونے کے اہم اسباب میں سے ایک یہی قرائت کا اختلاف ہے۔جیسا کہ کچھ اشارہ اس کی طرف سابق میں ہو چکا اور اس کا تحقق اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک قاری خود انشاء قرائت واذا کار نہ کرے۔اس معنی پر بہت شواہد ہیں۔

وبالجملہ کلام الٰہی سے ان معنی کے انشاء کے جواز میں کوئی اشکال نہیں۔

ایک فائدہ

''عبادت'' کو اہل لغت انتہائے خضوع و اظہار رذلت کے معنی میں سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ عبادت خضوع کا بلند ترین مرتبہ ہے۔لہٰذا سوائے اس کے کسی کے لئے جائز نہیں ہے جو وجود وکمال کا سب سے اعلیٰ مرتبہ اور نعمات واحسانات کا سب سے عظیم درجہ رکھتا ہو۔اسی لئے غیر حق کی عبادت شرک ہے اور شاید،عبادت، جو فارسی میں، پرستش، اور بندگی، کے معنی میں ہے،اپنی حقیقت میں ان معنی سے جو بیان کئے گئے ہیں،زیادہ کے لئے اخذ کیا گیا ہو، اوروہ خالق و مالک کے لئے خضوع سے عبارت ہے۔اس لئے یہ خضوع یا تو معبود کو''الہ'' اور''مالک'' قرار دینے کے ساتھ لازم ہے یا مثلاً لازم کی نظیر وشبیہ اور مظہر ہے،لیکن مطلق خضوع بغیر اس معنی پر اعتقاد اور جزم کے چاہے بطور تکلف ہو اور چاہے خضوع کی انتہا تک پہنچ جائے کفر وشرک کے اسباب میں سے نہیں ہے چاہے اس خضوع مطلق کی بعض انواع حرام ہوں۔مثلاً خضوع کے لئے پیشانی خاک پر رکھنا اور یہ اگرچہ عبادت و پرستش نہیں ہے مگر شرعاً ممنوع ہے،علی الظاہر۔

پس وہ احترامات جو ارباب مذاہب اپنے مذہبی بزرگوں کے لئے اختیار کرتے ہیں اس اعتقاد کے ساتھ کہ وہ لوگ بندے ہیں جو ہر چیز میں حق تعالیٰ کے محتاج ہیں، اصل وجود میں بھی اور کمال میں بھی، اور صالح و نیک بندے ہیں،مگر اپنے نفع وضرر اور موت وحیات کے خود مالک نہیں ہیں۔عبودت کی وجہ سے حق تعالیٰ کے مقرب بارگاہ اور مورد عنایات ہوئے ہیں اور اس کے عطیات کو سیلہ ہیں کسی رخ سے بھی اس میں شرک وکفر کا شائبہ نہیں ہے اور خاصان خدا کا احترام

---

[1] یہ وہ جملہ ہے جو روایت کی بنا پر امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے فرزند اسماعیل کے کفن پر لکھا کہ اخباری لوگ جو ظواہر روایات پر جمے ہوئے ہیں، بعینہ یونہی یہ جملہ اپنی میتوں کے کفن پر لکھتے ہیں۔(وسائل الشیعہ، کتاب الطہارۃ، ابواب التکفین، باب ۲۹، حدیث ۲)

خدا کا احترام ہے اور خاصان خدا کی محبت خدا کی محبت ہے [1]

تمام فرقوں کے درمیان، میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں اور وہی گواہی کے لئے کافی ہے، وہ فرقہ جو اہل بیت وحی وعصمت اور خزینہ دار ان علم وحکمت کی برکت سے عائلہ بشری کے تمام فرقوں کے درمیان حق تعالیٰ کی توحید و تقدیس و تنزیہ کے بارے میں امتیاز رکھتا ہے وہ فرقہ شیعہ اثنا عشری ہے، جس کی اصول عقائد کی کتابیں جیسے کتاب اصول کافی اور کتاب توحید شیخ صدوقؒ اور ان کے ائمہ معصومین علیہم السلام کے خطبے اور دعائیں، جو توحید و تقدیس حق تعالیٰ کے بارے میں ان معادن وحی وتنزیل کی زبان سے ادا ہوئی ہیں، اس بات کی گواہ ہیں کہ ایسے علوم سے انسان کو کبھی سابقہ نہیں ہوا اور حق تعالیٰ کی تقدیس وتنزیہ ان کی طرح کسی نے نہیں بیان کی سوائے کتاب مقدس وحی الٰہی وقرآن مجید کے جو دست قدرت سے لکھا گیا ہے۔

اس کے باوجود کہ شیعوں نے ہر مکان اور ہر زمان میں ایسے ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی پیروی کی جو معصوم ہیں اور ان کے بتائے ہوئے روشن ادلہ و براہین سے حق کو پہچان کر اس کی تنزیہ وتوحید کا اظہار کرتے رہے، بعض فرقے جن کی بے دینی ان کے عقائد اور ان کی کتابوں سے واضح ہے، شیعوں پر طعن ولعن کا دروازہ کھولے رہتے ہیں اور اس باطنی عداوت کی بنا پر جو وہ شیعوں سے رکھتے ہیں، تابعین اہل بیت عصمت علیہم السلام کی طرف شرک اور کفر نسبت دیتے ہیں اور یہ نسبت اگرچہ بازار حکمت ومعرفت میں کوئی قیمت نہیں رکھتی، لیکن چونکہ اس کا مفسدہ یہ ہے کہ ناقص افراد اور جاہل و بے خبر عوام کو معادن علم سے دور اور جہالت وشقاوت کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔ لہٰذا نوع بشر کے حق میں یہ ایک بہت بڑا جرم ہے جس کی تلافی کسی طرح سے بھی ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا عقلی وشرعی میزان کے مطابق ان قاصر، جاہل اور مجبور عوام کی غلطیوں اور گناہوں کی ذمہ داری ان بے انصاف جھوٹے پروپیگنڈہ بازوں، کی گردن پر آتی ہے جو اپنے موہوم اور خیالی چند روزہ فوائد کے لئے معارف واحکام الٰہیہ کی نشر واشاعت میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں اور نوع بشر کی بدبختی وشقاوت کا سبب بنے ہوئے ہیں اور خاندان وحی وتنزیل کا دروازہ لوگوں پر بند کئے ہوئے ہیں (**اللهم العنهم لعناً وبيلًا وعذبهم عذاباً اليماً**)۔

قوله تعالیٰ: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝

اے عزیز! معلوم رہے کہ چونکہ سورہ شریفہ ''حمد'' میں ارباب معرفت وریاضت کے سلوک کی کیفیت کی طرف اشارہ ہے اور (**اياك نعبد**، تک **سلوك من الخلق الى الحق**) کی ساری کیفیت کا بیان ہے۔ چنانچہ سالک جب

---

[1] تفسیر سورۂ حمد (مؤلفہ: امام خمینیؒ) 29 بحث وتحصیل..... ص: 25

تجلیات افعالیہ سے تجلیات صفاتیہ تک اور تجلیات صفاتیہ سے تجلیات ذاتیہ تک بلند ہوتا ہے اور نورانی وظلمانی حجابات سے نکل کر مقام حضور ومشاہدہ تک پہنچتا ہے تو اس کو فنائے تام کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے اور استہلاک کلی کا مقام مل جاتا ہے اور جب افق عبودیت کے غروب اور سلطنت مالکیت کے طلوع کے ساتھ "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" میں سیر الی اللہ تمام ہو جاتی ہے تو اس سلوک کی انتہا پر تمکن و استقرار کی حالت پیدا ہوتی ہیں اور سالک ہوش اور خودی میں آتا ہے اور مقام صحو حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اپنے مقام کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، لیکن توجہ بہ حق کی تبعیت میں، رجوع الی اللہ کی حالت کے برعکس جہاں حق کی طرف توجہ خلق کی طرف توجہ کی تابع ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر، سلوک الی اللہ کی حالت میں تو حجاب خلقی میں حق کو دیکھ رہا تھا اور "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" میں جو فنائے کلی کا مرتبہ حاصل ہوا ہے اس سے رجوع کے بعد نور حق میں خلق کا مشاہدہ کرتا ہے اور اسی لئے کہتا ہے "ایاك نعبد" ضمیر ''ایا'' اور ''کاف'' خطاب کو اپنی ذات اور اپنی عبادت پر مقدم کر کے اور چونکہ اس حال کے لئے ممکن ہے، ثابت نہ ہو اور اس مقام میں لغزش کا بھی امکان ہے، لہٰذا اپنے ثبات و لزوم کو حق سے یہ کہہ کر طلب کرتا ہے "اهدنا" ای الزمنا، جیسا کہ تفسیر کی گئی ہے۔

اور معلوم ہونا چاہئے کہ یہ مقام جس کا ذکر ہوا اور یہ تفسیر جو بیان ہوئی کامل اہل معرفت کے لئے ہے جن کا مقام اول یہ ہے کہ سیر الی اللہ سے رجوع کے مقام پر حق تعالیٰ خلق سے ان کا حجاب ہو جاتا ہے اور ان کا مقام کمال برزخیت کبریٰ کی حالت ہے، جہاں نہ خلق حق کے لئے حجاب ہوتی ہے، جیسے ہم محجوبوں کے لئے ہوتی ہے اور نہ حق خلق کے لئے حجاب ہوتا ہے جیسے واصلان مشتاق اور فانیان مجذوب کے لئے۔

پس ان کامل اہل معرفت کا، صراط مستقیم، اس حالت برزخیت سے عبارت ہے جو نشاتین کے درمیان واسطہ ہے اور وہی صراط حق ہے۔ اس بنا پر "الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" سے مراد یہی لوگ ہیں جن کے لئے ''فیض اقدس'' کی تجلی سے حق تعالیٰ نے استعداد مقدر کی ہے اور فنائے کلی کے بعد ان کو اپنی مملکت میں واپس بھیجا ہے اور "الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ" اس تفسیر کی بنا پر، وہ لوگ ہیں جو وصول الی الحق سے پہلے محجوب ہوں اور "الضَّآلِّيْنَ" وہ لوگ ہیں جو حضور میں فانی ہوں۔

رہے وہ لوگ جو غیر کامل معرفت رکھتے ہیں۔ وہ اگر وارد سلوک ہی نہیں ہوئے تو یہ امور ان کے بارے میں صحیح نہیں ہیں اور ان کا، صراط، صراط ظاہر شریعت ہے۔ اسی بنا پر، صراط مستقیم، کی تفسیر، دین اور، اسلام، اور ان جیسے الفاظ سے کی گئی ہے اور اگر وہ اہل سلوک سے ہیں تو، ہدایت، سے مراد راہنمائی اور، صراط مستقیم، سے مراد وصول الی اللہ کا نزدیک تر راستہ ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہل بیت طاہرین علیہم السلام کا راستہ، جیسا کہ رسول، ائمہ ہدیٰ اور امیر المومنین علیہ السلام سے تفسیر وارد ہوئی ہے اور جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خط مستقیم، سیدھی لکیر، کھینچی

اوراس کے ادھر اُدھر بھی لکیریں کھینچیں اور فرمایا: یہ درمیانی خط مستقیم میرا ہے۔[1]

اور شاید ''امت وسط'' جس کا خداوند عالم نے ذکر فرمایا ہے: "جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا"[2] (تم کو ہم نے درمیانی امت قرار دیا) وسطیت مطلق اور تمام معانی میں ہے جن میں روحانی معارف وکمالات کی وسطیت بھی شامل ہے جو برزخیت کبریٰ اور وسطیت عظمیٰ کا مقام ہے۔لہٰذا یہ مقام اللہ کے اولیائے کاملین کے ساتھ مختص ہے۔اسی لئے روایت میں وارد ہوا ہے کہ اس آیت سے ائمہ ہدیٰ علیہم السلام مراد ہیں۔ چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے یزید بن معاویہ عجلی سے فرمایا: ہم ہیں امت وسط،اور ہم ہیں خلق پر اللہ کے گواہ۔[3]

دوسری روایت میں فرماتے ہیں: ہماری طرف رجوع کرتا ہے غالی (حد سے بڑھ جانے والا) اور ہم سے ملحق ہوتا ہے مقصر (حد سے پیچھے رہ جانے والا)،[4]

اوراس حدیث میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو بیان ہو چکا۔

تنبیہ اشراقی اوراشراق عرفانی

اے طالب حق وحقیقت! معلوم رہے کہ حق تعالیٰ نے چونکہ نظام وجود اور مظاہر غیب وشہود کی تخلیق،اسماء و صفات کے حضور کے ذریعہ اپنے پہچانے جانے سے اپنی ذاتی محبت کی بنا پر فرمائی ہے، جیسا کہ حدیث شریف قدسی "كُنْتُ كَنْزاً مَخْفِيّاً، فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ، فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِكَيْ اُعْرَف"[5] (میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں، پس میں نے خلق کو پیدا کیا تا کہ پہچانا جاؤں) سے معلوم ہوتا ہے۔اس لئے تمام موجودات کی فطرت میں حب ذاتی وعشق جبلی ودیعت اورایجاد فرمایا ہے اوراسی جذبہ الٰہیہ اورآتش عشق ربانی کی وجہ سے وہ کمال مطلق کی طرف متوجہ اور جمیل علی الاطلاق کے عاشق وطالب ہیں اوران میں سے ہرایک کے لئے ایک فطری الٰہی نور قرار دیا ہے جس کے ذریعہ مقصد اور مقصود تک پہنچنے کا راستہ دریافت کرتے ہیں۔ یہ نار اور یہ نور وصول الی الاحق کا رفرف اور بلندی

---

[1] علم الیقین، ج۲،ص ۹۶۷ میں اسی معنی کی روایت ہے۔

[2] سورۂ بقرہ: ۱۴۳

[3] اصول کافی، ج۱،ص ۲۷۰، کتاب الحجہ، باب ان الائمۃ شہداء اللہ علی خلقہ، حدیث ۲

[4] تفسیر عیاشی، ج۱،ص ۶۳، حدیث ۱۱

[5] اسرار الحکم،ص ۲۰

تک پہنچنے کا براق ہے اور شاید حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ''رفرف'' اور ''براق'' ایسی نکتہ کی باریک اور لطیف شکل اور اسی حقیقت کی ملکی مثال وصورت ہو۔ اسی لئے وہ بہشت سے جو اس عالم کا باطن ہے نازل ہوا تھا۔

چونکہ موجودات مراتب تعینات میں نازل کئے گئے ہیں اور جمال جمیل محبوب جلت عظمت سے محجوب ہو گئے ہیں، لہٰذا حق تعالیٰ اس نار اور اس نور کے ساتھ ان کو تعینات ظالمانیہ اور نیات نورانیہ کے پردوں سے ''ہادی'' کے اسم مبارک کے ساتھ جو ان باریک ولطیف صورتوں کی حقیقت ہے باہر لے آتا ہے۔ پس ''ہدایت'' حق تعالیٰ کا یہی نور اور ''توفیق'' الٰہی اور طریق صورتوں کی سیر وسلوک کی یہی نار ''صراط مستقیم'' ہے اور حق تعالیٰ اسی صراط مستقیم پر ہے اور شاید آیہ شریفہ ''مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ''[1] (روئے زمین پر جتنے چلنے والے ہیں سب کی چوٹی اسی کے ہاتھ میں ہے اس میں تو شک ہی نہیں کہ میرا پروردگار (انصاف کی) سیدھی راہ پر ہے) سے اسی ہدایت اسی سیر اور اسی مقصد کی طرف اشارہ ہو، جیسا کہ اہل معرفت کے لئے ظاہر ہے۔

اور معلوم ہونا چاہئے کہ موجودات میں سے ہر ایک کے لئے خود اس کے ساتھ خاص صراط اور مخصوص نو روہدایت ہے ''و الطُّرُقُ الَى اللّٰهِ بِعَدَدِ اَنْفَاسِ الْخَلَايِقِ''[2] اور چونکہ ہر تعین میں ایک ظالمانی حجاب اور ہر وجود وانیت میں ایک نورانی حجاب ہے اور انسان مجمع تعینات اور جامع وجودات ہے اس لئے وہ حق تعالیٰ سے تمام موجودات میں محجوب ترین موجود ہے اور شاید آیہ کریمہ اسی معنی کی طرف اشارہ ہو ''ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ''[3] (تب ہم نے اس کو پست جگہوں میں سے سب سے پست جگہ پلٹا دیا)۔

اور اسی وجہ سے انسان کا صراط زیادہ طولانی اور زیادہ ظلمانی ہے۔ اس کے علاوہ چونکہ انسان کا ''رب'' اسم اللہ الاعظم کا حضور ہے کہ ظاہر و باطن، اول و آخر، رحمت وقہر اور بالآخر اسمائے متقابلہ ومتضادہ جس کی نسبت سے برابر ہیں۔ لہٰذا خود انسان کو منتہائے سیر میں مقام برزخیت کبریٰ حاصل ہونا چاہئے۔ اسی لئے اس کا صراط سب سے زیادہ باریک ہے۔

---

[1] سورۂ ہود:۵۶

[2] تفسیر سورۂ حمد (مؤلفہ: امام خمینیؒ) تنبیہ اشراقی واشراق عرفانی..... ص:۷۱

[3] سورۂ تین:۵

تنبیہ ایمانی

جیسا کہ بیان کیا گیا اور معلوم ہو گیا، ہدایت کے لئے سیر سائرین کے انواع کے لحاظ سے اور سلوک سالکین کے مراتب کے اعتبار سے مراتب و مقامات ہیں۔ ہم بطور اجمال بعض مقامات کو طرف اشارہ کرتے ہیں تا کہ ضمناً ''صراط مستقیم، صراط مفرطین اور صراط مفرطین'' جو ''مغضوب علیہم'' اور ''ضآلین'' ہیں۔ ہر مرتبہ کے مطابق معلوم ہو جائے۔

پہلا مقام: ہدایت فطری کا نور ہے جس کی طرف تنبیہ سابق میں اشارہ کیا جاچکا۔ ہدایت کے اس مرتبہ میں صراط مستقیم ملکی یا ملکوتی حجابات کے بغیر سلوک الی اللہ ہے یا معاصی قالبیہ و معاصی قلبیہ کے بغیر سلوک الی اللہ ہے یا غلو و تقصیر کے حجابات کے بغیر سلوک الی اللہ ہے یا نورانی یا ظلمانی حجابوں کے بغیر سلوک الی اللہ ہے یا وحدت یا کثرت کے حجابات کے بغیر سلوک الی اللہ ہے اور شاید ''يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ'' [1] (جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے) ہدایت اور احتجابات کے اسی مرتبہ کی طرف اشارہ ہو جو خدا کے حضور میں مقدر ہو اہے جو ہمارے نزدیک حضرات اعیان ثابتہ میں تجلی کا مرتبہ واحدیت ہے۔ اس کی تفصیل اس رسالہ کے حوصلہ سے بلکہ تحریر و بیان سے باہر ہے۔ ''وهو سِرٌّ مِنْ سِرِّ اللّٰهِ وَ سَتْرٌ مِنْ سَتْرِ اللّٰهِ.'' [2]

دوسرا مقام

ہدایت بہ نور قرآن ہے۔ اس کے مقابل اس کی معرفت میں غلو و تقصیر یا ظاہر پر وقوف و قناعت یا باطن پر وقوف و قناعت ہے۔ جیسا کہ بعض اہل ظاہر علوم قرآن کو معانی عرفیہ عامیہ اور مفاہیم سوقیہ وضعیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اسی اعتقاد کے ساتھ اس میں تفکر و تذکر کرتے ہیں اور ان کا استفادہ اس صحیفہ نورانیہ سے جو روحانی و جسمانی اور قالبی سعادتوں کا ذمہ داری ہے، صوری و ظاہری دستورات میں منحصر ہے اور ان تمام آیات کہ جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ان میں تدبیر و تفکر لازم یا بہتر ہے اور نور قرآن سے روشنی حاصل کرنے کو تا کہ معرفت کے دروازے کھلیں، پس

---

[1] سورہ نحل، آیت ۹۳، سورہ فاطر: ۷

[2] قَالَ اَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عليه السلام فِي الْقَدَرِ اَلَا اِنَّ الْقَدَرَ سِرٌّ مِنْ سِرِّ اللّٰهِ وَ سِتْرٌ مِنْ سِتْرِ اللّٰهِ. (التوحید، ص ۳۸۳، باب القضاء القدر، حدیث ۳۲)

پشت ڈالے ہوئے ہیں۔ گویا قرآن دنیا میں حیوانی لذات، مقام حیوانیت کی تاکید اور بہیمانہ شہوات کی تائید کے لئے آیا ہے۔

بعض اہل باطن ''اپنے گمان میں'' ظاہر قرآن اور قرآن کی صوری دعوتوں سے جو محضر الٰہی کے آداب سکھانے اور سلوک الی اللہ کا دستور ہے اور یہ لوگ اس سے غافل ہیں، روگردانی کرتے ہیں اور ابلیس لعین اور نفس امارہ کی تلبیسات میں پڑ کر ظاہر قرآن سے منحرف اور اپنے خیال میں قرآن کے علوم باطنیہ میں مشغول ہیں۔ حالانکہ ظاہری آداب ہی باطن تک پہنچنے کا راستہ ہیں۔

لہٰذا یہ دونوں ہی گروہ راہ اعتدال سے الگ، قرآنی صراط مستقیم تک پہنچنے کے نور ہدایت سے محروم اور افراط و تفریط کا شکار ہیں اور عالم محقق و عارف مدقق کو چاہئے کہ ظاہر و باطن دونوں کا لحاظ رکھے اور صوری و معنوی دونوں طرح کے آداب سے آراستہ ہو جس طرح اپنے ظاہر کو نور قرآن سے منور کرے اسی طرح اپنے باطن کو اس کے انوار معارف و توحید و تجرید سے نورانی بنائے۔

اہل ظاہر کو معلوم ہو کہ قرآن کو محض ظاہری صوری آداب اور مٹھی بھر توحید و اسمائے صفات سے متعلق عام عقائد اور عملی و اخلاقی دستورات تک محدود رکھنا، قرآن کا حق نہ پہنچاننے کے مرادف اور شریعت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناقص جاننے کے برابر ہے، جب کہ اس سے زیادہ کامل شریعت کا تصور ممکن نہیں ہے۔ ورنہ عدل کے تقاضے کی بنا پر اس کو آخری شریعت کہنا ناممکن ہو جائے گا تو چونکہ شریعت آخری شریعت اور قرآن آخری آسمانی کتاب اور خالق و مخلوق کے درمیان آخری رابطہ ہے، لہٰذا حقائق توحید و تجرید اور معارف الٰہیہ کو جو آسمانی ادیان و شرائع اور اللہ کی طرف سے نازل ہونے والی کتابوں کا اصلی مقصد اور حقیقی غرض و غایت پر، اوج کمال کا منتہیٰ اور آخری مرتبہ ہونا چاہئے۔ ورنہ شریعت میں نقص لازم آئے گا جو عدل الٰہی اور لطف ربانی کے خلاف ہے اور یہ خود ایک ایسا ذلیل و پست محال اور ایسا قبیح عار ہے جس کے ننگ و عار کا ایک دھبہ بھی ادیان حق کے چہرہ سے ساتوں سمندروں میں دھوئے جانے کے بعد بھی نہیں چھوٹ سکتا، والیعاذ باللہ۔

اور اہل باطن کو معلوم ہو کہ مقصد اصلی اور غایت حقیقی تک پہنچنا، تطہیر ظاہر و باطن کے بغیر ممکن نہیں اور صورت و ظاہر کو وسیلہ بنائے بغیر لب و باطن تک رسائی نہیں ہو سکتی اور ظاہر شریعت کا لباس زیب تن کئے بغیر بطن تک پہنچنے کی راہ پیدا نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ظاہر کو ترک کرنے سے شریعت کے ظاہر اور باطن دونوں کا ابطال لازم آتا ہے اور یہ شیطان جن و انس کے تلبیات میں سے ہے۔ ہم نے اس مطلب کو کچھ کتاب شرح اربعین حدیث میں بیان کیا ہے۔

تیسرا مقام: نور شریعت سے ہدایت ہے۔

چوتھا مقام: نور اسلام سے ہدایت ہے۔

پانچواں مقام: نور ایمان سے ہدایت ہے۔

چھٹا مقام، نور یقین سے ہدایت ہے۔

ساتواں مقام: نور عرفان سے ہدایت ہے۔

آٹھواں مقام: نور محبت سے ہدایت ہے۔

نواں مقام: نور ولایت سے ہدایت ہے۔

دسواں مقام: نور تجرید و توحید سے ہدایت ہے۔

ان میں سے ہر ایک کے لئے افراط و تفریط اور غلو و تقصیر کی دو طرف ہیں۔ جن کی تفصیل موجب تطویل ہو گی اور شاید ان میں سے بعض یا تمام مراتب کی طرف کافی کی حدیث شریف اشارہ ہو جن میں ارشاد ہے: نَحْنُ، آلُ مُحَمَّدٍ، النَّمَطُ الْاَوْسَطُ الَّذی لا یُدْرِکُنا الْغالی، وَ لا یَسْبِقُنا التّالی.[1] (ہم آل محمدؐ درمیانی گروہ ہیں، حد سے بڑھ جانے والا ہم تک نہیں پہنچتا اور ہمارا پیروکار ہم سے آگے نہیں بڑھتا)۔

اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

و فی الحدیث النّبوی: خَیْرُ هذِهِ الامَّةِ النَّمَطُ الْاَوْسَطُ یَلْحَقُ بِهِمُ التّالی وَ یَرْجِعُ الَیْهِمُ الْغالی.[2] (اس امت میں سب سے بہر درمیانی گروہ ہے۔ ان سے پیچھے چلنے والا آن سے مل جاتا ہے اور حد سے بڑھنے والا واپس لوٹتا ہے)۔

تنبیہ عرفانی

معلوم ہو کہ عالم غیب و شہادت اور عالم دنیا و آخرت کے موجودات میں سے ہر ایک کے لئے ایک کا ایک مبدا ہے اور ایک معاد۔ اگر مبدا کل اور مرجع کل ذات الٰہی ہے، لیکن چونکہ اسماء کے حجاب کے بغیر موجودات عالیہ یا سافلہ پر ذات حق تعالیٰ کی بالذات کوئی تجلی نہیں ہے اور اس مقام کے مطابق جو ایک، بے اسم و رسم لا مقامی، ہے اور موجودات میں سے کسی ایک کو بھی اس سے کوئی تناسب نہیں ہے اور کسی ارتباط و اختلاط کی گنجائش نہیں ہے (اَیْنَ التُّراب وَ رَبُّ

---

[1] اصول کافی، ج ۱، ص ۱۳۶، کتاب التوحید، باب النہی عن الصفۃ، حدیث ۳

[2] لسان العرب، مادہ، نمط، ج ۷، ص ۴۱۷، روایت حضرت علی علیہ السلام سے نقل کی ہے۔

الارْبابِ.[1]

چنانچہ اس لطیف نکتہ کی تفصیل ہم نے مصباح الہدایۃ[2] میں پوری طرح بیان کی ہے۔

لہٰذا ذات مقدس کی مبدایت و مصدریت اسماء کے حجابات میں ہے اور اسم اس کا عین مسمی ہونے کے باوجود اس کا حجاب بھی ہے۔ اس لئے عوالم غیب و شہادت تجلی اسماء کے مطابق اور اسماء ہی کے حجاب میں ہوتی ہے۔ اس طرح جلوہ اسماء وصفات میں ذات مقدس کی تجلیات ہیں جنہیں اہل معرفت ''اعیان ثابتہ'' کہتے ہیں۔ اس بنا پر ہر تجلی اسمی کے لئے حضور علمی میں ایک عین ثابت لازم ہے اور ہر اسم کے لئے تعین علمی کے ساتھ نشئہ خارجیہ میں ایک مظہر ہے جس کا مبدا و مرجع وہی اسم ہے جو اسم کی طرف ہوتی ہے اور جو اس کا مبدا و مرمصدر ہے وہی اس کے، صراط مستقیم، سے عبارت ہے۔ لہٰذا ہر ایک کی ایک مخصوص سیر اور ایک مخصوص صراط ہے اور ایک مخصوص مبدا و مرجع ہے جو طوعاً یا کرہاً حضرت علم میں مقدر ہے اور مظاہر و صراط کا اختلاف ظاہر اور حضرات اسماء کے اختلاف سے ہوتا ہے۔

اور معلوم رہے کہ ''تقویم'' انسان اعلیٰ علیین میں، جمع اسمائی ہے۔ اسی جہت سے، اسفل سافلین، کی طرف اسے رد کیا گیا ہے اور اس کا صراط اسفل سافلین سے شروع ہوتا ہے اور اعلیٰ علیین پر تمام ہوتا ہے۔ یہ ان لوگوں کا صراط ہے جن پر اللہ نے نعمت مطلقہ عطا کر کے انعام کیا ہے۔ یہ نعمت کمال جمع اسمائی کی نعمت ہے جو نعمات الٰہیہ میں سب سے اعلیٰ نعمت ہے۔

دوسرے صراط، چاہے سعداء اور، منعم علیہم، کے صراط ہوں یا اشقیاء کے صراط ہوں، نعمت، مطلقہ کا فیض جتنا کم ہوگا اسی کے بقدر افراط و تفریط کی دو طرفوں میں سے کسی ایک طرف میں داخل ہوں گے۔ پس انسان کامل کا صراط فقط صراط، منعم علیہم، ہے بہ قول مطلق اور یہ صراط اصالتاً ذات مقدس حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مختص ہے اور دیگر اولیاء و انبیاءؑ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی تبعیت میں ثابت ہے اور اس کلام کا سمجھنا اور یہ سمجھنا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں، حضرات ''اسماء و اعیان'' کے سمجھنے کا محتاج ہے جس کو رسالہ مصباح الہدایۃ میں ہم نے بیان کیا ہے۔ **و اللّٰہ الھادی الی سبیل الرّشاد.**

---

[1] خاک کہاں رب الارباب کہاں، عفیف عسیران مصحح کتاب، تمہیدات عین القضاۃ، ص۲۷۶، پر اس کو حدیث کے عنون سے تحریر کی اہے۔ (اسرار الحکم سبزواری، ۲۳)

[2] مصباح الھدایہ النص 48 نور 9..... ص: 47

ایک اقتباس مزید توضیح کے لئے:

شیخ جلیل بہائی (قدس سرہ)، رسالہ عروۃ الوثقیٰ میں فرماتے ہیں: خدائے سبحان کی نعمتیں اگرچہ اس سے اجلّ ہیں کہ ان کی حد بندی کی جاسکے، چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا [1]

اگر نعمات خداوندی کو شمار کرنا چاہو گے تو تم شمار نہیں کرسکو گے۔

لیکن وہ دو جنس کی ہے، ایک دنیاوی نعمتیں، دوسری اخروی نعمتیں اور ان میں سے ہر ایک یا موہبت وعطا ہے یا اجر وجزا اور ان میں ہر ایک یا روحانی ہے یا جسمانی، یہ مجموعی طور پر آٹھ قسمیں ہوتی ہیں:۔

اول: دنیاوی موہبتی روحانی نعمت، جیسے نفخ روح اور عقل وفہم کا فیض۔

دوم: دنیاوی موہبتی جسمانی نعمت، جیسے اعضاء اور ان کے قویٰ کی تخلیق۔

سوم: دنیاوی کسبی روحانی نعمت، جیسے نفس کا امور دنیہ سے تخلیہ اور اس کو اخلاق پاکیزہ اور ملکات عالیہ سے آراستہ کرنا۔

چہارم: دنیاوی کسبی جسمانی نعمت، جیسے پسندیدہ شکل وصورت اور اچھے خدوخال سے پیراستہ کرنا۔

پنجم: اخروی موہبتی روحانی نعمت، جیسے ہمارے گناہوں کو بخشنا اور ہم میں سے اس شخص سے راضی ہوجانا جس نے سابق میں توبہ کرلی ہو۔

شیخ بہائی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت اس مثال میں یوں ہی ہے جیسی ذکر کی گئی اور بظاہر نسخہ نویس سے اشتباہ ہوا ہے۔ شاید مقصود یہ ہو کہ حق تعالیٰ ہم کو سابق میں توبہ کے بغیر بخش دے گا، فراجع۔

ششم: اخروی موہبتی جسمانی نعمت، جیسے دودھ اور شہد کی نہریں۔

ہفتم: اخروی موہبتی روحانی نعمت، جیسے سابق میں توبہ کی وجہ سے بخشش ورضا اور جیسے وہ روحانی لذتیں جو اطاعات کے عمل میں لانے سے حاصل ہوں۔

ہشتم: اخروی کسبی جسمانی نعمت، جیسے جسمانی لذتیں جو اطاعت کے عمل میں لانے سے حاصل ہوں۔

اور اس جگہ نعمت سے چار آخری نعمتیں مراد ہیں اور جو چیزیں ان چار قسم کی نعمتوں تک پہنچنے کا

---

[1] سورہ ابراہیم، آیت ۳۴، سورہ نحل: ۱۸

وسیلہ ہوتی ہیں وہ پہلی چار قسمیں ہیں۔ (کلام شیخ قدس سرہ کا ترجمہ تمام ہوا)[1]

شیخ کی یہ تقسیمات اگرچہ لطیف تقسیمات ہیں، لیکن سب سے اہم الٰہی نعمت اور کتاب الٰہی کا سب سے بڑا مقصد شیخ بزرگوار کے قلم سے چھوٹ گیا اور فقط ناقصین ومتوسطین کو ملنے والی نعمتوں پر اکتفا ہوگئی ہے اوران کے کلام میں اگرچہ لذات روحانی کا بھی نام لیا گیا ہے، لیکن اخروی روحانی لذت جو فعل طاعات سے حاصل ہو وہ اخروی روحانی لذت جو فعل طاعات سے حاصل ہو متوسطین کا حصہ ہے۔ اگر ہم یہ نہ کہیں کہ ناقصین کا حصہ ہے۔

وبالجملہ، جن نعمتوں کا ذکر شیخ بزرگوار نے فرمایا اور جو لذات حیوانیہ اور حظوظ نفسانیہ کی طرف پلٹتی ہیں ان کے علاوہ اور بھی نعمتیں ہیں جن میں سب سے عمدہ تین ہیں:

اول: معرفت ذات ومعرفت توحید ذاتی کی نعمت، جس کی اصل سلوک الی اللہ اور جس کا نتیجہ بہشت لقاء ہے اور اگر سالک کی نظر نتیجہ پر ہو تو یہ سلوک کا نقص ہے، کیونکہ، خود اور لذات خود، کو ترک کرنے کا مقام ہے اور نتیجہ کے حصول کی طرف توجہ ''خود کی طرف توجہ'' ہے اور یہ خود پرستی ہے خدا پرستی نہیں، تکثیر ہے توحید نہیں اور تلبیس ہے تجرید نہیں۔

دوم: معرفت اسماء کی نعمت اور کثرت اسمائی کے مطابق اس نعمت کے بہت سے شعبے ہیں اور اگر ان کے مفردات کا حساب کیا جائے تو ہزار ہیں اور اگر دو یا چند اسموں کی ترکیبات کے ساتھ حساب کیا جائے تو حد احصاء سے خارج ہیں (وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللهِ لَا تُحْصُوهَا).

اور توحید اسمائی اس مقام پر معرفت ''اسم اعظم'' کی نعمت ہے جو جمع اسماء کا مقام احدیت ہے اور معرفت اسماء کا نتیجہ ہر شخص کے لئے ایک اسم یا چند کی معرفت کے بقدر فرداً یا جمعاً بہشت اسماء ہے۔

سوم: معرفت افعال کی نعمت، اس نعمت کے بھی کثیر اور لامحدود شعبے ہیں اور اس مرتبہ میں مقام توحید جمع تجلیات فعلیہ کا مقام احدیت ہے جمع مقام، فیض مقدس، اور مقام ''ولایت مطلقہ'' ہے اور اس کا نتیجہ، بہشت افعالی، ہے یعنی قلبی سالک میں حق تعالیٰ کے تجلیات افعالی اور شاید حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے لئے اول امر میں جو تجلی ہوئی جس کو دیکھ کے انہوں نے کہا: اٰنَسْتُ

---

[1] رسالہ عروۃ الوثقیٰ، ص ۳۸

نَارًا،[1] تجلی افعالی تھی اور وہ تجلی جس کی طرف قول خدائے تعالیٰ: "فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا"[2] تجلی اسمائی تھی یا تجلی ذاتی۔

پس صراط ''منعم علیہم'' مقام اول میں ''صراط'' سلوک الیٰ ذات اللہ ہے اور نعمت اس مقام میں تجلی ذاتی ہے اور دوسرے مقام ''صراط'' سلوک الی ذات اللہ ہے اور نعمت اس مقام میں تجلی ذاتی ہے اور دوسرے مقام میں ''صراط'' سلوک بہ اسماء اللہ ہے اور نعمت اس مقام میں، تجلیات اسمائی ہیں اور مقام سوم میں ''صراط'' سلوک بہ فعل اللہ ہے اور نعمت اس مقام میں، تجلیات افعالی ہیں۔ جن لوگوں کو یہ مقامات حاصل ہیں، ان کی نظر عام بہشتوں اور لذتوں کی طرف نہیں ہوتی، چاہے روحانی ہوں یا جسمانی، جیسا کہ روایات میں بھی بعض مومنین کے لئے یہ مقام ثابت کیا گیا ہے [3]

خاتمہ

معلوم رہے کہ سورہ مبارک ''حمد'' جس طرح تمام مراتب وجود پر مشتمل ہے اسی طرح تمام مراتب سلوک کو بھی شامل ہے۔ نیز بطور اشارہ تمام مقاصد قرآن کو بھی شامل ہے اور ان مطالب میں غور وفکر اگر چہ ایک مکمل بحث اور اس گفتگو کے علاوہ ایک مستقل گفتگو کی ضرورت کا متقاضی ہے۔ لیکن ان میں سے ہر ایک کی طرف اشارہ بھی اہل معرفت و یقین کے لئے فائدہ، بلکہ فوائد سے خالی نہیں ہے۔

پس مقام اول کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ ممکن ہے، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ تمام دائرہ وجود اور نزول و صعود کی دو کمانوں کی طرف اشارہ ہو۔ لہٰذا، اسم اللہ، قبض و بسط کا مقام احدیت اور ''رحمٰن'' بسط وظہور کا مقام احدیت ہے جو قوس نزول ہے اور ''رحیم'' قبض و بطون کا مقام احدیت ہے جو قوس صعود ہے اور ''الحمد للہ'' ہوسکتا ہے، عالم جبروت اور ملکوت اعلیٰ جن کی حقیقتیں محامد مطلقہ ہیں، کی طرف اشارہ ہو اور ''رب العالمین'' تربیت اور ''عالمین'' کی مناسبت سے جو مقام سوائیت ہے، عوالم طبیعت کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے جو ہر ذات ہی سے متحرک و منظم اور اسی کے زیر تربیت ہیں اور ''مالک یوم الدین'' مقام وحدت وقہاریت اور مقام رجوع دائرہ وجود کی طرف اشارہ ہے اور اس مقام

---

[1] سورہ طٰہٰ: ۱۰، نمل: ۷، سورہ قصص، آیت ۲۹

[2] سورۂ اعراف: ۱۴۳

[3] بحار الانوار، ج ۷۷، ص ۲۳

پر تمام دائرہ وجود نزول وصعود دونوں طرح سے ختم ہو جاتا ہے۔

مقام دوم کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ: ''استعاذہ'' جو مستحب ہے، شاید غیر حق کے ترک اور سلطنت شیطانی سے فرار کی طرف اشارہ ہو اور چونکہ یہ ''استعاذہ'' مقامات کا مقدمہ ہے، ان مقامات کا جزء نہیں ہے، کیونکہ رذائل سے تخلیہ فضائل سے تحلیہ آراستگی کا مقدمہ ہے اور چونکہ بالذات مقامات کمالیہ میں نہیں ہے۔ اس وجہ سے استعاذہ سورہ کا جزء نہیں ہے، بلکہ سورہ میں داخل ہونے کا مقدمہ ہے اور ''تسمیہ'' شاید توحید فعلی و ذاتی کی طرف اشارہ ہو اور دونوں میں جمع کی طرف بھی اشارہ ہو اور "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" سے "رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" تک شاید توحید فعلی کی طرف اشارہ ہو اور "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" فنائے کامل اور توحید ذاتی کی طرف اشارہ ہو اور "اِيَّاكَ نَعْبُدُ" سے حال صحو و رجوع شروع ہوتی ہے، دوسرے لفظوں میں ''استعاذہ'' خلق سے حق کی طرف سفر اور بیت نفس سے خروج ہے اور ''تسمیہ'' خلقیت اور عالم کثرت سے الگ ہونے کے بعد حقانیت کے ساتھ تحقق کی طرف اشارہ ہے اور "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" سے "رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" تک حق سے، حق کے لئے، حق میں سفر، کی طرف اشارہ ہے اور "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" میں یہ سفر تمام ہو جاتا ہے اور "اِيَّاكَ نَعْبُدُ" میں حق سے خلق کی طرف سفر صحو و رجوع کے حصول کے ذریعہ شروع ہو جاتا ہے اور "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" میں یہ سفر تمام ہو جاتا ہے۔

مقام سوم کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ یہ سورہ شریفہ قرآن شریف میں مذکور مقاصد الٰہیہ میں سے سب سے اہم اور عمدہ مقصد پر مشتمل ہے، کیونکہ قرآن کے اصل مقاصد معرفۃ اللہ کی تکمیل، توحیدات ثلاثہ کی تحصیل، حق وخلق کے مابین رابطہ سلوک الی اللہ کی کیفیت، لطیف ورقیق قوتوں کی حقیقۃ الحقائق کی طرف واپسی، تجلیات الٰہیہ کی جمعاً وتفصیلاً اور فرداً وترکیباً معرفی، سلوک وتحقق کے اعتبار سے خلق کی رہبری اور بندوں کی علمی، عملی

اور عرفانی وشہودی تعلیم ہیں اور یہ تمام حقائق اس سورہ شریفہ میں کمال ایجاز واختصار کے ساتھ جو قرآن کی ایک خصوصیت ہے، موجود ہیں۔

پس یہ سورہ شریفہ ''فاتحۃ الکتاب'' اور ''ام الکتاب'' اور مقاصد قرآن کی اجمالی صورت ہے اور چونکہ کتاب الٰہی کے تمام مقاصد کی بازگشت ایک ہی مقصد، یعنی حقیقت توحید کی طرف ہے جو تمام نبوتوں کی غایت اور تمام انبیاء علیہم السلام کے مقاصد کی نہایت ہے اور توحید کے حقائق واسرار آیہ مبارکہ، بسم اللہ، میں پوشیدہ ہیں۔ اسی لئے یہ آیہ شریفہ آیا الٰہیہ میں سب سے زیادہ باعظمت ہے اور کتاب الٰہی کے تمام مقاصد پر مشتمل ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں بھی یہی وارد ہے،

[1] اور چونکہ، باء، ظہور توحید اور نقطہ تحت الباء، [2] سر توحید ہے اس لئے تمام کتاب ظہور و سر دونوں طرح سے اس، باء، میں موجود ہے اور انسان کامل، یعنی حضرت علی علیہ السلام کا وجود مبارک سر توحید کا نقطہ ہے، [3] اور عالم میں کوئی آیت حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپؐ کے وجود مبارک سے زیادہ عظیم نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے، [4]

---

[1] بحار الانوار، جلد ۹۲، ص ۲۳۸، اس سلسلہ میں تین حدیثیں بیان کی ہیں۔

[2] قولنا تحت الباء اور اگر اشکال پیدا ہو کہ کوئی رسم الخط میں جو نزول قرآن کے وقت رائج تھا، نقطہ کا وجود نہ تھا تو کہا جا سکتا ہے کہ اس سے حقیقت و واقعیت کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔ اگر چہ نقش ظہور کے اعتبار سے متاخر ہو، کیونکہ حقائق پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا، بلکہ اس دعوے کی صحت بھی بطور مطلق اطمینان بخش دلیل نہیں بنتی اور صرف تعارف عدم مطلق کی دلیل نہیں ہے، تامل

[3] انا النقطة تحت الباء، (اسرار الحکم، ص ۵۵۹)

[4] تفسیر صافی، ج ۲، ص ۷۷۹، ذیل آیہ شریفہ، عین النبا العظیم

سورہ حمد کی فضیلت روایات کی نظر میں

(۱)منها ما رُوِیَ عَنِ النَّبیّ- صلی اللّٰه علیه و آله- أَنّهُ قالَ لِجابِرِ بْنِ عبدِ اللّٰه الانصاری-رَضِیَ اللّٰه عَنْهُ: یا جابِرُ، أَلا اعَلِّمُكَ أَفْضَلَ سُورَةٍ أَنْزَلَها اللّٰه فی کِتابِهِ؟ فَقالَ لَهُ جابِرٌ: بَلی، بِاَبِی أَنْتَ و امّی یا رَسُولَ اللّٰه، عَلِّمْنیها. قالَ:

فَعَلَّمَهُ الْحَمْدَ امَّ الْکِتابِ. ثُمّ قال: یا جابِرُ، أَلا اخْبِرُكَ عَنْها؟ قال: بَلی، بِاَبی أَنْتَ و امّی یا رسول اللّٰه، اخْبِرْنی. قال: هِیَ شِفاءٌ مِنْ کُلِّ داءٍ اِلّا السّام.[۱]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ آپؐ نے جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے فرمایا: اے جابر! کیا وہ بزرگ ترین سورہ جو خدا نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے تمہیں نہ سکھاؤں؟

جابر نے عرض کی: کیوں نہیں، میرے ماں باپ آپؐ پر قربان یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے سکھایئے۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''سورہ حمد'' ام الکتاب انہیں تعلیم دی

پھر فرمایا: اے جابر! کیا تمہیں اس سورہ سے آگاہ نہ کروں؟

جابر نے کہا: کیوں نہیں، میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اس سے باخبر کیجئے۔

فرمایا: وہ موت کے علاوہ ہر مرض کے لئے شفا ہے۔

(۲)ابن عباس نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا:

ہر چیز کی ایک اساس ہوتی ہے اوراساس قرآن ''فاتحہ'' ہے اوراساس ''فاتحہ'' بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہے[۲]

---

[۱] تفسیر عیاشی، ج۱، ص۲۰، حدیث ۹

[۲] مجمع البیان، ج۱، ص۱۷

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے منقول ہے کہ

"فاتحۃ الکتاب" میں ہر مرض سے شفا ہے،[۱]

(۴) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ

جس کو "الحمد للہ" سے شفا نہ ملے اسے کسی چیز سے شفا نہیں مل سکتی۔[۲]

(۵) حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خدائے تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہم نے یقیناً تمہارے لئے سبع مثانی اور قرآن عظیم بھیجا،[۳]

اس کے علاوہ ایک اور احسان مجھ پر کیا فاتحۃ الکتاب کے ذریعہ اور اس کو قرآن کا مدمقابل قرار دیا اور یقیناً فاتحۃ الکتاب عرش کے خزانوں میں بزرگ ترین چیز ہے اور خدائے تعالیٰ نے اس سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مختص کیا اور اس سے آپ کو شرف بخشا اور اس شرف میں آپ کے ساتھ اپنے انبیاءؑ میں سے کسی کو شریک نہیں کیا سوائے حضرت سلیمان علیہ السلام کے جنہیں فاتحۃ الکتاب میں سے فقط "بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ" عطا فرمائی۔ چنانچہ بلقیس کے بارے میں حکایت کرتا ہے کہ اس نے کہا:

قَالَتۡ یٰۤاَیُّهَا الۡمَلَؤُا اِنِّیۡۤ اُلۡقِیَ اِلَیَّ کِتٰبٌ کَرِیۡمٌ ﴿۲۹﴾ اِنَّهٗ مِنۡ سُلَیۡمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ.[۴]

(غرض ہدہد نے خط ملکہ کے پاس پہنچا دیا) تو ملکہ بولی (اے میرے دربار کے) سردارو یہ ایک محترمانہ خط میرے پاس ڈال دیا گیا ہے۔ یہ سلیمانؑ کی طرف سے ہے یہ (اس کا سرنامہ ہے) بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پس جو شخص اس کی تلاوت کرے اس طرح کہ محمد و آل محمد علیہم السلام کی محبت دل میں رکھتا ہو اور اس

---

[۱] تفسیر عیاشی، ج۱، ص۲۰، حدیث ۹، مجمع البیان، ج۱، ص۱۷

[۲] تفسیر عیاشی، ج۱، ص۲۰، حدیث ۱۰، بحار الانوار، ج۸۹، ص۲۳۷، حدیث ۳۴

[۳] وَلَقَدۡ اٰتَیۡنٰکَ سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِیۡ وَ الۡقُرۡاٰنَ الۡعَظِیۡمَ (سورہ حجر، آیت ۸۷)

[۴] سورہ نمل: ۲۹، ۳۰

قرآن کے حکم کا پیرو ہو اور اس کا ظاہر بھی مومن ہو اور باطن بھی، تو خداوند عالم اس کے ہر حرف کی قرائت کے بدلے میں ایک نیکی عطا فرماتا ہے، جن میں ہر ایک نیکی اس کے لئے دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے، مال و دولت، سب سے بہتر ہے اور جو شخص قرآن پڑھنے والے کی تلاوت کو سنے اس کو قاری کے ثواب کے ایک تہائی کے برابر ثواب ملے گا۔ لہٰذا تم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ جو خیر اس کے سامنے پیش کیا گیا ہے اس میں اضافہ کرے، کیونکہ وہ غنیمت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کا وقت ہاتھ سے نکل جائے اور تمہارے دل میں اس کی حسرت رہ جائے، [۱]

(۶) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ

اگر مردے پر ستر مرتبہ پڑھ دیں اور اس کی روح واپس آجائے تو کچھ عجب نہیں ہے، [۲]

(۷) حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ

جو شخص فاتحۃ الکتاب کی قرائت کرے تو اسے دو ثلث قرآن کی قرائت کا ثواب ملتا ہے، [۳]

(۸) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے مروی ہے

کہ ایسا ہے جیسے پورے قرآن کی تلاوت کی ہو۔ [۴]

(۹) ابی بن کعب سے روایت ہے کہ وہ کہتا ہے کہ، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے فاتحۃ الکتاب پڑھی آپؐ نے فرمایا:

قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، خدا نے توریت و انجیل و زبور اور قرآن میں فاتحۃ الکتاب کا مثل نازل نہیں فرمایا۔ وہ ام الکتاب اور سبع مثانی ہے اور وہ خدا اور اس کے بندہ کے درمیان تقسیم ہے اور اس کے بندہ کے لئے وہ سب ہے جو وہ مانگے، [۵]

(۱۰) حذیفہ بن یمان ؓ سے منقول ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

[۱] عیون اخبار الرضا، ج۱، ص ۳۰۱، حدیث ۲۰، بحار الانوار، ج۸۹، ص ۲۲۷، حدیث ۵)

[۲] تفسیر نور الثقلین، ج۱، ص ۹، تفسیر سورہ حمد، حدیث ۸

[۳] بحار الانوار، ج۸۹، ص ۲۵۹، مجمع البیان، ج۱، ص ۱۷

[۴] بحار الانوار، ج۸۹، ص ۲۵۹، مجمع البیان، ج۱، ص ۱۷

[۵] مجمع البیان، ج۱، ص ۱۷

خدائے تعالیٰ حتمی اور فیصل شدہ عذاب کسی قوم کے لئے بھیجتا ہے اوراس وقت ان کے بچوں میں سے کوئی بچہ قرآن میں سے، الحمد للہ رب العالمین، پڑھتا ہے جب خدائے تعالیٰ سنتا ہے تو چالیس سال تک لئے عذاب اٹھالیتا ہے۔[1]

اورابن عباس سے منقول ہے کہ

ہم حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تھے کہ اچانک ایک فرشتہ آیا اوراس نے کہا: آپؐ کو دونور مبارک ہوں جو آپ کو عطا کئے گئے ہیں اور آپؐ سے قبل انبیاءؑ کو نہیں دیئے گئے۔ وہ دونور، فاتحۃ الکتاب، اورسورہ، بقرہ کے خواتیم، ہیں۔ ہرگز کوئی ان میں سے کسی حرف کی قرائت نہیں کرتا ہے مگر یہ کہ ہم اس کی حاجت پوری کرتے ہیں،[2]

(۱۱) یہ روایت مجمع البیان میں تقریباً اسی مضمون کے ساتھ نقل کی گئی ہے،[3]

---

[1] تفسیر کبیر، ج۱،ص ۱۷۸

[2] مستدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ، ابواب القرائۃ، باب ۴۴، حدیث ۳

[3] مجمع البیان، ج۱،ص ۱۸

فصل ششم

سورہ مبارکہ توحید کی مختصر تفسیر

معلوم ہو کہ یہ سورہ چونکہ حق تعالیٰ کا نسب ہے، جیسا کہ احادیث شریفہ میں ہے کہ من جملہ ان کے کافی شریف میں باسناد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا: یہودیوں نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا: اپنے پرودگار کا نسب ہم سے بیان کیجئے! آپؐ نے جواب میں تین روز تک تاخیر کی اور انہیں کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد نازل ہوا، "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ... الخ" [1]

لیکن اس کے باوصف اہل معرفت کو بھی اس میں نصیب ہے اور جس چیز سے اہل قلوب کو فائدہ ملتا ہے، عقل مجرد کی میزان میں اس کے لئے گنجائش نہیں ہوتی۔

ولعمر الحبیب، یہ سورہ شریفہ ان امانتوں میں سے ہے جن کو اٹھانے سے سماوات ارواح، اراضی اشباح اور جبال انیات عاجز رہ گئے اور اس انسان کامل کے علاوہ یہ قدرت کسی میں نہیں ہے جو حدود امکان سے آگے بڑھ چکا ہو اور خود سے بے خود ہو چکا ہو، لیکن پھر بھی ایک خوشخبری اور بشارت کی ضرورت ہے جو آخر زمانہ کے لوگوں کی آنکھوں کو روشن کرے اور اہل معرفت کے دلوں کو اطمینان بخشے اور وہ ایک حدیث ہے جو کافی شریف میں ہے اور وہ یہ ہے کہ

حضرت علی بن الحسین امام زین العابدین علیہما السلام سے توحید کے بارے میں سوال کیا گیا۔ آپؑ نے فرمایا: یقیناً خدائے عزوجل جانتا تھا کہ آخر زمانہ میں ایسے لوگ ہوں گے جو گہری نظر رکھتے

---

[1] اصول کافی، ج۱، ص ۱۲۲، کتاب التوحید، باب النسبۃ، حدیث ۱

ہوں گے۔ اس لئے قل ھو اللہ احد، اورسورہ حدید کی آیات علیم بذات الصدور، تک نازل فرمائیں۔ پس جو شخص اس کے علاوہ قصد کرے گا وہ ہلاک ہوگا، [1]

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ان آیات شریفہ اور اس سورہ مبارکہ کو سمجھنا گہرائی سے سوچنے والوں اور باریک نظر رکھنے والوں کا حصہ ہے اوران میں توحید ومعرفت کے اسرار مضمر ہیں اورلطیف علوم الٰہی حق تعالیٰ نے ان کے اہل کے لئے نازل کئے ہیں اور جولوگ توحید ومعارف الٰہیہ سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے،ان کوان آیات کے بارے میں غور وفکر کا حق نہیں۔ وہ یہ حق نہیں رکھتے کہ ان آیات کو عام سوقیانہ معانی پر [جنہیں وہ خود سمجھتے ہیں] محمول ومنحصر کریں۔

سورہ مبارکہ،حدید، کی ابتدائی آیات شریفہ میں توحید کی باریکیاں اوراسرار الٰہیت وتوحید سے متعلق جلیل القدر معارف بیان کئے گئے ہیں جنکے نظیر کسی الٰہی آسمانی کتاب اوراہل معرفت وقلوب کے کسی صحیفے میں نظر نہیں آتی اوراگر حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدق نبوت اورکمال شریعت کے لئے ان آیات کے علاوہ اورکچھ نہ ہوتا تو اہل نظر اورارباب معرفت کے لئے یہی کافی تھیں۔ سب سے بڑا شاہد اس بات کا کہ یہ معارف حوصلہ بشر سے بالاتر اورفکر انسانی کے دائرہ سے باہر ہیں، یہ ہے کہ ان آیات شریفہ اوران جیسی معارف پر مشتمل قرآنی آیات کے نزول سے قبل،نوع بشر کو اس طرح کے معارف سے سابقہ نہیں ہوا تھا اوران اسرار تک پہنچنے کا کوئی راستہ انہیں معلوم نہ تھا۔ اب بڑے بڑے فلاسفہ عالم کے کتب وصحف حالانکہ ان کے علوم کا سرچشمہ بھی وحی الٰہی ہے، موجود ہیں کہ شاید ان میں سب سے اعلیٰ اورلطیف فیلسوف عظیم الشان، حکیم بزرگوار ارسطاطالیس کی تصنیف، اثولوجیا، [2]۔

---

[1] اصول کافی، ج۱،ص ۱۲۵، کتاب التوحید، باب النہی عن الکلام فی الکیفیۃ، حدیث ۴

[2] لغت نامہ ودہخدا ئے مادہ ''ارسطو'' کے ذیل میں ''اثولوجیا'' کو ارسطو کے آثار میں شمار کیا ہے اورلکھا ہے کہ: اثولوجیا اورربوبیت کے بارے میں بحث ہے اور اس کی '' فرفوریوس صوری'' نے تفسیر کی ہے اور عبد المسیح بن عبد اللہ الحمصی الناعمی نے عربی میں نقل کیا ہے اور ابو یوسف یعقوب بن اسحاق الکندی نے احمد بن المعتصم کے لئے اس کی اصلاح کی ہے۔ برلین میں ۱۸۸۲ء میلادی میں طبع ہوئی اور''قبسات'' تالیف میر داماد کے حاشیہ پر بھی ایران میں ۱۳۱۴ق میں چھپی، لین مادہ۔ اثولوجیا کے ذیل میں یوں لکھا ہے: اثولوجیا، یوانی (ث اس ل گس) سے بمعنی الٰہیات، میامیر، فلوطینس، جومسلمانوں میں ''شیخ الیونان'' کے نام سے مشہور ہے ایک کتاب کا نام اوروہ ''تاسوعات'' کی کتاب چہارم تاششم پر مشتمل ہے اوربعض قدماء نے غلطی سے اسی کتاب کو''ارسطو'' کی طرف منسوب کیا ہے۔لیکن ۱۳۱۴ء میں کتاب اثولوجیا، کتاب قبسات کے حاشیہ پر ابو القاسم بن آخوند ملا رضا کمر بنی کے ذریعہ لکھی گئی ہے اورلغت نامہ دہخدا میں تاریخ کتابت کو اشتباہاً تاریخ طبع سمجھ لیا گیا ہے۔

جس کے سامنے شیخ الرئیس ابوعلی سینا جیسے اعجوبہ روزگار اور نادرہ دہر نے بھی خاکساری و عاجزی سے سر تسلیم خم کیا ہے۔ علم منطق اور اس کے قواعد کی تنظیم اسی کے رشحات فکر میں سے ہے اور اسی وجہ سے اس کو ''معلم اول'' کہتے ہیں۔ شیخ الرئیس فرماتے ہیں کہ جس زمانے سے اس نے قواعد منطق کو منظم کیا ہے، اس وقت سے آج تک اس کے بنائے ہوئے کسی ایک قاعدہ پر نہ کوئی شبہ وارد کر سکا ہے اور نہ مزید قواعد کی تاسیس کر سکا! تمام اوصاف کے باوجود۔ حالانکہ اس کتاب شریف کو معرفت ربوبیت کی غرض سے لکھا جس میں اس موضوع پر نبیادیں قائم کی ہیں اور قوانین وضع کئے ہیں۔ آپ دیکھ لیں کہ کیا اول سے آخر تک یہ کتاب شریف مقام ربوبیت کے تعارف کے لئے سورہ، حدید، کی ابتدائی آیہ شریفہ کے مثل یا اس کے قریب المعنی جس میں توحید کے اس عظیم راز کی بو بھی پائی جاتی ہو، ہے؟ اور وہ خدائے تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ. (وہی سب سے پہلے اور سب سے آخر ہے اور (اپنی قدرتوں سے) سب پر ظاہر اور (نگاہوں سے) پوشیدہ)[1] یا اس سے ملتا جلتا قول تمام فلاسفہ عالم کے اقوال میں ہے، وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ [2] (وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو)۔

اب گہرائی سے سوچنے والی قومیں ارباب نظر و معرفت جانتے ہیں کہ ان آیات میں کیا اسرار پوشیدہ ہیں اور خدائے تعالیٰ نے کیسے کلام شریف اور راز عظیم کے ذریعہ آخر زمانہ کے لوگوں کو اعزاز بخشا ہے اور ان پر احسان کیا ہے جو شخص بھی ادیان عالم اور اکابر فلاسفہ کے معارف پر نظر کرے گا اور ان کے معارف مبدا و معاد کا موازنہ ان معارف سے کرے گا جو دین السام اور بزرگ اسلامی حکماء اور اس ملت کے عظیم عرفاء نے پیش کئے تو اسے تصدیق کرنا پڑے گی کہ یہ معارف نور قرآن مجید اور احادیث حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ارشادات اہل بیت رسالت علیہم السلام کی روشنی ہیں جو نور قرآن کے سرچشمہ سے حاصل ہوئے ہیں۔ تب سمجھے گا کہ اسلامی حکمت و عرفان کا تعلق نہ یونان سے ہے نہ یونانیوں سے، بلکہ اس سے کوئی شباہت ہی نہیں رکھتا۔

ہاں! بعض حکمائے اسلام حکمت یونان کے ڈھرے پر ضرور چلے ہیں، جیسے شیخ الرئیس، لیکن حکمت شیخ بازار اہل معرفت اور معرفۃ الربوبیت و مبدا و معاد کے باب میں کوئی رونق و تازگی نہیں رکھتی اور اہل معرفت کے بازار میں اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

بالجملہ، آج کا فلسفہ حکمائے اسلام کو اور اہل معرفت کے معارف جلیلہ کو حکمت یونان سے نسبت دیتا ہے۔ یہ قوم

---

[1] سورہ حدید، آیت ۳

[2] سورہ حدید، آیت ۴

کی کتابوں سے بے خبر ہونے کی دلیل ہے۔جیسے فیلسوف عظیم الشان اسلامی صدر المتالہین قدس سرہ ،استاد عظیم الشان محقق داماد قدس سرہ، ان کے شاگرد بزرگوار فیض کاشانی قدس سرہ اور فیض کے شاگرد عظیم الشان عارف جلیل ایمانی، قاضی سعید قمی قدس سرہ نیز یہ نسبت صحیفہ الٰہیہ اور احادیث معصومین علیہم السلام کے معارف سے ناواقفیت کا ثبوت ہے۔اسی بے خبری اور ناواقفیت کی وجہ سے ہر حکمت کو یونان کی طرف منسوب کر دیا ہے اور حکمائے اسلامی کو حکمت یونان کا تابع سمجھ بیٹھے ہیں۔

ہم نے کچھ سورہ کریمہ توحید کے دقیق نکات اور کچھ آیات شریفہ سے متعلق اشارات کتاب ''شرح اربعین'' میں بیان کئے ہیں اور اس سورہ مبارکہ کی مختصر تفسیر ''سر الصلاۃ'' میں لکھی ہے۔تھوڑی سی یہاں بھی تحریر کرتے ہیں۔ **وعلی اللہ التکلان۔**

پس ہم کہتے ہیں: اس سورہ کی، بسم اللہ، اگر خود اسی سورہ سے متعلق ہے، جیسا کہ ہم نے سورہ، حمد، میں احتمال دیا ہے، تو شاید اشارہ اس بات کی طرف ہوگا کہ نسب حق کی شرح اور اسرار توحید کا بیان اپنی انانیت کے ساتھ اور اپنی طرف منسوب زبان سے نہیں کیا جاسکتا، بلکہ جب تک سالک خودی کے حجاب سے باہر نہ آئے گا، مقام مشیت مطلق اور حضرت فیض مقدس میں متحقق نہ ہوجائے گا اور ہستی مطلق میں فانی نہ ہوجائے گا تب تک اسرار توحید کا ادراک ہی نہیں کرسکتا۔

"قل" احدیت جمع کے حضور سے مقام برزخیت کبریٰ ومرات جمع وتفصیل کی طرف امر ہے، یعنی کہو اے محمدؐ! اے مرات ظہور احدیت جمع! مقام تدلی ذاتی یا مقام مقدس ''اوادنیٰ'' میں جو شاید مقام ''فیض اقدس'' کی طرف اشارہ ہو خود سے فانی اور بقاء حق کے ساتھ باقی زبان ہو، **هو الله احد**۔

اے راہ معرفت وتوحید کے راہی! اور اے تنزیہ وتجرید کی بلندیوں پر جانے والے! یاد رکھو کہ ذات مقدس حق تعالیٰ، **من حیث هی**، (جیسی وہ ہے) تجلیات ظاہرہ و باطنہ سے منزہ اور اشارہ ورسم اور صفت واسم سے مبرا ہے۔اہل معرفت کا دست امید اس کے دامن کبریائی تک جانے سے قاصر اور اصحاب قلوب کے پائے سلوک اس کی بارگاہ قدس تک پہنچنے سے عاجز ہیں۔ اولیائے کاملین کی غایت معرفت "**ما عرفناك**" اور اصحاب اسرار کی نہایت سیر "**ما عبدناك**" ہے۔[1] سر حلقہ اہل معرفت اور امیر اہل توحید اس مقام رفیع کے بارے میں فرماتے ہیں: "**كَمَالُ**

---

[1] اشارہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس روایت کی طرف: "عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ وَ مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ"۔(بحار الانوار (ط-بیروت)/ ج68 / 23 / باب 61 الشکر..... ص:18)

الْإِخْلَاصِ لَهُ نَفْيُ الصِّفَاتِ عَنْهُ".[1]

اور پیشوائے اہل سلوک، سید ساجدین و عارفین اس پیش گاہ بلند میں یوں مدحت سرا ہیں: ضَلَّتْ فِيكَ الصِّفَاتُ، وَتَفَسَّخَتْ دُونَكَ النُّعُوت.[2]

اصحاب سلوک علمی و اصطلاحات، ذات مقدس کو ''غیب مصون'' ''سرمکنون'' ''عنقائے مغرب'' اور ''مجہول مطلق'' کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ذات اسماء وصفات کے حجاب کے بغیر کسی آئینے میں تجلی نہیں کرتی اور نشئات وجود کے کسی نشئہ میں اور عوالم غیب وشہود کے کسی عالم میں کوئی ظوہر نہیں کرتی، لیکن "كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ"[3] (وہ ہر روز ایک شان میں ہے) کے مطابق اس کی ذات مقدس کے لئے اسماء وصفات اور شئون جمالیہ وجلالیہ ہیں اور اس کے لئے کچھ اسمائے ذاتیہ ہیں مقام احدیت میں جو مقام غیب ہے اور ان اسماء کو اسمائے ذاتیہ کہنا چاہئے اور تعین ''اسمائے ذاتیہ'' ہی سے وہ فیض اقدس کے ساتھ تجلی کرتا ہے۔ اسمائے ذاتیہ کے لباس اس تجلی کی وجہ سے مقام ''واحدیت'' وحضور اسماء و صفات اور ''مقام الوہیت'' تعین اور ظہور پیدا کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ ذات مقدس کے بعد "من حیث ھی" تین مقام اور تین مشہد اور ہیں:

مقام غیب ''احدی'' اور مقام تجلی بہ ''فیض اقدس'' جس کی طرف شاید حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم[4] میں لفظ ''عماء'' سے اشارہ کیا گیا ہے اور مقام ''واحدیت'' جو احدیت جمع کے ساتھ مقام ''اسم اعظم'' ہے اور کثرت تفصیلی کے ساتھ مقام ''اسماء وصفات'' ہے۔ ان مقامات کی تفصیل ان اوراق کے حوصلہ سے باہر ہے۔

اس مقدمہ کے سمجھ لینے کے بعد ہم کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ "ھو" سے مقام فیض اقدس کی طرف اشارہ ہو جو اسماء ذاتیہ کے تعین سے تجلی ذاتی ہے اور ''اللہ'' احدیت جمع اسمائی کے مقام کی طرف اشارہ ہو جو حضرت ''اسم اعظم'' ہے اور ''احد'' مقام احدیت کی طرف اشارہ ہو۔ اس بنا پر آیہ شریفہ سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ یہ تینوں مقامات، درآنحالیکہ مقام تکثیر اسمائی میں کثرت رکھتے ہیں۔ لیکن حقیقت کے اعتبار سے غایت وحدت میں ہیں اور تجلی بہ ''فیض اقدس'' مقام ظہور کے اعتبار سے ''اللہ'' ہے اور مقام بطون کے اعتبار سے، احد۔

---

[1] نہج البلاغہ، فیض الاسلام، خطبہ ۱

[2] صفتیں تیرے بارے میں گم ہوگئیں اور اوصاف تیرے سامنے باطل ہوگئے، صحیفہ سجادیہ، دعا، ۳۲

[3] سورہ رحمن: ۲۹

[4] قال ﷺ: حین سئل عنه: این کان ربنا قبل خلق السمٰوات والارض؟: کان فی عماء۔ عوالی اللئالی، ج۱، ص ۵۴، فصل چہارم، حدیث ۷۹

اور شاید ''ھو'' مقام ذات کی طرف اشارہ ہو اور چونکہ ''ھو'' غالب کی طرف اشارہ ہے لہٰذا درحقیقت مجہول کی طرف اشارہ ہے اور شاید ''اللہ'' اور ''احد''، ''مقام''، ''واحدیت'' اور مقام ''احدیت'' کی طرف اشارہ ہو۔

پس ذات کی جو مجہول ہے، معرفی فرماتا ہے اسمائے ذاتیہ اور اسمائے واحدیہ ''صفاتیہ'' سے اور درحقیقت اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ذات غیب ہے اور دست امید اس تک پہنچنے سے قاصر ہے اور ذات کے بارے میں تفکر کر کے عمر ضائع کرنا گمراہی کا سبب ہے۔ اہل اللہ جہاں تک معرفت حاصل کر سکتے ہیں اور ذات الٰہی کے بارے میں صاحبان علم کے علم کی رسائی جن مقام تک ہوسکتی ہے وہ مقام ''واحدیت'' و ''احدیت'' ہے ''واحدیت'' عالم اہل اللہ کے لئے اور ''احدیت'' خالص اہل اللہ کے لئے۔

ایک حکیمانہ تنبیہ

حکماء کی نظر میں حق تعالیٰ کے کچھ ''صفات ثبوتیہ'' ہیں اور کچھ ''صفات سلبیہ'' اور انہوں نے کہا ہے کہ ''صفات سلبیہ'' ''سلب السلب'' کی طرف یعنی ''سلب نقص'' کی طرف پلٹتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ ''صفات ثبوتیہ'' صفات ''جمال'' ہیں اور ''صفات سلبیہ'' صفات ''جلال'' ہیں اور ''ذوالجلال والاکرام'' صفات سلبیہ اور صفات ثبوتیہ دونوں کا جامع ہے۔ یہ کلام ان دونوں ہی مرحلوں میں خلاف تحقیق ہے۔

پہلا مرحلہ: ''صفات سلبیہ'' تحقیق کی بنا پر صفات میں سے نہیں ہیں، بلکہ ذات حق میں نہ سلب کے لئے راہ ہے نہ سلب السلب کے لئے۔ اور حق تعالیٰ اوصاف سلبیہ سے متصف نہیں ہے، کیونکہ سلب اتصاف قضایائے ''معدولہ'' میں سے ہے اور قضیہ معدولہ کو حق تعالیٰ سے مربوط کرنا جائز نہیں، کیوں اس صورت میں اس کے لئے جہات امکانی کو صحیح ماننا پڑے گا اور ذات مقدس میں ترکیب لازم آئے گی، بلکہ اس کے اوصاف سلبیہ، بہ طریق سلب مطلق بسیط ہیں اور سلب مطلق بسیط، سلب صفت ہے، اثبات صفت سلب سلب نہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ نقائص حق تعالیٰ بہ سلب بسیط مسلوب ہیں، نہ یہ کہ سلب نقائص اس کے لئے بہ طریق ایجاب عدولی ثابت ہے۔ لہٰذا حقیقت یہ ہے کہ صفات تنزیہ، صفت، نہیں ہیں اور حق تعالیٰ فقط صفات ثبوتیہ سے متصف ہے۔

دوسرا مرحلہ: اہل معرفت کے نزدیک صفات ''جمال'' وہ صفات ہیں جن سے انس اور دلبستگی پیدا ہوتی ہے اور صفات ''جلال'' وہ صفات ہیں جن سے وحشت و حیرت اور رعب پیدا ہوتا ہے۔ پس جو لطف و رحمت سے متعلق ہیں وہ صفات ''جمال'' ہیں جیسے رحمٰن، رحیم، لطیف، عطوف، رب اور ان جیسے اور جو قہر و کبریا سے متعلق ہیں۔ وہ صفات ''جلال''

ہیں جیسے مالک، ملک، قہار، منتقم اوران جیسے صفات۔ اگر چہ ہر جمال کے سر میں ایک جلال ہوتا ہے، کیونکہ ہر جمال اپنے باطن میں حیرت وخوف رکھتا ہے اور سر عظمت وقدرت کے ساتھ قلب پر ظہور کرتا ہے اور ہر جلال اپنے باطن میں رحمت رکھتا ہے اور قلب کو اس سے باطنی انس ہوتا ہے اور اس وجہ سے دل جس طرح مجذوب جمال وجمیل ہے اسی طرح مجذوب قدرت وعظمت وقادر وعظیم ہے۔لہٰذا صفات کی یہ دونوں ہی انواع ثبوتی ہیں، سلبی نہیں۔

جب یہ مفہوم سمجھ میں آ گیا تو اب معلوم ہو کہ ''اللہ'' اگر چہ اسم اعظم، ہے،صفات، جمال وجلال،جس کی تجلیاں اور اسی کی حدود میں ہیں، لیکن صفات جمال کا اطلاق کبھی صفات ''جلال'' کے مقابل پر ہوتا ہے۔ چنانچہ ''الٰہیت'' و ''الوہیت'' نوع کے اعتبار سے صفات ''جمال'' کی طرف راجع ہے خصوصاً اگر صفات ''جلال'' کے مقابل واقع ہوں اور آیہ شریفہ "قل هو الله احد" میں ممکن ہے ''احد'' امہات صفات ''جلال'' میں سے کسی کی طرف اشارہ ہو۔ جو بساطت ذات مقدس کا مقام کمال ہے اور ''اللہ'' اسم ''جمال'' کی طرف اشارہ ہو۔

پس آیہ شریفہ میں حق تعالیٰ کی نسبت سے مقام ''احدیت'' و ''واحدیت'' اور تجلی بہ ''فیض اقدس'' کے مطابق کہ یہ تینوں کے تینوں ''اللہ'' کے شئون ہیں۔معرفی ہوئی ہے پہلے احتمال کی بنیاد پر جس کی طرف اس سے پہلے متنبہ کیا جا چکا اور اس احتمال کی بنا پر جو اس تنبیہ میں مذکور ہوا حق تعالیٰ کی نسبت کی معرفی مقام اسمائے جمالیہ وجلالیہ کے مطابق [جو تمام اسماء پر محیط ہیں] کی گئی ہے۔

تنبیہ عرفانی

معلوم ہو کہ ہر متکلم کا کلام مقام ظہور کے مطابق اس کے جلوۂ ذات ہوتا ہے اور اس کی لفظی ترکیبات کی استعداد کی مقدار پھر الفاظ کے آئینہ میں اس کے باطنی ملکات کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر قلب نورانی وشفاف اور عالم مادیت کی کدورتوں اور آلودگیوں سے صاف ہو تو اس کا کلام بھی نورانی نور ہوگا اور قلب کی وہی نورانیت الفاظ کے لباس میں نمایاں ہوگی۔ائمہ ہدیٰ علیہم السلام سے وارد ہوا ہے۔

كَلَامُكُمْ نُور.[1]

اور وارد ہے،

---

[1] عیون اخبار الرضاؑ، ج ۲،ص ۲۷۷، زیارت جامعہ کبیرہ

لَقَدْ تَجَلَّى اللّٰهُ لِخَلْقِهِ فِي كَلَامِهِ.[1]

یقیناً خداوند عالم نے اپنے کلام میں اپنے بندوں پر جلو کیا ہے۔

اور نہج البلاغہ میں ہے

إِنَّمَا كَلَامُهُ سُبْحَانَهُ فِعْلٌ مِنْهُ.[2]

یقیناً اس کا کلام فعل ہے۔

اور فعل بغیر ''کلام'' جلوہ ذات فاعل ہوتا ہے اور اگر قلب ظلمانی اور آلودہ ہو تو اس کا قول و فعل بھی ظلمانی اور آلودہ ہو جائے گا۔

مَثَلُ كَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ ...وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ.[3]

کلمہ طیبہ کی مثال پاکیزہ درخت کی مثال ہے۔۔۔۔۔اور کلمہ خبیثہ مثل درخت خبیثہ ہے۔

چونکہ ذات مقدس حق تعالیٰ ''كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ''[4] کے مطابق اسماء و صفات کے لباس میں سب انبیاء و اولیاء علیہم السلام پر تجلی کرتی ہے اور ان کے قلوب کے مختلف ہونے کے اعتبار سے تجلیات بھی تلف ہوتی ہیں اور آسمانی کتابیں، جو نزول وحی کی سفت کے ساتھ امین وحی جناب جبرئیلؑ کے توسط سے ان کے قلوب پر نازل ہوئی ہیں، ان تجلیات کے اختلاف کے مطابق اور اسماء کے اختلاف کے مطابق [جو تجلیات کا مبدا ہیں] مختلف ہیں۔ اسی طرح انبیاءؑ اور ان کی شریعتیں بھی اختلاف دول اسمائی کی وجہ سے مختلف ہیں۔ پس جو اسم زیادہ محیط اور زیادہ جامع ہے اس کی دولت بھی محیط تر اور اس کی تابع بھی محیط تر ہے۔ نیز اس سے نازل ہونے والی کتاب بھی محیط تر اور جامع تر ہے اور اس کی تابع شریعت بھی محیط تر اور زیادہ باقی رہنے والی ہے اور چونکہ حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور قرآن شریف نیز آنحضرتؐ کی شریعت، مظاہر میں سے ایک مظہر اور جلوہ گاہوں میں سے ایک جلوہ گاہ ہے یا تجلیات وظہورات میں سے ایک تجلی اور ایک ظہور ہے۔ اس لئے وہ مقام جامع احدیٰ اور مقام حضور اسم اللہ الاعظم ہے۔

اس وجہ سے تمام نبوتوں، کتابوں اور شریعتوں میں سب سے زیادہ محیط اور جامع ہے اور اس سے زیادہ اکمل و اشرف کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور اب کبھی عالم غیب سے بسیط طبیعت و مادیت کی طرف اس سے اعلیٰ تر یا اس جیسا علم

---

[1] بحار الانوار (ط - بیروت)/ ج 89 / 107 / باب 9 فضل التدبر فی القرآن..... ص: 106

[2] نہج البلاغہ، فیض اسلام، ص ۷۳۷، خطبہ ۲۲۸

[3] سورہ ابراہیم، آیات ۲۴ تا ۲۶

[4] سورۂ رحمٰن: ۲۹

نازل ہونے والا نہیں ہے، یعنی کمال علم کا آخری ظہور جس کا تعلق شرائع سے ہے، یہی ہے اور عالم ملک میں اس سے بالاتر کے نزول کا امکان نہیں ہے۔ لہٰذا رسول ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اشرف مخلوقات اور اسم اعظم کا مظہر تام ہیں اور ان کی نبوت بھی تمام ممکن نبوتوں میں کامل ترین اور دولت اسم اعظم کی صورت ہے جو ازلی و ابدی ہے اور آپؐ پر نازل ہونے والی کتاب بھی مرتبہ غیب سے اسم اعظم کی تجلی کے ذریعہ نازل ہوئی ہے۔ اسی وجہ سے یہ کتاب شریف مقام احدیت جمع و تفصیل ہے اور ''جوامع الکلم'' سے ہے [1]

جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام جوامع الکلم سے ہے اور قرآن یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کے ''جوامع الکلم'' ہونے سے یہ مراد نہیں ہے کہ معاشرہ کے لئے کلیات اور ضوابط بیان فرمائے ہیں، اگرچہ ان معنی میں بھی آپؐ کے احادیث جوامع وضوابط میں ہیں، جیسا کہ علم فقہ میں معلوم ہے، بلکہ قرآن وکلام آنحضرتؐ کی جامعیت کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ حیات بشری کے تمام ادوار میں تمام طبقات بشر کے لئے نازل ہوا ہے اور نوع انسان کی تمام ضروریات واحتیاجات کو پورا کرنے والا ہے اور اس نوع کی حقیقت چونکہ حقیقت جامعہ ہے اور منزل اسفل ملکی سے لے کر روحانیت وملکوت و جبروت کے بلند ترین مراتب تک تمام مراتب اس میں پائے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے اس نوع کے افراد اس عالم اسفل ملکی میں کامل (باہمی) اختلافات رکھتے ہیں اور جس قدر تفاوت و اختلاف اس نوع کے افراد میں ہے اس قدر تفاوت و اختلاف موجودات کی کسی نوع کے افراد میں نہیں ہے۔ یہ وہ نوع ہے جس کا کوئی فرد شقی ہے تو کمال شقاوت اس میں پایا جاتا ہے اور سعید ہے تو کمال سعادت کا حامل ہے۔ یہ وہ نوع ہے جس کے بعض افراد تمام انواع حیوانیات سے پست تر ہیں اور بعض افراد تمام ملائکہ مقربین سے شریف تر ہیں۔

بالجملہ، چونکہ نوع انسانی کے افراد مدارک و معارف میں مختلف اور متفاوت ہیں اس لئے قرآن اس طور سے نازل ہوا ہے کہ ہر شخص اپنے ادارک معارف کے کمال وضعف کے مطابق اور اپنے درجہ علم کے موافق اس سے استفادہ کر سکے مثلاً آیہ شریفہ ''لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا'' [2] (اگر ان دونوں (آسمان وزمین) میں خدا کے علاوہ اور خدا ہوتے تو یقیناً آسمان وزمین تباہ ہوجاتے۔) سے اہل عرف، اہل ادب اور اہل لغت جب سمجھتے ہیں تو علمائے کلام دوسری طرف سے استفادہ کرتے ہیں اور فلاسفہ وحکماء کسی دوسرے انداز سے اور عرفاء و اولیاء دوسرے طریقہ سے اہل عرف اس سے اپنے ذوق کے مطابق بیان خطابی سمجھتے ہیں، مثلاً کہتے ہیں کہ دو بادشاہ ایک مملکت میں نہیں رہ سکتے اور دو

---

[1] حدیث نبویؐ کی طرف اشارہ ہے۔ ''وَ أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ'' (الخصال، باب ۵، حدیث ۵۶)

[2] سورہ انبیاء، آیت ۲۲

رئیس ایک قبیلہ اور ایک گروہ میں فساد کا سبب ہوتے ہیں اور ایک دیہات میں دو چوہدریبڑے اختلاف و کشاکش اورنزاع کا سبب ہوتے ہیں اور عالم میں بھی اگر دو خدا ہوں گےتو فساد ونزاع اور اختلاف و افتراق پیدا ہوگا اور جب ایسا اختلاف نہیں ہے اورنظام سمٰوات وارض محفوظ ہےتو یہ دلیل ہے کہ مدبر عالم ایک ہے اور متکلمین اس سے دلیل تمانع کا استفادہ کرتے ہیں اور فلاسفہ وحکماء اس سے یہ حکیمانہ محکم برہان قائم کرتے ہیں کہ "الواحد لا یصدر منه الّا الواحد، و الواحد لا یصدر الّا من الواحد" [1] اوراہل معرفت اس طریقہ سے کہ عالم مراتب ظہور اور تجلی حق کی جلوہ گاہ ہے، دوسرے ہی طریقہ سے وحدانیت کا استفادہ کرتے ہیں۔ الیٰ غیر ذالک طول کے خوف سے باقی لوگوں کے استفادات کا ذکر ترک کیا جاتا ہے۔

جب یہ مقدمہ معلوم ہوگیا تو اب معلوم ہو کہ سورہ شریفہ "قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ"،تمام قرآن کی طرح ''جوامع الکلم'' میں ہے۔ اسی وجہ سے ہر شخص اپنے طور پر اس سے استفادہ کرتا ہے۔ چنانچہ علماء ادب وظاہر نے ضمیر "ھو"کوضمیر شان اور''اللہ'' کوعلم ذات اور''احد'' کو''واحد'' کے معنی میں یاوحدت میں مبالغہ سمجھا ہے،یعنی خدا ایک ہے یا الٰہیت میں کوئی شریک نہیں رکھتا۔لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ. [2]

یا ذاتی الٰہیت میں شریک نہیں رکھتا یا اس کے افعال واحد ہیں،یعنی تمام افعال صلاح و احسان کے مطابق ہیں۔ اپنے لئے کوئی فائدہ نہیں حاصل کرتا اورخدا''صمد'' ہے،یعنی بڑا سردار ہے جس کی طرف لوگ اپنی ضرورتوں کے لئے رجوع کرتے ہیں یا''صمد'' ہے،یعنی جوف نہیں رکھتا اور جب جوف نہیں رکھتا تو کوئی چیز اس سے متولد نہیں ہوتی اوروہ خود بھی کسی چیز سے پیدا نہیں ہوتا اور کوئی اس کا مثل ونظیر نہیں ہے۔ یہ ایک عامیانہ عرفی بیان ہے کفار کے مقابلہ میں جن کے متعدد خدا تھے اور وہ سارے خدا صفات امکان سے متصف تھے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوحکم دیا گیا کہ وہ فرمادیں کہ ہمارا خدا تمہارے خداؤں کی طرح نہیں ہے، بلکہ اس کے ایسے اوصاف ہیں جو مذکور ہوئے۔

یہ اس سورہ کی تفسیر ہے عرف و عادت کے مطابق اور یہ ایک گروہ کے لئے ہے اور یہ تفسیر ان معنی یا معانی سے کوئی منافات نہیں رکھتے جو اس سے زیادہ دقیق ہوں، جیسا کہ ہم نے ان میں سے بعض معانی کا ذکر کیا۔

حکیمانہ تفسیر

---

[1] یہ فلسفہ کا ایک قاعدہ ہے،(الاشارات والتنبیہات،شرح خواجہ نصیر، ج ۳،ص ۱۲۲،الاسفار الاربعہ، ج ۲،ص ۲۰۴،فصل ۱۳)

[2] اس کے مثل کوئی چیز نہیں، (سورہ شوریٰ، آیت ۱۱

سورہ مبارکہ،توحید، کی جو آخر زمانہ کے باریک بینوں کے لئے نازل ہوا، موازین حکمیہ اور براہین فلاسفہ کے مطابق حکیمانہ تفسیر بھی کی جاسکتی ہے۔ یہ وہ تفسیر ہے جس کا استفادہ میں نے شیخ بزرگوار، عارف شاہ آبادی (مدظلہ)، [1] سے کیا ہے اور وہ یوں ہے:

''ھو'' صرف ''الوجود'' اور ''ہستی مطلق'' کی طرف اشارہ ہے اور یہ ''ھو'' چھ اعلیٰ حکیمانہ مطالب پر برہان ہے جن کو حق تعالیٰ نے اس سورہ مبارکہ میں ثابت کیا ہے:

اول: مقام، الوہیت، جو استجماع جمیع کمالات اور، احدیت، جمع، جمال و جلال، کا مقام ہے جیسا کہ کتب حکمت میں مناسب مقام پر ثابت ہو چکا ہے کہ، صرف وجود اور ہستی مطلق، صرف کمال ہے۔ ورنہ، (اگر اس میں نقص کا شائبہ ہو گا تو) لازم آئے گا کہ وہ صرف وجود بھی نہ ہو اور چونکہ ان مطالب کے بیان سے گفتگو طولانی ہو جائے گی اوراس کے لئے کئی مقدمات کی ضرورت ہے اس لئے ہم صرف اشارہ پر اکتفا کر رہے ہیں۔

دوم: مقام، احدیت، جو بساطت تامہ عقلیہ و خارجیہ و ماہویہ وجودیہ کی طرف اور ترکیبات عقلیہ سے تنزہ کی طرف اشارہ ہے، چاہے یہ ترکیبات جنس وفصل ہوں، چاہے مادہ وصورت عقلیہ ہوں یا خارجیہ یا مادہ وصورت خارجیہ یا اجزاء مقداریہ ہوں، ان مطالب پر برہان بھی وہی برہان صرف الوجود وہویت مطلقہ ہے، جو مقام اول کے ذیل میں ذکر ہوا، کیونکہ،صرف اگر احدی الذات نہ ہو گا تو صرف کا صرفیت سے خارج ہونا لازم آئے گا اوروہ اپنی ذاتیت سے الگ ہو جائے گا۔

سوم: مقام ''صمدیت'' جو نفی ماہیت کی طرف اشارہ ہے اور ''جوف'' نہ رکھنے اور ''میان خالی ہونے'' سے بھی ماہیت نہ رکھنے اور ''نقص امکانی نہ رکھنے'' ہی کی طرف اشارہ ہے، چونکہ تمام ممکنات کا مرتبہ ذات جو ان کے لئے بمنزلہ میان و جوف ہے، خالی ہے اور چونکہ ذات مقدس صرف وجود اور ہستی مطلق ہے اس لئے وہ نقص امکانی جس کی اصل ماہیت ہے، نہیں رکھتی، کیونکہ ماہیت حد وجودی سے منتزع ہوتی ہے اور وہ تعین وجود سے عبارت ہے اور صرف الوجود حد وتعین سے مبرا ومنزہ ہے، کیونکہ ہر محدود ایک مقید ہستی اور مخلوط وجود ہے، ہستی مطلق اور صرف وجود نہیں۔

---

[1]

چہارم: اس سے کوئی شے منفصل نہیں ہوتی، کیونکہ ایک شے سے دوسری شے کا انفصال مستلزم ہے کہ اس کا کوئی ''ہیولی'' بلکہ اجزائے مقداریہ ہوں جو ہویت مطلقہ اورصرافت وجود کے منافی ہے اور، اگر یہ کہا جائے کہ حق تعالیٰ تمام موجودات کی علت ہے اور معلول علت سے منفصل ہوتا ہے تو ہم کہیں گے کہ) علت سے معلولات کا وجود بہ طریق انفصال نہیں ہے، بلکہ بہ طریق تجلی وظہور و صدور ہے اور یہ ظہور وصدور اس طرح ہوتا ہے کہ کوئی شے علت سے کم نہیں ہوتی اوراس کی طرف رجوع سے کسی شے کا اضافہ نہیں ہو جاتا۔

پنجم: وہ کسی سے منفصل نہیں ہوتا۔ یہ سابقہ مفسدہ کے علاوہ دوسرے طریقہ سے بھی صرافت و جود اور ہویت مطلقہ سے منافات رکھتا ہے، کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ صرف وجود پر کوئی شے مقدم ہو اور فلسفہ عالیہ میں یہ بات ثابت ومسلم ہو چکی ہے کہ، صرف، اقدم اشیاء ہے اور متعین مطلق سے متاخر ہے۔

ششم: ہمسر و ہمتا اور شبیہ ونظیر نہیں رکھتا۔ یہ بھی برہان، صرف الوجود لا یتکرر، سے ثابت ہے۔ پس دو ہویت مطلقہ متصور نہیں ہوتیں اور مطلق ومقید ایک دوسرے کی نظیر نہیں ہو سکتے۔

ان مطالب میں سے ہر ایک کی توضیح کے لئے مقدمات واصول ہیں جن کو مفصل بیان کرنا اس مختصر رسالہ میں ممکن نہیں ہے۔

حکمت مشرقیہ

معلوم رہے کہ یہ سورہ مبارکہ کمال اختصار کے باوجود تمام شئون الٰہیہ اور تسبیح وتنزیہ کے تمام مراتب پر مشتمل ہے اور درحقیقت الفاظ کے قالب اور عبادات کی ترکیب میں جس قدر ممکن ہے، حق تعالیٰ کی نسبت سے وہ موجود ہے۔ چنانچہ ''ھو اللہ احد'' میں تمام حقائق صفات کمال، بیان ہوئے، ہیں اور یہ جملہ تمام ''صفات ثبوتیہ'' پر مشتمل ہے اور ''صمد'' سے آخر سورہ تک ''صفات تنزیہیہ'' بیان ہوئے ہیں اور سلب نقائص کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، نیز اس سورہ مبارکہ میں ''حدین'' یعنی حد ''تعطیل'' اور حد ''تشبیہ'' سے خروج کا اثبات کیا گیا ہے، کیونکہ یہ دونوں ہی حد ''اعتدال'' اور حقیقت توحید سے باہر کی چیزیں ہیں۔ پہلی آیہ شریفہ ''نفی تعطیل'' کی طرف اشارہ اور تتمہ سورہ ''نفی تشبیہ'' کی طرف اشارہ ہے۔ یہ سورہ ذات ''من حیث ھی'' پر اور مقام احدیت پر بھی جو تجلی بہ اسمائے ذاتیہ ہے، مشتمل ہے اور مقام واحدیت پر

بھی مشتمل ہے جو تجلی بہ اسمائے صفاتیہ ہے۔ جیسا کہ اس کی تفصیل جس قدر مناسب حال تھی، بیان ہو چکی۔

تتمیم

شیخ صدوق (رضوان اللہ علیہ) نے ابوالبختری، وہب بن وہب قرشی سے روایت کی ہے، انہوں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اور امامؑ نے اپنے پدر بزرگوار حضرت امام محمد باقر العلوم علیہ السلام سے، خدائے تعالیٰ کے قول "قل هو الله احد" کے بارے میں، آپؑ نے فرمایا:

''قل'' یعنی جو کچھ ہم نے تم پر وحی کی اور جس سے تمہیں باخبر کیا اسے حرفوں کی اسی ترکیب کے ساتھ ظاہر کردو جس طرح ہم نے تمہارے لئے قرائت کئے ہیں تاکہ اس سے اس شخص کی ہدایت ہو جائے جو سننے والے کانا اور دیکھنے والی آنکھ رکھتا ہے اور ''ھو'' اسم ہے کنایہ جو غائب کی طرف اشارہ ہے۔ پس ''ھ'' معنای ثابت کی طرف متنبہ کرتی ہے اور ''و'' اسکی طرف اشارہ ہے جو حواس سے غائب ہے جیسے ''ھذا'' اس کی طرف اشارہ ہے جو حواس کے سامنے حاضر ہو اور غائب کی طرف یہ اشارہ اس لئے ہے کہ کفار نے اپنے خداؤں کے بارے میں وارننگ دی تھی اس حرف کے ذریعہ سے جو شاہد مدرک (حواس کے سامنے آنے اور دریافت ہوجانے والے) کی طرف اشارہ ہے۔ انہوں نے کہا: یہ سب ہمارے خدا ہیں جو آنکھوں سے محسوس ہونے اور ادراک میں آجانے والے ہیں۔ تو اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تم بھی اپنے خدا کی طرف اشارہ کرو تاکہ ہم اسے دیکھیں اور اس کا ادراک کریں اور اس کے بارے میں متحیر نہ ہوں، خدا تعالیٰ نے وحی نازل کی کہ (کہو! ''ھو'' پس ''ھ'' ثابت کا اثبات کرتی ہے اور ''و'' سے اشارہ ہے، آنکھوں کے درک اور حواس کے لمس سے غائب، کی طرف اور اس بات کی طرف کہ خدائے تعالیٰ ان سے بالاتر ہے،[1]

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''اللہ'' اس معبود کے معنی میں ہے جس کی حقیقت کا ادراک کرنے اور جس کی کیفیت کے احاطہ سے مخلوقات متحیر ہیں اور جب کسی چیز کے بارے میں متحیر ہوں اور کسی طرح کا علم اس کے

---

[1] التوحید، ص ۸۸، باب تفسیر قل ھو اللہ احد، حدیث ۱

بارے میں پیدا نہ کرسکیں تو اہل عرب کہتے ہیں ''الہ الرجل''۔ جب کسی چیز سے بچنے کے لئے کہ جو اسے خوف دلائے اور وہ کسی چیز کی پناہ لے تو اس کے لئے کہتے ہیں ''ولہ'' اور جو چیز حواس سے پوشیدہ ہو تو اس چیز کو کہتے ہیں ''لالہ''۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''احد'' فرد یکتا ہے اور ''احد'' اور ''واحد'' ایک معنی میں ہیں، یعنی وہ یکتا جس کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ توحید ''وحدت'' کا اقرار ہے اور وحدت انفراد ہے اور واحد وہ متبائن ہے جو نہ کسی چیز سے منبعث ہوا ہو اور نہ کسی چیز سے متحد ہو سکے۔ اسی بنا پر کہتے ہیں کہ عدد کی بنا تو واحد سے ہوئی ہے مگر خود واحد عدد نہیں ہے، کیونکہ عدد واحد کے لئے نہیں بولا جاتا، بلکہ عدد دو سے شروع ہوتا ہے۔ لہٰذا قول خدا ''اللہ احد'' کے معنی یہ ہیں کہ وہ معبود جس کے ادراک سے اور جس کی کیفیت کے احاطہ سے مخلوقات متحیر ہیں۔ خدائی میں یکتا ہے اور مخلوق کے صفات سے بالاتر ہے،[1]

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: مجھ سے میرے والد بزرگوار امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے پدر بزرگوار حضرت امام حسین علیہ السلام کی حدیث بیان کی۔ انہوں نے فرمایا:

صمد وہ ہے جو جوف نہ رکھتا ہو، صمد وہ ہے جس کی سرداری منتہی تک پہنچی ہوئی ہو۔ صمد وہ ہے جو نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ صمد وہ ہے جو سوتا نہیں۔ صمد وہ ہے جو ہمیشہ رہنے والا ہے جو ہمیشہ تھا اور ہمیشہ رہے گا۔[2]

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ محمد بن حنفیہ کہا کرتے تھے:

صمد وہ ہے جو قائم بنفسہ اور غنی عن غیرہ (اپنی ذات سے موجود اور اپنے غیر سے بے نیاز) ہو۔

اور کسی اور نے کہا کہ: صمد وہ ہے جو کون وفساد سے بلند تر ہو اور وہ صمد، وہ ہے جو تغایر سے متصف نہ ہو۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

صمد اس عظیم فرد کو کہتے ہیں جس کی اطاعت کی جائے اور اس سے بالاتر کوئی امر و نہی کرنے والا نہ ہو۔

---

[1] التوحید، ص ۸۸، باب تفسیر قل ھو اللہ احد، حدیث ۲

[2] معانی الاخبار/ النص/ 7 / باب معنی الصمد..... ص: 6

روایت ہے کہ حضرت علی بن الحسین امام زین العابدین علیہما السلام سے ''صمد'' کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا:

صمد وہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور کسی شے کی حفاظت اس کے لئے مشکل اور دشوار نہیں اور کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں رہتی، [1]

وہب بن وہب قرشی کا بیان ہے کہ زید بن علیؑ نے کہا:

صمد وہ ہے جب وہ کسی چیز کے لئے ارادہ کرے تو کہے کہ ہو جا، پس وہ وجود میں آجائے اور صمد وہ ہے کہ جو چیزوں کو وجود میں لائے تو ان کو ایسی صورت پر پیدا کرے جو ایک دوسرے کی ضد بھی ہیں ہم شکل بھی ہیں اور جوڑا بھی ہیں۔ لیکن وہ خود وحدت کے ساتھ متفرد ہے۔ نہ کوئی اس کی ضد ہے نہ شکل نہ مثل نہ شبیہ [2]

وہب بن وہب حضرت علی بن الحسین علیہما السلام کا ایک کلام بھی ''صمد'' کی تفسیر کے بارے میں نقل کرتے ہیں اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا بھی ایک کلام اسرار حروف، الصمد، کے متعلق نقل کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

اگر اس علم کے لئے جو مجھے خدا وند عالم نے مرحمت فرمایا ہے، مجھے (اس کے اہل اور) حاملین مل جاتے تو، الصمد، ہی کے ذریعہ توحید، اسلام، ایمان، دین اور شرائع کو نشر کرتا۔ ایسا میرے لئے کیونکر ہو سکتا ہے جب میرے جد امیر المومنین علیہ السلام ہی کو حاملان علم نہ مل سکے، یہاں تک کہ درد میں ڈوبی ہوئی آہیں کھینچتے تھے اور برسر منبر فرماتے تھے: مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ، یقین جانو کہ میرے سینہ کے اندر بڑا علم ہے۔ آہ آہ! مجھے اس علم کے لئے اہل نہیں ملتے، [3]

---

[1] التوحید، ص ۸۸، باب تفسیر، قل ھو اللہ احد، حدیث ۳

[2] التوحید، ص ۸۸، باب تفسیر، قل ھو اللہ احد، حدیث ۴

[3] التوحید، ص ۸۸، باب تفسیر، قل ھو اللہ احد، حدیث ۶

خاتمہ

ہم اس مقام کو سورۂ توحید کی فضیلت میں وارد چند احادیث شریفہ کے ذکر پر تمام کرتے ہیں۔ اگرچہ اس سورہ مبارکہ کی فضیلت میں اس قدر احادیث ہیں جن کے لئے اس مختصر رسالہ میں گنجائش نہیں ہے۔

کافی شریف میں باسناد حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

جو شخص ''قل ھو اللہ احد'' کی تلاوت ایک مرتبہ کرے تو اس کے لئے مبارک ہے اور جو شخص دو مرتبہ پڑھے تو اس کے اور اس کے اہل کے لئے مبارک ہے اور جو شخص تین مرتبہ پڑھے تو اس کے اہل اور اس کے ہمسایوں کے لئے مبارک ہے اور جو شخص بارہ مرتبہ پڑھے تو خداوند عالم اس کے لئے جنت میں بارہ قصر تعمیر کرتا ہے تو محافظین جنت کہتے ہیں کہ ہم کو لے چلو اپنے فلاں بھائی کا قصر دیکھیں اور جو شخص سو مرتبہ پڑھتا ہے تو خون اور اموال سے متعلق گناہوں کے علاوہ اس کے پچیس سال کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور جو شخص چار سو مرتبہ پڑھے تو اس کے لئے چار سو ایسے شہیدوں کا ثواب ہے جن کے گھوڑے میدان جہاد میں پے کر دیئے گئے ہوں اور خود ان کا خون بہایا گیا ہو اور جو شخص ایک شب و روز میں ایک ہزار مرتبہ پڑھے۔ اسے اس وقت تک موت نہیں آتی جب تک وہ خود اپنا مقام جنت میں دیکھ نہ لے۔ یا کسی اور کے ذریعہ اس کا مقام جنت میں دیکھ لیا جائے،[1]

کافی شریف میں بہ اسناد حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، نے فرمایا: جو شخص سو مرتبہ ''قل ھو اللہ احد'' پڑھے تو جب وہ سونے کے لئے اپنے بستر پر جاتا ہے، خداوند عالم اس کے پچاس سال کے گناہ بخش دیتا ہے،[2]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ، آپؑ نے فرمایا:

میرے والد بزرگوار فرماتے تھے: قل ھو اللہ احد، ایک ثلث قرآن ہے اور ''قل یا ایھا

---

[1] اصول کافی، ج ۴، ص ۴۲۵، کتاب فضل القرآن، باب فضل القرآن، حدیث ۱

[2] اصول کافی، ج ۴، ص ۴۲۵، کتاب فضل القرآن، باب فضل القرآن، حدیث ۴

الکافرون" ایک چوتھائی قرآن مجید ہے [1]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، نے سعد بن معاذ کی نماز جنازہ پڑھی، اس کے بعد فرمایا: سعد کے جنازہ ستر ہزار ملائکہ نے آ کر نماز پڑھی ہے جن کے درمیان جبرئیلؑ بھی تھے۔ میں نے جبرئیل علیہ السلام سے کہا: سعد کس چیز کی وجہ سے تم فرشتوں کی نماز جنازہ کے حقدار قرار پائے؟ کہا: اس وجہ سے کہ یہ اٹھتے بیٹھتے، سوار اور پیادہ، آتے جاتے، "قل ھو اللہ احد" پڑھا کرتے تھے، [2]

وسائل میں مجالس سے اور معانی الاخبار میں اپنی اسناد سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے اپنے آباء کرامؑ سے ایک حدیث میں سلمان فارسیؓ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپؐ نے فرمایا:

جو شخص ایک مرتبہ "قل ھو اللہ احد" پڑھے اس نے ایک تہائی قرآن پڑھ لیا اور جو شخص دو مرتبہ پڑھے اس نے دو تہائی قرآن پڑھ لیا اور جو شخص تین مرتبہ پڑھے اس نے پورا قرآن مجید پڑھ لیا۔ [3]

ثواب الاعمال میں ہے کہ:

جس شخص پر جمعہ گزر جائے اور اس نے "قل ھو اللہ احد" نہ پڑھا ہو اور مر جائے تو وہ دین ابو لہب پر مرتا ہے۔ [4]

مستدرک میں کثیر اور طولانی احادیث اس سورہ مبارکہ کی فضیلت کے بارے میں نقل کی گئی ہیں جو چاہے اس کتاب کا اور وسائل کا مطالعہ کرے، [5] **(والحمد للہ)**

---

[1] اصول کافی، ج ۴، ص ۴۲۵، کتاب فضل القرآن، باب فضل القرآن، حدیث ۷

[2] اصول کافی، ج ۴، ص ۴۲۵، کتاب فضل القرآن، باب فضل القرآن، حدیث ۱۳

[3] وسائل الشیعہ، ج ۴، ص ۸۶۸، کتاب الصلاۃ، ابواب قرائۃ القرآن، باب ۳۱، حدیث ۵، معانی الاخبار، ص ۲۳۴، باب معنی قول سلمان فارسی

[4] ثواب الاعمال، ص ۱۵۶، ثواب قرئۃ قل ھو اللہ احد، حدیث ۲

[5] وسائل الشیعہ، ج ۴، ص ۸۶۶، ۸۷۰، کتاب الصلاۃ، ابواب القرائۃ القرآن، باب ۳۱، ۳۳، مستدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ، ابواب قرائۃ القرآن، باب ۲۴، ۲۶

فصل ہفتم

سورہ مبارکہ قدر کی مختصر تفسیر

قولہ تعالیٰ: اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۝١ .....

اس آیہ شریفہ میں مطالب عالیہ ہیں جن میں سے بعض کی طرف اشارہ فائدہ سے خالی نہیں:

مطلب اول

خدا نے اس آیہ شریفہ اور بہت سی اور آیات میں تنزیل قرآن کی نسبت اپنی ذات مقدس کی طرف دی ہے چنانچہ فرماتا ہے:

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ.[1] (ہم نے اس قرآن کو ایک مبارک رات میں نازل کیا)

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ.[2] (بے شک ہم نے ہی ذکر (قرآن) اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں)

ان کے علاوہ اور بھی آیات شریفہ ہیں اور بعض آیات میں جبریل کی طرف جو روح الامین ہیں نسبت دی ہے، چنانچہ فرماتا ہے:

---

[1] سورہ دخان: ۳

[2] سورۂ حجر: ۹

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ.[1] (روح الامین نے اسے اتارا)۔

علمائے ظاہران مقامات کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ "يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا"[2] کی طرح مجاز ہیں۔

تنزیل کی نسبت، مثلاً حق تعالیٰ کی طرف اس اعتبار سے کہ اس کی ذات مقدس ہی سبب تنزیل ہے اور وہی حکم تنزیل دینے والا ہے یا یہ کہ تنزیل حق تعالیٰ کی طرف نسبت کے اعتبار سے حقیقت ہے اور چونکہ روح الامین واسطہ ہیں اس لئے مجازاً ان کی طرف بھی تنزیل کی نسبت دیتے ہیں اور یہ اس لئے کہا گیا کہ مخلوق کی طرف فعل حق کی نسبت کو مخلوق کی طرف مخلوق کے فعل کی نسبت کی طرح خیال کیا ہے لہٰذا حق تعالیٰ کی طرف سے جبریل وعزرائیل کو اسی طرح مامور قرار دیتے ہیں جیسے فرعون کی طرف سے ہامان کا مامور اور راج مزدوروں اور معماروں کا ہامان کی طرف سے مامور ہونا اور یہ قیاس مع الفارق ہے اور باطل ہے۔ خلق کی حق کے ساتھ نسبت کو سمجھنا اور فعل خلق وفعل خالق کو سمجھنا اہم معارف الٰہیہ اور بنیادی مسائل فلسفیہ میں سے ہے جس کے سمجھ لینے کے بعد بہت سے اہم مسائل حل ہو جاتے ہیں ان میں سے ایک جبر وتفویض کا مسئلہ ہے جس کے شعبوں سے ایک شعبہ ہمارا یہ مطلب بھی ہے۔

جان لینا چاہئے کہ علوم عالیہ میں طے اور ثابت ہو چکا ہے کہ تمام دار تحقق اور مراتب وجود، فیض مقدس، کی صورت ہے۔ فیض مقدس جو حق تعالیٰ کی تجلی اشراقی ہے اور جس طرح، اضافہ اشراقیہ، محض ربط اور صرف فقر ہے اسی طرح تعینات وصور بھی محض ربط ہیں اور خود کوئی حیثیت اور استقلال نہیں رکھتے۔ بالفاظ دیگر، تمام دار تحقق حق میں فانی ہیں۔ ذاتی طور سے بھی، صفتی طور پر بھی اور فعلی طور پر بھی، کیونکہ موجودات میں سے کوئی موجود بھی اگر شئون ذاتی میں سے کسی ایک شان کے اعتبار سے بھی استقلال پیدا کر لے گا، چاہے یہ استقلال ہویت وجودیہ میں ہو یا اس کی کسی شان میں، تو حدود امکان سے خارج ہو جائے گا اور وجوب ذاتی میں تبدیل ہو جائے گا اور یہ بدیہی طور پر باطل ہے۔

جب یہ لطیفہ الٰہیہ قلب میں راسخ ہو گیا اور جیسا چاہئے ویسا ذوق پیدا کر لیا تو اس پر اسرار قدر میں سے ایک راز منکشف ہو گا اور، امر بین الامرین، استقلال اور عدم استقلال کے درمیان، کی حقیقت کا ایک لطیف نکتہ کشف ہو گا۔

لہٰذا آثار وافعال کمالیہ کو اسی نسبت کی طرح جیسی خلق کو طرف نسبت دیتے ہیں حق کی طرف بھی نسبت دے سکتے ہیں۔ بغیر اسکے کہ کسی طرف بھی مجاز ہو اور یہ وحدت وکثرت اور جمع بین الامرین کے اعتبار سے متحقق ہوتا ہے۔ ہاں! جو شخص کثرت محض میں پڑا ہوا ہے اور وحدت سے محجوب ہے وہ فعل کی نسبت خلق کی طرف دیتا ہے اور حق سے غافل ہو

---

[1] سورہ شعراء، آیت ۱۹۳

[2] اے ہامان میرے لئے ایک قصر تعمیر کر، (سورہ غافر، آیت ۳۶)

جاتا ہے، جیسے ہم محجوبین، لیکن جس کی دل میں وحدت جلوہ کرتی ہے وہ خلق سے محجوب ہوتا ہے اور تمام افعال کی نسبت حق کی طرف دیتا ہے اور عارف محقق، وحدت و کثرت، کے درمیان جمع کا راستہ پیدا کرتا ہے اور جس وقت وہ مجاز کے شائبہ کے بغیر حق کی طرف نسبت دیتا ہے اسی وقت مجاز کے شائبہ کے بغیر خلق کی طرف فعل کی نسبت دیتا ہے اور آیہ شریفہ، "وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى"[1] (اور (اے رسولؐ) وہ سنگریزے تو نے نہیں پھینکے جبکہ تو نے پھینکے بلکہ خدا نے پھینکے) عین اثبات رمی کی حالت میں اس کی نفی کر رہی ہے اور عین نفی میں اثبات کر رہی ہے۔ یہ اسی شیرین ترین مشرب عرفانی اور باریک مسلک ایمانی کی طرف اشارہ ہے اور یہ جو ہم نے افعال و آثار کمالیہ کے بارے میں کہا اور نقائص کو خارج کر دیا۔ یہ اس لئے کہ نقائص اعدام کی طرف پلٹتے ہیں اور افعال و آثار کمالیہ، من جملہ تعینات وجود ہیں اور حق کی طرف فقط بالعرض منسوب ہیں۔ اس مبحث کی تفصیل ان اوراق میں نہیں کی جاسکتی ہے۔

جب یہ مقدمہ معلوم ہوگیا تو ''تنزیل'' کی نسبت حق تعالیٰ اور جبریل کی طرف ''احیاء'' کی نسبت حق تعالیٰ اور اسرافیل کی طرف اور ''اماتت'' کی نسبت حق تعالیٰ عزرائیل کی طرف اور ان ملائکہ کی طرف [جو نفوس پر موکل ہیں] بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید میں اس بات کی طرف بہت اشارہ کیا گیا ہے اور یہ معارف قرآن میں سے ایک ہے۔ کتاب شریف سے پہلے حکماء و فلاسفہ کے آثار میں کہیں اس کا نام ونشان نہیں ہے اور نوع بشر اس لطیف الٰہی نکتہ کے لئے اس صحیفہ الٰہیہ کی مرہون احسان ہے، جیسے اور تمام دوسرے معارف الٰہیہ قرآنیہ کے احسان مند ہیں۔

مطلب دوم

اس نکتہ کی طرف اشارہ کہ ''انا'' بھی صیغہ جمع کے ساتھ ہے اور ''انزلنا'' بھی صیغہ جمع کے ساتھ۔

معلوم ہو کہ اس میں نکتہ حق تعالیٰ کی عظمت کا اظہار ہے، اس کتاب شریف کی تنزیل کی مبدئیت کے ساتھ اور شاید صیغہ جمع کا یہ استعمال جمع اسمائی کے لئے ہو اور اس طرف اشارہ ہو کہ حق تعالیٰ تمام شئون اسمائیہ و صفات کے ساتھ اس کتاب شریف کا مبدا ہے اور اس جہت سے یہ کتاب شریف جمیع اسماء و صفات کی احدیت جمع کی صورت اور مقام مقدس حق کی تمام شئون و تجلیات کے ساتھ معرف ہے۔ دوسرے لفظوں میں، یہ صحیفہ نورانیہ، صورت، اسم اعظم ہے، جیسے انسان کامل بھی صورت ''اسم اعظم'' ہے، بلکہ ان دونوں، صحیفہ الٰہی اور انسان کامل، کی حقیقت عالم غیب میں ایک ہی ہے اور عالم تفرقہ، ظہور و تعین، میں صورت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے الگ ضرور ہو گئے ہیں، لیکن معنوی اعتبار

---

[1] سورۂ انفال: ۱۷

سے پھر بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں۔ یہ، "لَنْ یَفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ"۔[1] (کتاب خدا اور میری عترت ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے، یہاں تک کہ حوض، کوثر، کے کنارے میرے پاس وارد ہوں) کے معنی میں سے ایک معنی ہیں اور جس طرح حق تعالیٰ نے آدم اول اور انسان کامل کی طینت کو اپنے جلال و جمال کے ہاتھوں خمیر کیا اسی طرح جلال و جمال کے ہاتھوں کتاب کامل اور قرآن جامع کو نازل کیا اور شاید اسی وجہ سے اس کا ایک نام قرآن ہے۔ کیونکہ مقام احدیت جمع و حدت و کثرت ہے اور اسی لئے یہ کتاب منسوخ و منقطع ہونے کے لائق نہیں ہے، کیونکہ اسم اعظم اور اس کے مظاہر ازلی و ابدی ہیں اور تمام شریعتیں اسی شریعت و ولایت محمدیہؐ کی دعوت ہیں۔

اور شاید اسی نکتہ کی وجہ سے جو، انا انزلنا، کے بارے میں بیان کیا گیا، انا عرضنا الامانۃ،[2] بھی صیغہ جمع کے ساتھ آیا ہے، کیونکہ امانت باطن کے اعتبار سے حقیقت ولایت ہے اور ظاہر کے اعتبار سے شریعت یا دین اسلام یا قرآن یا نماز ہے۔

مطلب سوم

نزول قرآن کی کیفیت کا اجمالی بیان، یہ ان لطیف معارف الٰہیہ لطیف معارف الٰہیہ اور اسرار حقائق دینیہ میں ہے جن پر علمی طریقہ سے کم ہی کوئی تھوڑی بہت اطلاع حاصل کر سکتا ہے اور سوائے اولیائے کاملین کے جن میں اول خود وجود مبارک حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور آپؐ کے بعد آپؐ ہی کی دستگیری سے دوسرے اولیاء اور اہل معارف مطلع ہوتے ہیں اور کوئی شخص کشف و شہود کے طریقہ سے اس لطیف الٰہی نکتہ کو نہیں پا سکتا، کیونکہ اس حقیقت کا مشاہدہ عالم وحی تک پہنچے بغیر اور عوالم امکانی کے حدود سے نکلے بغیر نہیں ہوتا۔ ہم اس مقام کے بارے میں اشارہ و رمز کے طور پر اس حقیقت کو بیان کرتے ہیں۔

معلوم ہو کہ وہ قلوب جو سلوک معنوی اور سفر باطنی کے طریقہ پر سیر الی اللہ کرتے ہیں اور نفس کے تاریک مکان اور انیت و انانیت کی منزل سے ہجرت کرتے ہیں وہ کلی طور پر دو طرح کے ہیں:

اول: وہ جو سفر الی اللہ کے تمام ہونے پر موت سے ہمکنار ہو جاتے ہیں اور اسی جذبہ و فنا و موت کے حال پر

---

[1] حدیث مشہور و متواتر "ثقلین" کا ایک حصہ ہے کاملا حدیث کے مطالعہ کے رجوع فرمائیں: اصول کافی، ج ۲، ص ۲۹۹، کتاب الحجہ، باب مافرض اللہ ورسولہ من الکون مع الائمہؑ، حدیث ۶، و ج ۴، ص ۱۴۱، کتاب الایمان والکفر، باب ادنی ما یکون بہ العبد مومناً، حدیث ۱

[2] سورہ احزاب، آیت ۷۲

باقی رہتے ہیں ان کا اجر علی اللہ اور ھو اللہ ہے۔ یہ وہ محبوب ہیں جو ''قباب اللہ'' کے تحت فانی ہو جاتے ہیں اور کوئی انہیں پہچاننے والا نہیں ہوتا اور وہ کسی سے رابطہ پیدا نہیں کرتے اور وہ بھی حق تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں پہچانتے، انَّ اَوْلِیَائِی تَحْتَ قِبَابِیْ لَا یَعْرِفُھُمْ غَیْرِی.[1]

دوم: وہ ہیں جو سیر الی اللہ وفی اللہ تمام ہونے پر اس قابل ہیں کہ خودی کی طرف پلٹیں اور صحو و ہوشیاری کی حالت ان کو حاصل ہو۔ یہ وہ ہیں کہ فیض اقدس، جو سر قدر، ہے کی تجلی کے مطابق ان کی استعداد مقدر ہو چکی ہے اور وہ بندوں کی تکمیل اور ملک کی تعمیر کے لئے منتخب کئے گئے ہیں۔ یہ سب حضرت علمیہ سے اتصال اور حقائق اعیان کی طرف واپسی کے بعد اعیان کی سیر، حضرت اقدس سے ان کے اتصال اور اللہ اور سعادت کی طرف ان کے سفر کا کشف کرتے ہیں۔ اور خلعت نبوت سے آراستہ ہو جاتے ہیں۔ یہ کشف ہی عالم وحی جبرائیل میں نزول سے قبل وحی الٰہی ہے اور جب اس عالم سے عوالم نازلہ، ادنیٰ، کی طرف توجہ کرتے ہیں تو اقلام عالیہ اور الواح قدسیہ میں جو کچھ ہے اس کو اپنے احاطہ علمی اور نشئہ کمال کے بقدر جو حضرات اسماء کے تابع ہے کشف کرتے ہیں اور شریعتوں اور نبوتوں کا اختلاف، بلکہ تمام اختلافات وہیں سے ہیں۔

اس مقام میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جس حقیقت غیبی اور سر یرہ قدسی کا مشاہدہ حضرت علمیہ اور اقلام والواح عالیہ میں ہوا ہے وہی حقیقت ان کے غیب نفس اور ان کے سر روح کے طور پر فرشتہ وحی یعنی جبرئیل کے ذریعہ ان کے قلب مبارک پر نازل ہوتی ہے اور کبھی جبرئیل، مثال، کے حضور ان کے لئے، تمثل مثال، اختیار کرتے ہیں اور کبھی، تمثل ملکی، پید اکرتے ہیں اور غیب کی کمین گاہ سے، اس حقیقت کے ذریعہ مشہد عالم شہادت تک ظہور کرتے ہیں اور اس الٰہی راز کو اتار لاتے ہیں اور نشئات میں سے ہر نشئہ میں، صاحب وحی کسی بھی طریقہ پر اس کا ادراک اور مشاہدہ کرتا ہے: حضرت علمیہ میں ایک طریقہ پر، حضرت اعیان ایک طریقہ پر، حس مشترک میں ایک طریقہ پر اور شہادات مطلقہ میں ایک طریقہ پر اور یہ تنزل کے سات مراتب ہیں۔ شاید قرآن کے، سبعہ احرف، (سات حروف)[2] پر نازل ہونے سے

انہیں سات مراتب کی طرف اشارہ ہو اور یہ بات اس ارشاد سے منافات نہیں رکھتی جس میں کہا گیا ہے:
''اَلْقُرْآنُ عَلَی حَرْفٍ وَاحِدٍ مِنْ عِنْدِ وَاحِدٍ''[3]

---

[1] سر الصلاۃ (مؤلفہ: امام خمینیؒ) متن ۹۶ فصل نہم ص: ۹۴

[2] إِنَّ الْقُرْآنَ نَزَلَ عَلی سَبْعَةِ أَحْرُف۔۔۔، (بحار الانوار، ج ۸۹، ص ۸۳)

[3] مجمع البحرین۔ ج ۵ ص: ۳۵، اور یہی حدیث لفظوں کے فرق کے ساتھ إِنَّ الْقُرْآنَ وَاحِدٌ نَزَلَ مِنْ عِنْدِ وَاحِدٍ (اصول کافی، ج ۴، ص ۴۳۸، کتاب فضل القرآن، باب النوادر، حدیث ۱۲)

جیسا کہ معلوم ہے اور اس مقام کی ایک تفصیل ہے جس کا ذکر اس رسالہ کے مناسب نہیں۔

مطلب چہارم

انزلناہ، میں ''ھو'' ضمیر غائب کا رمز ہے جیسا کہ معلوم ہوا، اس عالم میں اترنے سے قبل قرآن کے مقامات اور کینونیات، عالم وجود ظہور، ہیں۔

اول:

اس کی کینونت علمیہ ہے حضور غیبی میں تکلم ذاتی اور مقارعہ ذاتیہ کے ساتھ، بطریق احدیت جمع اور ضمیر غائب شاید اسی مقام کی طرف اشارہ ہوا اور اس معنی کی تفہیم کے لئے ضمیر غائب کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، گویا فرماتا ہے: یہی قرآن جو شب قدر میں اترا، وہی قرآن علمی ہے جو نشئہ علمیہ میں سرّ مکنون وغیبی میں ہے جس کو ان مراتب سے جو ایک مقام میں ذات کے ساتھ متحد اور تجلیات اسمائیہ میں سے تھا، ہم نے نازل کیا اور یہ حقیقت اسی سرّ الٰہی کا ظاہر ہے اور یہ کتاب جو عبارات والفاظ کے لباس میں ظاہر ہوئی ہے، مرتبہ ذات میں تجلیات ذاتیہ کی صورت ہے اور مرتبہ فعل میں عین تجلی فعلی ہے، جیسا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: **انما کلامه فعله**۔ [1]

مطلب پنجم

''لیلة القدر'' کا بیان۔ اس میں بہت سے مباحث اور بے شمار معارف ہیں جن میں سے علماء اعلام رضوان اللہ علیہم نے اپنے اپنے مشرب ومسلک کے مطابق بحث کی ہے۔ ہم ان اوراق میں کچھ بطور اشارہ بیان کرتے ہیں جن بعض مطالب کا علماء نے ذکر نہیں کیا ہے، ہم ان کی طرف بھی چند امور کے ذیل میں اشارہ کرتے ہیں۔

اول: ''لیلة القدر'' کی وجہ تسمیہ میں علماء کے درمیان اختلافات ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ چونکہ یہ رات شرف ومنزلت والی رات ہے صاحب قدر قرآن، صاحب قدر فرشتے کے توسط سے، صاحب قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، صاحب قدر امت کے لئے نازل ہوا ہے۔ اس لئے اسے ''لیلة القدر'' کہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ اسے ''لیلة القدر'' اس لئے کہتے ہیں کہ لوگوں کے امور، آجال، (موت) اور ارزاق کی تقدیر اس رات میں ہوتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس

---

[1] یہ عبارت اصل میں یوں ہے: ''إِنَّمَا كَلَامُهُ سُبْحَانَهُ فِعْلٌ مِنْه'' بحار الانوار (ط - بیروت) / ج ۴ / ۲۵۵ / باب ۴ جوامع التوحید .....ص: ۲۱۲

رات کثرت ملائکہ سے زمین تنگ ہو جاتی ہے۔ اس لئے اسے، لیلۃ القدر، کہتے ہیں اور وہ "وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ" [1] (اور جو شخص تنگی معاش سے دوچار ہو) کی قبیل سے ہے۔

یہ وہ باتیں ہیں جو اس مقام میں کہی گئی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے بارے میں تحقیقات کے مقامات ہیں جن کی طرف اجمالی اشارہ فائدہ سے خالی نہیں ہے۔

علماء کے بیان فرمودہ مطالب میں پہلا مطلب صاحب منزلت و قدر ہونا ہے، پس معلوم ہو کہ اس مقام میں ایک کلام ہے کہ مطلق زمان و مکان، جن میں بعض شریف اور بعض غیر شریف، بعض سعد اور بعض نحس ہیں، آیا خود ذات زمان اور اس کے ذاتی تشخصات ہیں؟ اور اسی طرح مکان یا یہ کہ واقعات کے وقوع اور امور شریفہ و دنیہ کے حصول کی وجہ سے بالعرض ان میں شرافت و عدم شرافت اور سعادت و نحوست پیدا ہو گئی ہے؟ اور اگر چہ یہ کوئی اہم اور عظیم مبحث نہیں ہے اور اس کے اطراف سے بحث چنداں مفید نہیں ہے پھر بھی ہم اختصار کے ساتھ کچھ ذکر کرتے ہیں۔

احتمال اول کے لئے وجہ ترجیح یہ ہے کہ ان اخبار و آیات کا ظاہر، جن سے زمان و مکان کے لئے شرافت یا نحوست ثابت ہوتی ہے۔ یہ ہے کہ یہ خود زمان و مکان کی صفتیں ہیں۔ اس حال کی صفت نہیں جو ان سے متعلق ہے اور چونکہ کوئی عقلی مانع نہیں اس لئے ان کو ظاہر پر حمل کرنا متعین ہے۔

احتمال دوم کے لئے وجہ ترجیح یہ ہے کہ زمان و مکان کی حقیقت ایک حقیقت، بلکہ ان کی شخصیت بھی ایک ہی شخصیت ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ شخص واحد حکم میں متجزی اور مختلف ہو اس بنا پر شرافت و نحوست زمان و مکان کے بارے میں جو کچھ وارد ہوا ہے اسے ان میں واقع ہونے والے وقائع و قضایا پر محمول کرنا ناگزیر ہے۔ یہ وجہ برہانی نہیں ہے، کیوں زمان اگر چہ شخص واحد ہے، لیکن چونکہ تدریجی اور امتدادی حیثیت رکھتا ہے اور حقیقت مقدار یہ ہے تو کوئی مانع نہیں کہ اس کے بعض اجزاء دوسرے بعض اجزاء سے حکم و اثر میں مختلف ہوں اور اس پر کوئی برہان قائم نہیں ہوا کہ ہر شخص جیسا بھی وہ ہے دو حکم اور دو اثر کا حامل نہیں ہو سکتا، بلکہ ظاہر اس کے خلاف ہے۔ مثلاً افراد انسان، مثلاً آنکھ کی پتلی، دماغ اور دل، دوسرے اعضاء سے شریف تر اور لطیف تر ہیں۔ اسی طرح انسان کی ظاہری و باطنی قوتوں میں بعض قوتیں بعض قوتوں سے اشرف ہیں اور یہ اختلاف اس لئے ہے کہ اس عالم میں انسان اگر چہ شخص واحد ہے مگر وحدت تامہ کی صفت کے ساتھ ظاہر نہیں ہوا ہے، لیکن چونکہ صفت کثرت کے ساتھ ظاہر ہے اس کے احکام بھی (کثیر اور) مختلف ہیں۔

احتمال اول کو ترجیح دینے کی وجہ بھی صحیح اور کوئی دل پسند وجہ نہیں ہے، کیونکہ اس بات کا مرجع مثلاً ''اصالۃ

---

[1] سورہ طلاق، آیت ۷

الظہور'' اور ''اصالۃ الحقیقۃ'' ہوتا ہے اور علم اصول میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ''اصالۃ الظہور'' اور ''اصالۃ الحقیقۃ'' کی غرض یہ ہے کہ جب مراد و مقصود میں شک واقع ہو تو ان کے ذریعہ وہ شک رفع ہو جائے اور مراد مقصود کا پتہ چل جائے) ایسا نہیں ہے کہ مراد معلوم ہونے کے بعد ان کے ذریعہ اثبات حقیقت کیا جائے، تامل،[1]

اس بنا پر دونوں وجہیں صحیح ہو سکتی ہیں، لیکن ہماری نظر میں دوسری وجہ ارجح ہے۔ اس بنا پر شاید ''لیلۃ القدر'' اس لئے صاحب ''قدر'' ہوئی ہے کہ یہ نبی ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شب وصال اور عاشق حقیقی کی اپنے محبوب حقیقی سے ملاقات کی شب ہے۔ سابق مباحث میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ تنزل ملائکہ اور نزول وحی، حصول فنا اور قرب حقیقی کے بعد ہوتا ہے اور اخبار کثیرہ اور آیات شریفہ سے پتہ چلتا ہے کہ زمانوں اور مکانوں کا شرف اور نحوست ان میں واقع ہونے والے واقعات کی وجہ سے ہے اور، روایات کی طرف، رجوع کے بعد یہی (شرف ونحوست کے بارے میں) معلوم ہوتا ہے اگر چہ بعض احادیث سے (زمانوں اور مکانوں کے) شرف ذاتی کا استفادہ بھی ہوتا ہے۔

دوسرا احتمال: جس کی وجہ سے اسے ''لیلۃ القدر'' کہتے ہیں، یہ ہے کہ اس میں امور ایام مقدر ہوتے ہیں۔ لہٰذا معلوم رہے کہ ''قضا و قدر'' کی حقیقت اور اس کی کیفیت اور اس کے مراتب ظہور، شریف وجلیل ترین علوم الٰہیہ میں سے ہیں اور ان کے انتہائی دقیق اور لطیف ہونے کی وجہ سے ان کے اطراف میں غور وفکر نوع بشر کے لئے ممنوع اور حیرت و گمراہی کا سبب ہے۔ اس وجہ سے اس حقیقت کو اسرار شریعت اور امانات نبوت میں شمار کرنا چاہئے اور اس سلسلہ میں دقیق بحث و مباحثہ سے صرف نظر کرنا چاہئے۔ ہم اس کے ایک مبحث کی طرف، جو اس مقام کے مناسب ہے، اشارہ کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ تقدیر اور حق تعالیٰ کے علم میں ازل آزال میں (زوال ازل) ہو چکی اور علم ربوبیت کے ہر نقص سے پاک ومنزہ مقام کی طرف نسبت کے اعتبار سے امور تدریجیہ میں سے نہیں ہے۔ پھر ہر سال ایک معین رات میں تقدیر کے کیا معنی ہیں؟

معلوم ہو کہ ''قضا و قدر'' کے مراتب ہیں۔ ان مراتب کے مطابق انکے احکام مختلف ہوتے ہیں۔ ان کا پہلا مرتبہ وہ حقائق ہیں جو حضور علم میں ''فیض اقدس'' کی تجلی سے ظہور اسماء وصفات کی تبعیت میں مقدر ہوتے ہیں اور اس کے بعد اقلام عالیہ اور الواح عالیہ میں، ظہور کے مطابق، تجلی فعلی سے تقدیر و تحکیم ہوتی ہے۔ ان مراتب میں تغییرات و تبدلات واقع نہیں ہوتے اور قضا حتم لا یبدل، نہ بدلنے والا حتمی فیصلہ، وہ حقائق مجردہ ہیں جو حضرات اعیان اور نشئہ علمیہ

---

[1] وجہ تامل یہ ہے کہ یہاں دوسری طرح سے اس دعویٰ کو بیان کیا جا سکتا ہے اور وہ یوں کہ محمول کی موضوع کی طرف نسبت دینے پر ظاہر یہ ہے کہ وہ موضوع خود حکم کا حامل ہو اور تمام موضوع لہ ہو جیسا کہ باب الاطلاق میں ہمارے شیخ استاد علوم تقلید یہ میں مقدمات اطلاق کی احتیاج کے بغیر اس بیان سے اثبات اطلاق کرتے تھے۔

میں واقع ہوتے ہیں اور اقلام و الواح مجردہ میں نزول کرتے ہیں اور اس کے بعد یہ حقائق برزخی و مثالی صورتوں کے ساتھ دوسرے الواح اور اس سے نچلے عالم میں ظہور کرتے ہیں جو عالم ''خیال منفصل'' اور ''خیال الکل'' ہے کہ حکمائے اشراق کے طریقہ کے مطابق اس عالم کو عالم، مثل معلقہ، کہتے ہیں۔ اس عالم میں تغییرات و اختلافات کا ہونا ممکن ہے، بلکہ واقع ہوتے ہیں اور اس کے بعد تقدیرات اور اندازہ گیریاں عالم طبیعت پر موکل ملائکہ کے توسط سے ہوتی ہیں۔ اس لوح قدر میں دائمی تغییرات اور تبدیلات ہوتے ہیں، بلکہ یہ لوح خود ایک سیال، متصرم اور متدرج صورت ہے اور اس لوح میں شدت وضعف کو قبول کرنے والے حقائق اور سرعت و بطوء اور زیادت و نقص کو قبول کرنے والے حرکات ہیں۔ اسکے باوجود انہیں اشیاء کا، یلی اللہی، رخ اور غیبی رخ جو تدلی بہ حق کی جہت ہے اور ''فیض منبسط'' اور ''ظل ممدود'' کے ظہور کی صورت ہے اور ''علم فعلی'' حق کی حقیقت ہے، کسی جہت سے بھی قابل تغییر و تبدیل نہیں۔

وبالجملہ، تمام تغییرات و تبدیلات، زیادی آجال اور تقدیر ارزاق حکماء کے نزدیک لوح ''قدر علمی'' میں جو، عالم مثال ہے اور راقم الحروف کے نزدیک لوح، قدر عینی، میں جو خود محل تقدیرات ہے، اس پر موکل ملائکہ کے ذریعہ واقع ہوتی ہے۔ اس بنا پر یہ تسلیم کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے کہ چونکہ ''لیلۃ القدر'' ''ولی کامل'' کی توجہ تام اور اس کی سلطنت ملکوتیہ کے ظہور کی رات ہے۔ اس لئے ولی کامل، امام ہر عصر اور قطب ہر زماں کے نفس شریف کے توسط سے عالم طبیعت میں تغییرات و تبدیلات واقع ہوتے ہیں۔ آج (ولی کامل، امام عصر اور قطب زمان) حضرت بقیۃ اللہ فی الارضین، سیدنا و مولانا، امامنا و ہادینا، حجۃ بن الحسن العسکری ارواحنا لمقدمہ فداء علیہ الصلاۃ والسلام ہیں، (لہٰذا یہ تبدیلیاں انہیں کے توسط سے ہوتی ہیں)۔ لہٰذا انہیں اختیار ہے کہ عالم طبیعت کی جس حرکت کو چاہیں دھیمی کر دیں اور جس حرکت کو چاہیں تیز کر دیں اور جس رزق کو چاہیں وسیع کر دیں اور جس رزق کو چاہیں تنگ کر دیں اور، ولی کامل کا، یہ ارادہ، ارادۂ حق ہے اور ارادۂ ازلیہ کی شعاع اور اس کا سایہ و عکس ہے اور فرامین الٰہیہ کے تابع ہے، جیسا کہ ملائکۃ اللہ بھی خود اپنا کوئی تصرف نہیں رکھتے اور ان کے تمام تصرفات، (اور انہیں کے تصرفات کیا؟) تمام ذرات وجود تصرف الٰہی اور اسی لطیفہ غیبیہ الٰہیہ سے ہیں ''فَاسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ'' [1] (پس ثابت قدم رہو اسی طرح جیسا تمہیں حکم دیا گیا ہے)۔

لیکن دوسرے احتمال کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ''لیلۃ القدر'' کی وجہ تسمیہ کے بارے میں، کہو چونکہ زمین ملائکہ کی کثرت سے تنگ ہو جاتی ہے اس لئے اسے ''لیلۃ القدر'' کہتے ہیں۔ یہ وجہ اگر چہ بعید ہے، چاہے اعجوبہ

---

[1] سورہ ہود، آیت ۱۱۲

زماں، خلیل بن احمد رضوان اللہ علیہ، [1] نے بیان فرمائی ہے۔

کیونکہ جو کچھ مورد بحث بن سکتا ہے یہ ہے کہ ملائکۃ اللہ اصل عالم طبیعت و مادیت سے نہیں۔ پھر ان کی کثرت سے زمین کے تنگ ہونے کا کیا مفہوم ہے؟

معلوم ہو کہ اس مطلب کی نظیر روایت شریفہ میں وارد ہوئی ہے، جیسے سعد بن معاذ کی تشیع جنازہ کا قضیہ، [2]

یا جیسے طالب علم کے لئے ملائکہ کا اپنے پروں کو بچھا دینا، [3]

یہ یا تو ملائکہ کا مثالی صورتیں اختیار کر لینے اور ان کے عالم غیب سے عالم مثال میں نازل ہونے اور مملکت ارض کو تنگ کر دینے کے باب سے ہے یا ملک ارض میں ان کا ملکی صورت اختیار کر لینا ہے۔ اگرچہ ملکی صورت اختیار کر لینے کے باوجود ان کی ملکی صورت کو مادی حیوانی آنکھیں نہیں دیکھ پاتیں۔ بہر حال زمین کا تنگ ہو جانا مثالی یا ملکی صورتوں کے اعتبار سے ہے۔

دوسرا امر: حقیقت ''لیلۃ القدر'' معلوم ہو کہ ہر باریک نکتہ کی ایک حقیقت اور ہر ملکی صورت کا ایک ملکوتی اور غیبی باطن ہوتا ہے اور اہل معرفت کہتے ہیں کہ حقیقت وجود کے مراتب نزول کو شمس حقیقت کے افق تعینات میں پوشیدہ ہونے کے اعتبار سے، لیالی، کہتے ہیں اور آفاق تعینات سے شمس حقیقت کے نکلنے کے اعتبار سے اس کے مراتب صعود، ایام، کہلاتے ہیں۔ ایام ولیالی، کی سعادت ونحوست اس بیان سے واضح ہے۔

اور ایک اعتبار سے، قوس نزول، لیلۃ القدر محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قوس صعودی، یوم القیامۃ احمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، کیونکہ یہ دو قوس ''فیض منبسط'' کے نور کا پھیلاؤ ہیں جو، حقیقت محمدیہ، ہے اور تمام تعینات ''اسم اعظم'' کے تعین اولیٰ سے ہیں۔ پس وحدت کے اعتبار سے عالم شب قدر اور روز قیامت ہے اور یہ ایک شب و روز سے زیادہ نہیں ہے۔ اس طرح تمام دار تحقق ''لیلۃ القدر'' محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ''یوم القیامۃ'' احمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور جس شخص میں اس حقیقت کا تحقق ہو جائے وہ

---

[1] خلیل بن احمد بن عمر بن تمیم، ابوعبدالرحمن البائی البصری النحوی العروضی، سنہ ۱۰۰ یا ۱۰۵ ہجری قمری میں بصرہ میں ولادت اور سنہ ۱۶۰ یا ۱۷۵ میں وفات ہوئی۔ مشہور ادیب ولغوی اور علم عروض کے موجد، امامی مذہب اور بعض کے قول کے مطابق امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب میں تھے اور آپؑ سے روایت کرتے ہیں۔ مختلف فنون میں ان کی متعدد تالیفات ہیں جن میں، زبدۃ العروض، العین، امامت کے بارے میں ایک کتاب، الایقاع، النغم، الجمل، الشواہد، النقط والشکل اور اسماء وحروف کے معانی کے بارے میں ایک کتاب، زیادہ تفصیل کے لئے تراجم ورجال کی کتب کی طرف رجوع کیا جائے جن میں اعیان الشیعہ، ج ۳۰، ص ۵۰ شامل ہے۔

[2] فروع کافی، ج ۳، ص ۲۳۶، کتاب الجنائز، باب المسئلۃ فی القبر، حدیث ۶

[3] معالم الاصول، ص ۷، میں یہ مضمون چند طرق اسناد کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔

ہمیشہ ''لیلۃ القدر'' اور ''یوم القیامۃ'' میں ہے اور یہ ''شب قدر و یوم قیامت'' باہم جمع ہوجاتی ہیں۔

اور نظر کثرت کے اعتبار سے راتیں اور دن پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا بعض راتیں صاحب قدر ہیں اور بعض نہیں ہیں اور تمام راتوں کے درمیان وجود احمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تعین محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جس کے افق میں حقیقت وجود کا نور اپنے تمام شئون و اسماء و صفات سمیت، کمال نوریت و تمام حقیقت کے ساتھ غروب ہوا ہے ''لیلۃ القدر'' مطلق ہے جیسا کہ یوم محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم القیامۃ مطلق ہے اور دوسری راتیں اور دن مقید راتیں اور مقید ہیں۔ اس وجود شریف اور قلب مطہر میں قرآن کا نزول ''لیلۃ القدر'' میں قرآن کا نزول ہے۔ لہٰذا قرآن کشف مطلق کلی کے طور پر پورا کا پورا بھی ''لیلۃ القدر'' میں نازل ہوا ہے اور تدریجاً بھی ۲۳ سال میں ''لیلۃ القدر'' میں نازل ہوا ہے۔

اور شیخ عارف شاہ آبادی دام ظلہٗ فرماتے تھے کہ دورہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''لیلۃ القدر'' ہے اور یہ یا اس اعتبار سے ہے کہ تمام ادوار وجود یہ دورہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور یا اس اعتبار سے ہے کہ اس دور میں اقطاب کاملین محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ ہدیٰ معصومین علیہم السلام ''لیالی قدر'' ہیں۔ ہم نے جو احتمال دیا ہے اس پر ایک طولانی حدیث شریف دلالت کرتی ہے جو تفسیر برہان میں کافی شریف سے نقل کی گئی ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ

ایک عیسائی نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پوچھا: اس آیت کی تفسیر باطن کیا ہے؟

''حٰمٓ ۝۱ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝۳ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝۴''[1]

حا۔ میم۔ قسم ہے اس کتابِ مبین کی۔ ہم نے اس (کتاب) کو ایک بابرکت رات (شبِ قدر) میں نازل کیا ہے بے شک ہم (عذاب سے) ڈرانے والے رہے ہیں۔ اس (رات) میں ہر حکمت والے معاملہ کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ''حمٓ'' حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور ''کتاب مبین'' امیر المومنین علیؑ اور ''لیلۃ'' حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا ہیں،[2]

اور ایک روایت میں ''لیالی عشر'' (دس راتوں) کی تفسیر امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے امام حسن عسکری علیہ السلام تک ائمہ

---

[1] سورہ دخان، آیات، ۱ تا ۴، تفسیر برہان، ج ۴، ص ۱۵۸

[2] اصول کافی، ۲، ص ۳۲۶، کتاب الحجہ، باب مولد النبیؐ، حدیث ۴

معصومین علیہم السلام سے کی گئی ہے۔[1]

یہ مراتب ''لیلۃ القدر'' میں سے ایک ہے جس کا ذکر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا ہے اور یہ اس بات کا شاہد ہے کہ ''لیلۃ القدر'' تمام دورہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

جو روایت تفسیر برہان حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل ہوئی ہے اور یہ روایت چونکہ ایک عظیم روایت ہے اور اس میں کئی معارف کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور اہم اسرار منکشف فرمائے ہیں، اس لئے ہم اسے تبرکاً بعینہ نقل کرتے ہیں:

و عن الشيخ أبي جعفر الطوسي، عن رجاله: عن عبد الله بن عجلان السكوني، قال: سمعت أبا جعفر (عليه السلام) يقول: «بيت علي و فاطمة [من] حجرة رسول الله (صلى الله عليه و آله)، و سقف بيتهم عرش رب العالمين، و في قعر بيوتهم فرجة مكشوطة إلى العرش معراج الوحي و الملائكة، تنزل عليهم بالوحي صباحا و مساء، و كل ساعة و طرفة عين، و الملائكة لا ينقطع فوجهم، فوج ينزل و فوج يصعد، و إن الله تبارك و تعالى كشف لإبراهيم (عليه السلام) عن السماوات حتى أبصر العرش، و زاد الله في قوة ناظره، و إن الله زاد في قوة ناظر محمد و علي و فاطمة و الحسن و الحسين (صلوات الله عليهم)، و كانوا يبصرون العرش، و لا يجدون لبيوتهم سقفا غير العرش، فبيوتهم مسقفة بعرش الرحمن، و معارج الملائكة، و الروح فوج بعد فوج، لا انقطاع لهم، و ما من بيت من بيوت الأئمة منا إلا و فيه معراج الملائكة، لقول الله عز و جل: تَنَزَّلُ الْمَلائِكَةُ وَ الرُّوحُ فِيها بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ * سَلامٌ».

قال: قلت: مِنْ كُلِّ أَمْرٍ؟

قال: «بكل أمر»

فقلت: هذا التنزيل؟

---

[1] تفسیر برہان، ج ۴، ص ۴۵۷، سورہ الفجر، حدیث ۱

قال: «نعم».[1]

صاحب تفسیر برہان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ شیخ ابوجعفر طوسی سے، ان کے اسناد کے ساتھ، عبداللہ بن عجلان سکونی سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کو سنا آپؑ نے فرمایا:

خانہ علی و فاطمہ علیہما السلام، حجرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اوران کے گھر کی چھت عرش رب العالمین اوران کے گھر کی انتہا میں ایک شگاف ہے۔ جس سے عرش تک معراج وحی سے پردہ اٹھا دیا گیا ہے اور ملائکہ صبح وشام اور ہر ساعت اور ہر لحظہ وحی لے کر ان کے پاس آتے ہیں اور ملائکہ کی فوج کے نزول کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا۔ ایک دستہ آتا ہے اور دوسرا دستہ جاتا ہے۔ یقیناً خداوند عالم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آسمان کے پردوں کو ہٹایا، یہاں تک کہ انہوں نے زمین سے عرش کو دیکھا اور اللہ نے ان کی آنکھوں کی قوت بڑھادی اور یقیناً خدا وند عالم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علی وفاطمہ، الحسن والحسین علیہم السلام کی آنکھوں کی قوت بھی بڑھائی کہ وہ زمین ہی سے عرش کا مشاہدہ فرماتے تھے اور عرش کے علاوہ ان کو اپنے گھروں کی کوئی چھت نظر نہ آتی تھی۔ ان کے گھروں کی چھت عرش رحمن ہے اور ملائکہ وروح کو ان کے گھروں میں معراج ہوتی ہے، من کل امر سلام۔

روای کہتا ہے میں نے پوچھا: من کل امر سلام؟

فرمایا: بکل امر،

میں نے عرض کیا: یہ اسی طرح نازل ہوا ہے؟

فرمایا: ہاں!

اس حدیث شریف میں تدبر سے اہل معرفت پر معرفت کے دروازے کھلتے ہیں اور حقیقت ولایت اور باطن ''لیلۃ القدر'' کی حقیقت کا اس سے کچھ کچھ انکشاف ہوتا ہے۔

امرسوم: معلوم ہو کہ جس طرح لیلۃ القدر، کی ایک حقیقت اور ایک باطن ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا اس کے لئے عالم طبیعت میں ایک صورت اور مظہر، بلکہ بہت سے مظاہر ہیں اور چونکہ مظاہر کے درمیان نقص وکمال میں فرق ہوسکتا ہے اس لئے تعیین ''لیلۃ القدر'' کے بارے میں وارد اقوال واخبار کے درمیان جمع کی صورت نکلنا ممکن ہے اور وہ

---

[1] البرہان فی تفسیر القرآن، ج ۵، ص: ۷۱۴

اس طرح کہ روایات میں جتنی لیالی قدر کا ذکر آیا ہے وہ سب ''لیلۃ القدر'' کے مظاہر ہیں۔

ہاں! یہ ضرور ہے کہ بعض لیالی شرافت وکمال مظہریت میں بعض سے فرق رکھتی ہیں اور وہ عظیم شب جو ''لیلۃ القدر'' کا تمام ظہور اور حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کے وصل تام اور خاتمیت کے حصول کامل کی شب ہے، تمام سال میں یا ماہ رمضان المبارک میں یا اس کے آخری عشرہ میں یا تین راتوں میں مخفی ہے اور روایات عامہ وخاصہ میں بھی اختلاف ہے۔ روایات عامہ میں بھی انیسویں، اکیسویں اور تیئیسویں راتوں کے درمیان بطور تردید ذکر کیا گیا ہے اور کبھی اکیسویں اور تیئیسویں شب کے درمیان مردد کیا گیا ہے۔

شہاب بن عبدربہ کا بیان ہے:

میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ مجھے ''لیلۃ القدر'' کے بارے میں باخبر کیجئے۔

فرمایا: اکیسویں شب اور تیئیسویں شب، [1]

عبدالواحد بن المختار الانصاری کہتے ہیں:

میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے ''لیلۃ القدر'' کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: دو راتوں میں ہے، تیئیسویں اور اکیسویں شب۔

میں نے کہا: ان دو میں کسی ایک کو تنہا بیان فرمائیے۔

فرمایا: اگر دونوں راتوں میں اعمال بجالاؤ تو کیا فرق پڑ جائے گا، کیونکہ ان میں سے ایک تو بہر حال شب قدر ہے، [2]۔

حسان بن علی کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ''لیلۃ القدر'' کے بارے میں پوچھا۔

فرمایا: انیسویں، اکیسویں اور تیئیسویں شب میں تلاش کرو، [3]

اور سید عابد زاہد رضی اللہ عنہ اقبال میں فرماتے ہیں: جان لو! کہ یہ رمضان کی تیئیسویں رات ہے، اخبار صریحہ میں وارد ہوا ہے کہ یہ ''لیلۃ القدر'' ہے بہ مکاشفہ و بیان۔

---

[1] مجمع البیان، ج ۱۰، ص ۵۱۹، نور الثقلین، ج ۵، ص ۶۲۸، سورۃ القدر، حدیث ۷۱

[2] بحار الانوار، ج ۹۵، ص ۱۴۹

[3] مجمع البیان، ج ۱۰، ص ۵۱۹، وسائل الشیعہ، ج ۷، ص ۲۶۳، کتاب الصوم، باب ۳۲، حدیث ۲۱

من جملہ ان روایتوں کے ہم اپنے اسناد سے سفیان بن السبط ، السمط ۔خ ل، تک روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا، مجھے شب قدر کو بطور مفرد معین کر کے بتایئے۔فرمایا: ''تیئیسویں شب'' اورمن جملہ ان روایتوں کے یہ ہے جو ہم اپنے اسناد سے زرارہ تک روایت کرتے ہیں اوروہ عبدالواحد بن المختار الانصاری سے۔

انہوں نے بیان کیا: میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے ''لیلۃ القدر'' کے بارے میں سوال کیا۔

فرمایا: خدا کی قسم میں تمہیں خبر دے رہاہوں اورتم سے پوشیدہ نہیں رکھ رہاہوں۔ وہ آخری سات راتوں میں پہلی رات ہے۔ پھر زرارہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: وہ مہینہ جس میں حضرت نے یہ تعیین فرمائی۔انتیس دن کا تھا،[1]

اس کے بعد اور روایتیں نقل کی ہیں کہ ''لیلۃ القدر'' تیئیسویں شب ہے۔ان میں ایک جہنی[2] کا قضیہ ہے جو مشہور ہے۔

تنبیہ عرفانی

جیسا کہ ان دوسوروں میں جن کا ذکر کیا جاچکا،کہا گیا اظہر یہ ہے کہ ہر سورہ کی، بسم اللہ، اسی سورہ سے متعلق ہے۔اس بنا پر سورہ مبارکہ ''قدر'' میں معنی یوں ہوں گے کہ حقیقت شریفہ قرآنیہ اورلطیفہ مقدسہ الٰہیہ کو ہم نے اسم اللہ سے جو جمع اسمائی کی حقیقت اورربوبیت کا اسم اعظم ہے اور رحمت مطلقہ ''رحمانیہ ورحیمیہ'' سے متعین ہے،لیلۃ القدر محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نازل کیا، یعنی ظہور قرآن ظہور جمعی الٰہیت اورقبض و بسط ''رحمت ورحمانیت'' ہے، بلکہ حقیقت قرآن حضرت اسم اللہ الاعظم کا مقام ظہور ہے۔ظہور ''رحمانیہ و رحیمیت'' کے ساتھ اورجامع جمع وتفصیل ہے۔اس وجہ سے یہ کتاب شریف قرآن بھی ہے اور،فرقان،بھی،جس طرح حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت اورآپ کا مقام ولایت قرآن بھی ہے اورفرقان بھی اور جوجمع وتفصیل کا مقام ''احدیت'' بھی ہے۔

پس ذات مقدس کا گویا یہ ارشاد ہے: ہم نے مقام اسم اعظم کی تجلی سے جو جمع وتفصیل کا مقام ''احدیت'' ہے

---

[1] اقبال الاعمال،ص ۲۰۶

[2] اقبال الاعمال،ص ۲۰۷

رحمت ''رحمانیہ ورحیمیہ'' کے ظہور کے ساتھ، لیلۃ القدر محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، میں قرآن کو نازل کیا اور چونکہ عالم فرق، بلکہ عالم فرق الفرق میں، دونوں قرآنوں، کے درمیان یعنی قرآن مکتوب جو نازل کیا گیا اور وہ قرآن، جس پر قرآن مکتوب نازل گیا، فرقانیت پیدا ہوگئی ہے۔ شب وصال میں ہم نے دونوں قرآنوں کے درمیان وصل اور دونوں فرقانوں کو مجتمع کر دیا۔ اس اعتبار سے بھی یہ شب ''لیلۃ القدر'' ہے، لیکن اس کی قدر، جیسی چاہئے، بالاصالۃ خود حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا جو صاحب ''لیلۃ القدر'' ہیں اور بالتبعیہ ان کے اوصیائے معصومینؑ کے سوا جو ان کے ساتھی ہیں، کوئی نہیں جانتا۔

تتمہ

بعض روایتیں جو ''لیلۃ القدر'' کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں:

ان میں وہ روایات ہیں جو عارف باللہ سید ابن طاؤس رضی اللہ عنہ نے کتاب شریف اقبال میں نقل فرمائی ہیں۔ فرماتے ہیں: مجھے کتاب یواقیت، تالیف ابو الفضل بن محمد الہروی، میں چند روایتیں ''لیلۃ القدر'' کی فضیلت میں ملیں، یہاں تک کہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

موسیٰ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی: الٰہی میں تیرا تقرب چاہتا ہوں،

ارشاد ہوا: میرا تقرب اس کے لئے جو شب قدر میں بیدار رہو،

موسیٰ نے عرض کی: الٰہی میں تیری رحمت کا طلب گار ہوں،

فرمایا: میری رحمت اس کے لئے ہے جو فقراء پر شب قدر میں رحم کرے،

عرض کیا: میں صراط سے گزرنا چاہتا ہوں،

فرمایا: یہ اس کے لئے ہے جو شب قدر میں صدقہ دے،

عرض کی: خدایا، میں بہشت کے درختوں اور اس کے میووں کا خواشمند ہوں،

آواز آئی: یہ اس کے لئے ہے جو شب قدر میں تسبیح کرے،

عرض کی: خدایا! میں نجات چاہتا ہوں،

ندا آئی: آتش جہنم سے نجات؟

عرض کی: ہاں!

فرمایا: یہ اس کے لئے ہے جو شب قدر میں استغفار کرے،

عرض کی: معبود! تیری رضا چاہتا ہوں،

جواب ملا: میری رضا اس کے لئے ہے جو شب قدر میں دو رکعت نماز پڑھے۔

اسی کتاب میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

شب قدر میں آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ پس کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جو شب قدر میں نماز پڑھے مگر خداوند تعالیٰ اس کے لئے ہر سجدہ کے عوض بہشت میں ایک درخت لکھ دیتا ہے کہ اگر اس کے سائے میں کوئی سوار سو سال تک چلتا رہے تو اس کے سائے کو تمام نہیں کر سکتا اور ہر رکعت ''رکوع'' کے عوض ایک گھر مروارید، یاقوت، زبرجد، اور موتی کا تعمیر کرتا ہے اور ہر آیت کے بدلے جنت کے تاجوں میں سے ایک تاج عطا فرماتا ہے اور تسبیح کے بدلے ایک مرغ بہترین و نفیس اور ہر قعود کے بدلے میں درجات بہشت میں سے ایک درجہ ہر تشہد کے بدلے میں جنت کے کمروں میں سے ایک کمرہ اور ہر سلام کے بدلے میں بہشت کے حلوں میں سے ایک حلہ اور جب صبح کا سفیدہ نمایاں ہوتا ہے تو خداوند عالم اس کو ایسی باالفت وانس عورتیں، جن کے سینے ان کے لباس سے ابھرے ہوئے اور ظاہر ہوتے ہیں۔ خوش اخلاق اور تہذیب یافتہ کنیزیں اور ہمیشہ نو عمر رہنے والے غلمان عطا فرماتا ہے اور پاکیزہ طائر، خوشبودار پھول، بہتی ہوئی نہریں، پسندیدہ نعمتیں، تحفے، ہدیے، خلعتیں، کرامتیں، اور جس چیز کی نفس خواہش کرے اور آنکھیں لذت پائیں اور تم سب ان میں ہمیشہ رہو گے۔

اسی کتاب میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ:

جو شخص شب قدر میں بیدار رہے اس کے گناہ بخشے جاتے ہیں، چاہے تعداد میں آسمان کے ستاروں کی تعداد کے برابر، وزن میں پہاڑوں کے وزن کے برابر اور مقدار میں دریاؤں کی مقدار کے برابر ہوں [1]

اور حدیثیں ''لیلۃ القدر'' کی فضیلت میں ان اوراق کی گنجائش سے زیادہ ہیں۔

قولہ تعالیٰ: وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝

جملہ کی یہ ترکیب معنی کی تعظیم وتکریم اور حقیقت کی عظمت و اہمیت کے اظہار کے لئے ہے۔ خصوصاً متکلم اور

---

[1] بحار الانوار، ج ۹۸، ص ۱۶۸

مخاطب کے لحاظ سے حالانکہ حق تعالیٰ متکلم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخاطب ہیں۔ اس کے باوجود مطلب اس قدر باعظمت ہے کہ اس کا اظہار لفظوں کی بندش اور حروف وکلمات کی ترکیب کے ذریعہ ممکن نہیں ہے۔ گویا حق تعالیٰ فرماتا ہے: ''لیلۃ القدر'' کیا باعظمت حقیقت ہے، تم نہیں جانتے ہو۔ اس کی حقیقت کو بیان نہیں کیا جاسکتا اور حروف وکلمات کا نظم وربط اس حقیقت کو بیان کرنے کے لائق نہیں ہے۔ اس لئے اس کے باوجود کہ لفظ ''ما'' بیان حقیقت کے لئے آتا ہے، اس کے بیان سے صرف نظر کر لیا اور فرمایا: لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ، اس کے خواص وآثار سے اس کا تعارف کرایا۔ کیونکہ اس کی حقیقت کا بیان ممکن ہی نہیں ہے۔ اس سے بھی یہ قوی حدس پیدا ہوتا ہے کہ ''لیلۃ القدر'' کی حقیقت اور اس کا باطن اس کی صورت اور ظاہر کے علاوہ ہے۔ اگر چہ یہ ظاہر بھی اہمیت وعظمت کا حامل ہے، لیکن اس مقام تک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے ولی مطلق اور محیط بہ کل عوالم کی نسبت اس ظاہر سے تعبیر کی جائے۔

اگر تم کہو کہ: اس احتمال کی بنا پر جو مذکور ہوا کہ باطن ''لیلۃ القدر'' خود وجود وحقیقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جس میں شمس حقیقت اپنے تمام شئون کے ساتھ پوشیدہ ہے، اشکال اور زیادہ قوی ہو جاتا، کیونکہ پھر خود آنحضرتؐ سے نہیں کہا جاسکتا کہ تم نہیں جانتے کہ ''لیلۃ القدر'' جو خود تمہاری ملکی صورت ہے، کیا ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ اس مطلب کا ایک راز اور اس نکتہ کا ایک باطن ہے، لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ۔[1] (اس کے لئے جس کے پاس دل ہو یا حضورِ قلب سے کان لگائے)۔

اے عزیز! یاد رکھو کہ چونکہ حقیقی ''لیلۃ القدر'' یعنی حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود یا صورت یا عین ثابت کے باطن میں جلوہ اسم اعظم یا تجلی احدی جمعی الٰہی ہے، اس وجہ سے جب تک عبد سالک الی اللہ، یعنی حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے حجاب میں ہیں۔ اس وقت تک اس باطن اور اس حقیقت کا مشاہدہ نہیں فرما سکتے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ بن عمران علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام کے بارے قرآن شریف میں آیا ہے۔ لَنْ تَرَانِيْ (یاموسی).[2]

حالانکہ ان کے لئے تجلی ذاتی یا صفاتی ہوئی جس پر آیہ کریمہ، فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا[3] اور دعائے شریف عظیم الشان ''سمات'' کے فقرے دلیل ہیں، جیسا کہ اچھی طرح واضح ہے اور اس کا نکتہ بھی یہی ہے کہ: اے موسیٰؑ! جب تک حجاب موسوی اور پردہ خودی میں ہو، مشاہدہ ممکن نہیں ہے۔ مشاہدہ جمال جمیل اس کے لئے ہے کہ جو خودی سے باہر نکل جائے اور جب خودی سے باہر نکل جائے گا تو چشم حق سے دیکھے گا اور چشم حق ہی

---

[1] سورۂ ق، آیت ۳۷

[2] سورۂ اعراف، آیت ۱۴۳

[3]

خود حق میں ہو جائے گی۔ پس جلوہ اسم اعظم کو جو ''لیلۃ القدر'' کی صور کمالیہ ہے، خودی کے پردے میں رہتے ہوئے نہیں دیکھا جاسکتا۔ اس لئے اس تحقیق کی بنا پر تعبیر صحیح اور برمحل ہے۔

اور اگر تم یہ کہو کہ: ''لیلۃ القدر'' نفس وجود احمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اس اعتبار سے کہ شمس حقیقت اس میں پوشیدہ ہے خود شمس حقیقت ''لیلۃ القدر'' نہیں ہے تو یہ توجیہ کیسے صحیح ہوسکتی ہے؟

تو ہم کہیں گے کہ: اہل نظر کی زبان میں کسی شے کی شیئیت اس شے کی صورت کمالیہ سے ہے اور جو اشیاء ذات الاسباب ہوتی ہیں، خصوصاً اگر سبب الٰہی ہیو وہ اس وقت تک نہیں پہچانی جاسکتی ہیں جب تک ان کا سبب نہ پہچان لیا جائے اور اہل معرفت کی نظر سے ظاہر و باطن اور جلوہ و متجلی کی باہمی نسبت دو مفارق چیزوں کی نسبت نہیں ہے۔ بلہ ایک ہی حقیقت ہے جو کبھی جلوہ ظہوری میں آتی ہے، کبھی جلوہ بطونی میں، جیسا کہ ایک مشہور عارف نے کہا ہے ؎

ما عدم بائیم ہستی ہا نما
تو و جود مطلق و ہستی ما

سب کے سب عدم ہیں ہم، پس دکھاتے ہیں ہستی
تو وجود مطلق ہے، تو ہماری ہستی

یہ عارف رومی کی کہی ہوئی بات کوئی انتہا نہیں رکھتی اور اس سے صرف نظر ہی بہتر ہے۔

قولہ تعالیٰ: لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ

اگر ہم ''لیلۃ القدر'' کو اس کی ظاہری ملکی صورت کے لحاظ سے دیکھیں تو اس کی ''خیریت'' ''الف شہر'' یعنی ہزار مہینوں سے ہے، جن میں ''لیلۃ القدر'' شامل نہیں ہے یا ''لیلۃ القدر'' اور اس میں عبادت و طاعت ان ہزار مہینوں سے بہتر ہے جن میں اسرائیلی ہتھیار بندی کرتے رہے اور راہ خدا میں جہاد کرتے رہے یا یہ کہ ''لیلۃ القدر'' بہتر ہے بنی امیہ لعنۃ اللہ علیہم کی سلطنت کے ہزار مہینوں سے، جیسا کہ روایات شریفہ میں ہے، [1]

اور اگر ''لیلۃ القدر'' کو اس کی حقیقت کے لحاظ سے دیکھیں تو، الف شہر، ممکن ہے تمام موجودات سے کنایہ ہو۔ اس اعتبار سے کہ، الف، عدد کامل ہے اور، شہر، سے مراد انواع ہے، یعنی وجود شریف محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو انسان کامل ہیں ہزار نوع، یعنی تمام موجودات سے بہتر ہیں، جیسا کہ بعض اہل معرفت نے کیا ہے۔

---

[1] بحار الانوار، ج ۹۴، ص ۸، ازمجالس شیخ، تفسیر علی بن ابراہیم، ص ۷۳۲، تفسیر برہان، ج ۴، ص ۴۸۶، کافی، روضہ، ص ۲۲۲، حدیث ۲۸۰

راقم الحروف کی نظر میں ایک اور احتمال آیا ہے وہ یہ ہے کہ ''لیلۃ القدر'' ممکن ہے اشارہ ہو مظہر اسم اعظم کی طرف، یعنی مرآت تام محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ''ہزار شہر'' سے مراد دوسرے اسماء کا مظہر ہو اور چونکہ حق تعالیٰ کے ایک ہزار ایک اسم ہیں جن میں ایک اسم، مستاثر، علم غیب میں ہے اس جہت سے ''لیلۃ القدر'' بھی مستاثر ہے اور وجود محمدیؐ کی ''لیلۃ القدر'' بھی اس مستاثر ہے۔ اس وجہ سے اسم مستاثر پر سوائے ذات مقدس رسول ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوئی مطلع نہیں ہو سکتا۔

تنبیہ عرفانی

جاننا چاہئے کہ جس طرح ولی کامل و نبی ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''لیلۃ القدر'' ہیں اس اعتبار سے کہ اسم اعظم آپؐ ہی کا باطن ہے اور حق اپنے تمام شئون کے ساتھ آپؐ ہی کی ذات میں محتجب ہے۔ اسی طرح آپؐ ''یوم القدر'' بھی ہیں، اس اعتبار سے کہ شمس حقیقت کا ظہور اور اسم جامع کا حضور آپؐ ہی کے افق تعین سے ہے، جیسا کہ ''یوم القیامۃ'' بھی آنحضرتؐ ہی ہیں۔

بالجملہ آپؐ کی ذات مقدس ''شب قدر'' بھی ہے اور ''روزِ قدر'' بھی اور روز قیامت، بھی روز قدر ہے۔ بنابرایں ایک نکتہ کہ تمام مظاہر کی تعبیر ''شہر'' سے اور اس مظہر مقدس تام کی تعبیر ''لیلۃ'' سے کی گئی ہے، شاید یہ ہو کہ شہود و سنین، مہینوں اور برسوں، کا مبدا ''شب و روز'' ہے جیسے ''واحد'' اعداد کا مبدا ہے اور آنحضرتؐ باطن حقیقت یعنی اسم اعظم کے اعتبار سے تمام اسماء کا مبدا ہیں اور اپنے تعین اور عین ثابت کے اعتبار سے اصل شجرۂ طیبہ اور مبدا تعینات ہیں، تدبر تعرف و اغتنم۔

قولہ تعالیٰ: تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ.

اس آیہ کریمہ میں کچھ مطالب ہیں۔ بطور اجمال ہم ان میں بعض کو بیان کرتے ہیں۔

امر اول: اصناف ملائکۃ اللہ کا ذکر اور ان کی حقیقت کی طرف اجمالی اشارہ

معلوم ہو کہ محدثین و محققین کے درمیان ملائکۃ اللہ کے تجرد اور تجسم کے بارے میں اختلاف ہے۔ تمام حکماء و محققین اور بہت سے محققین فقہاء ان کے اور نفس ناطقہ کے تجرد کے قائل ہیں۔ انہوں نے اس پر مستحکم براہین قائم کئے ہیں اور بہت سی روایات و آیات شریفہ سے بھی تجرد کا استفادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ محدث محقق مولانا محمد تقی مجلسی، پدر بزرگوار

مرحوم مجلسیؒ نے شرح فقیہ میں بعض روایات کے ذیل میں فرمایا ہے کہ یہ نفس ناطقہ پر دلالت کرتی ہے [1]

بعض بزرگ محدثین عدم تجرد کے قائل ہیں اور سب سے آخری دلیل جو وہ لاتے ہیں، یہ ہے کہ تجرد کو ماننا منافی شریعت ہے اور اس بات کی تصریح کی ہے کہ ذات مقدس حق تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی مجرد نہیں ہے۔ یہ کلام بہت ہی کمزور ہے۔ اس لئے کہ ان کی نظر میں شاہد سب سے اہم دو باتیں ہوں گی:

1: عالم کے حدوث زمانی کا قضیہ، کہ یہ توہم پیدا ہوا ہے کہ حق تعالیٰ کے علاوہ کسی موجود کا مجرد ہونا اس عالم حدوث زمانی، کے منافی ہے۔

2: حق تعالیٰ کا فاعل مختار ہونا کہ گمان پیدا ہوا ہے کہ عالم عقل اور ملائکۃ اللہ کا مجرد ہونا اس، حق تعالیٰ کے فاعل مختار ہونے، کے منافی ہے اور یہ دونوں مسئلے علوم عالیہ کے اہم مسائل مین سے ہیں اور اس طرح کے مسائل کا موجود مجرد کے منافی نہ ہونا واضح ہو چکا ہے، بلکہ نفوس ناطقہ اور عالم عقل اور ملائکۃ اللہ کو مجرد نہ ماننا سب سے مسائل الٰہیہ اور عقائد حقہ کے منافی ہے جن کے بیان کا یہاں موقع نہیں ہے اور حدوث زمانی عالم جس طور سے ان لوگوں نے گمان کیا ہے، اصل مسئلہ حدوث زمانی کے منافی ہے۔ مزید یہ ہے کہ بہت سے قواعد الٰہیہ کے بھی منافی ہے۔

راقم الحروف کے نزدیک عقل ونقل کے مطابق حق یہ ہے کہ ملائکۃ اللہ میں کثیر اصناف ہیں جن میں بہت سے مجرد ہیں، اور بہت سے جسمانی برزخی ہیں، وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ، [2] (تمہارے رب کے لشکر والوں سے اس کے علاوہ کوئی آگاہ نہیں)۔

اور تقسیم کلی کے اعتبار سے ان کی صنفیں یہ ہیں کہ علما نے کہا ہے کہ موجودات ملکوتیہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس کا تعلق عالم اجسام سے نہیں، نہ تعلق حلولی اور نہ تعلق تدبیری، اور دوسرے وہ جس کا ان دو وجہوں ''تعلق حلولی'' اور ''تعلق تدبیری'' میں سے کسی ایک سے تعلق ہو۔

پہلی قسم دو طرح کی ہے:

ایک وہ قسم ہے جنہیں ملائکہ مھیمہ، کہتے ہیں۔ یہ وہ ہیں جو جمال جمیل میں مستغرق اور ذات جلیل میں متحیر ہیں اور دوسرے مخلوقات سے غافل اور دوسرے موجودات کی طرف توجہ نہیں رکھتے۔

---

[1] من جملہ اور روایتوں کے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس روایت، اذا قبضت الروح فھی مطلقۃ فرق الجسد، کے ذیل میں یوں لکھا ہے: و هذا الخبر و الخبر الّذی یجیء بعده و ما ماثلهما من الاخبار الکثیرة و غیرها من الاخبار بالغة حدّ التّواتر و ظواهر الآیات تدلّ علی المعاد الرّوحانی، و هو بقاء النفس بعد خراب البدن۔ روضۃ المتقین، ج۱، ص ۴۹۲

[2] سورہ مدثر، آیت ۳۱

اولیائے خدا میں بھی ایک گروہ ایسا ہی ہے اور جس طرح ہم مادیت کے تاریک سمندر میں ڈوبے ہوئے ہیں اور عالم غیب اور ذات ذوالجلال سے، حالانکہ وہ ظاہر بالذات ہے اور ہر ظہور اسی کے ظہور کا پرتو ہے، کلی طور پر غافل ہیں۔ وہ عالم اور جو کچھ عالم میں ہے، سب سے غافل اور حق اور اس کے جمال جمیل میں مشغول ہیں۔ روایت میں ہے کہ خدا کی ایسی مخلوقات بھی ہیں جنہیں نہیں معلوم کہ خدا نے آدمؑ و ابلیس کو خلق فرمایا۔ [1]

قسم دوم

قسم وہ ہیں جنہیں خدا نے اپنے طرف سے وسائط رحمت و کرم قرار دیا ہے۔ وہ سلسلہ موجودات کا مبدا اور ان کی غایت شوق ہیں۔ اس گروہ کو ''اہل جبروت'' کہتے ہیں ان کا پیش رو اور رئیس ''روح اعظم'' ہے اور شاید آیہ شریفہ "تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ" بھی ملائکۃ اللہ کے اسی گروہ کی طرف اشارہ ہو اور مخصوص طور پر ''روح'' کا ''ذکر'' حالانکہ وہ ''ملائکہ'' میں شامل ہے، اس کی عظمت کے اظہار کے لئے ہے۔ چنانچہ آیہ شریفہ "يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا" [2] (جس دن ملائکہ اور روح صف بستہ کھڑے ہوں گے) میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔

ایک اور اعتبار سے روح کو ''قلم اعلیٰ'' کہتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

اوَّلُ ما خَلَقَ اللّٰه الْقَلَم. [3]

پہلی چیز جو اللہ نے پیدا کی وہ قلم تھا۔

اور ایک اعتبار سے اسے ''عقل اول'' کہتے ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے؛

اوَّلُ ما خَلَقَ اللّٰه الْعَقْل. [4]

سب سے پہلے اللہ نے عقل کو پیدا کیا۔

اور بعض لوگ روح سے، جبرائیل، کو مراد لیتے ہیں اور فلاسفہ جبرئیل کو آخر ملائکہ کروبیین سمجھتے ہیں اور ان کو، روح القدس، سمجھتے ہیں اور روح کو اول ملائکہ کروبیین جانتے ہیں۔

---

[1] علم الیقین، ج۱، ص ۲۵۰، کافی، روضہ، ص ۲۳۱، حدیث ۳۰۱

[2] سورہ نبا، آیت ۳۸

[3] تفسیر نور الثقلین، ج۵، ص ۳۸۹، حدیث ۹، علم الیقین، ج۱، ص ۱۵۴

[4] تفسیر نور الثقلین، ج۵، ص ۳۸۹، حدیث ۹، علم الیقین، ج۱، ص ۱۵۴

روایت شریفہ میں بھی ارشاد ہے کہ، روح اعظم جبرئیل ہے۔ جیسا کہ کافی شریف سے منقول ہے کہ ابوبصیر کہتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا خدا کے قول، یسئلونك عن الروح قل الروح من امر ربی، کے بارے میں۔ آپؑ نے فرمایا: جبرئیل و میکائیل سے بڑی ایک مخلوق ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھی اور اب ائمہ معصومین علیہم السلام کے ساتھ ہے اور وہ ملکوت میں سے ہے، [1]

اور بعض روایات میں ہے کہ، روح، ملائکہ میں سے نہیں ہے، بلکہ ان سے عظیم تر ہے، [2]

اور شاید قرآن و احادیث کی زبان میں، روح، کے دو اطلاق ہوں جس طرح اہل اصطلاح کی زبان میں کئی اطلاق ہیں، ایک روح اصناف ملائکہ میں ہے، جیسا کہ معصوم نے، فرمایا کہ ملکوت سے ہے اور ایک روح خود حضرات اولیاء کی روح ہے، جو ملائکہ میں سے نہیں اور ان سے عظیم تر ہے۔ اس بنا پر ممکن ہے، روح، سورہ شریفہ ''قدر'' میں شب قدر میں نازل ہونے کے اعتبار سے، روح الامین، یا روح اعظم سے عبارت ہو اور آیہ شریفہ، وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ [3] (تم سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں) روح انسانی سے عبارت ہو جو مرتبہ کمال میں جبرئیل اور دیگر ملائکہ سے عظیم تر ہے، بلکہ کبھی مشیت، سے بھی متحد ہوجاتی ہے جو امر مطلق ہے۔

دوسری قسم ملائکۃ اللہ کی وہ ہیں جو موجودات جسمانیہ پر موکل اور ان میں مدبر ہیں اور ان کی کثیر صنفیں اور بے شمار گروہ ہیں، کیونکہ ہر علوی یا سفلی، فلکی یا عنصری موجود کے لئے ایک ملکوتی جہت ہے، جس سے وہ عالم ملائکۃ اللہ سے متصل اور جنود حق کے ساتھ ہوتے ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ ملکوت اشیاء کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آیہ شریفہ میں فرماتا ہے:

فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ. [4]

پس پاک ہے وہ جس کے ہاتھ میں ہر شے کا ملکوت ہے اور ایسی طرف پلٹو گے۔

اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کثرت ملائکہ کے بارے میں فرماتے ہیں، جیسا کہ روایت ہے:

أَطَّتِ السَّمَاءُ وَحَقٌّ لَهَا أَنْ تَئِطَّ مَا فِيهَا مَوْضِعُ قَدَمٍ إِلَّا وَفِيهِ مَلَكٌ سَاجِدٌ أَوْ

---

[1] اصول کافی، ج ۲، ص ۱۸، کتاب الحجۃ، باب الروح، التی یسددھا اللہ بھا الائمۃ، حدیث ۳

[2] بحار الانوار، ج ۲۵، ص ۶۴، کتاب الامامۃ، ابواب خلقھم و طینتھم وارواحھم، باب ۳، حدیث ۴۵

[3] سورہ اسراء، آیت ۸۵

[4] سورہ یٰسین، آیت ۸۳

رَاكِعٌ.[1]

آسمان نے آواز دی ہے اور اسے حق ہے کہ آواز دے، کوئی جائے قدم اس میں نہیں ہے مگر وہاں کوئی فرشتہ حالت سجود یا حالت رکوع میں ہے۔

اور روایات شریف میں کثرت ملائکہ کے بارے میں اور ان کی کثیر صنفوں سے متعلق بہت ذکر آیا ہے،[2]

امر دوم: ولی امر پر ملائکۃ اللہ کے نزول کی کیفیت

معلوم ہو کہ روح اعظم جو ملائکۃ اللہ کے درمیان مخلوق اعظم ہے، یعنی ملائکۃ اللہ کے مرتبہ اول میں واقع ہے اور ان سب میں اشرف و اعظم ہے اور عالم جبروت کے رہنے والے مجرد ملائکۃ اللہ اپنے مقام سے تجاوز نہیں کرتے اور ان کے لئے ان معنی میں نزول وصعود جو اجسام کے لئے ہے محال ہے۔ کیونکہ مجرد لوازم اجسام سے منزہ و مبرا ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کا نزول چاہے ولی اللہ کے مرتبہ قلب میں ہو یا مرتبہ صدر میں یا مرتبہ حس مشترک میں ہو یا کسی بقعۂ ارض میں، جیسے کعبہ یا قبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد یا بیت المعمور میں ہو، وہ ملکوتی یا ملکی تمثل کے طور پر ہوتا ہے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ حضرت مریمؑ پر، روح الامین، کے نزول کے بارے میں فرماتا ہے:

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا.[3]

پس انسان کامل کی صورت میں ان پر تجلی کی۔

چنانچہ کامل اولیاء کے لئے بھی تمثل ملکوتی اور تروح جبروتی ممکن ہے۔ پس ملائکۃ اللہ کو تو روح اور ظاہر سے باطن کی طرف رجوع کے طور پر ملک وملکوت میں داخل ہونے کی قوت وقدر حاصل ہے اور اس معنی کی تصدیق اس شخص کے لئے آسان جو حقائق مجردات کو چاہے مجرد ملکوتی ہوں یا جبروتی اور چاہے نفوس ناطقہ ہوں کہ وہ بھی مجردات جبروتیہ یا ملکوتیہ ہیں، سمجھتا ہو اور مراحل وجود اور ان کے مظاہر اور ظاہر کی باطن سے اور باطن کی ظاہر سے نسبت کا تصور کر چکا ہو۔

اور جاننا چاہئے کہ ''جبروتیین'' و ''ملکوتیین'' کا مثالی صورت اختیار کرنا انسانی قلب وصدر اور حس میں اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ لباس بشریت سے نکل نہ جائے اور ان عوالم ''جبروت وملکوت'' سے تناسب نہ پیدا کر لے۔

---

[1] علم الیقین، ج۱، ص ۲۵۹

[2] بحار الانوار، ج ۵۶، ص ۱۴۴، کے بعد تک، ابواب الملائکہ

[3] سورۂ مریم، آیت ۱۷

ورنہ جب تک نفس تدبیرات ملکیہ میں مشتغل اورعوالم سے غافل رہے گا اس وقت تک ان مشاہدات وتمثلات کا حاصل ہونا ممکن نہیں ہے۔ ہاں ! کبھی ایسا ہوسکتا ہے کہ اولیاء میں سے کسی کے اشارہ پر اس عالم سے صرف نظر حاصل ہو جائے اور بقدر لیاقت عوالم غیب کا کچھ معنوی یا صوری ادراک کر لے اور کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ مثلاً بعض ہولناک امور کے واسطہ سے نفس کو مادیت سے انصراف حاصل ہوجائے اور عالم غیب کے کسی نمونہ کا ادراک کر لے، جیسا کہ شیخ الرئیس نے ایک سادہ لوح شخص کا قضیہ نقل کیا ہے،جس نے حج بیت اللہ میں آتش جہنم سے نجات کا پروانہ حاصل کر لیا تھا اور شیخ عارف، محی الدین، ابن عربی، نے بھی ایسا ہی ایک قضیہ نقل کیا ہے۔

یہ بھی عالم ملک سے نفوس کا انصراف وانحراف ہے اور توجہ ملکوتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اولیائے کاملین کے نفوس عوالم سے جدا ہونے اور روح اعظم یا تمام ملائکۃ اللہ کی قوت نفس کے واسطہ سے مشاہدہ کے بعد ہوش میں آتے ہیں اور حضرات غیب وشہادت کو محفوظ کر لیتے ہیں۔ اس صورت میں تمام نشئات میں، آن واحد میں، حقائق جبروتین کا مشاہدہ کرتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود ولی کامل کی قدرت سے نزول ملائکہ ہوتا ہے۔ واللہ العالم۔

امر سوم: معلوم ہو کہ ''لیلۃ القدر'' چونکہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی شب مکاشفہ ہے، اس وجہ سے ان کے لئے غیب ملکوت سے تمام ملکی امور کا کشف ہوتا ہے اور امور میں سے ایک ایک امر پر موکل ملائکہ ان حضرات کے لئے نشئہ غیب اور عالم قلب پر ظاہر ہوتے ہیں اور تمام امور جو سال بھر کے عرصہ میں خلائق کے لئے مقدر ہوتے ہیں اور الواح عالیہ وسافلہ میں خط ملکوتی اور غیر مرئی تحریر کے طور پر لکھے جاتے ہیں۔ وہ سب ان پر کشف اور ان کو معلوم ہوجاتے ہیں اور یہ مکاشفہ، مکاشفہ ملکوتیہ ہے جو عالم طبیعت کے ذرہ ذرہ پر محیط ہے اور امور رعیت میں سے کوئی امر ولی امر پر مخفی نہیں رہتا اور اگر ان کے لئے ایک شب میں ایک سال کا امر اور ایک حال میں زمانے کے تمام امور اور ایک لحظہ میں تمام ملکی وملکوتی مقدرات اور تدریجی طور پر سال کے دنوں میں بھی تمام یومیہ امور اجمال وتفصیل کے طور پر منکشف ہوتے ہیں اور اس میں کوئی منافات نہیں ہے۔ مثلاً جیسا کہ نزول قرآن کی کیفیت کے بارے میں حدیث میں ہے کہ ''بیت المعمور'' میں دفعہ واحدہ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تیئیس (۲۳) سال میں نازل ہوا ہے،[1] اور بیت المعمور میں ورود بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی پر نزول ہے۔

بالجملہ، کبھی ولی امر ملائے اعلیٰ اور اقلام عالیہ والواح مجردہ سے متصل ہوتا ہے اور اس کے لئے ازل سے ابد تک تمام موجودات کا مکاشفہ تامہ ہوجاتا ہے اور کبھی الواح سافلہ سے اتصال پیدا ہوتا ہے اور تقدیر شدہ مدت کا کشف حاصل

---

[1] اصول کافی، ج ۴، ص ۴۳۷، کتاب فضل القرآن، باب النوادر، حدیث ۶

کرتا ہے اور تمام صفحہ وجود اس کی بارگاہ ولایت مآبی میں حاضر رہتا ہے اور جو کچھ بھی امور واقع ہوتے ہیں ان حضرات کی نظر سے گزرتے ہیں۔

روایات میں وارد ہوا ہے کہ جملہ اعمال مخلوقات ولی امر کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ ہر جمعرات اور ہر منگل کو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ ھدیٰ علیہم السلام کی خدمت میں بندوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور بعض روایات میں ہے کہ ہر صبح اور بعض میں ہے کہ ہر صبح و شام پیش ہوتے ہیں۔ یہ بھی اجمال و تفصیل اور جمع و تفریق کے اعتبار سے ہے اور اس سلسلہ میں اہل بیت عصمت و طہارت سے روایات شریفہ وارد ہوئی ہیں جو تفسیر برہان اور تفسیر صافی جیسی تفسیروں میں مذکور ہیں،[1]

قوله تعالیٰ: سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ.

یعنی یہ شب مبارک طلوع تک شیطانی شرور اور آفات و بلیات سے سلامتی ہے یا یہ کہ اولیائے خدا اور اہل اطاعت پر سلام ہے اور یا یہ کہ ملائکۃ اللہ جو ان سے ملاقات کرتے ہیں ان پر سلام کرتے ہیں، حق تعالیٰ کی طرف سے طلوع فجر تک۔

تنبیہ عرفانی

جیسا کہ سابق میں ''لیلۃ القدر'' کی حقیقت کے بیان میں مذکور ہوا، مراتب وجود اور تعینات غیب و شہود کی تعبیر، ان کے افق میں شمس حقیقت کے پوشیدہ ہونے کے اعتبار سے، لیل، سے کی جاتی ہے اور اس بنا پر ''لیلۃ القدر'' وہ رات ہے، جس میں حق تعالیٰ جمع اسماء و صفات کے تمام شئون و احدیت کے مطابق جو اسم اعظم کی حقیقت ہے۔ محتجب ہوتا ہے

اور وہ ''لیلۃ القدر'' تعین دو وجود ولی کامل ہے جو زمانہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؐ کے بعد ائمہ ہدیٰ علیہم السلام ایک کے بعد ایک رہے ہیں۔ اس بنا پر ''فجر'' لیلۃ القدر وہ وقت ہے جب شمس حقیقت کے آثار حجابات تعینات کے پیچھے سے ظاہر ہوتے ہیں اور افق تعینات سے طلوع شمس ''فجر'' یوم القیامہ بھی ہے اور چونکہ ان اولیائے کاملین کے افق تعینات میں شمس حقیقت کے غروب و مخفی ہونے کی مدت سے وقت طلوع فجر تک، مدت لیلہ القدر ہے، لہٰذا وہ صاحب شرف رات شیطانی تصرفات سے مطلقاً محفوظ و سالم ہے اور شمس جس طرح پوشیدہ ہوا ہے اسی طرح کسی شیطانی کدورت و تصرف کے بغیر طالع ہوگا۔ فرمایا ہے: سلام ہے وہ شب، طلوع فجر تک، لیکن اور تمام راتیں یا تو اصلاً

---

[1] بحار الانوار، ج ۲۳، ص ۳۳۸، ۳۴۶، ۳۴۷، وتفسیر صافی

سلامتی ہی نہیں رکھتیں اوروہ بنی امیہ اوران جیسوں کی راتیں ہیں اوریا تمام معانی میں سلامتی نہیں رکھتیں اوروہ تمام لوگوں کی راتیں ہیں۔

خاتمہ

بیانات عرفانیہ و مکاشفات ایمانیہ سے جو اولیائے عظام علیہم السلام کی دستگیری سے اہل معرفت کے روشن دلوں پر ظاہر ہوئے، معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح سورہ مبارکہ، توحید، ذات مقدس حق تعالیٰ کی نسبت سے نازل ہوا ہے۔اسی طرح سورہ شریفہ ''قدر'' اہل بیت علیہم السلام کی نسبت سے نازل ہوا ہے۔

چنانچہ روایات معراج میں وارد ہوا ہے:

محمد بن یعقوب: عن علی بن إبراهیم، عن أبیه، عن ابن أبی عمیر، عن ابن أذینة، عن أبی عبد الله علیه السلام- فی صلاة النبی صلی الله علیه و آله فی السماء، فی حدیث الاسراء- قال علیه السلام: «ثم أوحی الله عز و جل إلیه: اقرأ یا محمد نسبة ربك تبارك و تعالی [قُلْ هُوَ] اللَّهُ أَحَدٌ* اللَّهُ الصَّمَدُ* لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُولَدْ* وَ لَمْ یَکُنْ لَهُ کُفُواً أَحَدٌ و هذا فی الرکعة الأولی، ثم أوحی الله عز و جل إلیه: اقرأ بالحمد لله، فقرأها مثل ما قرأ أولا، ثم أوحی [الله عز و جل] إلیه: اقرأ إِنَّا أَنْزَلْناهُ فإنها نسبتك و نسبة أهل بیتك إلی یوم القیامة».[1]

محمد بن یعقوب نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے بہ اسناد روایت کرتے ہیں کہ حدیث ''اسراء'' میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کے بارے میں فرمایا: تب خداوند عالم نے آنحضرتؐ پر وحی کی: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اپنے پروردگار کا نسب پڑھو: [قُلْ هُوَ] اللَّهُ أَحَدٌ* اللَّهُ الصَّمَدُ* لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُولَدْ* وَ لَمْ یَکُنْ لَهُ کُفُواً أَحَدٌ، اور یہ پہلی دو رکعتیں تھیں۔ پھر خداوند عزوجل نے وحی نازل فرمائی: الحمد للہ پڑھو پس آپ نے اس کو پڑھا اس طرح جس طرح پہلے پڑھا تھا پھر وحی نازل ہوئی اور حکم ہوا کہ سورۂ قدر (انا ازلناہ) پڑھو۔ پس اس کو تم سے اور تمہارے اہل بیتؑ سے نسبت ہے یہاں تک کہ قیامت آجائے۔

---

[1] تفسیر برہان، ج ۴، ص ۴۸۷، سورۃ القدر، حدیث ۲۲

سورہ قدر کی فضیلت

سورہ مبارکہ ''قدر'' کی فضیلت کے بارے میں روایات شریفہ بہت ہیں۔ من جملہ ان کے وہ روایت ہے جو کافی شریف میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

جو شخص بلند آواز سے، انا انزلنا ہ فی لیلۃ القدر، کی تلاوت کرے وہ اس شخص کی طرح ہے، جس نے اپنے شمشیر راہ خدا میں نیام سے کھینچی ہو اور جو شخص آہستہ قرائت کرے وہ اس شخص کے مثل ہے جو راہ خدا میں اپنے خون میں غلطان ہوا ہو اور جو شخص دس مرتبہ پڑھے اس کے گناہوں میں سے ہزار گناہ محو کر دیئے جاتے ہیں،[1]

خواص القرآن سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ:

جو شخص اس سورہ کو قرائت کرے اس کے لئے اس شخص کا اجر ہے، جس نے ماہ مبارک میں روزے رکھے ہوں اور لیلہ القدر، کا ادراک کیا ہو اور اس کے لئے اس شخص کا ثواب ہے، جس نے راہ خدا میں جہاد کیا ہو،[2] والحمد للہ اولاً و آخراً۔

اعتذار

اس کے باوجود کہ راقم الحروف کا ارادہ اس رسالہ کے سلسلہ میں یہ تھا کہ مطالب عرفانی کی غیر مانوس نوع سے احتراز کروں اور فقط نماز کے آداب قلبیہ کے بیان پر اکتفا کروں، لیکن اب دیکھتا ہوں کہ قلم بے قابو ہو گیا اور خاص طور سے تفسیر سورہ شریفہ میں اپنے طے شدہ موضوع سے بیشتر تجاوز کر گیا۔ اب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ برادران ایمانی اور دوستان روحانی سے معذرت کروں اور ضمناً اگر اس رسالہ میں کوئی بات اپنے مزاج کے مطابق نہ پائیں تو بے تامل ابطال باطل کریں۔ اس لئے کہ ہر علم کے لئے کچھ اہل اور ہر راہ کے لئے کچھ راہ نورد ہوتے ہیں۔ رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأً عَرَفَ قَدْرَهُ وَ لَمْ يَتَعَدَّ طَوْرَه.[3] (خدا رحمت کرے اس شخص پر جو اپنی قدر کو پہچانے اور اپنی حد سے آگے قدم نہ

---

[1] اصول کافی، ج ۴، ص ۴۲۷، کتاب فضل القرآن، باب فضل القرآن، حدیث ۶

[2] تفسیر برہان، ج ۴، ص ۴۸، سورۃ القدر، حدیث ۱، از خواص القرآن

[3] غرر الحکم، فصل ۳، حرف الراء، حدیث ۱

بڑھائے)۔

اور ممکن ہے بعض لوگ حقیقت حال سے غفلت کریں اور چونکہ معارف قرآن اور دقائق سنن الٰہیہ سے بے خبر ہیں، اس رسالہ کے بعض مطالب کو تفسیر بالرائے قرار دیں۔ یہ خطائے محض اور افترائے فاحش ہوگا، کیونکہ:

اولا: یہ معارف ولطائف سب قرآن شریف اور احادیث شریفہ سے مستفاد ہیں اور ان پر شواہد سمعیہ موجود ہیں۔ جیسا کہ ان میں بعض کا ذکر مباحث کے ذیل میں کیا گیا اور بیشتر کو اختصار کے خیال سے ترک کر دیا گیا۔

ثانیاً: ان معارف میں اکثر براہین عقلیہ یا عرفانیہ کے موافق ہیں اور ایسے امور تفسیر بالرائے نہیں کہلاتے۔

ثالثاً: زیادہ تر مطالب جو ہم نے بیان کئے ہیں یا آیات شریفہ کے ذیل میں ذکر کئے ہیں، وہ مصادیق مفاہیم کا بیان ہے اور حقائق کے مصادیق ومراتب کا بیان تفسیر ہی سے مربوط نہیں ہے کہ اسے تفسیر بالرائے کہا جاسکے۔

رابعاً: تمام مراحل کے بعد، ہم نے دین میں انتہائی احتیاط کی غرض سے حالانکہ اس کی ضرورت نہ تھی، غیر ضروری مطالب میں ہم نے، علی سبیل الاحتمال، اور، بیان احد محتملات، کے طور پر مطالب کو بیان کیا ہے اور معلوم ہے کہ احتمال کا دروازہ نہ کسی نے بند ہی کیا ہے اور نہ وہ تفسیر بالرائے سے مربوط ہے اور اس موقع پر اور بھی مطالب ہیں جن کے ذکر سے ہم نے احتراز کیا ہے اور اختصار کی کوشش کی ہے۔

قَالَ الْمَهْدِیُّ علیہ السلام:

...فَمَآ اَرْغَمُ اَنْفَ الشَّيْطَانِ بِشَیْءٍ مِّثْلَ الصَّلَاةِ

فَصَلِّهَا وَ ارْغَمْ اَنْفَ الشَّيْطَانِ۔ [1]

آپؑ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کے وقت نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

نماز کی طرح کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو شیطان کی ناک کو رگڑ دے

پس نماز پڑھو اور شیطان کی ناک کو رگڑ دیا کرو!

---

[1] بحار الانوار: ۵۳/ ۱۸۲

باب پنجم

رکوع کے کچھ آداب و اسرار

اس میں پانچ فصلیں ہیں

فصل اول

رکوع سے پہلے تکبیر

ظاہر یہ ہے کہ یہ تکبیر رکوع سے متعلق ہے اور رکوع کے لئے نماز گزار کے مہیا ہونے کی غرض سے ہے اور اس کا ادب یہ ہے کہ مقام عظمت وجلال حق اور عزت وسلطنت ربوبیت کو نظر کے سامنے لائے اور عبودیت کے ضعف وعجز اور فقر و ذلت کو اپنا نصب العین بنائے۔ اس عز ربوبیت اور عجز عبودیت کی معرفت کے بقدر تکبیر کے ذریعہ حق تعالیٰ کی توصیف کرے۔

اور بندہ سالک خدا تعالیٰ کی جو توصیف کر رہا ہے اور اس کی تسبیح و تقدیس بجالا رہا ہے وہ محض اطاعت امر اور توصیف وعبادت کے لئے حق تعالیٰ کا اذن حاصل کرنے کی غرض سے ہو۔ ورنہ خود اس کو ایسی جسارت نہ ہونا چاہئے کہ محضر ربوبیت میں اس جیسا کہ بندہ ضعیف جو درحقیقت لاشئ ہے اور جو کچھ اسکے پاس ہے بھی، وہ سب معبود عظم الشان کا ہے، اس توصیف وتعظیم سے اپنی بڑائی کا اظہار کرنے لگے۔ جس مقام پر حضرت علی بن الحسین علیہما السلام جیسا عبادت گزار، اس ولایت مآبی شیرین زبان کے باوجود، جو دراصل لسان اللہ ہے، أَفَبِلِسَانِي هَذَا الْكَالِّ أَشْكُرُكَ.[1] (کیا اس تھکی ہوئی زبان سے تیرا شکر ادا کروں)۔

---

[1] مصباح المتہجد، ص ۵۳۴، از دعائے ابوحمزہ ثمالیؒ

عرض کررہاہوں، وہاں: از پشہ لاغری چہ خیزد،[1] (کمزور سا مچھر کیا اٹھا سکتا ہے)۔

پس جب عبد سالک رکوع کی پرخطر منزل میں وارد ہونا چاہئے۔تو چاہئے کہ پہلے خود کو اس مقام کے لئے تیار کرے اوراپنے ہاتھ سے اپنی توصیف وتعظیم وعبادت وسلوک کو پس پشت ڈال دے، ہاتھوں کو کانوں کے مقابل تک بلند کرے، اپنی خالی ہتھیلیوں کو روبقبلہ کرے اورخالی ہاتھ، تہی دست،امید وبیم کی کیفیت سے دوچار دل، تقصیر سے خائف، مقام عبودیت میں قیام سے عاجزی ارومقام مقدس حق سے امید واثق کے ساتھ کہ اس کو یہ اعزاز بخشا کہ ایسے مقامات پر جو خالص اولیا اور کامل احباء کے مقامات ہیں، باریاب کیا۔منزل رکوع میں وارد ہوا ور شاید اس کیفیت کے ساتھ ہاتھوں کو بلند کرنا، مقام قیام اوراس حد میں وقوف سے دست برداری کا اظہار ہواورمنزل قیام سے کوئی زاد نہ لینے کی طرف اشارہ ہو اورتکبیر ان توصیفات کی تعظیم اور بڑائی کے لئے ہو جو منزل قیام میں کی ہیں اور اہل معرفت کے نزدیک رکوع چوں کہ منزل توحید صفات ہے، تکبیر رکوع اسی منزل کی بزرگی وعظمت کا اظہار اور ہاتھوں کو بلند کرنا صفات خلق سے ہاتھ اٹھالینا ہے۔

---

[1] امثال وحکم، علی اکبر دہخدا، ج2، ص579. نام شاعر ذکر نہیں ہوا ہے اور یہ شعر کا دوسرا مصرعہ ہے شعر یوں ہے:

آن جا کہ عقاب پَر بریزد
از پشّہ لاغری چہ خیزد

ترجمہ: یہ وہ مقام ہے جہاں عقاب کے پر بھی شکستہ ہوجایا کرتے ہیں بھلا ایک کمزور سا مچھر کیا کرسکتا ہے۔

فصل دوم

رکوع میں خم ہونے کے آداب

معلوم ہو کہ احوال صلاۃ میں تین حال سب سے اہم ہیں کہ اور تمام افعال و اعمال انہیں کے مقدمات اور انہیں کے لئے تیاریاں ہیں:

اول: _____ قیام،

دوم: _____ رکوع،

سوم: _____ سجود۔

اور اہل معرفت ان تین کو توحیدات ثلاثہ کی طرف اشارہ جانتے ہیں اور ہم نے، سرّ صلاۃ، میں ان مقامات کا ذوق عرفانی کے مطابق ذکر کیا ہے اور یہاں دوسری زبان میں ان منازل کا ذکر کرتے ہیں جو عام ذوق کے مناسب ہے۔

پس ہم کہتے ہیں کہ چونکہ نماز مومن کی معراج کمال اور اہل تقویٰ کو حق تعالیٰ سے قریب کرنے والی ہے، لہٰذا اس کا قوام دو چیزوں سے ہے جن میں ایک چیز دوسری چیز کا مقدمہ ہے۔

اول: خود بینی و خود خواہی کو ترک کرنا جو تقویٰ کی حقیقت اور اس کا باطن ہے۔

دوم: خدا خواہی و حق طلبی جو حقیقت معراج و حقیقت قرب ہے۔ اور اسی لئے روایات شریفہ میں ہے:

اَلصَّلٰوۃُ قُرْبَانُ کُلِّ تَقِیّ.[1]

نماز ہر پرہیزگار کے لئے خدا سے تقرب کا ذریعہ ہے۔

---

[1] فروغ کافی، ج ۳، ص ۲۶۵، کتاب الصلاۃ، باب فضل الصلاۃ، حدیث ۶

جیسا کہ قرآن مجید بھی نور ہدایت ہے مگر متقین کے لئے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ. [1]

یہ (قرآن) وہ کتاب ہے جس (کے کلام اللہ ہونے) میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ (یہ) ہدایت ہے ان پرہیزگاروں کے لیے۔

وبالجملہ، ان تین مقامات، یعنی قیام و رکوع و سجود میں یہ دو مقامات بتدریج حاصل ہوتے ہیں۔ حالت ''قیام'' مقام فاعلیت کے اعتبار سے خود بینی کا ترک اور حق تعالیٰ کی فاعلیت و قیومیت مطلقہ کی رویت ہے۔ ''رکوع'' مقام اسماء و صفات کے اعتبار سے خود بینی کا ترک اور مقام اسماء وصفات حق کی رویت ہے اور، سجود، مطلق طور پر خود بینی کا ترک اور مطلق طور پر خدا خواہی و خدا طلبی ہے۔ سالکین کے تمام منازل انہیں تینوں مقامات کے شئون میں سے ہیں۔ جیسا کہ اہل بصیرت اور اصحاب عرفان وسلوک پر واضح ہے۔

اور واجب سالک نے ان مقامات میں اس طرف توجہ کر لی کہ ان اعمال کا سرّ توحیدات ثلاثہ ہیں تو مقامات میں جتنا زیادہ دقیق اور لطیف مقام آتا جائے سالک کو اتنی ہی زیادہ مراقبت ونگرانی کرنا چاہئے اور یقیناً ان مقامات میں خطرہ زیادہ ہے اور لغزش کا امکان زیادہ ہے۔ لہٰذا مقام رکوع میں جب سالک کو یہ دعویٰ ہے کہ دار وجود میں علم قدرت اور حیات وارادہ بس حق تعالیٰ کا ہے اور یہ دعویٰ بہت بڑا اور یہ مقام بہت دقیق ہے اور ہم جیسے لوگ ایسے دعوؤں کی اہلیت نہیں رکھتے تو باطن ذات میں بھی ہمیں حق تعالیٰ کی مقدس بارگاہ میں تضرع و مسکنت اور عجز و ذلت کے ساتھ حاضری دینا چاہئے، اپنے قصور و تقصیر کے لئے معذرت خواہ ہونا چاہئے اور اپنی کوتاہیوں کو بصیرت کی آنکھوں اور وجدان کے مشاہدہ سے معلوم کرنا چاہئے، شاید مقام مقدس سے توجہ وعنایت ہو اور ہماری حالت اضطرار ذات مقدس کی طرف سے دستگیری کے اسباب فراہم کردے۔

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ [2]

کون ہے جو مضطر و بے قرار کی دعا و پکار کو قبول کرتا ہے۔ جب وہ اسے پکارتا ہے؟

---

[1] سورۂ بقرہ:۲

[2] سورۂ نمل:۶۲

فصل سوم:

صلاۃ المعراج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صلاۃ معراج کے بارے میں وارد ہے کہ رکوع کے بعد رب العزت کی طرف سے خطاب ہوا:

فَانْظُرْ الی عَرْشی. قالَ رَسُولُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: فَنَظَرْتُ الی عَظَمَةٍ ذَهَبَتْ لَها نَفْسی و غُشِیَ عَلَیَّ فَالْهِمْتُ انْ قُلْتُ: «سُبْحانَ رَبِّیَ الْعَظیمِ وَ بِحَمْدِهِ» لِعِظَمِ ما رَأَیْتُ. فَلَمّا قُلْتُ ذلِكَ، تَجَلَّی الْغَشْیُ عَنّی حَتّی قُلْتُها سَبْعاً الْهِمَ ذلِكَ فَرَجَعْتُ الی نَفْسی کَما کانَت.[1]

عرش کی طرف دیکھو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پس میں نے ایک عظمت کی طرف دیکھا جس سے میری جان سی نکل گئی اور میں بے ہوش ہو گیا۔ تب اس عظمت کے دیکھنے کے بعد مجھ پر الہام ہوا اور میں نے کہا: سبحان ربی العظیم و بحمدہ (منزہ ہے میرا پرودگار بزرگ اور حمد اسی کے لئے ہے) جب میں نے یہ کہا تو غشی کی حالت سے افاقہ ہوا یہاں تک کہ پے در پے الہامات کی وجہ سے میں نے سات مرتبہ یہی کہا۔ پس میں ہوش میں آ گیا اور اپنے حال پر واپس آ گیا۔

انسان کے عدد کے موافق کہنے کے بعد ہوش آیا اور حالت صحو پیدا ہوئی اور یہ احوال پوری صلاۃ معراج

---

[1] علل الشرائع، ص ۳۱۵، حدیث صلاۃ معراج کا ایک ٹکڑا

میں باقی رہے۔

اوراب جب کہ خلوت انس میں جانے کی کوئی راہ نہیں اور مقام قدس میں جائے گاہ نہیں۔ بہتر ہے کہ اپنی ذلت و عاجزی کو مقصد تک پہنچنے کا سرمایہ اور حصول مطلوب کی دستاویز قرار دیں اور دامن مقصود سے ہاتھ نہ اٹھائیں تا کہ مراد دلی پائیں اور کم سے کم اگر خود اس میدان کے مرد نہیں ہیں تو جو شاید معارف کی خوشبو کا کوئی لپکا مشام جاں تک پہنچ جائے اور لطائف کی نسیم کا کوئی جھونکا ہمارے پیکر بے روح میں جان ڈال دے، کیونکہ حق تعالیٰ کی عادت احسان اور اس کا طریقہ تفضّل و انعام ہے، [1]

اور یا درکھنا چاہئے کہ رکوع حق تعالیٰ کی، تسبیح، تعظیم اور تحمید، پر مشتمل ہے۔ پس، تسبیح، توصیف سے تنزیہ اور تعریف سے تقدیس ہے یعنی نہ اس کی صفت بیان کی جاسکتی ہے نہ تعریف کی جاسکتی ہے، اور تعظیم وتحمید، حد تشبیہ وتعطیل سے باہر ہونا ہے، کیونکہ تحمید، خلقی آئینوں میں ظہور کا مفہوم بتاتی ہے اور تعظیم سلب تحدید کو دکھاتی ہے۔ پس وہ ظاہر ہے اور عالم میں کوئی ظہور اس سے زیادہ ظاہر نہیں ہے، لیکن وہ خلقی تعینات سے بھی متلبس نہیں ہے۔

---

[1] اذا من عادتہ الاحسان ومن شیمتہ التفضّل

فصل چہارم

حقیقی رکوع

عَنْ مِصْباحِ الشریعَةِ، قالَ الصّادِقُ عَلَيْهِ السَّلام: لا يَرْكَعُ عَبْدٌ للّه رُكُوعاً عَلَى الْحَقيقَةِ، الّا زَيَّنَهُ اللّه تَعالى بِنُورِ بَهائِهِ وَ اظَلَّهُ فى ظِلالِ كِبْرِيائِهِ وَ كَساهُ كِسْوَةَ اصْفِيائِهِ.

وَ الرُّكُوعُ اوَّلٌ وَ السُّجُودُ ثانٍ، فَمَنْ اتى بِمَعْنَى الْاَوَّلِ صَلُحَ لِلثّانى.

وَ فِي الرُّكُوعِ ادَبٌ وَ فِي السُّجُودِ قُرْبٌ، وَ مَنْ لا يُحْسِنُ الْاَدَبَ لا يَصْلَحُ لِلْقُرْبِ.

فَارْكَعْ رُكوعَ خاضِعٍ للّه بِقَلْبِهِ مُتَذَلِّلٍ وَجِلٍ تَحْتَ سُلْطانِهِ؛ خافِضٍ لَهُ بِجَوارِحِهِ خَفْضَ خائِفٍ حَزِنٍ عَلى ما يَفُوتُهُ مِنْ فائِدَةِ الرّاكِعينَ.

وَ حُكِيَ انَّ الرَّبيعَ ابْنَ خُثَيْمٍ كانَ يَسْهَرُ بِاللَّيْلِ الَى الْفَجْرِ فى رَكْعَةٍ واحِدَةٍ؛ فَاذا هُوَ اصْبَحَ رَفَعَ [خ ل: تَزَفَّرَ] وَ قالَ: آه، سَبَقَ الْمُخْلِصُونَ وَ قُطِعَ بِنا.

وَ اسْتَوْفِ رُكُوعَكَ بِاسْتِواءِ ظَهْرِكَ، وَ انْحَطَّ عَنْ هِمَّتِكَ فى الْقِيامِ بِخِدْمَتِهِ الّا بِعَوْنِهِ، وَ فِرَّ بِالْقَلْبِ مِنْ وَساوِسِ الشَّيْطانِ وَ خَدائِعِهِ وَ مَكائِدِهِ؛ فَانَّ اللّه تَعالى يَرْفَعُ عِبادَهُ بِقَدْرِ تَواضُعِهِمْ لَهُ وَ يَهْديهِمْ الى اصُولِ التَّواضُعِ وَ الْخُضُوعِ بِقَدْرِ

اطّلاع عَظَمَتِهِ عَلى سَرائِرِهِم. [1]

کوئی بندہ خدا کے لئے حقیقی رکوع نہیں کرتا مگر خدا اس کو اپنے نور جمال سے آراستہ کرتا ہے اور اپنی کبریائی کے سائے میں جگہ دیتا ہے اور برگزیدہ بندوں کا لباس پہناتا ہے۔

رکوع پہلا ہے اور سجود دوسرا۔ جو شخص پہلے کی حقیقت بجالائے گا دوسرے کی اہلیت پیدا کرلے گا۔

رکوع میں ادب، عبودیت، ہے اور سجود میں، معبود سے، قرب اور جو شخص اچھی طرح ادب نہ بجالائے وہ قرب کے لائق نہیں۔ لہٰذا اس شخص کی طرح رکوع ادا کرو جو خدا کے لئے خاضع دل کے ساتھ اور اس کی سلطنت کے ماتحت ذلیل و خائف ہے اور اپنے اعضاء کو اس خوف سے کہ رکوع کرنے والوں کے فائدے سے محروم گیا ہے رنجیدہ رہتا ہے۔

حکایت کی ہے کہ ربیع بن خثیم ایک رکوع میں شب کو صبح کر دیتے تھے اور جب صبح ہوتی تھی تو قیام کرتے تھے (نالہ کرتے تھے) اور کہتے تھے: آہ! مخلصین آگے بڑ گئے اور ہم راستہ میں پڑے رہ گئے، اور اپنے رکوع کو مکمل کرو۔

اس طرح کہ اپنی پشت سیدھی رکھو اور اس خیال کو دل سے نکال دو کہ اپنی ہمت سے اس کی بارگاہ میں کھڑے ہو، کیونکہ اس کی رو کے بغیر ہ (یہ حاصل نہیں ہوسکتا) اور دل سے شیطانی وسوسوں اور فریب کاریوں سے دور بھاگو، کیونکہ خدا اپنے بندوں کا مرتبہ ان کی تواضع کے مطابق بلند کرتا ہے اور جس قدر بندوں کے باطن پر اس کی عظمت آشکار ہوتی ہے اسی قدر فروتنی اور انکساری کی راہیں (اپنے مقابل) ان کو دکھاتا ہے۔

اس حدیث شریف میں اشارات و بشارات اور آداب و دستورات ہیں۔ چنانچہ نور بہاء اللہ سے تزین اللہ کی زیبائی کے نور سے خود کو زینت دینا اللہ کی کبریائی کے سایوں میں رہنا، اللہ کے منتخب بندوں جیسا لباس پہننا، تعلم اسمائی اور، وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا [2] (اور اس (اللہ) نے آدم کو (تمام چیزوں کے) نام سکھائے۔) کے مقام تک پہنچنے کی بشارتیں ہیں اور مقام فنائے صفاتی میں تحقق اور اس مقام سے حالت صحو کا حصول ہے، کیونکہ حق تعالیٰ کا بندہ کو مقام، نور

---

[1] مصباح الشریعہ، ص ۱۲، بحار الانوار، ج ۸۲، ص ۱۰۸

[2] سورۂ بقرہ: ۳۱

بہاء، سے مزین کرنا اس کو مقام اسماء پر متحقق کرنا ہے جو آدمی کی تعلیم کی حقیقت ہے اور اس کو سایہ کبریا جو اسمائے قہریہ میں ہے، میں لے جانا اور اس میں فنا کے لئے جگہ دینا، خود سے بندہ کو فنا کرنا ہے اور اس مقام کے بعد اس کو ''کسوہ اصفیاء'' میں داخل کرنا، فنا کے بعد اس کو بقا عطا کرنا ہے اور یہاں سے معلوم ہوتا کہ سجود فنائے ذاتی ہے جیسا کہ اہل معرفت نے کہا ہے، کیونکہ رکوع اول ہے اور وہ یہ مقامات ہیں اور سجود ثانی ہے اور وہ سوائے ذات میں فنا کے اور کچھ نہیں۔

اس مقام پر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرب مطلق جو سجود میں حاصل ہوتا ہے، حقیقی رکوع کے حصول کے بغیر میسر نہیں ہے اور جو شخص ثانی کے لئے صلاحیت پیدا کرنا چاہتا ہے اس کو چاہئے کہ قرب رکوعی اور ادب رکوع حاصل کرے۔

رکوع و سجود کے لطائف و اسرار بیان کرنے کے بعد متوسطین کے لئے ان کے آداب قلبیہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور یہ وہ امور ہیں جن میں بعض عام ہیں اور ہم مقدمات میں ذکر کر چکے ہیں اور بعض رکوع کے ساتھ خاص ہیں اور چونکہ ان امور میں سے اکثر بیان ہو چکے ہیں اس لئے ان کی تفصیل سے ہم صرف نظر کر رہے ہیں۔

فصل پنجم

رکوع سے سر اٹھانے کا ذکر

رکوع سے سر اٹھانے کا راز کثرت اسمائیہ میں وقوف سے واپسی ہے۔ چنانچہ مولا علی علیہ السلام نے فرمایا ہے:

كَمَالُ التَّوْحِيدِ نَفْيُ الصِّفَاتِ عَنْه.[1]

کمالِ توحید یہ ہے کہ اس کی ذات سے صفات کی نفی کی جائے۔

کیونکہ فنائے اسمائی سے صحو کی حالت حاصل ہونے کے بعد عبد سالک اپنے قصور اور تقصیر کا مشاہدہ کرتا ہے، کیونکہ آدم کی خطا کا مبدا جن کی تلافی ان کی ذریت کو کرنا چاہئے، کثرت اسمائی کی طرف توجہ ہے جو باطن شجرہ ہے اور جب اپنی خطا جو ذریت ہے اور آدم کی خطا کہ اصل خود ہے، معلوم کر لی تو اپنے نقص اور کوتاہی کی طرف توجہ رکھتا ہے اور رفع خطا کی تیاری کرتا ہے جو بارگاہ کبریا میں عاجزی کا اظہار ہے اور اپنے صلب، کمر، کو اس مقام پر سیدھا کرتا ہے اور رکوع کے بعد تکبیر کے ذریعہ کثرات اسمائیہ کو رفع کرتا ہے اور خالی ہاتھ منزل ذلت و مسکنت اور اصل ترابیت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے اہم آداب، اس مقام کے بڑے خطرے کا احساس کرنا، قلب کو تذکر تام کے ذائقہ سے آشنا کرنا، حضور ذات کی طرف توجہ اور اپنے سے ترک توجہ میں اپنی ذلت کی حد تک مجاہدہ کرنا ہے۔

اور اے عزیز! یاد رہے کہ حضرت حق کا تذکر تام اور باطن قلب سے اس ذات مقدس کی طرف توجہ مطلق ہو تو قلب کی باطنی آنکھیں کھل جاتی ہیں جس سے بقائے الٰہی جو اولیاء کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے حاصل ہوتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ [2]

جو لوگ راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں، ہم ضرور ان کو اپنے راستوں کی ہدایت کرتے ہیں۔

---

[1] التوحید (للصدوق) / 57 / 2 باب التوحید ونفی التشبیہ، بحار الانوار (ط - بیروت) / ج 4 / 285 / باب 4 جوامع التوحید..... ص 212:

[2] سورہ عنکبوت، آیت ۶۹

قَالَ الْاِمَامُ الصَّادِقُ علیہ السلام:

اَلسُّجُودُ مُنْتَهَى الْعِبَادَةِ مِنْ بَنِيْ آدَمَ۔ [1]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

سجدہ، انسانی عبادت کی معراج ہے۔

[1] میزان الحکمۃ: ۲۳۸۰، ح ۸۲۷۲

باب ششم

اسرار و آداب سجود کی طرف اجمالی اشارہ

اس میں چند فصلیں ہیں

فصل اول

سجود کا مجموعی راز

اصحاب عرفان اورارباب قلوب کے نزدیک، سجدہ، خود کو ترک کرنا، ماسویٰ اللہ سے بغیر کسی حجاب کو دیکھے،آنکھیں بند کر لینا اوراپنی اصل کی طرف توجہ کرتے ہوئے معراج یونسی جو بطن ماہی میں چلے جانے سے حاصل ہوئی،متحقق ہونا ہےاورسرکو خاک پر رکھنا، باطن قلب خاک اوراصل عالم طبیعت میں جمال جمیل کی رویت کی طرف اشارہ ہے۔

سجدہ کے قلبی آداب،اپنی حقیقت اوراپنے وجود کی اصل کا ادراک کر لینا اورمرکز دماغ کو جو سلطان نفس کا مرکز اورروح کا عرش ہے، مقام قدس کے سب سے نچلے زنیہ پر رکھنا اورعالم خاک کو مالک الملک کی دہلیز سمجھنا ہے۔

لہٰذا سجود کی وضع کا راز خودی (کی آلودگی) سے آنکھوں کو دھو لینا ہےاورخاک پر سر رکھنے کی وضع کا ادب اپنے اعلیٰ مقامات کونظروں سے گرادینا اور خاک سے بھی پست سمجھنا ہے اور اگر قلب میں ان دعوؤں کے بارے میں جن کی طرف نماز کے مختلف اوضاع کے ذریعہ اشارہ کیا جاتا ہے، کوئی کھوٹ ہوتو ارباب معرفت کی نظر میں یہ نفاق ہے اور چونکہ یہ مقام تمام مقامات سے زیادہ پُرخطر ہے اس لئے سالک الی اللہ کولازم ہے کہ جبلت ذاتی اورفطرت قلبی کے ساتھ حق تعالیٰ کے دامن عنایت سے متمسک ہو جائے اورذلت ومسکنت کے ساتھ تقصیرات کی معافی مانگے کہ یہ ایک پُرخطر مقام ہے جو ہمارے جیسے لوگوں کی طاقت سے باہر ہے۔

اورہم نے چونکہ رسالہ، سرالصلاۃ، میں ان مقامات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اس لئے اس رسالہ میں تفصیل کو چھوڑتے ہیں اوران کے آداب سے متعلق مصباح الشریعہ کی روایت شریفہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

فصل دوم

سجدہ کے اسرار و آداب

عَنْ مِصْباحِ الشَّریعَةِ. قالَ الصّادِقُ عَلَیْهِ السَّلام: ما خَسِرَ وَ اللّٰه مَنْ اتی بِحَقیقَةِ السُّجُودِ وَ لَوْ کانَ فی الْعُمُرِ مَرَّةً واحِدَةً. وَ ما افْلَحَ مَنْ خَلا بِرَبِّهِ فی مِثْلِ ذلِكَ الْحالِ تَشْبیهاً بِمُخادِعٍ نَفْسَه غافِلًا لاهِیاً عَمّا اعَدَّهُ اللّٰه لِلسّاجِدینَ مِنْ انْسِ العاجِلِ وَ راحَةِ الْآجِلِ. وَ لا بَعُدَ عَنِ اللّٰه ابَداً مَنْ احْسَنَ تَقَرُّبَهُ فی السُّجُودِ.

وَ لا قَرُبَ الَیْهِ ابَداً مَنْ اساءَ ادَبَهُ وَ ضَیَّعَ حُرْمَتَهُ بِتَعَلُّقِ قَلْبِه بِسِواهُ فی حالِ سُجُودِهِ.

فَاسْجُدْ سُجُودَ مُتَواضِعٍ لِلّٰه تَعالی ذَلیلٍ، عَلِمَ انَّهُ خُلِقَ مِنْ تُرابٍ یَطَأُهُ الْخَلْقُ.

وَ انَّهُ اتَّخَذَكَ مِنْ نُطْفَةٍ یَسْتَقْذِرُها کُلُّ احَدٍ، وَ کُوِّنَ وَ لَمْ یَکُنْ.

وَ قَدْ جَعَلَ اللّٰه مَعْنَی السُّجُودِ سَبَبَ التَّقَرُّبِ الَیْهِ بِالْقَلْبِ وَ السِّرِّ وَ الرُّوحِ فَمَنْ قَرُبَ مِنْهُ بَعُدَ مِنْ غَیْرِهِ؛

أَ لا تَری فی الظّاهِرِ انَّهُ لا یَسْتَوی حالُ السُّجُودِ الّا بِالتَّواری عَنْ جَمیعِ الْاشْیاءِ وَ الاحْتِجابِ عَنْ کُلِّ ما تَراهُ الْعُیُونُ؟ کَذلِكَ امْرُ الْباطِنِ.

فَمَنْ کانَ قَلْبُهُ مُتَعَلِّقاً فی صَلاتِهِ بِشَیْءٍ دُونَ اللّٰه تَعالی، فَهُوَ قَریبٌ مِنْ ذلِكَ الشَّیْءِ بَعیدٌ عَنْ حَقیقَةِ ما ارادَ اللّٰه مِنْهُ فی صَلاتِهِ.

قالَ اللّٰہ عَزَّ وَ جَلَّ: ما جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَیْنِ فِی جَوْفِہِ.
وَ قالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: قالَ اللّٰہ تَعالی: لا اطّلِعُ عَلی قَلْبِ عَبْدٍ فَاعْلَمُ فیہِ حُبَّ الْأخْلاصِ لِطاعَتی لِوَجْھی وَ ابْتِغاءِ مَرْضاتی، الّا لَوَلَّیْتُ تَقْویمَہُ وَ سِیاسَتَہُ.
وَ مَن اشْتَغَلَ بِغَیْری فَھُوَ مِنَ الْمُسْتَھْزِءینَ بِنَفْسِہِ؛ وَ مَکْتُوبٌ اسْمُہُ فی دیوانِ الْخاسِرین.[1]

اس حدیث شریف میں سجدہ کے اسرار و آداب جمع کر دیئے گئے ہیں اوراس میں تفکر سے سالک الی اللہ کے سامنے معرفت کی راہیں کھلتی ہیں اورمنکرین کے انکار اوران کی ہٹ دھرمی کے تار و پود بکھر جاتے ہیں اوراولیاء عرفان و اصحاب ایقان کی تائید وحمایت ہوتی ہے اورحق تعالیٰ کے ساتھ انس وخلوت کی حقیقت سمجھ میں آتی ہے

فرماتے ہیں:

خدا کی قسم! نقصان نہیں دیکھتا وہ شخص جوسجدہ کی حقیقت کو بجالائے، چاہے عمر میں ایک ہی مرتبہ سہی اورنجات کا منہ نہیں دیکھتا وہ شخص جوغیرحق کوترک کر کے حق سے خلوت تو کرے، لیکن دھوکہ دھڑی کرنے والوں کی طرح صورت میں تو خلوت وانس میں ہو،

لیکن حقیقت حق سے غافل ہواورسجدہ گزاروں کے لئے حق تعالیٰ نے جو کچھ مہیا فرمایا ہے، وہ اس عالم میں حق سے انس ہے اوراس عالم میں راحت وآرام ہے اور ہرگز اللہ سے دوری نہیں ہو تاوہ شخص جوسجدہ میں حق تعالیٰ سے حسن تقرب چاہے اورحق تعالیٰ سے نزدیک نہیں ہوتا وہ شخص جو سجدہ میں سوئے ادب سے کام لے اوراس کی حرمت کوضائع کرنے کہ حالت سجدہ میں اپنے قلب کوغیرحق سے متعلق کرے۔

اب جب تک کچھ سرسجود کو جان چکے اس شخص کی طرح سجدہ کرو جو بارگاہ اقدس حق میں تواضع وذلت اختیار کئے ہواوراپنے نقص اور بے سروسامانی کی حالت پرغور کرو

یاد رکھو! کہ تم اس مٹی سے پیدا ہوئے ہو جسے مخلوقات خدا روندا کرتے ہیں اورایسے نطفہ سے پیدا ہوئے ہوجس سے ہرشخص بچتا ہے اوراس صورت میں کہ کوئی قابل ذکر شے نہ تھا اور خدائے تعالیٰ نے سجود کی معنویت کواپنے سے تقرب کا سبب قرار دیا ہے۔

---

[1] مصباح الشریعہ، الباب السادس عشر، فی السجود

قلب اور سر روح کے ساتھ تقرب ! لہٰذا جو شخص حق سے قریب ہو گیا ہے وہ غیر حق سے دور گیا۔ چنانچہ سجدہ اسی صورت میں حاصل ہوتا ہے جب تمام اشیاء سے پوشیدہ آنکھیں جو کچھ دیکھتی ہیں اس سے محجوب ہو جائے۔ اسی طرح باطن سے بھی یہی مظاہرہ کرے۔ پس جس شخص کا دل سجدہ میں غیر حق سے متعلق ہو جاتا ہے وہ اسی چیز، غیر حق، سے نزدیک اور جو اللہ نے چاہا ہے اس سے دور ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

ہم نے ایک شخص کے لئے دو دل قرار نہیں دیئے،[1]

اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں اس بندہ کے دل پر جس میں میری اطاعت کی خالص محبت اور میری رضا حاصل کرنے کی آرزو ہے، جلوہ نہیں کرتا، مگر یہ کہ میں خود اس کے امور کی مشیت کا ذمہ دار ہو جاتا ہوں اور اس کے کاموں کی تدبیر کرتا ہوں اور جو شخص میرے علاوہ کسی اور میں مشتغل ہو جاتا ہے اس کا شمار کھلواڑ کونے والوں میں شمار ہوتا ہے اور اس کا نام نقصان اٹھانے والوں کے دفتر میں لکھ دیا جاتا ہے۔

---

[1] سورہ احزاب، آیت ۴

فصل سوم

سجدے کا قوام

حدیث میں ہے کہ جب آیہ شریفہ، فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ [1] نازل ہوئی تو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس آیت کو رکوع میں شامل کرلو، اور جب آیہ شریفہ، سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى [2] (اپنے پروردگار کے برتر نام کی تسبیح کرو) نازل ہوئی تو فرمایا: اس آیت کو اپنے سجدہ میں قرار دو، [3]

اور کافی کی حدیث شریف میں ہے کہ، پہلے نام جو اللہ نے اپنے لئے قرار دیئے، العلیّ، اور، العظیم، تھے [4] اور شاید، العلیّ، اسمائے ذاتیہ میں پہلا ہو اور، العظیم، اسمائے صفاتیہ میں پہلا ہو۔

اور معلوم ہو کہ سجود میں، نماز کے تمام اوضاع کی طرح ایک ہیئت، ایک حال، ایک ذکر اور ایک سرّ ہے اور یہ امور کاملین کے لئے جس طور پر ہیں اس کی طرف اس رسالہ میں اشارہ کیا جاچکا، تفصیلی بیان اس رسالہ سے مناسبت نہیں رکھتا۔ درمیان درجہ کے لوگوں کے اس کی ہیئت، خاکساری کا اظہار اراستکبار وخود بینی کو ترک کر دینا ہے اور سجدہ میں زمین پر، ناک رگڑنا جو مستحبات مؤکدہ میں ہے، بلکہ اس کو ترک کرنا خلاف احتیاط ہے، کمال خضوع وتذلل وخاکساری ہے۔ نیز اپنی اصل کی طرف توجہ اور اپنی خلقت کو یاد کرنا ہے اور اپنے اہم ترین اعضاء ظاہرہ کو جو ادراک اور حرکت وقدرت

---

[1] پس اپنے پروردگار بزرگ کے نام کی تسبیح کرو۔ سورہ واقعہ، آیت ۷۴

[2] سورہ اعلیٰ، آیت ۱

[3] مجمع البیان، ج۹، ص ۲۲۴، ذیل آیہ ۷۴ سورہ واقعہ

[4] اصول کافی، ج۱، ص ۱۰۳، کتاب التوحید، باب حدیث الاسماء، حدیث ۲

کے ظہور کا محل ہیں، اور وہ یہی سات آٹھ اعضا ہیں، جو سجدہ میں زمین پر رکھے جاتے ہیں، عاجزی اور مسکینی کے ساتھ زمین پر رکھنا تسلیم کامل اور اپنی قوتوں کو پوری طرح، حق تعالیٰ کی بارگاہ میں، پیش کر دینا اور خطیئہ آدمیت سے باہر آنے کی علامت ہے۔

جب ان معانی کا تذکر قلب میں قوی ہوگا تو دھیرے دھیرے قلب اس سے متاثر ہو کر ایسی حالت پیدا کر لے گا جو خودی سے فرار اور کود بینی کا ترک ہے اور اس حالت کے نتیجہ میں حالت انس پیدا ہوگی جس کے بعد خلوت تام حاصل ہوتی ہے اور محبت کلی پیدا ہوتی ہے۔

اور ذکر سجدہ، اس کا قوام، تسبیح، سے ہے جس کا مفہوم توصیف اور تعمیل امر کے لئے قیام سے تنزیہ یا تکثیر اسمائی سے تنزیہ یا توحید سے تنزیہ ہے، کیونکہ توحید ''باب تفعیل'' سے ہے جس کے معنی، کثرت سے وحدت میں جانا ہیں اور یہ معنی کثرت اور شرک کے شائبہ سے خالی نہیں جیسا کہ علو ذاتی کے ساتھ توصیف اور تحمید بھی اس شائبہ سے خالی نہیں ہے۔

اور ''العلی'' اسمائے ذاتیہ میں سے ہے اور کافی کی روایت کے مطابق یہ پہلا نام ہے جو اللہ نے اپنے لئے اختیار کیا، یعنی ذات کی اپنے لئے یہ پہلی تجلی ہے اور عبد سالک جب اس مقام میں، خود، سے فانی ہو گیا اور عالم اور جو کچھ عالم میں ہے سب کو ترک کر دیا تو اس تجلی ذاتی سے سرفراز ہو جائے گا۔

اور معلوم ہو کہ چونکہ رکوع اول اور سجود ثانی ہے اس لئے ان کی تسبیح و تحمید میں فرق ہے اور ''رب'' بھی ان دونوں مقامات میں فرق رکھتا ہے، کیونکہ ''رب'' جیسا کہ اہل معرفت نے کہا ہے کہ اسمائے ذاتیہ وصفاتیہ وافعالیہ میں ہے تین اعتبار سے اس بنا پر ''رب'' الحمد للہ رب العالمین، میں شاید مقام قیام کی مناسبت سے اسمائے فعلیہ میں ہے جو مقام توحید افعالی ہے اور رکوع میں اسمائے صفاتیہ میں ہے اور اس مناسبت سے کہ رکوع مقام توحید صفات ہے اور سجود میں اسمائے ذاتیہ میں سے ہے اس مناسبت سے کہ سجود مقام توحید ذات ہے اور، تسبیح و تحمید، بھی جس مقام میں واقع ہوئی ہو اسی مقام سے مربوط ہے [1]

---

[1] نسخہ خطی میں فصل چہارم کے آغاز سے پہلے حضرت امامؒ نے تقریباً دو صفحات ''تنبیہ عرفانی'' کے عنوان سے تحریر فرمائے ہیں، لیکن اس کے بعد اس حصہ پر حذف کی علامت کے طور پر قلم کھینچ دیا ہے اور حاشیہ میں تحریر فرمایا ہے: یہ تنبیہ زیادہ ہے اور آخر تک محو کر دی جانی چاہئے۔ کتاب کے نئے نسخہ میں بھی یہ حصہ موجود نہیں ہے۔ لیکن مطلب مذکور کو قبل کے ایڈیشنز میں درج ہو گیا ہے اور موجودہ ایڈیشن میں یہ حصہ حذف کیا گیا ہے۔

فصل چہارم

جیسا کہ صلوٰۃ معراج میں ہے، سجدہ غشی اور بے ہوشی کا نام ہے جو حق تعالیٰ کے انوار عظمت کے مشاہدہ کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے اور جب بندہ خود سے بے خود ہو گیا اور محو وصعق کا حال اس کو حاصل ہو گیا تو عنایت ازلی اسکے شامل حال ہو جائے گی اور الہام غیبی ہونے لگے گا۔

ذکر سجود اور اس کی تکرار حال صحو حاصل کرنے اور بے خودی سے خودی میں آنے کے لئے ہے۔ پس جب خودی وہوش میں آ گیا تو مشاہدہ نور حق کے شوق کی آگ اسکے دل میں مشتعل ہو جاتی ہے اور وہ سجدہ سے سر اٹھاتا ہے اور چونکہ خود میں انانیت کا کچھ بقایا نظر آتا ہے تو ہاتھوں سے اس کے ترک کا اشارہ کرتا ہے تو دوسری مرتبہ اس پر نور عظمت کی تجلی ہوتی ہے اور بقیہ انانیت کو جلا ڈالتی ہے اور فنا سے بھی فانی ہو جاتا ہے اور تکبیر کہتے ہیں محو کلی مطلق اور مکمل حقیقی بے ہوشی کی حالت اس کو حاصل ہو جاتی ہے۔ پس غیبی دستگیری اذکار کا الہام کر کے اس کو اس مقام میں متمکن کرتی ہے اور اس مقام میں صحو کی حالت جو مقام ولایت ہے اور ہر خلقی احتجاب و آلائش سے منزہ ہے اس کو حاصل ہو جاتی ہے اور حال تشہد سلام بھی جو احکام کثرت سے ہے اس صحو بعد المحو (بے خودی کے بعد ہوش) میں حاصل ہوتا ہے۔ یہاں پہنچ کر تمام دائرہ سیر انسانی مکمل اور تمام ہو جاتا ہے۔

باب ہفتم

آداب تشہد کی طرف اجمالی اشارہ

اس میں دو فصلیں ہیں۔

فصل اول

وحدانیت و رسالت کی گواہی اذان و اقامت

معلوم ہو کہ وحدانیت و رسالت کی گواہی اذان و اقامہ میں جو نماز کے متعلقات اور نماز میں ورود کی تیاریوں میں سے ہے اور تشہد میں جو فنا سے بقاء کی طرف اور وحدت سے کثرت کی طرف خروج ہے اور نماز کے آخر میں ہے، عبد سالک کو یاد دلاتی ہے کہ حقیقت صلوٰۃ توحید حقیقی کا حصول ہے اور وحدانیت کی گواہی ان مقامات میں ہے جو اس میں شامل ہیں اور سالک کے ساتھ اول صلوٰۃ سے آخر صلاۃ تک رہتے ہیں۔ اور اس میں حق تعالیٰ کی اولیت و آخریت کا راز بھی مضمر ہے اور اس میں ایک اور عظیم راز یہ بھی ہے کہ سفر سالک من اللہ والی اللہ (اللہ سے، اللہ کی طرف) ہے، كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ.[1]

لہٰذا سالک کو چاہئے کہ تمام مقامات میں اس مقصد کی طرف توجہ رکھے اور وحدانیت و الوہیت کی حقیقت کو قلب تک پہنچائے اور قلب کو اس سفر میں الٰہی معراج کا حامل بنائے تاکہ اس کی گواہی حقیقت پیدا کر لے اور نفاق و شرک سے منزہ ہو جائے۔

اور رسالت کی گواہی میں بھی شاید اس کی طرف اشارہ ہو کہ ولی مطلق و نبی ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی گواہی بھی اس معراج سلوکی میں شامل مقامات میں سے ہے، جس کی طرف سالک کو تمام مقامات میں متوجہ رہنا چاہئے اور ظہور، اولیت، و آخریت کا راز ان کے لئے واضح ہو جائے جو اس کے اہل ہیں۔

---

[1] سورۂ اعراف:۲۹

اور معلوم ہونا چاہئے کہ اول نماز میں گواہی اور تشہد میں گواہی کے درمیان فرق ہے، کیونکہ وہ گواہی قبل سلوک ہے اور شہادت تعبدی، تعمیل امر کو قبول کرنے) یا تعقلی، مطابق عقل، ہے اور یہ شہادت تحققی، وجود میں آنے کی، یا تمکنی، قدرت حاصل ہونے کی، ہے۔ پس شہادت، تشہد، بہت پر خطر ہے، کیونکہ اس میں تحقق وتمکن کا دعویٰ ہے اور کثرت کی طرف بے حجاب واپسی کا دعویٰ ہے اور چونکہ یہ اعلیٰ مقام ہم جیسوں کو حاصل نہیں ہوتا، بلکہ ہمارا جو حال ہو گیا ہے اس میں اس کی توقع بھی نہیں ہے۔ لہٰذا بارگاہ باری کا ادب یہ ہے کہ اپنا قصور اور اپنی ذلت ونقص اور عاجزی و بے چارگی کو نظر میں رکھیں اور ندامت وشرمساری کے ساتھ محضر قدس کی طرف رخ کر کے عرض کریں:

بارالہا! ہم کو مقامات اولیاء ومدارج اصفیاء اور کمال مخلصین وسلوک سالکین سے چند الفاظ کے علاوہ کچھ میسر نہیں ہے اور تمام مقامات کے بارے میں ہم نے صرف قیل وقال پر اکتفا کیا ہے، جس سے نہ کوئی کیفیت حاصل ہوتی ہے نہ حال۔

بار خدایا! جب دنیا اور اس سے تعلقات نے ہم کو تیری بارگاہ قدس اور محفل انس سے محجوب کر دیا ہے تو اپنے لطف خفی سے ہم پریشان حالوں کی دستگیری فرما اور ہماری گزشتہ کوتاہیوں کی تلافی فرما تا کہ ہم خواب غفلت سے بیدار ہو کر تیرے محضر قدس میں آنے کی راہ پا سکیں۔

(آمین یارب العالمین)۔

فصل دوم

قلبی آداب اوران کے حقائق واسرار کی طرف اشارے

عن مصباح الشريعة، قال الصادق عليه السلام: التَّشَهُّدُ ثَناءٌ عَلَى اللّٰه تَعالى. فَكُنْ عَبْداً لَهُ فِي السِّرِّ خاضِعاً لَهُ فِي الْفِعْلِ، كَما انَّكَ عَبْدٌ لَهُ بِالْقَوْلِ وَ الدَّعْوى. وَ صِلْ صِدْقَ لِسانِكَ بِصَفاءِ صِدْقِ سِرِّكَ؛ فَانَّهُ خَلَقَكَ عَبْداً وَ امَرَكَ انْ تَعْبُدَهُ بِقَلْبِكَ وَ لِسانِكَ وَ جَوارِحِكَ، وَ انْ تُحَقِّقَ عُبُودِيَّتَكَ لَهُ بِرُبُوبِيَّتِهِ لَكَ، وَ تَعْلَمَ انَّ نَواصِيَ الْخَلْقِ بِيَدِهِ، فَلَيْسَ لَهُمْ نَفَسٌ وَ لا لَحْظٌ الّا بِقُدْرَتِهِ وَ مَشِيَّتِهِ، وَ هُمْ عاجِزُونَ عَنْ اتْيانِ اقَلِّ شَيْءٍ فِي مَمْلَكَتِهِ الّا بِاِذْنِهِ وَ ارادَتِهِ. قالَ اللّٰه عَزَّ وَ جَلَّ:

وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ ما يَشاءُ وَ يَخْتارُ ما كانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ [مِنْ امْرِهِمْ] سُبْحانَ اللّٰه وَ تَعالى عَمّا يُشْرِكُونَ.[1]

فَكُنْ عَبْداً شاكِراً بِالْفِعْلِ، كَما انَّكَ عَبْدٌ ذاكِرٌ بِالْقَوْلِ وَ الدَّعْوى.

وَ صِلْ صِدْقَ لِسانِكَ بِصَفاءِ سِرِّكَ؛ فَانَّهُ خَلَقَكَ؛ فَعَزَّ وَ جَلَّ انْ يَكُونَ ارادَةٌ وَ مَشِيَّةٌ لِاحَدٍ الّا بِسابِقِ ارادَتِهِ وَ مَشِيَّتِهِ.

---

[1] اور تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور انتخاب کرتا ہے۔ ان لوگوں کو اپنے کام میں کوئی اختیار نہیں ہے۔ خدا منزہ ہے اور برتر اس سے جو یہ لوگ شرک کرتے ہیں، (سورہ قصص، آیت ۶۸)

فَاسْتَعْمِلِ الْعُبُودِيَّةَ فِي الرِّضا بِحُكْمِهِ و بِالْعِبادَةِ فی اداءِ اوامِرِهِ. وَ قَدْ امَرَكَ بِالصَّلاةِ عَلى نَبِيِّهِ مُحَمَّدٍ صلى الله عَلَيْهِ وَ آلِهِ. فَاوْصِلْ صَلاتَهُ بِصَلاتِهِ وَ طاعَتَهُ بِطاعَتِهِ وَ شَهادَتَهُ بِشَهادَتِهِ.

وَ انْظُرْ لا يَفُوتُكَ بَرَكاتُ مَعْرِفَةِ حُرْمَتِهِ. فَتَحرِمَ عَن فائِدَةِ صَلاتِهِ وَ امْرِهِ بِالْاسْتِغْفارِ لَكَ وَ الشَّفاعَةِ فيكَ انْ اتَيْتَ بِالْواجِبِ فِي الْأمرِ وَ النَّهْيِ وَ السُّنَنِ وَ الْآدابِ؛ وَ تَعْلَمَ جَليلَ مَرْتَبَتِهِ عِنْدَ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ. [1]

اس حدیث شریف میں عبادات کے قلبی آداب اور ان کے حقائق و اسرار کی طرف اشارے ہیں۔ چنانچہ امام علیہ السلام فرماتے ہیں:

تشہد ثنائے حق تعالیٰ ہے، بلکہ سابق میں اشارہ کیا جاچکا کہ مطلق عبادت ثنائے حق تعالیٰ ہے یا ایک اسم کے ساتھ یا بہت سے اسماء کے ساتھ یا تجلیات میں سے کسی تجلی کے ساتھ اور یا اصل ہو یت کے ساتھ۔

اور بہترین آداب کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ

جس طرح تم ظاہر میں بندگی کرتے ہو اور عبودیت کے مدعی ہو اسی طرح باطن میں بھی بندگی کرو تاکہ باطنی قلبی عبودیت اعمال اعضاء وجوارح میں بھی سرایت کرے، قول وعمل سر و باطن کی تصویر بن جائے، حقیقت عبودیت تمام اجزائے وجود میں چاہے وہ اجزائے ظاہری ہوں یا اجزائے باطنی، سرایت کر جائے۔ ہر عضو توحید کی لذت پائے اور ذاکر کی زبان ذکر کو قلب تک پہنچائے اور موحد ومخلص قلب، توحید و اخلاص کو زبان تک پہنچائے اور حقیقت عبودیت سے ربوبیت کو طلب کرے، خود پرستی سے باہر آئے اور الوہیت حق کو قلب تک پہنچائے اور جان لے کہ بندوں کی پیشانی حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہ سانس لینے اور دیکھنے پر بھی قادر ہیں تو قدرت ومشیت حق تعالیٰ سے اور وہ سب کے سب مملکت حق میں کسی بھی قسم کا تصرف کرنے سے عاجز ہیں چاہے معمولی تصرف ہی کیوں نہ ہو، مگر اسی ذات مقدس کے اذن اور ارادہ سے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے، خدائے تعالیٰ ہی چاہتا ہے خلق کرتا ہے اور جو چاہتا ہے اختیار کرتا ہے، کسی کو اپنے امور

---

[1] مصباح الشریعہ، اباب السابع عشر، فی التشہد

میں کوئی اختیار نہیں ہے۔یعنی استقلالی طور پر خدائے تعالیٰ منزہ ہے مملکت و جود میں تصرف کرنے والے کسی شریک سے، جب یہ پر لطف نکتہ تم نے قلب تک پہنچادیا تو تمہارا شکر خدا حقیقت بن جائے گا اور یہ شکر تمہارے اعضاء اور تمہارے اعمال میں سرایت کر جائے گا اور جس طرح عبودیت میں زبان وقلب کو ساتھ ہونا چاہئے اسی طرح اس توحید فعلی میں بھی صدق لسان کو صفائے سر قلب تک پہنچنا چاہئے۔ کیونکہ حق تعالیٰ ہی خالق ہے اور اس کے علاوہ، کائنات میں) کوئی مؤثر نہیں ہے اور تمام ارادے اور مشیتیں اس کی ازلی مشیت و ارادہ کے سائے ہیں۔

وحدانیت و الوہیت کے آداب کی گواہی کے بعد عبد مطلق و رسول ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام مقدس کی طرف متوجہ ہو اور رسالت پر عبودیت کے مقام کے مقدم ہونے پر متنبہ ہو کہ تمام مقامات سالکین کا مقدر قدم عبودیت ہے اور رسالت عبودیت کا ایک شعبہ اور چونکہ رسول ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبد حقیقی اور حق میں فانی ہیں۔ لہٰذا ان کی اطاعت حق کی اطاعت ہے اور رسالت کی شہادت، وحدانیت کی شہادت سے متصل ہے اور عبد سالک کو چاہئے کہ اپنی نگرانی کرے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت میں جو خدا ہی کی اطاعت ہے قصور نہ ہونے پائے تا کہ اطاعت، یعنی بار گاہ اقدس میں بار یابی کی برکتوں سے جو ولی مطلق کی دستگیری سے حاصل ہوتی ہیں محروم نہ رہ جائے اور جان لے کہ کسی کو ولی نعمت، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دستگیری کے بغیر بارگاہ قدس وجائے گاہ انس میں بار یابی نہیں ملتی۔

باب ہشتم

سلام کے آداب

اس میں دو فصلیں ہیں۔

فصل اول

معلوم ہو کہ عبد سالک جب مقام سجود سے جس کا راز، فنا، ہے ہوش میں آیا اور حالت صحو و ہوشیاری اس کو حاصل ہوئی اور، خلق سے غیبت، کی حالت سے حضور کی حالت کی طرف واپس ہوا تو موجودات پر سلام کرے، اس شخص کے سلام کی طرح جو سفر و غیبت سے لوٹا ہے۔ پس سفر سے واپسی کے آغاز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کرے، کیونکہ وحدت سے کثرت کی طرف واپسی کے بعد پہلی حقیقت، حقیقت ولایت کی تجلی ہے، نحن الاولون السابقون۔[1]

اس کے بعد دوسرے اعیان موجودات کی طرف تفصیل وجمع کے طریقے پر توجہ کرے۔

اور جو شخص نماز میں خلق سے غائب نہیں رہا اور مسافر الی اللہ نہیں ہوا اس کے لئے سلام کی کوئی حقیقت نہیں اور زبانی جمع خرچ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ لہٰذا سلام کا قلبی ادب پوری نماز کے ادب کے ساتھ ہے اور اگر اس نماز میں جو حقیقت معراج ہے کوئی عروج حاصل نہیں ہوا اور بیت نفس سے خارج نہ ہوا تو سلام اس کے لئے نہیں ہے۔ نیز اس سفر میں اگر تصرفات شیطانی اور تصرفات نفس امارہ سے سلامتی رہی اور اس معراج حقیقی کے تمام ہونے پر قلب میں کوئی کھوٹ نہ ہوا تو اس کا سلام حقیقت رکھتا ہے۔ ورنہ اس کے لئے کوئی سلامتی نہیں ہے۔ ہاں! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام اسی بنا پر حقیقت میں سلام ہے، کیونکہ وہ اس سفر معراجی اور اس سیر الی اللہ میں بلند ہوتے ہوئے بھی اور واپس آتے ہوئے بھی سلامتی سے متصف رہے اور پورے سفر میں غیر حق سے عاری و بری رہے جیسا کہ سورہ مبارکہ، انا انزلنا، میں ہم نے اشارہ کیا۔

---

[1] بحار الانوار، ج۱۵، ص ۱۵، نَحْنُ الْأَوَّلُونَ وَ نَحْنُ الْآخِرُون، صحیح مسلم، ج۲، ص ۵۸۵، اور صحیح بخاری، ج۱، ص ۳۶، نحن الاخرون و نحن السابقون، نقل کیا ہے، دلائل الامامۃ ص ۱۶۸ میں "نَحْنُ الْأَوَّلُونَ وَ الْآخِرُون" کی عبارت ذکر ہے۔

فصل دوم

سلام کے معنی نمازوں کے آخر میں امان ہے

مِصْبَاحُ الشَّرِيعَةِ، قَالَ الصَّادِقُ ع: مَعْنَى السَّلَامِ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ الْأَمَانُ أَيْ مَنْ أَدَّى أَمْرَ اللَّهِ تَعَالَى وَ سُنَّةَ نَبِيِّهِ ص خَاضِعاً ، لِلَّهِ خَاشِعاً فِيهِ فَلَهُ الْأَمَانُ مِنْ بَلَاءِ الدُّنْيَا وَ بَرَاءَةٌ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ.

وَ السَّلَامُ اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللَّهِ تَعَالَى أَوْدَعَهُ خَلْقَهُ لِيَسْتَعْمِلُوا مَعْنَاهُ ، فِي الْمُعَامَلَاتِ ، وَ الْأَمَانَاتِ وَ الْإِضَافَاتِ ، وَ تَصْدِيقِ مُصَاحَبَتِهِمْ فِيمَا بَيْنَهُمْ وَ صِحَّةِ مُعَاشَرَتِهِمْ.

فَإِنْ أَرَدْتَ أَنْ تَضَعَ السَّلَامَ مَوْضِعَهُ وَ تُؤَدِّيَ مَعْنَاهُ فَاتَّقِ اللَّهَ وَ لْيَسْلَمْ مِنْكَ دِينُكَ وَ قَلْبُكَ وَ عَقْلُكَ وَ لَا تُدَنِّسْهَا بِظُلْمَةِ الْمَعَاصِي وَ لْتَسْلَمْ حَفَظَتُكَ أَنْ لَا تُبْرِمَهُمْ وَ تُمِلَّهُمْ وَ تُوحِشَهُمْ مِنْكَ ، بِسُوءِ مُعَامَلَتِكَ مَعَهُمْ ثُمَّ صَدِيقُكَ ثُمَّ عَدُوُّكَ فَإِنَّ مَنْ لَمْ يَسْلَمْ مِنْهُ مَنْ هُوَ أَقْرَبُ إِلَيْهِ فَالْأَبْعَدُ أَوْلَى

وَ مَنْ لَا يَضَعِ السَّلَامَ مَوَاضِعَهُ فَلَا سَلَامَ ، وَ لَا سَلَّمَ وَ كَانَ كَاذِباً فِي سَلَامِهِ وَ إِنْ أَفْشَاهُ فِي الْخَلْقِ [1]

---

[1] (مصباح الشریعہ، اباب الثامن عشر، فی السلام، بحار الانوار، ج ۸۲، ص ۳۰۷

سلام کے معنی نماز کے اختتام پر، امان ہیں، یعنی ہر شخص حکم خدا اور سنت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خشوع قلب کے ساتھ بجالائے وہ دنیا کی بلا سے امان میں ہے اور عذاب آخرت سے محفوظ اور، سلام، اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جسے اپنی مخلوق کے درمیان بطور امانت رکھا ہے تا کہ عطا و بخشش، امانات کی حفاظت، باہم تعلقات، صدق معاشرت و ہمنشینی میں اس سے کام لیں اور اگر سلام کو اس کی جگہ پر رکھنا چاہو اور اس کے معنی ادا کرنا چاہو تو خدا کی فکر رکھو اور تمہارا دین، دل اور عقل سے سالم رہیں اور ان کو گناہوں کی تاریکی سے آلودہ نہ کرو اور اپنے نگہبان فرشتوں کو امان میں رکھو اور ان کو آزار نہ دو۔ ان کو ملول نہ کرو اور اپنی ناشائستہ رفتار سے انہیں دور ہونے پر مجبور نہ کرو، پھر تمہارا دوست اور اس کے بعد تمہارا دشمن (تمہاری طرف سے امان میں رہنا چاہئے) کیونکہ جس کے قریب رہنے والے امان میں نہ رہیں، غیر یقینا اس سے امان میں نہ رہیں گے اور جو شخص سلام کو ان مقامات پر کام میں نہ لائے (اس کے لئے) نہ سلام ہے نہ تسلیم (نسخہ، اور نہ سلم) اور وہ اپنے سلام میں جھوٹا ہے چاہے لوگوں کے درمیان سلام کے ذریعہ دکھاوا کرو۔

فرماتے ہیں: سلام کے معنی نمازوں کے آخر میں، امان، ہے یعنی جو اوامر الٰہیہ اور سنن نبویہؐ کو ادا کرے خشوع قلب کے ساتھ وہ دنیا کی بلا اور آخرت کے عذاب سے امان پاتا ہے، یعنی دنیا میں شیطانی تصرفات سے محفوظ ہو جاتا ہے، کیونکہ اوامر الٰہیہ کو خشوع قلب کے ساتھ ادا کرنا تصرفات شیطانی کے قطع ہو جانے کا سبب ہے۔

ان الصلاۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر.[1]

یقینا نماز فحشاء و منکرات سے روکتی ہے۔

اس کے بعد 'سلام' کے اسرار میں ایک راز کی طرف اشارہ فرماتے ہیں: سلام، اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جو خدا نے موجودات میں امانت کے طور پر رکھا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ موجودات اسمائے الٰہیہ کا مظہر ہیں اور عبد سالک کو چاہئے کہ اس الٰہی راز کو جو اس کے باطن ذات اور اس کے خمیر میں مضمر کیا گیا ہے ظاہر کرے اور تمام معاملات، معاشرات، امانات اور تعلقات میں استعمال کرے اور اپنی مملکت باطن و ظاہر میں نافذ کرے اور حق اور دین حق کے ساتھ معاملات میں استعمال کرے تا کہ اللہ کی امانت میں خیانت کا مرتکب نہ قرار پائے۔ پس ''سلام'' کی حقیقت کو اپنی تمام قوائے ملکی و ملکوتی اور تمام عادات و عقائد اور اخلاق و اعمال میں نافذ کرے تا کہ خود تمام تصرفات سے

---

[1] سورہ عنکبوت، آیت ۴۵

محفوظ رہے اور اس سلامتی کے حصول کا طریقہ تقویٰ کو قرار دیا ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ تقویٰ کے کچھ مراتب ومنازل ہیں:

۱۔تقوائے ظاہر یعنی جسمانی گناہوں کی گندگی اور اندھیرے سے ظاہر کو محفوظ رکھنا۔

۲۔تقوائے باطن، یعنی باطن کو اخلاق اور روحانی عادات میں افراط وتفریط اور حسد اعتدال سے ادھر ادھر ہونے سے پاک ومحفوظ رکھنا۔ یہ خاص تقویٰ ہے۔

۳۔تقوائے عقل، یعنی عقل کو غیر الٰہی علوم میں مصروف رہنے سے پاک ومحفوظ رکھنا۔علوم الٰہیہ سے مراد وہ علوم ہیں جو شرائع و ادیان الٰہیہ سے مربوط ہیں اور تمام طبیعی وغیر طبیعی علوم، جو مظاہر حق کی معرفت کے لئے ہیں، الٰہیہ ہیں اور ایسی معرفت کے لئے نہ ہوں تو الٰہیہ نہیں، چاہے مبدا ومعاد کے مباحث ہی کیوں نہ ہوں اور یہ تقویٰ اخص،خواص ہے۔

۴۔تقوائے قلب، یعنی قلب کو غیر حق کے مشاہدہ اور مذاکرہ سے پاک ومحفوظ رکھنا۔ یہ اولیاء کا تقویٰ ہے اور حدیث شریف قدسی سے مراد جس میں حق تعالیٰ فرماتا ہے:

جَلِيسُ مَنْ جَالَسَنِي، [1]

میں اس کا ہم نشین ہوں جو مجھے اپنا ہم نشین منتخب کرے۔

یہی خلوت قلبی ہے اور یہ خلوت بہترین خلوات ہے اور دوسری خلوتیں اسی خلوت کے حاصل کرنے کا مقدمہ ہیں۔

پس جو شخص تقویٰ کے تمام مراتب سے متصف ہو جائے اس کا دین، عقل، روح، قلب اور اس کے تمام قوائے ظاہرہ و باطنہ محفوظ وسالم ہو گئے اور اس کے محافظین ومؤکلین بھی سالم ہو گئے اور اس سے رنجیدہ وملول وحشت ناک نہ ہوں گے اور ایسے شخص کے معاملات ومعاشرت، دوست دشمن سب کے ساتھ سلامت ہوں گے، بلکہ عداوت کی بنیاد ہی اس کے باطن قلب سے منہدم ہو جائے گی۔ چاہے لوگ اس سے عداوت کریں اور جو شخص تمام مراتب میں سلامت نہ ہوگا (وہ سلامت نہ ہونے کے بقدر) سلام، کے فیض سے محروم اور افق نفاق سے نزدیک ہوگا۔ (نعوذ باللہ منہ)۔

---

[1] إقبال الأعمال (ط - القديمة) / ج 2 / 628 /فصل فيما نذكره من حديث الملك الداعي إلى الله في كل ليلة من رجب ..... ص: 628

رُوِیَ عَنْ اَبِیْ مُحَمَّدٍ الْعَسْکَرِیِّ علیہ السلام:
عَلَامَاتُ الْمُؤْمِنِیْنَ [الْمُؤمِنِ] خَمْسٌ:
صَلَاۃُ الْاِحْدٰی وَ الْخَمْسِیْنَ
وَ زِیَارَۃُ الْاَرْبَعِیْنَ وَ التَّخَتُّمُ بِالْیَمِیْنِ
وَ تَعْفِیْرُ الْجَبِیْنِ وَ الْجَھْرُ بِبِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِیْمِ۔ [1]

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا:

مومن وشیعہ کی پانچ (۵) نشانیاں ہیں:

۱۔اکاون رکعت نماز پڑھنا۔(روزانہ کی واجب و مستحب نمازیں)۔

۲۔زیارت اربعین۔(چہلم: ۲۰رصفر)

۳۔داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہننا۔

۴۔پیشانی کو(حالت سجدہ میں)خاک پر رکھنا۔

۵۔بلند آواز سے(نماز میں)"بسم اللہ الرحمن الرحیم" کہنا۔

---

[1] مصباح المتہجد: ص۷۸۸

خاتمہ کتاب

نماز کے بعض داخلی و خارجی امور کے آداب

اس میں چند فصلیں ہیں

فصل اول

تیسری اور چوتھی رکعت میں پڑھی جانے والی تسبیحات اربعہ اور بقدر مناسب ان کے قلبی اسرار و آداب۔

تسبیحات اربعہ کے چار ارکان ہیں:

رکن اول: تسبیح، یعنی تحمید و تہلیل کی ادائیگی کے ذریعہ، توصیف سے اس کی تنزیہ کا اظہار جو نماز کے مقامات شاملہ میں ہے اور بندہ سلاک کو چاہئے کہ تمام عبادات میں اس کی طرف متوجہ رہے اور اپنے قلب کو حق تعالیٰ کی توصیف و ثنا کے دعوے سے محفوظ رکھے۔ گمان نہ کرے کہ بندگی کا حق ادا کرنا بندہ کے امکان میں ہے چہ جائیکہ ربوبیت کا حق ادا کرنا جس تک اولیائے کاملین کی چشم امید بھی نہیں پہنچ سکی اور اکابر اہل معرفت کا دست شوق اس کے دامن تک پہنچنے سے قاصر رہا۔

عنقا شکار کس نہ شود دام باز گیر،[1]

عنقا شکار ہوتا نہیں ہے، یہ دام اٹھا

اسی وجہ سے کہتے کہ اہل معارف کا کمال معرفت یہ ہے کہ اپنی عاجزی کا عرفان حاصل کر لیں،[2]

ہاں! چونکہ حق تعالیٰ کی رحمت واسعہ ہم کمزور بندوں کے شامل حال ہے، اس نے اپنی رحمت کے سائے میں ہم بے چاروں کو حاضری کی اجازت دے دی ہے اور ایک ایسے مقدس و منزہ مقام پر جانے کی اجازت مرحمت فرمادی ہے، جس کے قریب جانے سے فرشتوں کی کمر خم ہو جاتی ہیں اور یہ ولی نعمت کی ذات پاک عظیم ترین تفضلات و نعمات میں سے ہے جو اس نے بندوں کے شامل حال کی ہیں جن کی قدر و قیمت اہل معرفت، اولیائے کاملین اور اولیاء اللہ ہی

---

[1] عنقا شکار کس نشود، دام باز گیر
کانجا ہمیشہ باد بہ دست است دام را
حافظؒ

[2] بحار الانوار، ج ۹۴، ص ۱۵۰، المناجات ثمانیۃ عشر، مناجات العارفین

اپنی معرفت کے بقدر جانتے ہیں اور ہم محجوبین جو ہر مقام و منزلت سے بچھڑے ہوئے اور ہر کمال و معرفت سے دور افتادہ و محروم کلی طور پر ان سے غافل ہیں اور اوامر الٰہیہ کو جو درحقیقت لامحدود عظیم نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت ہیں تکلف اور کلفت سمجھتے ہیں اور کاہلی و بے دلی کے ساتھ ان کی ادائیگی کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کی نورانیت سے پوری طرح محروم ہیں اور محجوب ہیں۔

اور یاد رکھنا چاہئے کہ چونکہ تحمید و تہلیل، توحید فعلی کو شامل ہے اور اس میں تحدید و تنقیص کا شائبہ ہے، بلکہ تشبیہ و تخلیط کا شائبہ ہے، لہٰذا عبد سالک کو اس میں ورود کی تیاری کے لئے لازم ہے کہ خود کو تسبیح و تنزیہ کے مضبوط قلعہ میں وارد کرے اور اپنے باطن قلب کو سمجھائے کہ حق تعالیٰ تعینات خلقیہ اور تلبیس کثرات کے شائبہ سے منزہ ہے تا کہ تحمید میں ورود تکثیر کے شائبہ سے پاک رہے۔

رکن دوم: تحمید، ہے اور وہ مقام توحید فعلی ہے جو قیام کے مناسب حال بھی ہے اور قرائت کے مناسب بھی اور اسی وجہ سے یہ تسبیحات آخری رکعتوں میں، حمد، کی قائم مقام ہیں اور نماز گزار کو اختیار ہے کہ ان کی جگہ ''حمد'' بھی پڑھ سکتا ہے اور توحید فعلی کا جیسا کہ ''حمد'' میں ذکر ہوا، حق تعالیٰ کے لئے حمد کے حصر سے استفادہ کریں، بندہ کے ہاتھ کو ہر طرح کی حمد سے کلی طور پر قاصر سمجھیں، هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ [1] (وہی اول ہے اور وہی آخر، وہی ظاہر ہے اور وہی باطن) کو گوش قلب تک پہنچائیں، وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ [2] کے ذائقہ سے روح کو آشنا کریں اور خود بینی و خود خواہی کو سلوک کے قدموں تلے روند ڈالیں تا کہ خود کو مقام تحمید تک پہنچا سکیں اور دل کو مخلوق کا زیر بار احسان ہونے سے روکیں۔

رکن سوم: تہلیل ہے، اس کے چند مقامات ہیں:

ایک مقام نفی الوہیت فعلیہ ہے جو لامؤثر فی الوجود الا اللہ کی دوسری تعبیر ہے اور یہ مقام حصر، تحمید، کی تاکید کرتا ہے، بلکہ اس کا موجب و مسبب ہے، چونکہ وجودات امکانیہ کے مراتب حقیقت و جود حق تعالیٰ کا سایہ اور ربط محض ہیں اور ان میں سے کسی ایک کے لئے بھی ذاتی استقلال و قیام نہیں ہے۔ اس وجہ سے ان کی طرف ایجادی تاثیر کی نسبت کسی طرح بھی نہیں دی جا سکتی، کیونکہ تاثیر کے لئے استقلال ایجاد لازم ہے اور استقلال ایجاد، استقلال وجود کو مستلزم ہے اور اہل ذوق کے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ وجودات ظلیہ کی حقیقت خلقی آئینوں میں قدرت حق ظہور ہے اور لا الہ

---

[1] سورۂ حدید: ۳

[2] سورۂ انفال: ۱۷

الا اللہ کے معنی خلق میں فاعلیت وقدرت حق کا مشاہدہ اور تعینات خلقیہ کی نفی اور ان کے مقام فاعلیت اور ان کی تاثیر کو حق میں فنا کر دینا ہے۔

ایک اور مقام، نفی معبود غیر حق ہے اور لا الہ الا اللہ کے معنی لا معبود سوئ اللہ، ہیں اور ایسی بنا پر مقام، تہلیل، نتیجہ مقام، تحمید، ہے، کیونکہ اگر حمد و ستائش ذات حق میں منحصر ہو گئی تو عبودیت بھی اپنا بار اسی مقام مقدس پر ڈال دے گی اور ساری عبودیتیں جو مخلوق کی طرف سے مخلوق کے لئے ہوتی ہیں جو سب کی سب حمد و ستائش کی رویت کے لئے ہیں منتفی ہو جائیں گی پس گو یا سالک یوں کہتا ہے کہ جب تمام حمد و ستائش حق میں منحصر ہے تو عبودیت بھی اسی میں منحصر ہونا چاہئے اس طرح وہی معبود قرار پائے گا اور سارے بت شکستہ ہو جائیں گے۔ تہلیل کے اور بھی مقامات ہیں جن کا ذکر یہاں مناسب نہیں۔

رکن چہارم: تکبیر ہے۔ یہ بھی توصیف سے بالاتر ہونے کے معنی میں ہے۔ گو یا بندہ نے، تحمید و تہلیل، میں ورود کے آغاز ہی میں توصیف سے تنزیہ کی ہے اور ان سے فارغ ہونے کے بعد بھی توصیف سے تنزیہ و تکبیر کرتا ہے تا کہ اس کی تحمید و تہلیل تقصیر و تذلل کے اعتراف سے گھری ہے اور شاید تکبیر اس مقام میں، تحمید و تہلیل، سے بالاتر ہو کیونکہ اس میں کثرت کا شائبہ پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا اور شاید، تسبیح، میں تکبیر سے تنزیہ اور تکبیر میں تنزیہ سے بھی بالاتری مراد ہو تا کہ تمام دعوے کلی طور پر ساقط ہو جائیں اور توحید فعلی میں متمکن ہو جائے اور دل میں قیام بہ حق کے مقام کا ملکہ پیدا ہو جائے۔ بہت سے رنگوں میں رنگنے سے باہر آئے اور حالت تمکین حاصل ہو جائے۔

عبد سالک کو چاہئے کہ ان اذکار شریفہ میں جو معارف کی روح ہیں تضرع و تذلل اور زہد و انقطاع کی حالت دل میں پیدا کرے اور مداومت کی کثرت سے باطن قلب کو ذکر کی صورت دے دے اور حقیقت ذکر کو باطن قلب میں متمکن کر دے تا کہ قلب لباس ذکر سے آراستہ ہو جائے اور اپنا لباس، جو لباس بعد ہے، اتار دے تب قلب حقانی ہو جائے گا اور، اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ [1] (یقیناً خدا نے مؤمنین سے ان کی جانوں کو خرید لیا ہے) کی حقیقت اور روح اس میں متحقق ہو جائے گی۔

---

[1] سورہ توبہ، آیت ۱۱۱

فصل دوم

قنوت کے قلبی آداب

معلوم ہو کہ،قنوت،مستحبات موکدہ میں سے ایک ہے،جس کا ترک کرنا مناسب نہیں ہے، بلکہ احتیاط اس کے بجالانے ہی میں ہے، کیونکہ بعض فقہاء اس کے وجوب کے قائل ہیں اوربعض روایات کا ظاہر بھی وجوب پر دلالت کرتا ہے اگر چہ فن فقہ میں اقویٰ عدم وجوب ہے جیسا کہ علماء کے درمیان مشہور ہے اوروہ اسی خاص کیفیت کے ساتھ ہے جوفرقہ امامیہ رضوان اللہ علیہم کے درمیان متعارف ہے،یعنی ہاتھوں کو چہرہ کے مقابل بلند کرنے،ہتھیلیوں کوآسمان کی طرف پھیلانے اور ماثور یا غیر ماثور دعائیں پڑھنے سے وجود میں آتی ہے اورجائز ہے کہ عربی یا عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں دعا پڑھی جائے،مگرعربی میں پڑھنا احوط اورافضل ہے۔

فقہاء نے کہا ہے کہ قنوت میں سب سے بہتر دعائے فرج کا پڑھنا ہے،[1]

اورراقم الحروف کی نظر سے افضلیت پرکوئی معتدبہ فقہی دلیل تونہیں گزری،لیکن دعا کا مضمون اس کی فضیلت تامہ پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ وہ تہلیل،تسبیح اورتحمید پر مشتمل ہے جوروح توحید ہے جیسا کہ بیان ہو چکا۔اس کے علاوہ اللہ کے عظیم اسماء پر مشتمل ہے جیسے: اللہ،الحلیم،الکریم،العلیّ،العظیم،الربّ) نیز ذکر رکوع وسجود پر مشتمل ہے۔اسماء ذات وصفات وافعال پربھی مشتمل ہے۔مراتب تجلیات حق تعالیٰ پربھی مشتمل ہے اورسلام برمرسلین پربھی مشتمل ہے۔اگر چہ

---

[1] لا الہ الا اللہ الحلیم الکریم۔۔۔۔۔۔۔۔۔وسائل شیعہ، ج ۴،ص ۹۰۴،کتاب الصلاۃ،ابواب القنوت، باب ۷،حدیث ۴، مستدرک وسائل الشیعہ،کتاب الصلاۃ،ابواب القنوت، باب ۶،حدیث ۴-۹

اس کے ترک کرنے میں احتیاط ہے، لیکن اقویٰ جواز ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوران کی آل پاک علیہم السلام پر صلوات پر بھی مشتمل ہے۔ گویا یہ دعائے شریف مختصر ہونے کے باوجود نماز کے تمام ذکری وظائف پر مشتمل ہے۔

فقہاء کے قول سے بھی افضلیت کا اثبات کیا جاسکتا ہے یا تسامح فی ادلۃ السنن،[1] کے قاعدے کے مطابق افضلیت تسلیم کی جاسکتی ہے۔ اگر چہ راقم الحروف کو اس میں تامل ہے اور یا کوئی ایسی معتبر دلیل کشف کر کے جو ہماری نظر سے نہیں گزری ہے جو متاخرین کی نظر میں اجماع کا مبنا ہو۔

اورادعیہ شریفہ میں سے ایک دعا جو بہت فضیلت رکھتی ہے اور بندہ کی حق کے ساتھ مناجات پر مشتمل ہے اوراللہ کے عطایائے کاملہ کی تعداد پر مشتمل ہے، قنوت کی حالت سے جو مناجات اورسب سے کٹ کے اللہ سے لو لگانے کی حالت ہے، پوری مناسبت رکھتی ہے اوربعض مشائخ بزرگ رحمہم اللہ اس کی تقریباً پابندی کرتے تھے وہ دعائے، یامن اظھر الجمیل۔۔۔۔، ہے یہ عرش کے خزانوں میں سے ہے اوررسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تحفہ ہے اوراس کے ہرفقرہ کے کثیر فضائل اورثواب ہیں، جیسا کہ توحید شیخ مفید علیہ الرحمہ میں ہے،[2]

ادب عبودیت میں بہتر یہ ہے کہ حالت قنوت میں جو حال مناجات وحال انقطاع بحق ہے خصوصاً نماز میں جو کل کی کل اظہار عبودیت وثنائے حق ہے اوراس حالت میں حق تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ بندہ کے لئے مناجات ودعا کا درکھولا ہے اوراس کو اس اعزاز سے سرفراز کیا ہے، بندہ سالک کو بھی مقام مقدس ربوبیت کے ادب کا لحاظ رکھنا چاہئے اوراپنی دعاوں کی نگرانی کرنا چاہئے کہ وہ حق تعالیٰ کی تسبیح وتنزیہ پر مشتمل اورذکر ویاد حق پر متضمن ہوں اور جو چیزیں اس حالت میں حق تعالیٰ سے مانگ رہا ہے وہ معارف الٰہیہ، فتح باب مناجات وانس وخلوت اوراس کی طرف انقطاع کی طلب ہو اور دنیا اور پست حیوانی امور اور خواہشات نفسانیہ کی طلب سے احتراز کرے اورخود کو پاک وپاکیزہ لوگوں کے سامنے شرمسار اورمحفل ابرار میں بے مقدار نہ ہونے دے۔

اے عزیز! قنوت غیر حق سے ہاتھ دھونا اورغیر ربوبیت کے سامنے پوری طرح حاضر ہونا ہے اورخالی ہاتھ کو غنی مطلق کی جانب سوال کے لئے دراز کرنا ہے۔ انقطاع کی اس حالت میں، شکم وشرمگاہ کی بات کرنا اور دنیا کو یاد کرنا پور

---

[1] متعدد روایتیں حد استفاضہ کے بارے میں، وارد ہوئی ہیں کہ اگر کسی کو خبر پہنچے (سنے یا کہ کسی جگہ پڑھے) کہ کسی عمل کے بجالانے میں ثواب ہے اوروہ اس عمل کو بجالائے تو اس عمل کی وجہ سے وہ اجر وثواب پائے گا چاہے وہ خبر صحیح نہ وہ۔ یہ روایات، اخبار من بلغ، کے عنوان سے مشہور ہیں اوران کے مفاد مضمون کو، تسامح فی ادلۃ السنن، کہتے ہیں۔ رجوع کیا جائے بحار الانوار، ج ۲، ص ۲۵۶، کتاب العلم، باب ۳۰، اصول کافی، ج ۳، ص ۱۳۹، کتاب الایمان والکفر، باب من بلغہ ثواب من اللہ علی عمل

[2] التوحید، باب اسماء اللہ تعالیٰ، باب ۲۶، حدیث ۱۴

اپورا نقصان اور گھاٹا ہی گھاٹا ہے۔

اے عزیز! اب جب تم اپنے وطن سے دور افتاد ہو اور آزادوں کے جوار سے محروم ہو گئے ہو اور اس رنج ومحن کے اندھیرے زندان میں گرفتار ہو گئے ہو ریشم کے کیڑے کی طرح اپنے اوپر خود ہی تار نہ تنو۔

اے عزیز! خدائے رحمٰن نے تمہاری فطرت کو نور معرفت اور نار عشق سے خمیر کیا اور انبیاءؑ جیسے انوار اور اولیاء جیسے عشاق کے ذریعہ تمہاری مدد کی ہے اس آگ کو دنیائے دنی کی خاک اور راکھ سے خاموش نہ کرو اور اس نور کو دنیا کی طرف توجہ سے جو دار غربت و مسافرت ہے، دھندلا نہ ہونے دو۔ ہوسکتا ہے کہ اگر تم اپنے وطن اصلی کی طرف توجہ کرو اور حق کی طرف انقطاع بہ حق کی دعا کرو اور اپنے ہجران وحرمان کی حالت کو دردناک دل کے ساتھ اس کے سامنے پیش کرو اور اپنی بے چارگی و بے نوائی اور درماندگی کے احوال کا اظہار کرو تو غیب سے کوئی مدد پہنچے اور باطنی طور سے دستگیری ہو اور نقائص کی تلافی ہو جائے۔

اذ من عادته الاحسان ومن شيمته التفضل،[1]

اگر امام المتقین، امیر المومنینؑ اور ان کی اولاد معصومین علیہم السلام جو اہل معارف وحقائق کے امام ہیں، کی مناجات، شعبانیہ، کے فقرے تم قنوت میں پڑھو، خصوصاً وہاں سے جہاں عرض کرتے ہیں:

إلهي هَبْ لي كَمالَ الْانْقِطاعِ إلَيْك.....الخ،[2]

لیکن اضطرار اور تضرع وزاری کی حالت میں، راقم الحروف کی طرح مردہ دلی کے ساتھ نہیں، تو بہت مناسب حال ہے۔

وبالجملہ، مقام، قنوت، راقم الحروف کی نظر میں مقام، سجود، کی طرح ہے۔ وہ ذلت عبودیت کی طرف توجہ اور عز ربوبیت کا تذکر ہے اور یہ عز ربوبیت کے سامنے حاضری اور عجز و ذلت عبودیت کا تذکر ہے۔ یہ درمیانی درجہ کے لوگوں کے مقام کے مطابق ہے، لیکن کاملین کے مقام کے مطابق، جیسا کہ، سجود، فنائے عبدا ور ترک غیر وغیریت ہے، قنوت، مقام انقطاع بہ حق اور غیر پر اعتماد کو ترک کرنا ہے جو مقام توکل کی روح ہے اور بالجملہ جس طرح، قیام، مقام توحید افعالی ہے اور یہ توحید دوسری رکعت میں متمکن ہوتی ہے، قنوت میں اس کے نتیجہ کا اظہار کرے کہ کشکول گدائی اللہ کے سامنے لے جائے، خلق سے قطع تعلق کرلے اور گریزاں رہے۔

---

[1] اس کی عادت احسان کرنا اور اس کا طریقہ تفضّل ہے۔

[2] تفسیر سورۂ حمد (مولفہ امام خمینیؒ) جلسہ پنجم ص ۱۸۳

فصل سوم

تعقیبات

مستحبات موکدہ میں سے ہے اوراس کو ترک کرنا مکروہ ہے۔ نماز صبح وعصر میں اس کی زیادہ تاکید ہے اور تعقیبات ماثورہ بہت ہیں، جن میں تین اختتامی تکبیریں بھی ہیں۔

مشائخ عظام پابندی کرتے تھے کہ تکبیرات افتتاحیہ کی طرح، ہر تکبیر میں ہاتھوں کو کانوں کے مقابل تک بلند کریں اور ہتھیلیاں قبلہ کی مقابل پھیلا دیں، اگرچہ اس کو ثابت کرنا مشکل ہے، اگرچہ ممکن ہے بعض روایات سے تین مرتبہ ہاتھ اٹھانے کا ثبوت مل جائے اور شاید ہاتھوں کو بلند کرنا، تین مرتبہ تکبیر کہنا اس کے بعد دعائے، لا الہ الا اللہ وحدہ وحدہ۔۔۔۔الخ، [1] پڑھنا کافی ہو۔

اوراگر ہاتھوں کو اٹھانا اس طرح جس طرح مشائخ پابند ہیں، مستحب ہو تو یہ انہی اسرار کو متمکن کرتا ہے جو مذکور ہوئے اور شاید اپنی نماز اور عبادات کو ممنوع کرنا ہو کہ ایسا نہ ہو خود پسندی اور خود بینی دل میں راہ پا جائے۔

اور تکبیرات ثلاثہ شاید اشارہ ہوں توحیدات ثلاثہ کی طرف جو پوری نماز کی روح کے وجود میں آنے کا سبب ہیں۔ لہٰذا ان تکبیرات کا قلبی ادب یہ ہے کہ ہر دفعہ ہاتھ اٹھانے میں توحیدات ثلاثہ کی نفی توحیدی کرے اور اپنی توصیفات وتوحیدات سے حق تعالیٰ کی تکبیر وتنزیہ کرے، یعنی خود جو اللہ کی صفتیں بیان کی ہیں اوراس کی ذاتی، صفاتی اور افعالی توحید کا اقرار کیا ہے۔ اس سے اسے بڑا بے نیاز اور پاک مانے) اوراپنے عجز وذلت اور قصور وتقصیر کو محضر مقدس حق

---

[1] وسائل شیعہ، ج ۴، ص ۱۰۳۰، کتاب الصلاۃ، ابواب التعقیب، باب ۱۴، حدیث ۲

میں پیش کردے۔ ہم نے رسالہ، سرّ الصلاۃ، میں ان تکبیرات اور رفع ید کے روحانی اسرار ایک لطیف انداز میں جو اس رسالہ میں مذکور ہے بیان کئے ہیں اور وہ اس مسکین پر حق تعالیٰ کے الطاف میں سے ایک الطاف ہے، **وله الشكر وله الحمد**۔

من جملہ تعقیبات شریفہ کے تسبیحات حضرت صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا ہیں جو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معظّمہ کو تعلیم فرمائی۔ وہ تمام تعقیبات میں افضل ہے۔ حدیث میں ہے کہ اگر کوئی چیز اس سے افضل ہوتی تو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کو عطا فرماتے،[1]

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ تسبیحات ہر روز ہر نماز کی تعقیب میں میرے نزدیک روزانہ ہزار رکعت سے زیادہ محبوب ہیں،[2]

اور اصحاب فقہ کے نزدیک معروف یہ ہے کہ اس کی ترتیب یوں ہے کہ، تکبیر چونتیس (٣٤) مرتبہ، تحمید تینتیس (٣٣) مرتبہ، اور تسبیح تینتیس (٣٣) مرتبہ، اسی ترتیب کے ساتھ۔ اور بعید نہیں ہے کہ یہ افضل ہو اور متعین نہ ہو، بلکہ تحمید و تسبیح، کی تقدیم و تاخیر میں انسان مخیر ہو، بلکہ شاید، تکبیر، کو موخر کرنے اور تسبیح، کو مقدم کرنے میں بھی مخیر ہو، لیکن افضل اور احوط وہی مشہور ترتیب ہے۔

اس کے قلبی آداب وہی ہیں جو تسبیحات اربعہ میں مذکور ہوئے اور اس سے زائد یہ کہ چونکہ یہ اذکار نماز کے بعد ہیں اور ان کی تسبیح، حق عبودیت کی ادائیگی سے تکبیر (بالاتری) اور تنزیہ (پاک ہونا) ہے نیز اس کے محضر مقدس میں بندہ کے لائق عبادت ہونے سے تکبیر، اور معرفت سے جو غایت عبادت ہے، تکبیر لہٰذا سالک کو چاہئے کہ نماز کے تعقیبات میں اپنے اور اپنی عبادتوں کے نقص کے بارے میں اور حال حضور میں اپنی غفلتوں کے بارے میں غور کرے جو مذہب عشق و محبت میں بجائے خود ایک گناہ ہے اور حضور و محضر مقدس میں اپنے نصیب سے محرومی کو نظر میں لائے اور تعقیبات میں جو خود رحمت حق کے ایک دوسرے دروازے کا کھلنا ہے، جتنا ممکن ہو اس محرومی کی تلافی کرے اور ان اذکار شریفہ کو قلب تک پہنچائے اور دل کو ان کے ذریعہ زندہ کرے شاید ان کا اختتام حسن و سعادت پر ہو اور تسبیح حضرت صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی تحمید میں بھی اس حمد و ستائش کا اثبات بھی ہویت الٰہیہ کے لئے کرے جو بندگی کے لئے قیام ہے اور اسے اس ذات مقدس ہی کی توفیق تک پہنچائے اور ان لطائف کے راز سے ذائقہ دل کو آشنا کرے تاکہ قلب ذکر حق

---

[1] فروع کافی، ج ٣، ص ٣٤٣، کتاب الصلاۃ، باب التعقیب بعد الصلاۃ والدعاء، حدیث ١٤

[2] بحار الانوار، ج ٨٣، ص ٣٣٢، ثواب الاعمال، ص ١٤٩، وسائل الشیعہ، ج ٤، ص ١٠٢٤، کتاب الصلاۃ، ابواب التعقیب، باب ٩، حدیث ٢

سے زندہ ہو اور دل حق کے ساتھ حیات جاوید پیدا کر لے۔

اور چونکہ صبح، کثرت میں اشتغال اور دنیا میں ورود کا آغاز وافتتاح ہے اور انسان کو خلق کے ساتھ اشتغال اور حق کے ساتھ غفلت سے سامنا ہے اس لئے بہتر ہے کہ انسان سالک بیدار اس نازک موقع پر اس ظلمت کدہ تاریک میں وارد ہونے کے لئے حق کو وسیلہ بنائے اور اسی کے محضر میں حاضر رہے اور چونکہ خود کو اس محضر مقدس میں حاضری کے لائق نہیں پاتا لہٰذا اولیائے امر پناہ گاہ زمان، شفعائے انس و جان یعنی حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام کو وسیلہ بنائے اور ان ذوات مقدسہ کو شفیع اور واسطہ قرار دے اور چونکہ ہر دن کا ایک پناہ دہندہ ہے۔ چنانچہ ہفتہ، حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، اتوار کو حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے، پیر کو حضرت امام حسن اور امام حسین علیہما السلام سے، منگل حضرت امام زین العابدین، حضرت امام محمد باقر، حضرت امام جعفر صادق علیہم السلام سے، بدھ حضرت امام موسیٰ کاظم، حضرت امام علی الرضا، حضرت امام محمد تقی، حضرت امام علی النقی علیہم السلام سے، جمعرات حضرت امام حسن العسکری علیہ السلام سے اور جمعہ حضرت ولی عصر عجل اللہ فرجہ الشریف سے متعلق ہے، [1] لہٰذا مناسب یہ ہے کہ نماز صبح کی تعقیب میں اس تاریک ومہلک دریا اور اس ہولناک شیطانی دامگاہ میں وارد ہونے کے لئے اس دن کے پناہ دہندہ گان کو وسیلہ بنائے اور ان کی شفاعت کے ذریعہ جو مقربان بارگاہ قدس اور محرمان سرا پردہ محضر حق ہیں، حق تعالیٰ سے شر شیطان وشر نفس امارہ سے حفاظت کا طلب گار ہو اور اپنی ناقص عبادات کی تکمیل اور غیر شائستہ مناسک کی قبولیت کے لئے انہی حضرات کو واسطہ قرار دے۔ ضرور حق تعالیٰ نے جس طرح حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہل بیت علیہم السلام کو ہدایت کے وسائط اور ہمارے لئے رہنما مقرر فرمایا ہے اور ان کی برکتوں سے امت کو جہالت وضلالت سے نجات دی ہے۔ اسی طرح ان کے وسیلہ اور ان کی شفاعت سے ہمارے قصور کی ترمیم اور ہمارے نقص کی تتمیم فرمادے گا اور ہماری ناقابل قبول عبادات کو قبول فرمائے گا، انه ولی الفضل والانعام. تعقیبات ماثورہ کتب ادعیہ میں موجود ہیں۔ ہر شخص اپنے مناسب حال انتخاب کرے اور اس سفر روحانی کو خیر وسعادت پر تمام کرے۔

---

[1] بحار الانوار، ج ۲۴، ص ۲۳۹، الخصال، ج ۲، ص ۳۹۴، باب ۷

ختم ودعا

مناسب ہوتا اگراس رسالہ کونماز کے موانع معنویہ (باطنی رکاوٹوں) جیسے ریا،خود پسندی اوراس طرح کے امور پر تمام کر سکتے،لیکن چونکہ کتاب اربعین، [1] میں بعض احادیث کی شرح کے ذیل میں ان موضوعات کوتفصیل سے بیان کر چکے ہیں اوراب کثرت اشتغال اورقوائے فکری کے انتشار کی وجہ سے اس خدمت سے معذور ہیں،لہٰذا ان اوراق کو نقص وتقصیر کے اعتراف پرختم کرتے ہیں اورارباب نظر پاک سے عفوخطا چاہتے ہیں اوران کی اوران کے نفوس کریمہ کی دعائے خیر کے محتاج ہیں۔

بارالہا! تونے ہم کمزور بندوں کوکسی سابقہ خدمت و اطاعت یا عبادت و بندگی کی احتیاج کے بغیرمحض اپنے فضل وعنایت اوررحمت وکرامت سے لباس و جود بخشا اورطرح طرح کی روحانی وجسمانی نعمتوں اورباطنی و ظاہری رحمتوں سے سرفرازفرمایا بغیراس کے کہ ہمارے نہ ہونے سے تیری قدرت وقوت میں کوئی خلل واقع ہوتا یا ہمارا وجود تیری عظمت وحشمت میں کچھ اضافہ ہوتا، اب جب کہ تیری رحمانیت کا چشمہ جوش میں آچکا اورتیرے خورشید جمال جمیل کی چشم،عنایت، روشن ہوچکی اورتوہمیں رحمت کے دریاؤں میں مستغرق اورانوار جمال سے منورفرماچکا، ہمارے نقائص، خطاؤں گناہوں اورکوتاہیوں کی تلافی بھی اپنی توفیق باطنی کے نوراوردستگیری و ہدایت سری سے فرمادے اورہمارے از سرتا پاتعلق دل کوعلائق دنیا سے آزادی دلا دے اوراپنے عزقدس کے تعلق سے آراستہ کردے۔

بارالہا! ہم ناچیزوں کی اطاعت سے تیرے ملک میں کوئی وسعت نہیں پیدا ہوجاتی ہے اورنہ ہماری نافرمانی سے تیری مملکت میں کوئی نقص پیدا ہوتا ہے اورگناہگاروں کو عذاب وعقاب دینے سے تجھے کوئی فائدہ نہیں ملتا اور نہ پریشان حالوں پربخشش و رحمت کرنے سے تیری قدرت میں کوئی کمی آتی ہے،عین ثابت خطا کاراں تجھ سے طالب رحمت ہے اورفطرت ناقصاں طلبگار تمامیت،توخود ہی اپنا لطف عمیم ہمارے شامل حال کردے اور ہمارے سوئے

[1] امام خمینیؒ کی کتاب چہل حدیث اردوزبان میں ترجمہ شائع ہوچکی ہے۔

استعداد اور نااہلی سے صرف نظر فرما۔

اِنْ كُنْتُ غَيْرَ مُسْتَاْهِلٍ لِرَحْمَتِكَ فَاَنْتَ اَهْلٌ اَنْ تَجُودَ عَلَيَّ بِفَضْلِ سَعَتِك.

اِلَهِي قَدْ سَتَرْتَ عَلَيَّ ذُنُوباً فِي الدُّنْيَا وَ اَنَا اَحْوَجُ اِلَى سَتْرِهَا عَلَيَّ مِنْكَ فِي الْاُخْرَى.

اِلَهِي هَبْ لِي كَمَالَ الِانْقِطَاعِ اِلَيْكَ وَ اَنِرْ اَبْصَارَ قُلُوبِنَا بِضِيَاءِ نَظَرِهَا اِلَيْكَ حَتَّى تَخْرِقَ اَبْصَارُ الْقُلُوبِ حُجُبَ النُّورِ فَتَصِلَ اِلَى مَعْدِنِ الْعَظَمَةِ.[1]

یہاں پر ہمارا کلام ختم ہوا۔

بتقدیر الٰھی جلّ و علا،

حامداً، شاکراً علیٰ نعمائہ،

مصلیا علیٰ محمد و آلہ الطاھرین،

بتاریخ روز دوشنبہ ۲۰ / ربیع الثانی / سال ۱۳۶۱ قمر

[1] الاقبال بالاعمال الحسنة (ط - الحديثة) / ج3 / 299 / فصل(10) فيما نذكره من الدعاء في شعبان، مروى عن ابن خالويه..... ص: 295